دیوان

غزلیات نظیری نیشاپوری

(مترجم)

(تا ردیف راء)

بفرمائش

شیخ مبارک علی تاجر کتب

اندرون لوہاری دروازہ لاہور

۱۹۳۵ء

عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد عالم پرنٹر چھپوا کر شائع کیا

۷۸۶

غزلیاتِ نظیری نیشاپوری

(مترجم)

بفرمائش

شیخ مبارک علی تاجر کتب

اندرون لوہاری دروازہ

لاہور

عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام حافظ محمد عالم پرنٹر مطبوع گردید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

ردیف الالف

اذا ما شئت ان تحیی حیوۃ حلوۃ المحیا — برسوائی برآور سرز مستوری بروں نہ
حدیثِ حسن و مشتاقی دردِن پردہ پنہاں بود — برآمد شوق از خلوت نہاد ایں راز ...
زخط و خال رخسارش قضا شکلے نمود اول — قلم برداشت ہر ذرہ ورق پر گشت ...
دراں گلشن ہوا بودم کہ مستی زاد از نرگس — دراں مجلس صفا بودم کہ عشق از حسن شد پیدا
بزحمت اتصال افتد چو پیوندے برید از ہم — بفرصت قطرہ دریا میشود چوں قطرہ شد دریا
کجا ناز و نیازِ عاشق و معشوق کم گردد — زحاجت حسن مستغنی و ما محتاج استغنا
شراب و شاہد و میخانہ و ساقی ہمہ دلکش — بایں خمار بے پروا سرے داریم و صد سودا
تقاضا بر تقاضا میرسد ز انسوے دِل ہر دم — زمانے نیستم خالی فغاں زیں شوق کار افزا
اگر نالم زحرماں رُخ مگرداں حسبتہً للّٰہِ — قیاسِ وصل و محرومی گلستانست و نابینا
درُونِ بیتِ احزاں پیرِ نابینا چہ میداند — کہ شہرے بر سر سودائے یوسف میکند غوغا
نظیری گر طمع داری کہ مقبولِ مغاں باشی — فلا تحسد و لا تبخل و لا تحرص علی الدنیا

غزل نمبر ا۔ سر بر آوردن۔ مشہور ہونا۔ نمایاں ہونا۔ ترجمہ۔ اگر تو ایک شیریں زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو رسوائی میں نمایاں ہو جا (رسوائے عشق ہو جا) اور پردہ نشینی (گمنامی) سے قدم باہر رکھ (۲) **مشتاقی** عشق۔ **راز بر صحرا نہادن:۔** راز افشا کر دینا۔ ترجمہ حسن و عشق کی حدیث پسِ پردہ پوشیدہ تھی۔ شوق خلوت سے باہر آیا اور یہ راز افشا کر دیا۔ مطلب:۔ شوق سے مراد بعض شارحین نے یہ حدیث لی ہے۔ **کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببتُ ان اُعرف فخلقت الخلق** (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ میں نے دنیا کو پیدا کر دیا) لیکن میرے خیال میں شوق سے مراد ظہور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے یعنی آپ کو پیدا کیا اور راز حُسن و عشق نمایاں ہو گیا (۳) رُخسارش۔ ش کی ضمیر کا مرجع رسولِ کریمؐ ہیں۔ ترجمہ:۔ آپ کے رُخسار کے خط و خال سے قدرت نے پہلے پہل ایک شکل بنائی پھر ہر ذرے

نے قلم اُٹھایا اور صفحہ (ہستی) تحریر سے پُر ہوگیا۔ مطلب :۔ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورِی (آپ فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا) (۴) گلشن سے مراد گلشن ازل ہے۔ ترجمہ :۔ میں ایک ایسے گلشن کی ہوا تھا جہاں نرگس سے مستی پیدا ہوتی ہے۔ اور ایسی مجلس میں صفا تھا جہاں کہ حُسن سے عشق پیدا ہوتا تھا۔ (۵) ترجمہ :۔ جب پیوند ٹوٹ جاتا ہے تو پھر مشکل سے جُڑتا ہے۔ (اسی طرح) (جب دریا سوکھ کر) قطرہ ہو جاتا ہے تو پھر (مدت مدید کے بعد) قطرہ دریا بن جاتا ہے (۶) ترجمہ (عاشق و معشوق کے ناز و نیاز کہاں ختم ہوتے ہیں) کیونکہ حُسن تو حاجت سے مبرّا ہم اس بے پروائی کے محتاج ہیں۔ مطلب :۔ حُسن کو کسی کی ضرورت نہیں اور ہم معشوق کے استغنا کے طلب گار ۔۔۔جمہ :۔ شراب، معشوق، میخانہ اور ساقی سب دلکش ہیں۔ مگر ہم اس بے پروا شراب فروش سے ہزار قسم کی ۔۔۔ے طالب ہیں۔ مطلب :۔ یک سرو ہزار سودا مشہور محاورہ ہے "ایک سر ہے اور لاتعداد خواہشات" و ۔۔۔س شعر کو تصوف پر بھی محمول کیا جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی بے نیازی کا اظہار ہے (۸) ازاں سوئے دل ۔۔۔ں جانب سے۔ دل کی ایک طرف تو دنیا کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری جانب معشوق حقیقی کی جانب رواں ہے۔ یہاں آں سوئے سے مُراد مؤخر الذکر ہی ہے۔ ترجمہ :۔ دل کی اُس جانب سے متواتر تقاضے ہو رہے ہیں۔ میں ایک لمحے کے لئے بھی خالی نہیں ہوں اس لئے اس کام زیادہ کرنے والے شوق کے ہاتھوں فریاد ہے (۹) ترجمہ اگر میں تیرے فراق میں رونے لگوں تو خدا کے لئے مجھ سے منہ نہ پھیر لینا۔ کیونکہ وصل کا خیال اور پھر اس سے محروم رہنا (بالکل ایسا ہے کہ ایک نابینا باغ میں ہو۔ مطلب :۔ اگر کوئی نابینا باغ میں ہو تو اسے کھلے ہوئے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو تو آتی ہے مگر بے چارہ انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے اس کے جذبات کی ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے نظیری بھی معشوق کے وصل کی اُمید و قیاس کے ہونے اور پھر محروم رہنے کو ایک نابینا کی حالت سے تشبیہ دیتا ہے۔

(۱۰) پیر نابینا :۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جن کی بینائی بیٹے کے فراق میں رو رو کر جاتی رہی تھی۔ سودائے یوسف :۔ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے ایک مصری قافلے کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ اور آپ کو مصر کے بازار میں نیلام کیا گیا تھا۔ بیت احزاں :۔ وہ حجرہ مراد ہے جہاں یعقوب علیہ السلام فراق یوسفؑ میں گریہ کُناں تھے۔ ترجمہ :۔ اس ماتم کدے میں حضرت یعقوبؑ کیا جانتے ہیں کہ (ان کے کھوئے ہوئے فرزند) کی خریداری کے لئے ایک شہر شور و غوغا برپا کر رہا ہے۔ (۱۱) مُغاں :۔ مُغ لغوی معنی آتش پرست کے ہیں۔ مگر مجازی طور پر شراب فروش یا پیر میکدہ کے لئے مستعمل ہے۔ ترجمہ :۔ اے نظیری اگر تو یہ طمع رکھتا ہے کہ پیر مغاں کا منظور نظر ہو تو دنیا کی حسد۔ حرص اور بخل کو چھوڑ دے۔ مطلب :۔ اگر تو مرشد کامل کے مقربوں میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ تو حسد، بخل و حرص سے کنارہ کشی اختیار کرو۔

اے از کرم نریختہ خون سبیل را — وز لطف عید کردہ عزائے خلیل را
در ملک مصر یوسف کنعان بیادِ تو — دریائے نیل ساختہ چشم کحیل را

گوئی بغیر واسطہ در گوشِ خاکئے
رازے کزاں خبر نبود جبرئیل را

دادہ بکنجِ فقر نشاں جنت النعیم
کردہ سبیل مشتِ گدا سلسبیل را

پل بستہ حرزِ مہرِ تو بر معبرِ کلیم
دل کردہ بادِ قہرِ تو خوں رودِ نیل را

ہر فرد گشتہ حاکمِ ایں ملک غیر تو
ناکردہ گرم جا زدہ کوسِ رحیل را

درویش و بادشہ بوجودِ تو قائم اند
خورسند کردۂ تو عزیز و ذلیل را

نفزودہ بر رسومِ مقدر بحسن شے
وز معصیت نہ کاستہ رزقِ کفیل را

ہیچیم گر تو بازستانی متاعِ خویش
دارد دو عالم از تو کثیر و قلیل را

قائل بعجز گشت ثنائے تو ہر کہ گفت
در ہستیٔ تو رہ نبود قال و قیل را

در تو باجتہادِ نظر کے تواں رسید
صد شبہہ در رہ است قیاس و دلیل را

توحیدِ حق بیانِ نظیری بلند ساخت
برتر نہید پایۂ عرشِ جلیل را

غزل نمبر ۲

(۱) خونِ سبیل :- وقف خون۔ اشارہ ہے حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی طرف۔ عزا۔ ماتم۔ عید کردہ۔ جس دن حضرت ابراہیم خدائے تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ دن مسلمانوں میں عید الضحیٰ کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ترجمہ :- اے وہ ذات جس نے اپنے کرم سے خونِ وقف کو گرنے نہ دیا۔ اور اپنے لطف سے حضرت ابراہیم خلیلؑ کے ماتم کو عید میں مبدّل کر دیا۔ (۲) دریائے نیل :- مصر میں ہے مگر یہاں چشمِ کحیل (سرگین آنکھ) کے نیلے آنسو بہنے کو نہایت لطیف رعایت سے دریائے نیل قرار دیا ہے۔ ترجمہ :- ملکِ مصر میں کنعانی یوسفؑ نے اپنی سرگین آنکھوں کو رو رو کر تیری یاد میں دریائے نیل بنا دیا ہے۔ (۳) خاکی۔ انسان۔ ترجمہ :- تو ایک انسان کے کان میں بغیر وسیلہ وہ راز کہہ دیتا ہے کہ جبرئیل کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ مطلب :- رازہائے درونِ پردہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شبِ معراج میں ہویدا کئے گئے (۴) مشتِ گدا۔ مٹھی بھر درویش۔ سلسبیل :- بہشت کا مشہور چشمہ۔ ترجمہ :- تو نے فقیر کے گوشے میں نعمتوں سے بھری ہوئی جنت کا پتہ دیا ہے اور سلسبیل کو مٹھی بھر درویشوں کے لئے وقف کر دیا ہے۔ مطلب :- جنت فقیروں کے لئے ہے (۵) حرز۔ تعویذ۔ دل خون کردن :- ناراض ہونا غضب میں آنا۔ اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو اُن بارہ سڑکوں پر سے گزار کر لے گئے۔ جو وسطِ نیل میں خدائے تعالیٰ کی مہربانی سے پیدا ہو گئی تھیں۔ اور جب فرعون انہی پر سے گذرنے لگا تھا تو دریا کا پانی برابر ہو کر اس کی غرقابی کا باعث بن گیا تھا۔ ترجمہ :- تیری محبت کے تعویذ نے حضرت موسیٰ (کلیم اللہ) کی گذرگاہ پر پل باندھ دیا۔ اور (پھر فرعون کے لئے) تیرے غصے کی ہوا نے دریائے نیل کا دل خون کر دیا۔

(اس نے فرعونی لشکر کو ڈبو دیا)۔ (۶) کیا درویش اور کیا بادشاہ سب تیرے ہی وجود سے قائم ہیں۔ تو نے امیر و غریب سب کو خوش رکھا ہُوا ہے۔ (۷) زیادہ کوشش کے نتیجے کے طور پر تو نے قسمت کے نوشتے میں کبھی زیادہ نہیں کر دیا۔ اور گناہوں کے بدلے لکھے ہوئے رزق کو کاٹ نہیں لیا۔ مطلب۔ خدا تعالیٰ کفار اور مسلمان سب کو روزی دیتا ہے۔ (۸) ہم کچھ بھی نہیں۔ اگر تو اپنی متاع ہم سے واپس لے لے (کیونکہ) دونوں جہان تھوڑا بہت (جو کچھ رکھتے ہیں) تجھ ہی سے ہے مطلب:۔ زندگی خدا تعالیٰ کی امانت ہے۔ اگر وہ واپس لے لے تو ہم کچھ بھی نہیں۔ (۹) جو بھی تیری ثنا بیان کرنے لگا۔ (آخر کار) اپنی عاجزی کا معترف ہُوا (کیونکہ) تیری ہستی بحث و تمحیص کی حد سے بالا ہے سہ تو حمد کے قابل ہے ذرا شک نہیں اس میں + لیکن ہے کہاں حمد تری ذات کے قابل (۱۰) اجتہاد:۔ کوشش۔ مراد فلسفہ و نظر و استدلال سے ہے ترجمہ:۔ (اے خدا) دلائل و قیاس (فلسفہ) سے تجھ تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں (کیونکہ) قیاس اور دلیل کے راستے میں قسم قسم کے شکوک و شبہات آتے ہیں۔ (۱۱) توحید حق نے نظیری کے بیان کو بلند کر دیا (اس لئے) عرش باری تعالیٰ کا پایہ اور بلند کر دو۔ نوٹ:۔ یہاں "بیانِ نظیری" کو فاعل قرار دینے سے معنی اُلٹ جائینگے +

صفا از عقدۂ دلہاست آں زلف معقّد را — بحمد اللہ کہ ربطے ہست با مطلق مقیّد را
کہ دادے رُوح را با جسم الفت گر نگردیدے — محمد کارواں سالار ارواح مجرّد را
بآں حسن و شمائل طرح عشق افگندہ شد ورنہ — نمی دادند نقشِ ہستی ایں لوح زبرجد را
بمکتب خانۂ کن مصحف از بر داشت آں روزے — کہ عقلِ کل نمیکرد از الف بے فرق ابجد را
حدیثِ دلفروزش بسکہ شد مجموعۂ حکمت — حکیماں جزو میسازند اوراق مجلد را
وجودِ مرکز پرکار عالم کے شدے ثابت — احد خود قابَ قوسین ار نبودے میم احمد را
بمسکن بستر از پہلوئے گرمش سر دنا گشتہ — کندطے بر بُراقِ معرفت اقصائے مقصد را
گرامی میہمانے در رہ امشب میزباں دارد — ملائک صف بصف پربست و عرش آرا است مسند را
نظیری نشأ ذوقے ز جامِ ہوشمنداں کس — مے و مطرب پریشاں میکند مستانِ سرمد را

غزل نمبر ۳

(۱) مطلق:۔ آزاد جو غیر کے سہارے پر قائم نہ ہو۔ مقیّد: مطلق کی ضد۔ ترجمہ:۔ اس کی گرہ گیر زلفوں کی زینت دلوں کی گرمیوں سے ہے۔ الحمد للہ کہ مطلق (زلف) کو مقید (دلِ عشاق) سے ربط تو ہے مطلب:۔ اس معشوق کی زلفوں میں جو لوگوں کے دل اُلجھ رہے ہیں وہی اس کے حُسن کی زیادتی کا باعث ہیں (۲) ارواح مجرّد۔ مجرّد روحیں جو مقید نہ ہوں مقدّس و پاکیزہ۔ ترجمہ:۔ روح کو جسم کے ساتھ کون ملاتا۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارواحِ مجرّد کے قافلہ سالار نہ ہوتے۔ لولاک لما خلقت الافلاک: دنیا

آپ ہی کے لئے پیدا ہوئی (۳) لوحِ زبرجد۔ نیلے رنگ کا تختہ۔ آسمان۔ ترجمہ:۔ ایک ہی حسن و خصلت پہ عشق کی طرح ڈال دی گئی۔ وگرنہ نیلے رنگ کے تختے آسمان کو ہستی کا نقش ہی نہ دیا جاتا (نہ بنایا جاتا) مطلب خدائے تعالیٰ نے حضرت رسولِ کریمؐ کے نور سے دنیا کو پیدا کیا (۴) عقلِ کل:۔ جبرئیل۔ بعض نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیتے ہیں۔ یہاں اوّل الذکر مراد ہے۔ ترجمہ:۔ آپ قرآن شریف کے تمام رموز اس وقت از بر رکھتے تھے۔ جبکہ مکتب خانہ میں جبرئیل ابجد خوانی (کرتے ہوئے) الف اور ب میں تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ مطلب: تمام انبیاء کو علم حضرت جبرئیل نے سکھایا۔ مگر آپ پہلے ہی سے سب کچھ جانتے تھے (۵) جلد:۔ کتاب پر جلد اس خیال سے باندھتے ہیں کہ ضروری اور اہم کتاب ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔ اس لئے غیر ضروری یا ردی کاغذ یا گتہ کی جلد بناتے ہیں۔ ترجمہ:۔ آپ کی دلفروز حدیث چونکہ مجموعہ حکمت ہو گئی۔ اس لئے حکماء اپنے مجلد اوراق کو (جو اس پیشتر ضروری خیال کئے جاتے تھے) (اس دلفروز حدیث) کی جلد بنانے لگے ہیں (۶) مرکزِ پرکارِ عالم۔ خدائے (؟) قابَ قوسین:۔ شبِ معراج رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ سے اتنے فاصلے پر تھے۔ کانَ قابَ قوسین اَوْ اَدنیٰ:۔ وہ دو چلّے اُتری کمانوں جتنا تھا یا اس سے بھی کم۔ میمِ احمد:۔ احد اور احمد میں صرف ایک میم کا فرق ہے۔ جس کے متعلق شعراء کہتے ہیں ؎ ز احمد تا احد یک میم فرق است ✤ جہانے اندر آں یک میم غرق است (مصنف گلشن راز)

؎ نگاہِ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اُٹھا کر ✤ وہ بزمِ یثرب میں آکے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر (اقبال)

ترجمہ:۔ عالم کی پُرکار کے مرکز کا وجود (خدائے تعالیٰ کا وجود) کس طرح ثابت ہوتا۔ اگر خدائے تعالیٰ خود احمد کی میم سے دو کمانوں کے فاصلے پر نہ آجاتا (۷) اقصائے مقصد:۔ مقصد کی انتہا۔ ترجمہ:۔ آپ کے مسکن پر گرم بستر ابھی ٹھنڈا بھی نہ ہوا تھا کہ آپ معرفت کی براق پر (سوار ہو کر) اپنے مقصد کی انتہا کو بھی طے کر آئے۔ مطلب آپ شبِ معراج کو اپنی پھوپھی اُمِ ہانی کے ہاں استراحت فرما رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ جب آپ بستر سے غائب تھے تو اس وقت بستر گرم تھا جو یہ ظاہر کرتا تھا کہ آپ ابھی ابھی اس سے اُٹھے ہیں اور بہت جلد ہی آپ آسمانوں کو طے کر کے واپس تشریف لے آئے (۸) ترجمہ:۔ آج رات میزبان کو کوئی بہت باعزت مہمان چلا آ رہا ہے کہ فرشتوں نے صفوں کی صفیں پروں کی باندھ رکھی ہیں۔ اور عرش نے مسند آراستہ کی ہے مطلب۔ اس میں بھی شبِ معراج کی طرف اشارہ ہے (۹) ترجمہ:۔ اے نظیری ذوقِ عشق کا نشہ ہوشمندوں کے جام سے پیو۔ شراب اور گویا تو سرمدی مستوں کو پریشان کر دیتے ہیں مطلب شرابِ عشق کاملوں سے حاصل کرو۔ مے و مطرب تو ظاہری چیزیں ہیں۔ جو عشقِ حقیقی کے دلدادگان کی پریشانی کا باعث بنتی ہیں ✤

ساقی بشنود زنگِ امید و بیم را ✤ بنما بما حقیقتِ رنگِ قدیم را
حرفِ فریبِ آدم و ابلیس تا بچند ✤ چندے بگو ترانۂ نقل و ندیم را

ازساغر درست خودم بخش جرعۂ ٭ برطاق نہ حکایت جام دونیم را
بوئے نبیذ خلوت شبہا شنیدہ ام ٭ پنہاں مکن کہ نیک شناسم شمیم را
آنجا کہ لب زرشحۂ مے پاک کردہ اند ٭ گُل مشکبوئے کردہ روائے نسیم را
گو مغلسانِ کعبہ بگریند کاب چشم ٭ برعرش می بُردہ از درِ مسجد یتیم را
زیباست گرچہ خلعت محمود بر ایاز ٭ سور آں زماں کند کہ بپوشد گلیم را
مطرب بیک دو نغمہ غنی کن دل فقیر ٭ ساقی بیک دو جرعہ سخی کن لئیم را
عیبے کہ در خزینۂ لطف تو نیست نیست ٭ جز احتیاج تحفہ ندیدم کریم را
روزیکہ جرمنامہ نظیری برآورد ٭ از آبِ عفو شوی کتاب سقیم را

غزل نمبر ۴ (۱) ترجمہ:۔ اے ساقی اُمید و بیم کی دو رنگی کو دھو ڈال ہمیں رنگِ قدیم کی حقیقت دکھا مطلب:۔ ہمیں حقیقی عشق کی لذت سے آشنا کردے (۲) **فریب آدم و ابلیس:۔** اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام کو فریب دے کر شجرِ ممنوعہ کا پھل کھلا دیا تھا۔ **نقل:۔** وہ کھانا ہے جو شراب کے بعد کھایا جاتا ہے۔ ندیم۔ مصاحب۔ حریفانِ بادہ نوش۔ ترجمہ:۔ آدم و ابلیس کے فریب کی باتیں کب تک دُکر تا رہیگا کبھی نقل و ندیم کی باتیں بھی ہونے دو (۳) **جامِ دونیم۔** جامِ جمشید کی طرف اشارہ ہے جس کے نصف حصے میں عالمِ علوی کے اسرار ظاہر ہوتے تھے۔ اور نصف میں عالم سفلی کے۔ اسی واسطے جامِ شکستہ یا جامِ دونیم قرار دیا ہے۔ ترجمہ:۔ تو اپنے درست جام سے ایک گھونٹ عنایت کردے۔ اور جامِ جمشید کی حکایت چھوڑ دے مطلب:۔ **شرابِ عشق حقیقی کے طالب ہیں۔** دنیاوی چیزوں کی طرف مائل نہیں (۴) **نبیذ:۔** شراب جَو وغیرہ۔ ترجمہ:۔ راتوں کی خلوتوں کی شراب ہم نے سُن رکھی ہے۔ ہم جانتے ہیں اس لئے ہم سے پوشیدہ نہ کر۔ کیونکہ ہم خوشبو بھری نسیم کو خوب پہچان لیتے ہیں (۵) ترجمہ:۔ جہاں کہ لبوں کو شراب کے قطروں سے پاک کیا جاتا ہے۔ وہاں کی مٹی نے بھی ہوا کی چادر کو خوشبودار بنا دیا ہے۔ مطلب:۔ جہاں عشق مستولی ہے وہاں خاک بھی عشق خیز ہے۔ (۶) **مفلسانِ کعبہ:۔** کعبہ کے ریاکار لوگ۔ ترجمہ:۔ کعبہ کے ریاکار لوگوں سے کہہ دو کہ خوب روئیں کیونکہ آنسوؤں کا پانی ایک یتیم کو عرش پر لے گیا مطلب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یتیم تھے اور اکثر گریہ و زاری فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے شب معراج آپ کو عرش پر بُلایا (۷) **ایاز:۔** ایاز کی عادت تھی کہ دن میں ایک مرتبہ اپنی پرانی کوٹھڑی میں جاتا اور وہاں جا کر پرانا لباس دگڈریوں والا پہن لیتا۔ ایاز قدرِ خود بشناس ترجمہ:۔ اگرچہ محمود کی خلعت ایاز کے جسم پر زیب دیتی ہے۔ لیکن وہ اسی وقت خوش ہوتا ہے جب اپنی گدڑی پہن لیتا ہے (۸) ترجمہ:۔ اے مطرب! ایک دو نغموں سے

فقیر کا دل غنی کر دے۔ اور اے ساقی ایک دو گھونٹ سے بخیل کو سخی بنا دے۔ مطلب:۔ شراب کے نشہ میں مخمور ہو کر بخیل سخاوت پر اُتر آتے ہیں (۹) ترجمہ:۔ وہ چیز جو تیرے لطف کے خزانے میں نہیں ہے وہ صرف "نہیں" ہے۔ ہم نے ایک سخی کے لئے سوائے حاجت کے اور کوئی تحفہ نہیں دیکھا مطلب:۔ خدائے تعالیٰ کے خزانے میں سب کچھ ہے البتہ انکار نہیں ہے (۱۰) ترجمہ:۔ جب نظیری کا جرمنامہ پیش ہو اے خدائے تعالیٰ! تو اپنی بخشش کے پانی سے اس گناہ بھری کتاب کو دھو ڈال ۔

دارو ز غمزہ حجتِ قاطع حبیب ما	بیعت بذوالفقار ستاند خطیب ما
یک بانگِ ذوق گرمیٔ ما را کفایت ست	حاجت بتازیانہ ندارد ادیب ما
روزیکہ رُخ نمود بما کار داشت عشق	ز اوّل حوالۂ دگراں شد نصیب ما
ما را تو و قبولِ نیازے و خلوتے	مال و منالِ ہر دو جہاں از رقیب ما
از نکہت گلست ضرر دل رمیدہ را	در بر رُخ صبا نکشاید طبیب ما
عاشق ز کوئے دوست نہ تکلیف آمدہ	با صبر و راحت اُنس نگیرد غریب ما
بہتر کہ از حکایت ما در کشی نفس	دل خون شود ز غصۂ کار مہیب ما
گُل را قصور نیست ترا گر زکام ہست	در بار کاروانِ ہمہ ہست طیب ما
بر پائے بندکون نظیری زدیم پا	آویخت عشق از سر گردوں صلیب ما

غزل نمبر ۵ - (۱) ذوالفقار:۔ شمشیر حضرت علیؓ کا نام ہے۔ اب عام طور پر تلوار کے لئے مستعمل ہے۔ غمزہ۔ کرشمہ چشم کو کہتے ہیں۔ بیعت ستاندن بہ اقرار رُشد لینا۔ ترجمہ:۔ ہمارا محبوب اپنے غمزے کی ناقابل تردید دلیل رکھتا ہے۔ یعنی ہمارا رہنما تلوار کے زور سے بیعت لیتا ہے۔ مطلب: غمزے کو تلوار قرار دیا ہے۔ یعنی اپنے ابروؤں سے عشاق کو مشتاق کرتا ہے (۲) ترجمہ:۔ ہمیں گرمانے کے لئے ذوق (عشق) کا ایک نعرہ ہی کافی ہے۔ اس لئے (اس کام) کے لئے ہمارا اُستاد تازیانہ (لگانے) کی ضرورت نہیں سمجھتا (۳) ترجمہ:۔ جس دن اس نے اپنا چہرہ دکھایا۔ ہمیں عشق سے پالا پڑ گیا۔ آغاز ہی سے ہمارا نصیب دوسروں کے حوالے ہو گیا مطلب:۔ عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن ٭ دل بدست دگرے دادن و حیران بودن (۴) ترجمہ:۔ ہمارے لئے تو ہو اور ہمارے نیاز و خلوت کی قبولیت (تیری بارگاہ میں ہو) باقی دونوں جہانوں کے مال و متاع ہمارے رقیب کو مل جائیں۔ مطلب:۔ ہم فقط تیرے طلبگار ہیں۔ باقی سب دنیوی لذتیں رقیبوں کو مل جائیں (۵) دل رمیدہ:۔ بندۂ عشق۔ دیوانۂ ہجر۔ ترجمہ:۔ دیوانۂ ہجر کو پھول کی خوشبو سے نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے ہمارا طبیب صبا کے لئے دروازہ نہیں کھولتا۔ مطلب:۔ کیونکہ صبا آ گئی

تو خوشبو ساتھ لائیگی۔ جو جنونِ عشق میں زیادتی کا باعث بنے گی (۶) ترجمہ:۔ عاشق دوست کے کوچے سے بصد رنج واپس آیا ہے۔ اس لئے ہمارا یہ بے چارہ مسافر (عاشق) صبر و راحت سے اُلفت نہیں رکھتا۔ مطلب:۔ کوئے دوست سے خلافِ خواہش راندہ گیا ہے۔ اس لئے اِسے راحت و آرام سے کام کیا (۷) ترجمہ:۔ یہی بہتر ہے کہ تو ہماری حکایت سے خاموش ہو جائے۔ (نہ سُنے) کیونکہ ہمارے ہیبت ناک کام سے دل خون ہو جاتا ہے مطلب:۔ ۶ نہ سنا جائیگا تم سے یہ فسانہ میرا (۸) ترجمہ:۔ اگر تجھے زکام ہے تو پھول کا کوئی قصور نہیں۔ کیونکہ سب قافلے کے لئے ہماری خوشبو ہے مطلب:۔ خوشبو زکام کی زیادتی کا باعث بنتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تجھے عشق پسند نہیں آیا تو اس میں عشق کا قصور نہیں۔ یہ ہر ایک مزاج کے لئے نہیں بنا (۹) ترجمہ:۔ اے نظیری ہم نے دنیا کی پابندیوں کو ٹھکرا دیا۔ اس لئے عشق نے ہمارے لئے صلیب آسمان پر لٹکائی مطلب:۔ دنیا تیاگ دینے سے ہمارا مرتبہ بہت بلند ہو گیا

بغیر از رنگ و بوئے نیست ایں عشق مجازی را
عطا کن لذتِ طعم حقیقت عشق بازی را

عزیزاں جاں فدا کردم سر و ساماں ہبا کردم
نیرزم گوشۂ چشمے بنازم بے نیازی را

عبارت کوتہ و دل تنگ و خاصانِ ملک زیبا
چہ داند مرد صحرائی طریق کارسازی را

کسے تفسیرِ رمزِ عاشق و معشوق گم داند
بجز مکی نمیداند نعت ہائے حجازی را

ہمہ سرمایہ اقرار و ایماں بود خسارت
فغاں از خال ہندو بیت کہ کافر کرد غازی را

گرسنہ باز شاہنشاہ و ما صیاد بے طالع
دلے کبکی نثار آریم خوئے شاہبازی را

صبوح و روح برہم خورد چوں بانگ صلوٰۃ آمد
بزیر آرید از طاق ایں کہن دلق نمازی را

گر از یک رہ نماید روئے از صد رہ رواں آید
نظیری چارہ چوں سازد فریب کتازی را

غزل نمبر ۶ (۱) ترجمہ:۔ اس عشق مجازی میں سوائے رنگ و بو کے اور کچھ نہیں۔ اس لئے ہماری عشقبازی کو حقیقت کے ذائقے کی لذت عطا کر مطلب:۔ عشق حقیقی کا طلبگار ہے۔ جو ظاہریت سے پاک ہے (۲) ترجمہ:۔ اے عزیزو! میں نے اپنی جان فدا کر دی ہے تمام سر و سامان وقف کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی اس کی گوشۂ چشم میں وقعت نہیں پا سکا۔ اس لئے میں اس بے نیازی پر بھی ناز کرتا ہوں مطلب:۔ سب کچھ راہِ وفا میں نثار کر دینے پر بھی اس کا منظورِ نظر نہ ہوا میں اپنی اس حالت پر بھی ناز کرتا ہوں (۳) ترجمہ:۔ عبارت مختصر ہے۔ دل تنگ ہے اور بادشاہ کے خواص زیبا ہیں۔ (جب یہ حالت ہے) تو پھر ایک صحرائی بے چارہ اپنا کام نکالنے کا طریقہ کیا جانے۔ (۴) ترجمہ:۔

عاشق و معشوق کے رازوں کی تفصیل کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ حجازی لغت کو مکی ہی سمجھ سکتے ہیں مطلب :۔ عاشق و معشوق کے دل میں ایک پوشیدہ راہ ہے جو بآسانی پہچانی نہیں جا سکتی۔ ع قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری ۔(۵) ترجمہ :۔ تیرا رُخسار تو اقرار و ایمان کا سرمایہ تھا۔ مگر اس سیاہ خال کے ہاتھوں فریاد ہے جس نے غازی کو کافر بنا دیا (عشق میں ہیجان پیدا کر دیا) مطلب :۔ چہرۂ معشوق کو صحیفہ سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں۔ ہندو۔ غازی اور کافر میں رعایت لفظی پیدا کی ہے (۶) ترجمہ :۔ بادشاہ کا باز بھوکا ہے اور ہم بد قسمت شکاری ہیں (اس لئے اور تو کچھ نہیں) اپنا چھوٹا سا دل ہی اس کی شاہبازانہ خو کی نظر کر دیتے ہیں مطلب :۔ دل ہی عاشق کی بڑی سوغات ہے اور کیا بیچارے کی اوقات (۷) ترجمہ :۔ صبوحی کے ساغر سب درہم برہم ہو گئے جب نماز کی اذان سنائی دی۔ اس لئے اس طاق سے وہ پرانی گودڑی اُتار لاؤ مطلب :۔ پاک و مصفا کپڑے پہن لیں تاکہ دوگانہ صبح ادا کیا جا سکے (۸) ترجمہ :۔ اگر ایک راستے سے (عشق معشوق) باہر نکلتا ہے۔ تو سو راستوں سے داخل (دل) ہوتا ہے۔ اس لئے نظیری اس کے فریب ترکتازی کا کیا علاج کر سکتا ہے مطلب :۔ عشق ترک نہیں کیا جا سکتا ۔

طاعتِ ما نیست غیر از ورزش پندارِ ما
هست استغفارِ ما محتاجِ استغفارِ ما

هر کشادی کز سوئے ما شد گره بر کار زد
قطع ما کردیم اما شد همه زنّارِ ما

از نخستیں جلوه قدِ دلبرے افراشت حُسن
از نگاهِ اوّل افتاد ایں گره در کارِ ما

شوقِ صد منصور گشت و عشقِ صد یوسف فروخت
بوالعجب هنگامها گرم ست در بازارِ ما

از شمیمِ گل دماغِ ما پریشاں مے شود
بر نمے تابد دمِ عیسیٰ دلِ بیمارِ ما

خانۂ ما خاکساراں بر سرِ راهِ صباست
شب نمے سوزد چراغ از پستیِ دیوارِ ما

وقت مے خواراں شبے خوں قضا برهم زند
تا چراغِ بزمِ مستان شد دلِ هشیارِ ما

باغباں در موسمِ گل گو درِ بستان به بند
دفترِ شعرِ ترِ ما بس بود گلزارِ ما

نغمۂ مستانہ مے ریزد نظیری راز لب
از نوا خالی مبادا خانۂ خمّارِ ما

غزل نمبر ۷ ۔(۱) ہماری عبادت بھی سوائے ہماری خودنمائی کی مشق کے اور کچھ نہیں۔ اس لئے ہماری توبہ بھی توبہ کی محتاج ہے مطلب :۔ ریاکاری اور خودنمائی کے لئے جو توبہ کی جاتی ہے اس توبہ پر بھی توبہ ہے (۲) ہر فراخی جو ہمارے لئے ہوتی اس نے ہمارے کام پر اور گرہ لگا دی۔ ہم نے (ضُعفا) قطع کیں۔ مگر وہ ہمارے لئے گرہ ہی بنتی چلی گئیں مطلب :۔ ہماری قسمت بد نے فراخی اور کشادگی

کو بھی ہمارے لئے مصیبت بنا دیا (۳) پہلے ہی جلوے میں حسن نے ایک دلبر قد ہمارے سامنے کھڑا کر دیا۔ اور پہلی ہی نگاہ میں یہ گرہ (عشق کی گرہ) ہمارے کام پر لگ گئی مطلب:۔ ہم روزِ ازل سے عشق میں گرفتار ہو گئے (۴) شوق نے سَو منصور مروا ڈالے اور عشق نے سو یوسف فروخت کرائے۔ ہمارے بازار میں عجیب ہنگامے گرم ہیں مطلب:۔ بازار عشق میں ایسے کئی ہنگامے ہو رہے ہیں کہ عاشق و معشوق وقفِ مصائب ہیں (۵) ہمارا دماغ پھول کی خوشبو سے بھی پریشان ہوتا ہے اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کا دم بھی ہمارے بیمار دل کو صحت یاب نہیں کر سکتا۔ مطلب: عشق کے بیمار کا علاج عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں کر سکتے ؎ علاج دردِ دل تجھ سے مسیحا ہو نہیں سکتا + تو اچھا کر نہیں سکتا میں اچھا ہو نہیں سکتا (۶) ہم خاکساروں کا گھر صبا کے راستے میں واقع ہے (اس لئے) دیوار کی پستی کی وجہ سے ہمارا چراغ بھی رات کو نہیں جلتا۔ مطلب:۔ ہر طرف سے مشکلات کا ہجوم ہے (۷) ترجمہ:۔ (دوسرا مصرعہ پہلے) جب سے ہمارا ہشیار دل مستوں کی محفل کا چراغ بنا ہے (اس وقت سے) قضا کے چھاپوں نے شراب نوشوں کی محفل کو درہم و برہم نہیں کیا۔ مطلب۔ دل میں بصیرت پیدا ہو جانے کے بعد قضا مے خوارانِ عشق کی محفل درہم برہم نہیں کرتی۔ (۸) باغبان سے کہہ دو۔ کہ موسم بہار میں بھی اپنے باغ کا دروازہ (ہم پر) بند کر دے۔ کیونکہ ہمارے تر و تازہ شعروں کا دفتر ہی ہمارے لئے گلزار ہے (۹) نظیری کے لبوں سے مستانہ نغمے نکل رہے ہیں (تاکہ) ہمارے میفروش کا گھر نغموں سے خالی نہ رہے +

بہ رُخ شکستم از خطا رنگِ امید و بیم را — ببیند منجم طالعم از ہم درد تقویم را
علمِ ارادت گر کند ذوقے نصیبِ جانِ من — مستوفیٔ امرِ قضا باطل کند تقسیم را
عشق از برائے داغِ من آتش بجاناں میزند — افغاں کہ کردم دوزخے گلزار ابراہیم را
نقد یکہ دَوراں بردہ است از کیسۂ عمرم بروں — جاوید مستغنی شوم از صد دہد گر نیم را
رفتم کہ مستاں بگذرم در خدمت پیرِ مغاں — گلبانگ آزادی کشم دوشے زنم تسلیم را
نقشے بباطن دیدہ ام خواہم بجبین گو دکے — آرائشِ مسند کنم زینت دہم دیہیم را
یوسف کہ کردے سلطنت نہ بیش ز تعظیم پدر — گر شانِ جنبش بنگرد واجب کند تعظیم را
بر آسماں سروری خورشید اگر طالع شود — جویند ذرات جہاں بر یکدگر تقدیم را
امروز صاحب فی وقت ال غیر از نظیری نیست کس — رشکست بر کاخِ گدا سلطانِ ہفت اقلیم را

غزل نمبر ۸ —(۱) میرے چہرے کا رنگ امید و بیم سے فق ہو گیا کیونکہ منجم نے جب میرا ستارہ دیکھا تو اپنی تقویم (جنتری) کو پھاڑ ڈالا۔ مطلب:۔ یہ دیکھ کر کہ اس کا ستارہ اتنا سخت منحوس ہے اس نے

جنتری پھاڑ ڈالی ۔(۲) علم الٰہی اگر کبھی ذوقِ عشق میرے نصیب میں لکھ دیتا ہے تو قضا کا حکم کا محاسب (آڈیٹر) اس تقسیم کو ہی غلط قرار دیتا ہے مطلب: ۔ میری قسمت میں ذوقِ وصال نہیں (۳) عشق محض مجھے داغ دینے کے لئے معشوق کو آگ بھبھوکا کر دیتا ہے ۔ فریاد ہے کہ میں نے گلزارِ ابراہیم (چہرۂ معشوق) کو دوزخ (شدتِ غضب کی حالت میں) بنا لیا ۔(۴) وہ نقدی جو کہ زمانہ میری عمر کی تھیلی سے باہر نکال لے گیا ہے ۔ میں ہمیشہ کے لئے بے پرواہ ہو جاؤں ۔ اگر اس میں سے ۱/۱۰۰ بھی دے دے ۔ مطلب: ۔ عمرِ رفتہ کا قلیل حصہ بھی مل جائے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے ۔(۵) میں اس خیال سے گیا کہ پیرِ مغاں کی خدمت میں مستانہ حالت میں گزروں گا ۔ آزادی کا نعرہ لگاؤں گا ۔ اور تسلیم و رضا سے اُلجھوں گا و کوشش زدن ۔ اُلجھنا ۔ آمادۂ پیکار ہونا ۔(۶) میں نے اپنے باطن میں ایک نقش دیکھا ہے ۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ کمسن معشوق کے حُسن سے اس سند کی آرائش کروں اور تخت کو زینت دوں مطلب میں نے اپنے دل میں استعدادِ عشق معلوم کر لی ہے (۷) یوسف؈ جب سلطنت پر حکمران تھے ۔ تو (ان کی حکمرانی نے) اُن کو باپ کی تعظیم کرنے سے روک دیا ۔ لیکن اگر اس (میرے معشوق) کے حُسن کی شان دیکھیں تو تعظیم بجا لانا واجب سمجھیں مطلب: ۔ جب یوسف علیہ السلام فرمانروائے مصر تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام وہاں آتے تھے ۔ مگر یوسف؈ نے تخت سے اُٹھ کر اپنی شاہی کا خیال کرتے ہوئے تعظیم نہ کی تھی ۔ اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے ۔(۸) اگر سرداری کے آسمان پر سورج چمکے تو جہان کے ذرات ایک دوسرے پر مقدم ہونے کی کوشش کریں ۔ (ذرہ پہلے اُس تک پہنچنے کی کوشش کرے) (۹) آج سوائے نظیری کے اور کوئی صاحب ذوق دل نہیں رکھتا اس لئے اس گدا کے جھونپڑے پر ہفت اقلیم کے سلطانوں کو بھی رشک ہے ۔ مطلب ۔ نظیری نے فقر میں وہ شان پیدا کی ہے کہ شاہانِ اولوالعزم رشک کرتے ہیں ۔ یہ گدائی عشق ہے ۔

چند از مؤذن بشنوم توحید شرک آمیز را
کو عشق تا یکسو نہم شرعِ خلاف انگیز را

ذکرِ شب دور و سحر نے حال بخشد نے اثر
خواہم بزناری دہم تسبیح سوست آویز را

ترکِ شراب شاہدم بیمار کرو ست اے طبیب
صحت نخواہم یافتن تا نشکنم پرہیز را

خاکے بباد آمیختہ گردے زجا انگیختہ
آبے بمژگان میزنم خاکِ غبار انگیز را

ذعشق افزاید برین نے مہر زبید بیش ازین
کے ماندہ ظرف قطرۂ پیمانہ لبریز را

پیوستہ ابر و در کشش ہموارہ مژگاں در زدن
تا کے کسے بر دل خورد این دشنہائے تیز را

سیری نظیری زین چمن کز کہنگی گشتی خشن
در باغ زرمی بین بہم خار و گلِ نو خیز را

غزل نمبر ۹ - (۱) میں کب تک مؤذن سے شرک آمیز توحید سُنتا رہونگا۔ عشق کہاں ہے (تاکہ وہ آئے، اور) میں اس غلط طرز پر اُبھارنے والی شریعت کو الگ کر دُوں مطلب:۔ مؤذن کی توحید کو شرک آمیز قرار دیتا ہے۔ یا تو اس لئے کہ وہ ظاہر و باطن ایک نہیں رکھتا۔ یا اس لئے کہ وہ خدا کی وحدانیت کا علیحدہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار الگ کرتا ہے۔ اس طرح احد اور احمد کو دو ہستیاں تصور کرتا ہے۔ حالانکہ شرعِ عشق میں یہ ایک ہیں (۲) رات کا ذکر اور صبح کا وظیفہ نہ مجھ پر کیفیت طاری کرتا ہے اور نہ اثر بخشتا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس ہاتھ میں لٹکنے والی تسبیح کو زنار کے بدلے دے ڈالوں مطلب:۔ جب عبادتِ صبح و مساجد بہ دل بیدار نہیں تو بہتر ہے وابستۂ اصنام ہو جائیں (۳) اے طبیبِ عشق! شراب اور معشوق کے چھوڑنے سے (تیری) ہدایت کے مطابق (میں (زیادہ) بیمار ہو گیا ہوں۔ مجھے ہرگز صحت نہ ہوگی۔ اگر اس پرہیز کو نہ توڑ ڈالوں مطلب:۔ ؎ از سرِ بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب + دردمندِ عشق را دارُو بجز دیدار نیست (۴) خاک ہوا کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ اور گرد (ہر طرف) اُڑ رہی ہے۔ اس لئے میں پلکوں سے پانی برساتا ہوں۔ تاکہ خاکِ غبار انگیز کو بٹھاؤں مطلب:۔ غرور و تمکنت کو چھوڑنے کے لئے روتا ہوں تاکہ عاجزی اختیار کر سکوں (۵) نہ تو اس عشق میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ اور نہ اس سے بڑھ کر محبت ممکن ہے (کیونکہ) جب پیمانہ لبریز ہو جائے تو قطرے کی جگہ بھی اس میں باقی نہیں رہتی مطلب:۔ میں عشق کو انتہا تک پہنچا چکا ہوں۔ اب اس سے زیادہ کی گنجائش ہی نہیں۔ (۶) اس کے ابرو ہمیشہ کھنچنے میں اور پلکیں ہمیشہ زخمی کرنے میں (مصروف ہیں) آخر کب تک کوئی دل پر یہ تیر خنجر کھاتا رہے گا۔ مطلب:۔ ابرو اور مژگان کو خنجر سے تشبیہ دی ہے۔ جو ظاہر ہے (۷) اے نظیری تو اس باغ سے سیر ہو چکا ہے۔ یا پرانا ہونے کی وجہ سے خار دار ہو گیا ہے تو زمی کے باغ میں کانٹے اور نورستہ پھول کو (اکٹھا) دیکھو +

از کف نمے دہد دل آساں ربودہ را
دیدیم زور بازوئے ناآزمودہ را

من درپئے رہائی داو ہردم از فریب
بر سر گرہ زند گرہ ناکشودہ را

دل در امید مرہم و این آہواں مست
ریزند بر جراحتِ ما مشکِ سودہ را

ہرگز دلم حلاوت آسودگی نیافت
تلخست خواب دیدۂ در خون غنودہ را

آشفتہ داشت خارش آسودگی دماغ
دادیم بر ہوا سر سودا فزودہ را

نتواں چشید قند مکرر و زاں لباں
بتواں شنود تلخ مکرر شنودہ را

یکرہ خوشم بخندۂ دنداں نما نکرد | تا کے نماید آں گہر نا نمودہ را
ساغر کجاست تا گلہ از دل بروں بریم | روشن کنیم خاطر کلفت زدودہ را
تا منفعل ز رنجش بے جا نہ بینمش | مے آرم اعترافِ گناہ نبودہ را
نادیدہ جور او ز وفا لا فہا زدم | نتواں نمود ترک ستائش ستودہ را
منظور یار گشت نظیری کلام ما | بیہودہ صرف شکر نکردیم ودودہ را

غزل نمبر ۱۰ - (۱) معشوق آسانی سے حاصل کئے ہوئے دل کو ہاتھ سے نہیں دیتا۔ ار نہ آزمائے ہوئے بازو کا زور دیکھ لیا۔ مطلب:۔ معشوق شکل وصورت سے نازک نظر آتا ہے ہمارا دل واپس نہیں دیتا۔ ہمیں معلوم ہو گیا۔ کہ یہ کتنا پُر زور تھا۔ (۲) میں تو ہر لحظہ رہائی میں ہوں اور وہ ہر لمحہ فریب سے نہ کھلی ہوئی گرہ پر اور گرہ لگا دیتا ہے مطلب:۔ معشوق سے نکلنے کی مہلت نہیں دیتا۔ (۳) دل تو مرہم کی امید میں ہے۔ اور یہ مست ہرن ہمارے زخم پر پسی ہوئی مشک بکھیرتا ہے مطلب:۔ اگر زخم پر مشک سودہ چھڑکی جائے تو وہ ناسور بن جاتا ہے۔ اور کبھی اچھا ہی نہیں ہوتا۔ شاعر یہی ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ ہم تو علاجِ زخمِ دل چاہتے ہیں مگر معشوق بجائے مرہم کے مشک سودہ چھڑک دیتا ہے (۴) میرے دل نے کبھی آرام کی حلاوت نہیں پائی۔ کیونکہ خون میں لتھڑی ہوئی آنکھوں میں نیند حرام ہو جاتی ہے مطلب:۔ جب آنکھوں سے خون برستا ہے تو خواب کہاں؟ (۵) آرام کی خارش ہمارے دماغ کو پریشان رکھتی تھی۔ (اس لئے) ہم نے اپنے جنون بھرے دل کو عشق اختیار کرنے کی رغبت دلائی۔ سر بر ہوا دادن محاورہ ہے بمعنی عاشق شدن۔ (۶) اس کے لبوں سے قندِ مکرر تو چکھی نہیں جا سکتی (بوسہ تو مل نہیں سکتا) البتہ کئی دفعہ سُنی ہوئی گالیاں سُنی جا سکتی ہیں مطلب:۔ قندِ مکرر کے مقابلے پر تلخِ مکرر لایا ہے اور خوب لطف پیدا کیا ہے (۷) اس نے کبھی ایک دفعہ بھی ہمیں دنداں نما ہنسی سے شاد نہیں کیا (قہقہہ مار کر ہنسنے سے) وہ ہمیں پوشیدہ موتی (دانتوں کو) کب دکھاتا ہے۔ (۸) ساغر کہاں ہے تاکہ ہم دل سے گلہ نکال ڈالیں۔ اور کلفت زدہ دل کو روشن کریں + مطلب:۔ شراب پی کر سب گلہ شکوہ دل سے نکل جاتا ہے۔ (۹) تاکہ میں اسے بیجا ناراضگی پر شرمندہ نہ دیکھوں۔ میں نہ کئے ہوئے گناہ کا بھی اعتراف کر لیتا ہوں۔ مطلب:۔ ایک اور جگہ پر نظیری کہتا ہے ؎

بے سبب دادی گر آزارم خجل از من مباش + کردہ ام خاطر نشانِ خویش مہد تقصیر را (۱۰) (جبتک) اس کے ظلم دیکھے نہیں تھے۔ اس کی وفا کی ڈینگیں مارا کرتا تھا۔ (اب جبکہ اس نے ظلم کئے ہیں) میں اپنے منہ سے

ہوئی تعریف کو ترک بھی نہیں کرسکتا۔ مطلب :۔ جب میں خود ہی اس کی تعریفیں کیا کرتا تھا۔ اب ن سے منہ اس کی برائیاں بیان کروں ۔ (۱۱) اے نظیریؔ ہمارا کلام یار کا منظور نظر ہوگیا۔ شکر ہے ہم نے باہی کو بیہودہ صرف نہیں کیا۔ نوٹ :۔ صرف شکر میں اضافت نہیں ہے ۔

بکے برخرقہ بندم جسم غم فرسودہ را — سر بطوفان میدہم این مشت خاک سودہ را

دل ہمچوں عنب شد خوشۂ اشکم گرہ — پس فرو خوردم بدل خوں ہائے ناپالودہ را

کر گشت ویارب یارب کارے نکرد — نیست گویا روزنے ایں سقف قیراندودہ را

منزل بہ پیشیم آمد و نشناختم — بازمے باید ز سر گیرم رہ بیمودہ را

قاصدکہ باشد محرم ایں راز نیست — چند بر کاغذ نویسم حال و شویم دودہ را

شود مندم بخت بد پرہیز داد — مے کہ میخوردم نمے خوردم غم بیہودہ را

بہر اشک لولوئے و رنگ کاہیم — ور بلوریں حُقّہ دارد کہربائے سودہ را

لتایت نگاہ مستی منع آں لب چوں کنم — میچکد بیخود حلاوت قند آب آلودہ را

با نظیریؔ چوں ز مستی گوش بر حرفش مکن — در پریشانی میفگن خاطر آسودہ را

غزل نمبر ۱۱ ۔(۱) میں کب تک غم سے نحیف ہوئے ہوئے جسم کو گدڑی سے ڈھانپتا رہوں گا۔ میں اس مٹھی بھر خاک کو عشق کے سپرد کرتا ہوں (۲) میرے آنسوؤں کے گچھے میرے دل کے اندر ہی انگور کی طرح گرہ ہو گئے کیونکہ میں نے اس غیر مصفا خون کو بہت اپنے دل میں ضبط کیا۔ مطلب :۔ انگور کی گرہ سے مشابہت ہے۔ نیز انگور کی بیل کو خون سے سینچتے بھی ہیں۔ خون کے آنسوؤں کو پی جانے کی صورت میں دل میں گرہ بن جانا مراد لیا ہے (۳) کان بہرے ہوگئے مگر میرے "یارب ! یارب" کرنے نے کوئی کام نہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تار کول بھری ہوئی چھت میں کوئی روشندان نہیں۔ مطلب :۔ سقف قیراندودہ (نیلے رنگ کا آسمان) دعا کے قبول نہ ہونے کی وجہ یہ قرار دیتا ہے۔ کہ آسمان میں کوئی روشندان نہیں۔ اس لئے دعا پیچھے ہی رہ جاتی ہے منزل مقصود پر پہنچتی ہی نہیں (۴) خضر تو سو منزلوں تک میرے سامنے آتا رہا لیکن میں نے نہیں پہچانا۔ اس لئے اب یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ میں پھر طے کئے ہوئے راستے کو نئے سرے سے طے کرنا شروع کروں۔ مطلب :۔ بہ سبب عدم علم مرشد کامل کو پہچان نہ سکا (۵) افسوس ہے کوئی قاصد محرم راز نہیں مل سکا۔ میں کب تک کاغذ حال لکھ کر سیاہی دھوتا رہوں مطلب !۔ معشوق کے نام خط اپنی حالت کے اظہار کے متعلق لکھے مگر محرم راز قاصد نہ ملنے کے سبب ہر بار سیاہی دھوڈالتا رہا ہوں (۶) میری بدقسمتی نے فائدہ بخش شراب سے مجھے پرہیز کرایا۔ ورنہ اگر میں شراب پیا کرتا

تو یہ بہو: وہ غم تو نہ کھاتا مطلب:۔ شراب غم غلط کرنے کے لئے مفید ہے۔ کیونکہ احساس غم و رنج رہنے ہی نہیں دیتی + (۷) پھول میرے زرد رنگ اور موتیوں جیسے سفید آنسوؤں کے لئے اپنے بلور کے ڈبے میں لپٹی ہوئی کہربا رکھتا ہے مطلب:۔ سفید پھول کے اندر زرد خردۂ گل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی سفید رنگت کو بلور کا ڈبہ قرار دیتا ہے اور خردۂ گل کو لپٹی ہوئی کہربا جو زرد ہوتی ہے۔ عاشق کا چہرہ زرد اور آنسو سفید ہوتے ہیں۔ (۸) مستی کی حالت میں میں اس کے لبوں کو اپنے لبوں سے کس طرح روک سکتا ہوں۔ کیونکہ وہ کھانڈ جس میں پانی ملا ہوا ہو۔ اس سے بخود مٹھاس ٹپک پڑتی ہے (۹) جب تو نظیری کے پاس بیٹھے تو اس کی باتوں پر کان نہ دھرنا۔ تو خواہ مخواہ اپنے آسودہ دل کو پریشانی میں نہ ڈال دینا +

در خور اگر نئیم مے لعل فام را
اے کاش ترکنند ببوئے مشام را

بر قدر زخم مرہم الائی نمے دہند
زاں مے کہ طعم نوشش کند مغز و کام را

بر بام ما در یغ نتابید ہفتۂ
ماہے کہ او تمام کند ناتمام را

کس جذبۂ بکار دل ما نمے کند
تا چند سر بحلقہ در آریم دام را

خارج ز پردہ دخل غلط تا بکے کنیم
مطرب بماند ادہ نشان مقام را

قسمت چنیں فتاد کہ ترکان مست او
در دور ما بطاق نہادند جام را

کم لذتم کہ روئے ندیدم ز آفتاب
در خانہ پختیم ایں ثمر نیم خام را

گر جام صبح بے صفت فقر پر کنند
خورشید سر نگوں نکند کاس شام را

رخت از حرم کشیم نظیری بسومنات
حرمت نماندہ حاجی بیت الحرام را

غزل نمبر ۱۲۔ (۱) اگر ہم لعل جیسی سرخ شراب کے لائق نہیں۔ تو کم از کم اس کی بو ہی سے ہمارے دماغ کو معطر کر دیں مطلب:۔ غالب نے ذرا بدل کر اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

پلا دے اوک میں ساقی جو مجھ سے نفرت ہے + پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

(۲) (دوسرا مصرعہ پہلے) وہ شراب جو مغز اور حلق کو شہد کا مزا دیتی ہے۔ اس کی تلچھٹ کا مرہم ہمارے زخم دل کی مقدار کے مطابق نہیں ملتا (۳) افسوس ہے ہماری چھت پر وہ چاند ایک ہفتہ کے لئے بھی نہ چمکا جو ناتماموں کو کامل بنا دیتا ہے مطلب:۔ ہم پر مرشد کامل کی نظر عنایت ذرا دیر تک نہ ہو سکی ورنہ ہم بھی کامل ہو جاتے۔ (۴) ہمارے دل کے کام کے لئے کوئی شخص جذبہ کام میں نہیں لاتا۔ اس لئے ہم کب تک جال کے حلقے میں گرفتار ہیں مطلب:۔ کسی نے ہماری تکمیل کی طرف توجہ

نہیں کی ۔(۵) دوسرا مصرعہ پہلے (جب مطرب نے ہمیں مقام کا پتہ ہی نہیں دیا تو ہم پردۂ ساز سے ناواقف ہونے کی صورت میں (خواہ مخواہ) غلط اعتراض کس طرح کرتے چلے جائیں ۔مطلب :۔ جب ہم پردۂ ساز سے خود ناواقف ہیں۔ تو اس میں دخل کس طرح دیں ۔(۶) ہماری قسمت ہی ایسی تھی کہ اس کے مست ترکوں (مست آنکھوں) نے ہمارے زمانے میں جام کو بالائے طاق رکھ دیا ۔مطلب :۔ اس کی مست آنکھیں ہماری طرف متوجہ ہی نہیں ہوتیں ۔(۷) میں ہی بدقسمت ہوں کہ میں نے آفتاب کا چہرہ دیکھا۔ اور اس نیم خام پھل کو گھر ہی میں پکایا ۔مطلب :۔ میوہ کو بجائے آفتاب میں پکانے کے رہیں پکایا۔ اور یہ ہی کم لذت ہونے کی دلیل ہے ۔(۸) اگر صبح کے جام کو فقر کی صفت کے بغیر ہی دیں تو خورشید شام کے پیالے کو کبھی اوندھا ہی نہ کرے ۔مطلب :۔ اگر فقر کے بغیر ہی صبح آغاز کریں تو پھر آفتاب کبھی شام کے پیالے کو الٹا کر صبح نمودار نہ کرے (۹) اے نظیریؔ ہم حرم سے سومنات کی طرف رخت اٹھائیں ۔کیونکہ بیت الحرام کے حاجی کی تو آبرو عزت ہی نہیں رہی ۔

نوٹ :۔ سومنات بتخانۂ ہند تھا۔ جسے محمود نے توڑا تھا ۔

بزیر ہر بُن مو چشم روشنے ست مرا — بروشنائی ہر ذرہ روزنے ست مرا

شہود بت ز پراگندگیم باز آورد — دلیل راہ حقیقت برہمنے ست مرا

چو سایہ از ہمہ سو در کمین خورشیدم — بہر کجا بن خاریست مسکنے ست مرا

بہر سرا چہ دبستاں فرو نمے آیم — بروں ز عالم خاکی نشیمنے ست مرا

بدوستی کہ زبس محو لذت عشقم — بکائنات ندانم کہ دشمنے ست مرا

ہزار نالہ شہرود رود مے شنوم — ز سیل گریہ چو کہسار دامنیست مرا

زخوشہ ہائے سر شکم لبالب آغوش ست — ز حاصلے کہ ترا نیست خرمنیست مرا

اگر بمعرکہ در خون فتادہ ام چہ عجب — ہمیشہ رزم بخود چوں تہمتنیست مرا

دریغ رخش فرو ماند و روز بیگہ شد — دریں سفر کہ بہر گام رہزنیست مرا

کدام مے کہ پس از مستیم خمار نداد — چو شیشہ در تہ ہر خندہ شیونیست مرا

بیاز محنت جاں کند نم خلاصی دہ — کہ دم زدن ز فراق تو مردنیست مرا

گداختن چشم نظیری ز دقت نظرم — کہ دیدہ تنگ ترا ز چشم سوزنے ست مرا

غزل نمبر ۱۳ ۔(۱) بال کی ہر جڑ کے نیچے میرے لئے ایک روشن آنکھ ہے ۔اور ہر ذرے کی روشنی میں میرے لئے ایک روشندان ہے ۔مطلب :۔ اگر چشم دوربین ہو تو ہر چیز کی حقیقت دیکھی جا سکتی ہے

شیکسپیئر کہتا ہے: There are sermons in stones and books in running brooks.

"پتھروں میں وعظ ہیں اور بہتے دریاؤں میں کتابیں ہیں۔"

(۲) بُت کے مشاہدے نے میری پریشانی سے مجھے باہر نکالا حقیقت کے راستے میں میرا رہنما ایک برہمن بنا۔ مطلب:۔ جب تک کفر حقیقی کا پتہ نہ تھا حقیقت پوشیدہ تھی۔ اب جب پتہ چل گیا۔ تو راہِ راست بھی مل گیا۔ (۳) میں سائے کی طرح ہر جگہ خورشید کے پیچھے پیچھے ہوں۔ کہیں بھی کانٹے کی نوک ہے میرے لئے مسکن ہے مطلب:۔ جس طرف سورج ہوتا ہے اس کے برعکس یعنی پیچھے ہوتا ہے۔ (۴) میں ہر مکان اور باغ میں نہیں ٹھیرتا کیونکہ میرا نشیمن خاکدانِ دنیا سے باہر ہے (۵) تیری دوستی کی قسم! جب سے میں عشق کی لذت میں محو ہوا ہوں۔ نہیں معلوم کہ زمانے میں میرا کون دشمن ہے مطلب:۔ عشق اختیار کرنے کے بعد دوست دشمن کی اٹھ گئی ہے (۶) میں درد کے ہزار دریاؤں کا نالہ سنتا ہوں۔ رونے کے سیلاب سے میرا دامن کہسار طرح ہے مطلب:۔ پہاڑوں میں ندی نالے بہتے ہیں اور شور سا برپا رہتا ہے۔ شاعر اپنی گریہ وزاری کی وجہ سے دامن کو دامنِ کہسار سے تشبیہ دیتا ہے (۷) آنسوؤں کے خوشوں کی وجہ سے میری آغوش بھرپور ہے۔ اس حاصل کا جو تجھے میسر نہیں میرے پاس خرمن موجود ہے مطلب:۔ تیرے پاس آنسوؤں کی کھیتی کا حاصل نہیں۔ لیکن میرے پاس تو اس کے خرمن موجود ہیں۔ (۸) اگر معرکے میں میں خون میں لت پت ہو کر گرا ہوا ہوں۔ تو اس پر کیا تعجب ہے۔ کیونکہ مجھے رستم تہمتن کی طرح ہمیشہ اپنے ساتھ ہی جنگ رہتا ہے مطلب:۔ میں ہمیشہ اپنے نفس سے جنگ میں مشغول رہتا ہوں (جہاد بالنفس) (۹) افسوس ہے گھوڑا تھک کر بیٹھ گیا اور شام ہونے کو آئی۔ اس سفر میں کہ ہر قدم پر میرے لئے رہزن موجود ہے مطلب:۔ طاقت طاق ہو گئی۔ پیری چھا گئی اور سفر آخرت ہے۔ جہاں قدم قدم پر وساوس شیطانی راہزنی کرتے نظر آتے ہیں۔ (۱۰) کونسی ایسی شراب ہے جس نے کہ مستی کے بعد خمار کی تکلیف نہ دی ہو۔ شیشہ کی طرح ہر ہنسی کے بعد میرے لئے رونا ہے مطلب:۔ ہر خوشی و خرمی کے بعد غم و رنج ہوتا ہے ؎

کدام بادِ بہاری وزید در آفاق ✣ کہ باز در عقبش آفتِ خزانی نیست (سعدی) (۱۱) آ! اور مجھے اس جانکنی سے رہائی دلادے۔ کیونکہ تیرے فراق میں زندہ رہنا میرے لئے مرنا ہی ہے (۱۲) میری باریک بینی کی وجہ سے نظیری کا جسم پگھل گیا۔ کیونکہ سوئی کے ناکے سے بھی زیادہ باریک میری آنکھ ہے مطلب:۔ اس

لئے سوئی بھی نحیف و زار ہے۔

پروانہ ایم و شعلہ بود آشیانِ ما — آب از شرار سنگ خورد گلستانِ ما

موریم و ند گذار شکر اوفتادہ ایم — در راہ پائمال شود کاروانِ ما

تا با نصیب ساختہ ایم از حلاوتے — ہمچوں رطب شگافتہ اند استخوانِ ما

در گلوئے ما کند از کینہ روزگار — بیند اگر درست قد چوں کمانِ ما

[illegible]ید عمر بر سر دیوار وخفتہ ایم — فریاد از درازی خوابِ گرانِ ما

[illegible]وج راز رفتن خود مضطرب کند — موجے کہ بر کنار رود از میانِ ما

[illegible]در دماغ ہمنفساں مغز سوختیم — در دیدہ خواب تلخ کند داستانِ ما

پیری از ہزار جواں زندہ دل تریم — صد نو بہار رشک برد بر خزانِ ما

دو[illegible] کہ جا بوادیِ مجنوں گرفتہ بود — امروز معتکف شدہ بر آستانِ ما

در حیرتم کہ غنچہ بہ بلبل چگونہ گفت — رازے کہ باد ہم نشنید از زبانِ ما

بنیادِ ما خرابیِ ما استوار کرد — گوئی کہ سود ماست نظیری زیانِ ما

غزل نمبر ۱۴ - (۱) ہم پروانہ ہیں اور شعلہ ہمارا آشیانہ ہے۔ ہمارا گلستان پتھر کے شراروں سے پانی حاصل کرتا ہے۔ مطلب ہم عشق کی آگ میں جلنا ہی اپنا کمال خیال کرتے ہیں (۲) ہم چیونٹی ہیں اور شکر کے راستے پر ہو لئے ہیں (اس لئے) ہمارا قافلہ راستے ہی میں پامال ہو جائیگا۔ مطلب:- ہوا و ہوس کی طرف چل نکلے ہیں۔ اس لئے راستے ہی میں تباہ ہو جائینگے (۳) جب سے ہم نے نصیب سے موافقت کی ہے۔ اس وقت سے (زمانے نے) حلاوت کے سبب ہماری گٹھلی کو تازہ کھجور کی لکڑی کی طرح شگافتہ کر دیا ہے۔ (۴) زمانہ ہمارے گلے میں دشمنی سے کمند ڈالتا ہے۔ جونہی وہ ہمارے کمان جیسے (خمیدہ) جسم کو درست دیکھتا ہے۔ مطلب:- زمانہ ہمیں کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار رکھتا ہے عیش و آرام میں نہیں دیکھ سکتا۔ (۵) عمر کا خورشید دیوار پر چمکنے لگا اور ہم سوئے پڑے ہیں۔ ہماری اس گہری نیند کے ہاتھوں فریاد ہے۔ مطلب:- آفتاب عمر غروب ہونے کے قریب ہے اور ہم غافل ہیں (۶) وہ موج جو ہمارے درمیان سے کنارے پر پہنچ جاتی ہے۔ وہ اپنے جانے سے سو موجوں کو مضطرب کر دیتی ہے۔ مطلب:- ہم میں سے کوئی کشتہ عشق اگر رخصت ہو جاتا ہے تو باقی سب مضطرب ہو جاتے ہیں۔ (۷) ہم نے اپنے ہم نشینوں کے دماغ میں بہت مغز جلایا (ہم نشینوں کا مغز کھایا) ہماری داستان آنکھوں میں نیند حرام کر دیتی ہے۔ چھیڑا پھر حسن نے اپنا قصہ + لو آج کی شب بھی سو چکے ہم (حسن)

(۸) ہم بڑھاپے میں بھی ہزاروں نوجوانوں سے زیادہ زندہ دل ہیں۔ ہماری خزاں پر سو نو بہار رشک کرتی ہے۔ مطلب:۔ عشق کی برکت سے ہم بڑھاپے میں بھی نوجوانوں سے بڑھ کر زندہ دل ہیں۔ (۹) وہ ذوقِ عشق جو مجنوں کی وادی میں جاگیر ہو چکا تھا۔ آج ہمارے آستانے پر آبیٹھا ہے۔ مطلب:۔ مجنوں کے بعد ہمارا درجہ ہے۔ ع۔ دورِ مجنوں گذشت و نوبتِ ماست (۱۰) مَیں حیران ہوں کہ وہ راز جو ہوا نے بھی ہماری زبان سے نہ سُنا وہ غنچے نے بلبل کو کس طرح بتادیا۔ مطلب:۔ راز سے مراد رازِ عشق ہے۔ بلبل بھی عاشق ہو کر ہماری ہم پیشہ بن گئی۔ اس لئے عاشق حیران ہے کہ اس کو یہ کس طرح سوجھا (۱۱) ہماری نے ہماری بنیاد مضبوط کردی۔ اے نظیریؔ گویا ہمارا نقصان ہی ہمارا فائدہ ہے۔ مطلب:۔ عشق ہونا ہی آبادی ہے +

زیستم بسکہ بتدبیرِ خود از خامیہا — رفت نام و نسبم در سرِ خود کامیہا
ورع و شیب زبونِ غمِ ایامم کرد — یاد دورانِ جوانی و مے آشامیہا
طایری نیست کہ تارے زمنش برپا نیست — صید یک مرغ نکردم ز کہن دامیہا
روزِ عشرت بصداعِ سرِ مخمور گذشت — تر نگردید دماغم ز تنک جامیہا
دل بلہو و لعبِ عمر منہ کیں مرغاں — تکیہ برباد کنند از سبک آرامیہا
خلعتِ سرو باندام صنوبر نبرند — جامہ زیبندہ نماید ز خوش اندامیہا
شکر پیرے کہ ہوا و ہوس از جوش نشاند — چوں مے کہنہ بروں آمدم از خامیہا
پیش از مرگ خود از آفتِ ہستی رستم — باجل باز نماندم ز سبک گامیہا
در خراباتِ سرِ ناموراں گردید۔ ہم — بسکہ اندیشہ نکردیم ز بد نامیہا
لوثِ تقصیر چو از آب کرم شستہ شود — دلق درویش برآید ز سیہ فامیہا
ساز و برگ مے و مطرب بہ نظیریؔ جمعست — بوئے خیر آیدش از نیک سرانجامیہا

غزل نمبر ۱۵۔ (۱) چونکہ مَیں اپنی خام تدبیروں ہی میں زندہ رہا ہوں۔ اس لئے اس خود غرضی میں میرا نام و نسب بھی جاتا رہا۔ مطلب:۔ خام اس لئے کہ کسی سے مشورہ نہ کیا۔ اور عشق اختیار کرلیا۔ اور عاشق ہونے کے بعد نام و نسب جاتا رہا۔ ؎ بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی + کاندریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست
(۲) پرہیزگاری اور بڑھاپے نے مجھے زمانے کے غم سے پامال کردیا۔ اب جوانی کا زمانہ اور شراب کی محفلیں یاد آتی ہیں۔ مطلب:۔ بڑھاپے میں جوانی کی لذتیں یاد آیا ہی کرتی ہیں۔ ؎
ہائے کیا چیز تھی جوانی بھی + اکثر اوقات یاد آتی ہے۔ عزیزؔ تمنا (۳) کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جس کے پاؤں

میں میرا دھاگا نہیں پڑا ہوا (مگر پھر بھی) جال پرانا ہونے کی وجہ سے ایک پرندے کا شکار بھی نہ کر سکا۔
مطلب:۔ نادانی کی وجہ سے بہت سی آرزوئیں پیدا کیں مگر کوئی بھی پوری نہ ہوئی (۴) عشرت کا دن تو خمار زدہ سر کے درد میں گزر گیا اور ہم شراب کم ہونے کی وجہ سے دماغ بھی تر نہ کر سکے۔ مطلب:۔ اگر کم ظرف نہ ہوتے تو شراب زیادہ پاتے۔ خمار طاری نہ ہوتا۔ مگر چونکہ ایسا نہ تھا۔ خمار طاری ہوا اور دردِ سر از لوازماتِ خمار میں سے ہے۔ (۵) عمر کی کھیل کود میں دل نہ لگانا۔ کیونکہ یہ پرندے (وقت کے) تیز پرواز ہونے کی وجہ سے ہوا پر تکیہ کرتے ہیں۔ مطلب:۔ وقت گزرتا معلوم ہی نہیں ہوتا۔ (۶) سرو کی خلعت صنوبر کے جسم پر نہیں کاٹتے۔ کیونکہ لباس اچھا جسم ہونے ہی پر زیب دیتا ہے۔ مطلب:۔ ؎
جامہ زیبوں کو کفن نے بھی دیا دہ جوبن + دوڑ کر سب نے کلیجہ سے لگانا چاہا (۷) پیری کا شکریہ ہے کہ اس نے ہوا و ہوس کے جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور میں پرانی شراب کی طرح خامیوں سے نکل آیا۔ مطلب:۔ بڑھاپے نے آکر حرص و ہوا سے آزادی دلائی۔ اس لئے اس کا شکر گزار ہے۔ شراب جس قدر پرانی ہوگی مفید اور بہتر ہوگی (۸) اپنی موت سے قبل ہی ہستی کی آفت سے رہائی پا گئے۔ تیز قدمی کی وجہ سے موت کے پیچھے نہ رہے۔ مطلب:۔ اپنی خودی کو فنا کر کے زندگی ہی میں ہستی کی قید سے رہا ہو گئے۔ (۹) (دوسرا مصرع پہلے) چونکہ ہم نے بدنامیوں کا کوئی خیال نہ کیا۔ اس لئے میخانۂ عشق میں ناموروں کے سردار بن گئے۔ مطلب:۔ عشق میں بدنامی ناموری کا باعث ہے۔ ع بدنام شدن در دو جہاں غایتِ نام است (نظیری)
(۱۰) گناہوں کی آلودگی اگر کرم کے پانی سے دھوئی جائے تو درویش کی گودڑی سیہ خامیوں سے مصفا ہو جائے۔ مطلب:۔ خدا تعالیٰ اپنے کرم سے ہمارے گناہ بخشے تو ہم پاک ہو جائیں۔ (۱۱) تمام ساز و سامان شراب و مطرب نظیری کے پاس موجود ہیں۔ اس لئے آج اس کے انجام نیک ہونے کی فال نکل رہی ہے۔
مطلب:۔ سامانِ عیش و طرب سب موجود ہے۔ تو خاتمہ بالخیر کی امید کیوں نہ ہو +

بصافِ صبح نگہ کن سرِ سبو بکشا	دہانِ چشمہ کشادند راہ جو بکشا
دل از مطالعۂ صبح در حجاب مدار	بزیرِ ہر بنِ مو دیدۂ برو بکشا
شگافِ خرقہ بوقت چہ مے کنی پیوند	لباسِ فقر و فنا پارہ بہ رفو بکشا
یکے بکوزۂ پرہیز خویش سنگے زن	چو شیشہ رشتۂ زنارش از گلو بکشا
چو موئے جاہ جہاں نقص دیدہ بیناست	اگر برستہ ترا در دو دیدہ مو بکشا
چو شب بگاہ قناعت دہانِ آز ببند	چو باز وقتِ ہنر بالِ جستجو بکشا
در اژدحامِ غم و غصہ وقت گم کردی	ترا کہ گفت سرِ کیسہ در غلو بکشا

حجاب مانع قربست شرم حائل لطف / به نزد او ره اظهار آرزو بگشا
چو رنگ چند شوی ملتفت بروئے سخن / بمغز راه کن و پرده همچو بو بگشا
ببزم بے بصراں پرده بر معانی کش / وگر بدیده ورے برخوری برو بگشا
ببزم اہل خرد عقده بر سخن مگذار / چو غیر نیست نظیری کسے بگو بگشا

غزل نمبر ۱۶ - (۱) صبح کی صاف شراب کی طرف دیکھ اور مٹکے کا منہ کھول۔ (قدرت نے) چشمے کا منہ کھولا ہے۔ تو نہر کا راستہ کھول دے مطلب:۔ قدرت آمادۂ لطف ہے تو تجھے سے دل میں انوار پیدا کرنے کی کوشش کر۔ (۲) دل کو صبح کے مطالعہ سے پردے میں نہ رکھ۔ ہر بال کی جڑ میں ایک آنکھ اس کے لئے کھول مطلب:۔ صبح کے انوار دیکھنے کے لئے ہر بال میں آنکھ پیدا کر اور ہزار آنکھ دل سے تماشہ کر۔ (۳) تو اپنی گدڑی کے شگاف کو اس قدر مشکل سے کیوں سی رہا ہے۔ فقر و فنا کا لباس پھٹا ہوا ہی بہتر ہے۔ رفو کھول ڈال مطلب:۔ عشق میں عریانی تن کا کیسے خیال (۴) اپنے پرہیز کے پیالے میں بھی کبھی پتھر مار (پیالہ پرہیز توڑ ڈال) شیشے کی طرح زنار کا دھاگا اس گلے سے کھول مطلب:۔ عشق میں پرہیز جائز نہیں۔ اس لئے اسے توڑنے کی تاکید ہے۔ (۵) آنکھ میں بال کی طرح جہان کا مرتبہ دیدۂ بینا کے لئے نقص ہے۔ اگر تیری دونوں آنکھوں میں پڑ بال نہیں پڑ گئے تو (آنکھیں) کھول۔ مطلب:۔ جس طرح آنکھ میں پڑ بال پڑ جائیں تو کچھ نظر نہیں آتا۔ اس طرح جاہ جہاں عقلمندوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ (۶) تو شیر کی طرح قناعت کے وقت حرص کا منہ بند کر لے اور باز کی طرح ہنر نمائی کے وقت جستجو کے پر کھول ڈال مطلب:۔ شیر جب سیر ہو جائے تو قانع ہوتا ہے کسی جانور پر حملہ آور نہیں ہوتا۔ اور باز صرف شکار کے لئے ہی اُڑتا ہے فضول پر نہیں کھولتا۔ (۷) تو نے غم و غصہ کی زیادتی میں خواہ مخواہ وقت ضائع کر دیا۔ تجھے کس نے کہا تھا کہ تھیلی کا منہ اس بھیڑ میں کھول دے مطلب:۔ غم و غصہ ہجومِ عام ہے۔ اس میں دولتِ عمر ضائع ہو رہی ہے۔ (۸) حجاب اس کے قریب ہونے میں مانع ہے اُدھر شرم (ہم پر) لطف کرنے کے راستے میں حائل ہے۔ (اس لئے) تو اس کے سامنے آرزو کے اظہار کا طریقہ پیدا کر۔ (۹) کب تک تو اشعار کے ظاہری رنگ کی طرف مائل رہیگا۔ تو اس کے مغز میں راستہ پا لے اور بو کی طرح پردہ کھول دے مطلب:۔ ظاہری باتوں پر مائل نہ ہو۔ بلکہ بات کی حقیقت کو پہنچ جاؤ۔ (۱۰) بیوقوفوں کی محفل میں اپنے معانی پر پردہ ڈال لے۔ اور اگر کوئی دیدہ ور مل جائے تو اس کے سامنے پردہ ہٹائے مطلب:۔ سخن ناشناس کے سامنے شعر پڑھنا اسی طرح ہے جیسے بھینس کے آگے بین بجانا (۱۱) عقلمندوں کی محفل میں شعر (کے معنی) میں کوئی گرہ نہ رہنے دے۔ اے نظیری جب کوئی غیر نہیں ہے تو

پڑھ دو اور (پردہ) کھول دو۔ مطلب: سخن فہم کے سامنے ہی شعر پیش کرو۔ ؎

جوہر دکھاؤ صاحب جوہر کے روبرو
ہے قدر آئینے کی سکندر کے روبرو

بر فلک تابد مسیحا رشتۂ زنّارِ ما
بر زمین منصور افراز د ستونِ دارِ ما

از معاصی توبہ میکردیم پیش از عاشقی
ایں زماں عصیاں شود از کفر استغفارِ ما

از شبانِ وادیٔ ایمن نفس سوزاں تریم
موسیٰ اندر طور میرقصد ز موسیقارِ ما

گر بطبعِ زاہداں تلخ است طعمِ ما چہ غم
روشن از رخسارِ میخواراں شود معیارِ ما

خضر وقتے کو کہ تعمیرِ خرابِ ما کند
زانکہ گنجے ہست پنہاں در تہِ دیوارِ ما

ہر کجا عقل است مستولی طبیباں خستہ اند
از کہ امیں درد واجوید دلِ بیمارِ ما

زیر کاں را دانہ و آبِ چمن خاموش نکرد
عندلیب مست رمزے واند از اسرارِ ما

چوں مگس بر قند میجوشیم بر مطلوبِ خویش
گرمیٔ سودائے یوسف نشکند بازارِ ما

خسروِ نظمی نظیری نقشِ شیریں طرح کن
چرخ بارِ ما کشد چوں عشق باشد کارِ ما

غزل نمبر ۱۷ ۔ (۱) آسمان پر مسیحا ہمارے لئے زنّار کا دھاگا بٹ رہا ہے۔ اور زمین پر منصور ہمارے دار کا ستون بلند کر رہا ہے۔ مطلب: مسیحا اور منصور دونوں ہمارے لئے مصروفِ کار ہیں۔ ہمارا درجۂ عشق اتنا بلند ہے۔ (۲) عاشق ہونے سے پیشتر گناہوں سے توبہ کیا کرتے تھے۔ اب ہماری توبہ کفر کی وجہ سے گناہ ہو جاتی ہے مطلب: ۔ جو چیزیں شریعت میں گناہ نہیں عشق اختیار کرنے کے بعد مباح ہو گئیں۔ اور ؏ آنچہ در شرع مباح است حرام است اینجا (۳) ہم وادیٔ ایمن کے گڈریے (موسیٰ علیہ السلام) سے بھی زیادہ جلے دل ہیں۔ اس لئے موسیٰ طور سینا پر ہمارے موسیقار پر رقص کر رہے ہیں۔ مطلب: عشق میں ہمارا درجہ بلند ترین ہے (۴) اگر زاہدوں کی طبیعت کو ہمارا طعام کڑوا معلوم ہوتا ہے تو کیا غم ہے۔ کیونکہ ہمارا معیار تو شراب نوشوں کے رخسار سے ظاہر ہوتا ہے مطلب: ۔ شرابِ عشق کی لذت زاہد کیا جانیں۔ یہ تو صرف میخوارانِ عشق ہی جانتے ہیں۔ ؎ لطفِ مے تجھ سے کیا کہوں زاہد + ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں (۵) وقت کا خضر کہاں ہے کہ ہمارے ویرانہ کی تعمیر کرے۔ کیونکہ ہماری دیوار کے نیچے بھی خزانہ پوشیدہ ہے۔ تلمیح ۔ حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۶) جہاں کہیں عشق چھا گیا اطبا عاجز آگئے ہیں یا طبیب خود بیمار ہیں اس لئے ہمارا بیمار دل کون سے دروازے سے علاج کرائے۔ (۷) عقلمندوں کو باغ کے دانے اور پانی نے خاموش نہیں کر دیا مست بلبل ہی ہمارے

رازوں کی رمز جانتا ہے۔ مطلب:۔ دنیا کی ظاہریت پر فریفتہ ہونا شیوۂ عقل نہیں (۸) مکھی کی طرح ہم قند پر جوش مارتے پھرتے ہیں۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی فروخت کی گرم بازاری بھی ہمارے بازار کی رونق کم نہیں کرتی۔ مطلب:۔ ہماری توجہ تمام معشوق کی طرف ہے جو ہرگز کم نہیں ہوتی (۹) اے نظیری تو نظم کا پادشاہ ہے۔ اس لئے ایک شیریں نقش کی طرح ڈال۔ آسمان ہمارا بوجھ اٹھاتا ہے۔ جب عشق ہمارا کام ہو جائے۔ مطلب:۔ عاشقوں کی بار برداری کے لئے آسمان اپنی خدمات پیش کرتا ہے

باشہپر عنقا چہ نوا بال مگس را
هم نغمۂ داؤد کہ دیدست جرس را

در معرض خورشید سُہا را چہ نمائش
بانور تجلی چہ ضیا نار قبس را

بس غنچہ نشگفتہ بتاراج خزاں رفت
رسمیست کہ رہزن زند از قافلہ پس را

پراندنِ ناداں گہ نطقم بچہ ماند
باآنکہ پر د چشم و نہی بر مژہ خس را

در کوئے حقیقت چہ کند مرد مجازی
در بیشۂ شیراں چہ ہنر گرگ ہوس را

جز حاجت اخواں نسزد تحفہ یوسف
اینجا نرسد عرض تجمل ہمہ کس را

ہر چند ز تریاق بود زہر گراں تر
زیں جنس بصد من ندہم نیم عدس را

کس ہمرہ ما نیست کزاں سوئے بتازیم
از معرکہ بردیم بروں گرد فرس را

تاہمدم ہر بیہدہ پرواز نگردد
در سینہ شکستیم پر و بال نفس را

در آرزوئے یک تن ہمجنس کہ عنقاست
از بسکہ طپیدیم شکستیم قفس را

صبح از دم خونریز نظیری بہراس است
از ناوک شبخیز بود بیم عسس را

غزل نمبر ۱۸۔ عنقا۔ ایک پرندہ ہے۔ مجہول الجسم و معلوم الاسم (نام ہی نام ہے موجود نہیں)۔ نغمۂ داؤد۔ حضرت داؤد علیہ السلام نہایت سریلی آواز میں زبور تلاوت فرماتے تھے۔ لحن داؤدی مشہور ہے۔ ترجمہ:۔ مکھی کے پروں کی عنقا کے شہپروں کے سامنے کیا حقیقت ہے قافلے کی گھنٹیوں کو حضرت داؤد کے نغمے کا مثیل کون کہتا ہے (۲) خورشید کے مقام پر چھوٹے چھوٹے ستاروں کی کیا گنجائش ہے۔ تجلی (ایزدی) کے نور کے مقابلے میں شعلے کی چمک کیا حیثیت رکھتی ہے۔ مطلب:۔ حقیقت کے سامنے مجاز کچھ حیثیت نہیں رکھتا (۳) بہت سے ایسے غنچے خزاں کی نذر ہو گئے جو ابھی کھلے بھی نہ تھے۔ یہ پرانی رسم ہے کہ رہزن قافلے کے پچھلے حصے پر حملہ کرتا ہے مطلب:۔ بہار کے آخر میں بعض غنچے ابھی کھلے بھی نہیں ہوتے کہ خزاں کا زمانہ آجاتا ہے۔ گویا خزاں کا رہزن بہار کے قافلے کے آخری حصہ پر حملہ کرتا ہے (۴) میری شعر خوانی کے وقت ناداں کا فخر کرنا ایسے ہی ہے کہ آنکھ پھڑکے

اور اس پر تنکہ رکھ دیا جائے۔ مطلب:۔ قاعدہ ہے کہ جب آنکھ پھڑکتی ہے تو اس پر ایک تنکا سا رکھ دیتے ہیں اور اس کا پھڑکنا بند ہو جاتا ہے۔ نظیری نے یہ شعر فخریہ کہا ہے کہ نادان شعراء کا میرے مقابلے پر آنا ایسا ہی ہے جس طرح آنکھ کا پھڑکنا اور ایک معمولی سے تنکے کے بوجھ سے بند ہو جانا۔ (۵) حقیقت کے کوچے میں مجازی عشق کا بندہ کیا کر سکتا ہے۔ شیروں کے جنگل میں ہوس کے بھیڑیے کا کیا کام مطلب:۔ طالبِ عشقِ حقیقی کے مقابلے میں صاحبِ عشقِ مجازی کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ (۶) یوسف کے لئے بھائیوں کی حاجت سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں۔ یہاں ہر شخص کو شوکت پیش کرنا زیب نہیں دیتا مطلب:۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ہی قافلے کے ہاتھ فروخت کیا۔ اور پھر کنعان میں قحط پڑا ہے اور یوسف عزیزِ مصر بن کر غلہ مفت تقسیم کر رہے تھے۔ تو وہی بھائی حاجتمند ہو کر آپ کے پاس آتے تھے تو حضرت یوسفؑ کے لئے یہی تحفہ لاتے تھے کہ وہ اپنی حاجت ان کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ ۶ جز احتیاج تحفہ ندیدم کریم را (۷) اگرچہ تریاق زہر سے بہت زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ مگر میں اس زہرِ عشق کی نصف رتی کو سو من (تریاق) کے بدلے بھی نہ دوں گا۔ (۸) کوئی ہمارے ہمراہ نہ آیا کہ ہم اس طرف کا رُخ کریں۔ ہم اس معرکے میں سب پر گوئے سبقت لے گئے۔ مطلب:۔ کوئی ہمارا مدِ مقابل نہ بن سکا۔ ہم نے اس کو پچھاڑ دیا۔ (۹) تاکہ ہر ایک ہوس پرست کی ہمارم نہ بن سکے۔ اس لئے ہم نے اپنی ہوس کے پر و بال سینہ ہی میں توڑ ڈالے مطلب:۔ ہم نے ہوس کا اظہار ہی نہیں کیا۔ (۱۰) ایک ہم جنس کی تلاش جو کہ نایاب ہے۔ ہم تڑپتے رہے حتیٰ کہ ہم نے قفس توڑ ڈالا۔ مطلب:۔ مر گئے لیکن ایک بھی ہم جنس نظر نہ آیا۔ قفس سے مراد قفسِ تن ہے (۱۱) صبح نظیری کے خونریز نفسوں سے خوف کھا رہی ہے۔ ہاں کوتوال کو چور کے تیروں سے خطرہ ہی رہتا ہے۔ مطلب:۔ نظیری کی خونریز آہوں سے صبح بھی تھرا رہی ہے۔

نشستہ در ظلمم با قمر چہ کار مرا — چراغ تیرہ شبم با سحر چہ کار مرا
مسیح وار کند سیر بر فلک روحم — بایں طلسم فرو بستہ در چہ کار مرا
چو ذرہ محرم جاوید آفتاب شدم — باآشنائی مشتِ شرر چہ کار مرا
اگر قضا و قدر ز آسمان فرود آید — من و خیالِ تو با خیر و شر چہ کار مرا
جنوں بمغز دماغم فتیلہ مے سوزد — بہ پنبہ کاری داغِ جگر چہ کار مرا
زطاعتِ بریا کردہ اجر مے خواہم — چو بید کاشتہ ام با ثمر چہ کار مرا
باشکِ دیدۂ آلودہ عفو چوں جوئم — خزف فروختہ ام با گہر چہ کار مرا

ہزار گونہ شکایت بضمن خاموشیست — بنالۂ کہ ندارد اثر چہ کار مرا
بقہر تا بگذاری بمہر ننوازی — ہلاک تلخ توام با شکر چہ کار مرا
چو حسن تو بکسے در جہاں نمے مانم — غریب در وطنم با سفر چہ کار مرا
نہ رحم ماند نہ شفقت نہ دوستی نہ وفا — دریں دیار نظیری دگر چہ کار مرا

غزل نمبر ۱۹ - (۱) مَیں تاریکی میں بیٹھا ہوں مجھے چاند سے کیا کام۔ میں اندھیری رات کا (عا) شق ہوں۔ مجھے صبح سے کیا کام۔ مطلب :- فراق میں شبِ ہجراں کی تاریکی سے عاشق مانوس (۲) میری روح حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان پر سیر کرتی ہے۔ مجھے اس بند دروازے (وا)لے (خانۂ دنیا سے کیا) کام؟ مطلب :- فطرتِ انسان آزاد ہے اور گنبدِ دربستہ (دنیائے فانی) سے اسے کوئی (۳) مَیں ذرّے کی طرح آفتاب کا دائمی محرمِ راز بن گیا۔ (اس لئے) مجھے مٹھی بھر شراروں کی دوستی (سے کیا) کام۔ مطلب :- آفتاب سے تعلق ہو تو شرار جیسی بے حقیقت چیز سے کیا کام۔ آفتاب عشقِ (حقیقی) ہے اور شرار عشقِ مجازی۔ (۴) اگر قضا و قدر بھی آسمان سے اُتر آئے پھر بھی مَیں ہونگا اور تیرا خیال (دنیا کے) خیر و شر سے کیا کام؟ مطلب :- معشوق کی طرف توجہ تام رکھتا ہوں۔ اس استغراق میں کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ (۵) جنون میرے دماغ کے مغز میں آگ سلگا رہا ہے۔ مجھے جگر کے داغ پر پھاہا لگانے سے کیا کام؟ (۶) وہ عبادت جو کہ مَیں نے ریاکاری سے کی ہے۔ اس کا اجر مانگ رہا ہوں۔ حالانکہ جب میں نے بید مجنوں بویا ہے تو مجھے پھل سے کیا کام۔ مطلب :- بید مجنوں کو پھل نہیں آتا۔ عبادت ریاکاری بھی بے برہے۔ اس کا اجر نہیں مل سکتا۔ (۷) اپنی گنہگار آنکھوں کے آنسوؤں سے میں معافی کا طالب کس طرح ہوں جب مَیں نے کنکر بیچے ہیں تو موتیوں سے کیا کام۔ مطلب۔ جب آنسو خلوصِ قلب کا نتیجہ نہیں ہیں تو وہ کنکر کی طرح ہیں۔ لیکن اگر حقیقی ندامت کی وجہ سے ہوں تو موتی کی طرح ہیں۔ ؎ موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے + قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے (اقبال) (۸) میری خاموشی کے ضمن میں ہزارہا قسم کی شکائتیں (پنہاں) ہیں۔ اس لئے ایسے نالے سے جو بے اثر ہو مجھے کیا کام مطلب۔ ؎ نگاہ ہوں کا کہا سب حال اشکوں نے عیاں ہو کر + مری آنکھوں سے حسرت پھوٹ نکلی داستاں ہو کر (حفیظ)
(۹) تاکہ تو مجھے قہر سے گداختہ نہ کرے اور محبت سے مجھ پر بخشش نہ کرے۔ میں تیری گالیوں کا ہلاک ہوں۔ مجھے شکر سے کیا کام۔ مطلب :- تیرے ستم کا طالب ہوں مہر کا نہیں۔ (۱۰) میں تیرے حسن کی طرح جہاں میں کسی کی مانند نہیں ہوں۔ مَیں تو وطن میں مسافر ہوں مجھے سفر سے کیا کام۔ مطلب : تیرا حسن لاجواب و لاثانی ہے۔ اور مَیں بھی اپنی نظیر آپ ہوں۔ اور حالت یہ ہے کہ :-

ع یہ ساری قسمت کی خوبیاں ہیں کہ ہوں غریب الوطن وطن میں

ے تم حسن میں یکتا ہو میں عشق میں یکتا ہوں ٭ اس حسن کا کہنا اس عشق کا کیا کہنا

(۱۱) نہ اس ولایت میں رحم ہے نہ شفقت نہ دوستی اور نہ وفا۔ تو اے نظیریؔ پھر یہاں میرا کیا کام مطلب جب دنیا سے رسمِ دوستداری اُٹھ گئی ہے تو مجھے دنیا سے کیا کام؟

بانگ نے مے بردز ہوش مرا ٭ میدہد مے زراہ گوش مرا
نالۂ نائے تا حریم وصال ٭ مے برد در کنار و دوش مرا
نخلست نائے پنداری ٭ مے چشاند بہ نیش نوش مرا
مطرب مے گسار در نظرست ٭ نیست حاجت بمے فروش مرا
سرِ غیبم درونِ پردہ راز ٭ نغمہ مے آورد بجوش مرا
ساعمِ نقاب بردارد ٭ نشود شرم روئے پوش مرا
مطربم بوجد آورد ٭ جان رود در سرِ خروش مرا
جوش زد در دروں نظیری حرف ٭ کاش بودے سخن نیوش مرا

غزل نمبر ۲۰ - (۱) بانسری کی آواز مجھے بیہوش کر رہی ہے۔ یہ مجھے کانوں کے راستے شراب پلا رہی ہے۔ (۲) بانسری کا نالہ مجھے وصال کی چار دیواری تک کندھے اور بغل میں دو باٹے لئے جاتا ہے۔ مطلب:۔ میں بانسری کے نالوں میں کھوئے جاتا ہوں۔ (۳) بانسری گویا شہد کا پودا ہے (کیونکہ) یہ ڈنگ (لگانے) کے ساتھ ساتھ شہد بھی چکھاتا ہے۔ مطلب:۔ بانسری دل کو زخمی بھی کرتی ہے اور لطف بھی دیتی ہے۔ اس واسطے نخلِ نحل قرار دیا ہے۔ (۴) شراب فروش مطرب میرے سامنے موجود ہے۔ مجھے کسی مے فروش کی حاجت نہیں۔ (۵) میں راز کے پردے میں غیب کا بھید ہوں۔ مجھے نغمہ جوش میں لے آتا ہے۔ (۶) جب سماع نقاب میرے چہرے سے اُٹھاتا ہے تو شرم مجھ پر طاری نہیں رہتی۔ مطلب:۔ حالتِ وجد میں مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ (۷) مجھے مطرب کی غزل وجد میں لا رہی ہے۔ میرے شوریدہ سر سے جان جا رہی ہے۔ مطلب۔ مطرب مجھے بے جان کر رہا ہے (۸) اے نظیریؔ! باتیں تو میرے دل میں جوش کھا رہی ہیں۔ کاش کوئی سننے والا ہوتا۔ مطلب:۔ دل میں تو ہزار باتیں ہیں مگر راز دار کوئی نہیں جسے سُنا سکتا۔ ؎

یہ مرے تمام اشارے ہیں آج اختیاری ٭ دمِ نزع کاش میرا کوئی راز دار ہوتا

گل خلعت نو داد دگر شاخ کہن را ٭ بر ساطنت حسن سجل ساخت چمن را
شاخ گل خوشبو بہ باد سحرگاہ ٭ بکشاد سرِ نافہ غزالانِ ختن را

شد لالہ بخمسیازہ بیاد مے لعلت | از بادہ لبالب چو قدح دید دہن را
افراخت صراحی سر و گردن بتوجہ | تا خوش بکف مست دہد چاہ ذقن را
سر تا بقدم نے بتماشا نگراں شد | تا خوب دہد چنگ بمطرب بر و تن را
در عہد مے و نغمہ زبس دید درستی | سنبل ز خم جعد بروں کردہ شکن را
گلبرگ بناگوش و رخت بود مناسب | گلدستہ شد و بست بر و زلف رسن را
حورانِ بہاری بہ نثارِ مے و مطرب | در بوسہ گرفتند سراپائے چمن را
برگوش خورد نعرۂ احسنت نظیری | پرسی اگر از مردۂ صد سالہ سخن را

غزل نمبر ۲۱ - (۱) پھول نے باغ کی شاخوں کو نئی خلعت پہنادی (گویا) حسن کی سلطنت چمن کی مُہر لگادی۔ مطلب:۔ سجل ساختن۔ شاہی مُہر لگانا ہے۔ (۲) ہوا صبح سویرے ہی خوشبو دار پھولوں کی خوشبو لئے جاتی ہے۔ (گویا) ختن کے ہرنوں کے مشک نافے کا منہ کھول دیا ہے۔ (۳) دوسرا مصرعہ پہلے، جب اس کے منہ کو شراب کے پیالے کی طرح بھرپور دیکھا تو لالہ اس کی سرخ شراب کی یاد میں جمائیاں لینے لگا۔ مطلب:۔ شراب سامنے ہو تو خمار زیادہ تنگ کرتا ہے۔ اور جمائیاں آنے لگتی ہیں اس معشوق کے سرخ ہونٹ دیکھ کر لبالب پیالہ شراب یاد آتا ہے۔ تو لالہ (باوجود خود سرخ ہونے کے) جمائیاں لینے لگتا ہے (۴) صراحی نے اپنا سر اور گردن بڑی توجہ سے بلند کردیا۔ تاکہ اپنی ٹھوڑی کا کنواں (پیالہ شراب) بصد خوشی (ساقی کے) ہاتھ میں دے دی۔ (۵) بانسری سر سے لے کر پاؤں تک تماشائی بن گئی (نگہداشت کرنے کے لئے) کہ باجہ اپنے آپ کو اچھی طرح مطرب کے حوالے کردے۔ مطلب:۔ بانسری کے سوراخوں کو چشم قرار دیتے ہوئے "سر تا پا بہ تماشا نگراں شد" قرار دیا ہے۔ (۶) چونکہ شراب اور نغمے کے زمانے میں بھی درستی دیکھی گئی ہے۔ اس لئے سنبل نے اپنی زلف سے شکن نکال ڈالے۔ مطلب:۔ سنبل پُرپیچ ہوتی ہے۔ مگر مے و نغمہ کے زمانے کی درستی دیکھ کر شکن نکال دیتی ہے۔ (۷) تیرے کانوں کی لو اور رخساروں کی پتیاں نہایت نامناسب تھیں۔ اس لئے وہ گلدستہ بن گئیں۔ اور زلفوں نے ان پر رسی باندھ دی۔ مطلب:۔ چند پھول اکٹھے کرکے رسی سے باندھ کر گلدستہ بناتے ہیں۔ شاعر نے بناگوش اور رُخساروں کو پھول اور لٹکی ہوئی زلفوں کو رسی قرار دے کر گلدستہ بنایا ہے۔ (۸) موسم بہار کی حوروں نے شراب اور مطرب پر نثار کرنے کے لئے چمن کے جسم کو بوسہ میں لے لیا ہے۔ مطلب:۔ حورانِ بہاری سے مراد گل و ریاحینِ چمن ہیں (۹) دوسرا مصرعہ پہلے، اگر تو صد سالہ مُردے سے بھی شعروں کے متعلق رائے دریافت کرے۔ تو اسے

نظیری تیرے کانوں میں "آفرین" کی صدا آئیگی۔ مطلب:۔ اے نظیری تیرا کلام سُنکر صد سالہ مردہ بھی ہو کر "آفرین آفرین" کہنے لگے گا +

نے عدم بود و نے وجود اینجا — صورت وہم مے نمود اینجا
عکس شخصے فتاد در مسکن — نیک جستیم کس نبود اینجا
حُسنِ ما کرد جلوۂ بر ما — عشق ما دل ز ما ربود اینجا
آنکہ بے نطق و سمع مے گویند — ہست در گفت و در شنود اینجا
و آنکہ نا دیدنیش مے دانند — ہست در معرض شہود اینجا
بو البشر را قوا ملائکہ اند — جزو کل ہست در سجود اینجا
کرد اَنَا نیّت از سجود ابا — ہست ابلیس ہست و بود اینجا
نزد تو جبریل وحی آورد — عقل برقع ز رُخ کشود اینجا
مردم چشم عالم انسان است — شخص عالم بما نمود اینجا
دید حسن و جمال آنجا را — در بصر ہر کہ کحل سود اینجا
نسیہ ہا نزد ما ہمہ نقد ست — دیرہا جملہ ہست زود اینجا
جامِ گیتی نما نظیری یافت — زنگ از آئینہ زدود اینجا

غزل نمبر ۲۲ - (۱) نہ یہاں عدم تھا اور نہ وجود بلکہ صرف وہم کی شکل ہی نمایاں تھی۔ (۲) مسکن میں کسی ہستی کا عکس پڑا۔ ہم نے بہت تلاش کیا لیکن یہاں کوئی بھی نہ تھا۔ مطلب:۔ دنیا میں جو کچھ ہے معبودِ حقیقی کا عکس ہے لیکن عاکس نظر نہیں آتا۔ مسکن سے مراد وجود ہے۔ (۳) ہمارے اپنے حسن نے ہم پر جلوہ کیا۔ اور اپنے ہی عشق نے ہمارا دل چھین لیا۔ مطلب:۔ اگر معشوق حقیقی کے ہم عکس ہیں تو عاشق و معشوق ایک ہو گئے۔ (۴) وہ جسے "نہ بولنے والا اور نہ سننے والا" قرار دیتے ہیں۔ یہاں تو گفت و میں مشغول ہے۔ مطلب:۔ خدائے تعالےٰ ہر حال میں اور ہر چیز میں موجود ہے۔ (۵) اور وہ جسے "نظر نہ آنے والا" قرار دیتے ہیں وہ یہاں مشاہدہ کے مقام پر موجود ہے۔ مطلب:۔ اگر تمام موجودات مظاہر ذاتِ باری تعالیٰ ہیں وہ تو پھر نمایاں ہوا نہ کہ پوشیدہ (۶) ابو البشر۔ آدم علیہ السلام۔ جزو۔ موجودات کل۔ خدائے تعالیٰ۔ ترجمہ:۔ آدم علیہ السلام کے اپنے قویٰ ہی فرشتے ہیں۔ یہاں جزو نے کل کو سجدہ کیا تھا۔ مطلب:۔ قرآن شریف میں موجود ہے کہ تمام فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ یہ فرشتے انسان کے اپنے قویٰ ہیں۔ جو جسم انسانی کے اجزا ہیں اور انسان کُل۔ ان قویٰ کا انسان کی

قدرت میں آجانا ہی سجدہ کے مترادف ہے۔ "وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ"۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (۷) ہماری اپنی خودی نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ ابلیس کی ہستی ہماری خودی ہی تو ہے مطلب:۔ آیت محولہ بالا سے ظاہر ہے کہ ابلیس نے سجدے سے انکار کیا تھا۔ شاعر کہتا ہے کہ انسانی قوتیٰ (ملائکہ) نے سجدہ کیا۔ مگر "خودی۔ انانیت" (شیطان) نے انسان کے قابو میں آنے سے انکار کیا۔ (۸) تیرے خیال سے تو جبرئیل وحی لے کر آتا تھا۔ حالانکہ عقل نے چہرے سے برقعہ ہٹا لیا تھا مطلب: جب فرشتوں کے وجود سے انکار ہوگیا تو جبرئیل کی ہستی بھی نہ رہی۔ اس لئے وحی سے مراد چہرے سے نقاب اُلٹنا ہوا + (۹) زمانے کی آنکھ کی پتلی انسان ہے۔ اس ہستی ہی نے عالم ہمیں دکھایا مطلب:۔ گلشن راز کا مصنف کہتا ہے سے عدم آئینہ۔ عالم عکس و انساں چو چشمِ عکس دروے شخصِ پنہاں تو چشمِ عکسی و او نورِ دیدہ + بدیدہ دیدہ را دیدہ کہ دیدہ۔ عدم ایک آئینہ ہے۔ عالم (اس آئینہ عدم میں) عکس ہے۔ انسان اس عکس کی آنکھ ہے۔ اے انسان تو اس عکس کی آنکھ ہے اور وہ تیری آنکھ کا نور ہے (خدائے تعالےٰ ہی جب انسان کی آنکھوں میں سمایا ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟) کس نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی آنکھوں سے اپنی آنکھوں کو دیکھا ہو (جو چیز ہماری آنکھوں میں ہے ہمیں نظر نہیں آسکتی) (۱۰) وہاں کے حسن و جمال کو صرف اسی شخص نے دیکھا جس نے اپنی آنکھوں میں یہاں سرمہ ڈالا مطلب:۔ بصیرت دنیا میں پیدا کرو۔ تو جمال خداوندی کو دیکھو۔ (۱۱) تمام قرض ہمارے نزدیک تو نقد ہی ہیں۔ اور سب دیر یہاں جلدی ہی تو ہے مطلب:۔ دیدارِ خداوندی کا وعدہ ہے مگر یہ فردائے قیامت پر ہی منحصر نہیں۔ آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ ذوقِ نظر پیدا ہو (۱۲) نظیری نے زمانہ دکھانے والا جام پالیا۔ اور اپنے آئینہ (دل) سے زنگ صاف کر لیا مطلب حقیقت نمایاں ہو جانے سے دل سے غفلت کے پردے اُٹھ گئے +

مانند سراب بندِ برپا — بیہودہ شدیم دشت پیما
بے بحر نمودہ شکل ساحل — بے آب نمودہ موج دریا
سر دادہ بباد بود و نابود — بگرفتہ زخاک عرض و پہنا
براوج رسیدہ گہ زپستی — درپست فتادہ گہ زبالا
چوں ظلمت نیستی درآمد — نے ماند رخ و نماند سیما
در نائے دمید دم مغنی — لب بست فرونشست غوغا

عاشق کہ و عشق چیست دانی | درمانده و درد بے مدادا
سرگشتۂ مطلب محالیم | اے کاش نبودے ایں تقاضا
آخر بچہ مایہ قرب جوئیم | بال و پر مور در راہِ عنقا
آتش نشود بباد خاموش | از سر نرود بفکر سودا
چوں حق نشود عیاں نظیری | گوئیم کہ لا الٰہ الا اللہ

غزل نمبر ۲۳ - (۱) سراب مقید کی طرح ہم فضول جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں مطلب:۔ سراب وہ ریت ہے جو چلتا پانی معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ رواں نہیں۔ اس لئے "سراب بند برپا" قرار دیا ہے۔ (۲) بغیر سمندر ساحل کی شکل پیدا ہے۔ اور بغیر آب دریا نے موج دکھا رکھی ہے مطلب:۔ انسان کچھ ہستی نہیں رکھتا۔ مگر دیکھنے میں بہت کچھ ہے۔ (۳) ہستی و نیستی کے خیال میں سرگرداں ہے (یونہی) زمین کا طول و عرض ناپتا ہے مطلب:۔ کار بیہودہ میں سرگرداں ہے (۴) کبھی تو پستی سے بلندی پر پہنچا ہوتا ہے اور کبھی بلندی سے پستی پر گرا ہوتا ہے۔ ع آدمی زادہ طرفہ معجون است + گر کند میل آں شود بہ ازآں۔ از فرشتہ سرشتہ وز حیواں + گر کند میل ایں شود بہ ازآں۔ (سعدی) (۵) جب نیستی کی تاریکی چھا گئی تو نہ چہرہ رہا اور نہ پیشانی (عدم ہی عدم ہو گیا) (۶) گویئے نے بانسری میں دم پھونکا۔ تو آواز پیدا ہوئی جب اُس نے لب بند کر لئے تو شور خاموش ہو گیا۔ (۷) عاشق کون ہے اور عشق کیا ہے؟ کیا تو جانتا ہے عاجز آیا ہُوا اور لاعلاج درد۔ مطلب:۔ پہلے مصرعہ میں سوال ہے۔ دوسرے میں جواب۔ عاشق کون ہے؟ درماندہ۔ عشق کیا ہے؟ لاعلاج درد۔ (۸) ہم ایک ناممکن مطلب کے لئے سرگرداں ہیں۔ کاش یہ تقاضا نہ ہوتا مطلب تقاضائے دیدار خداوندی تنگ کر رہا ہے۔ کاش یہ نہ ہوتا۔ (۹) آخر ہم کس بساط پر اس کا قرب تلاش کریں۔ (ہماری مثال تو ایسی ہے کہ چیونٹی کے بال و پر ہیں (حوصلہ ہے) اور عنقا کی تلاش ہے مطلب:۔ ہم میں مجال تلاش معرفت نہیں اور راستہ طویل و بے نشان ہے (۱۰) آگ ہوا سے بجھا نہیں کرتی۔ سودا بھی سر سے غور و فکر سے نہیں رفع ہوتا مطلب:۔ تدبیریں کام نہیں آتیں۔ (۱۱) اے نظیری! حق کیوں عیاں نہ ہو جب ہم کہتے ہیں کہ "کوئی معبود نہیں ہے سوائے خدا کے"۔ مطلب:۔ اقرار توحید کرتے ہیں تو حق کس طرح عیاں نہ ہو +

چہ منت از مدد روزگار بر سر ما | کہ حسن فطرت اصلی نمود جوہر ما
بشعر و شاہدم از کودکی نظر بازیست | کہ عشق خیزد از آب و ہوائے کشور ما
ز ذوق ما نشود باخبر مذاق سقیم | درست ذائقہ داند مذاق شکر ما

کماں لعب بزہ کردہ درکمیں بودیم | کہ طائرے بنشیند ببام و منظرِ ما
متاع راحت و شادی ما بغارت داد | چہ فتنہ بود کہ ناگہ درآمد از درِ ما
کدام عربدہ انگیز طرح جنگ انداخت | کہ سنگ تفرقہ آمد بجام و ساغرِ ما
کسی شگفتہ ز معجون آب و گل نشود | سرشتہ اند بغم طینت مخمّرِ ما
غش وجود باکسیرِ عشق زائل کن | کہ زر شود مِسِ ست از کیمیائے احمرِ ما
ستارۂ دل عاشق نہاں کند خورشید | کز آفتاب فروزاں ترست اخترِ ما
گدا ختیم ز درد خمار نایابی | بیک دو جرعہ کس آبے نزد باخگرِ ما
نوا برآر و دریں پردہ کن نظیری رقص | کہ ہست دلبر ما از الست دلبرِ ما

غزل نمبر ۲۴ - (۱) زمانے کی امداد کا ہمارے سر کیا احسان ہے۔ کہ ہماری اصلی فطرت کی خو نے ہمارا جوہر نمایاں کیا۔ مطلب:۔ فطرت ہی محمود تھی اور جوہر پنہاں نمایاں ہوگیا۔ زمانے کا احسان نہیں۔ (۲) ہم شاعری اور معشوق کی طرف بچپن ہی سے متوجہ ہیں (کیونکہ) ہماری ولایت کی آب و ہوا سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ ؎ ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں + مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا۔ (۳) بیہودہ مذاق رکھنے والا ہمارے ذوق سے باخبر نہیں ہوسکتا۔ ہماری شکر کا مزا وہی جان سکتا ہے جس کا اپنا ذائقہ درست ہو۔ (۴) ہم کھیل کی کمان پر چلے چڑھا کر گھات میں بیٹھے تھے کہ کوئی پرندہ ہماری منڈیر پر بیٹھے تو سہی۔ (۵) ہماری خوشی اور آرام کی متاع لوٹ لے گیا۔ یہ کیسا فتنہ تھا کہ اچانک ہمارے گھر میں داخل ہوا۔ مطلب:۔ عشق جب خانۂ دل میں وارد ہوا آرام و آسائش کی متاع لوٹ کرلے گیا۔ (۶) کون سے جنگجو نے جنگ کی طرح ڈال دی ہے۔ کہ ہمارے جام اور ساغر میں بھی تفریق پیدا ہوگئی ہے۔ مطلب: سنگِ تفرقہ اس پتھر کو کہتے ہیں جب پرندوں کے مجمع میں پھینکا جائے تمام پرندے مختلف طرفوں میں اُڑ جاتے ہیں اور تفریق پیدا ہوجاتی ہے۔ شاعر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ اس عربدہ انگیز سے جنگ کے بعد ہمارے عیش و عشرت میں خلل واقع ہوگیا ہے۔ (۷) کوئی شخص مٹی اور پانی کی معجون سے شگفتہ نہیں ہوسکتا۔ غم ہماری خمیر کی ہوئی فطرت کے ساتھ گوندھ دیا گیا ہے۔ مطلب:۔ چونکہ غم فطرت میں مرکوز ہے اس لئے خوشی و خرمی نمودار نہیں ہوتی۔ (۸) وجود کی ملاوٹ کو عشق کی اکسیر سے زائل کردے۔ کیونکہ ہمارے سرخ کیمیا (عشق) سے تیرا تانبہ (غش وجود) خالص سونا بن جاتا ہے۔ مطلب ؎

عشق دہد بادلِ شوریدہ تاب + پرورش ذرہ کند آفتاب۔ (۹) عاشق کے دل کا ستارا آفتاب کو بھی پوشیدہ کردیتا ہے۔ کیونکہ ہمارا اختر تو آفتاب سے بھی زیادہ منور ہے۔ (۱۰) (شراب) نہ ملنے کے

خمار کے درد کے ہاتھوں ہم پگھل گئے لیکن کسی نے ایک دو گھونٹوں سے ہماری چنگاریوں پر چھینٹے نہ دیئے ۔ مطلب :۔ ہم شرابِ عشق نہ ملنے کی وجہ سے جل بجھے مگر کسی نے ذوقِ عشق پیدا کر کے یہ آگ نہ بجھائی (۱۱) اے نظیری ! تو نغمہ نکال اور اس پردے پر رقص کر کیونکہ ہمارا عشق روزِ ازل سے ہمارا دلبر ہے

تمکین خرد بُرد ز سر شور و شرم را — پیری برہاند از شبِ غفلت سحرم را
مانند ترنجم کہ خزانست بہارش — دم سردئے دے تازہ کند برگ و برم را
تا سدرہ بپرم اگرم در بکشائیند — ہر چند کہ فرسودہ قفس بال و پرم را
کوتاہی عیشم پے پندِ دگرانست — دہر از پے تادیب برد شاخ ترم را
ہر قدمے صد خطرم بر سرِ راہ ست — و ز بہر اقامت نہ مقامے سفرم را
طے نکنم مرحلۂ را کہ بہر گام — از ہول مصیبت نگداز د جگرم را
شاید کہ چو تسلیم و رضا بدرقہ گردد — رہ امن شود وادی خوف و خطرم را
سعی کنم و رخت بمنزل برسانم — تا کس نرسانیدہ برہزن خبرم را
از خانۂ چشمش نگذارم بدر آید — بر روئے تو گر راہ نباشد نظرم را
صد لابہ بامیدِ یک ابرام تو کردم — یک بار بتلخی نخریدی شکرم را
چوں توبہ کنم از غزل و قول نظیری — دوراں خرد از صد ہنر ایں یک ہنرم را

غزل نمبر ۲۵ ۔ (۱) عقل کی پختگی میرے سر سے شور و شر نکال لے گئی ۔ بڑھاپے نے میری صبح کو غفلت کی رات سے رہائی دلائی ۔ مطلب :۔ بڑھاپے میں غفلت کا پردہ اُٹھ گیا ۔ اور عقل پختہ ہو گئی ۔ (۲) میں ترنج کی طرح ہوں کہ دوسروں کی خزاں اس کے لئے بہار ہے ۔ (کیونکہ) موسم سرما کی سردی میرے برگ و بر کو تازہ کر دیتی ہے مطلب :۔ ترنج کی بہار باقی باغ کی خزاں ہوتی ہے ۔ (۳) اگر دروازہ کھول دیں تو میں اب بھی سدرۃ المنتہیٰ (انتہائی اوج) تک اُڑ سکتا ہوں ۔ اگرچہ پنجرے نے میرے پر و بال گھسا دیئے ہیں مطلب :۔ اگرچہ خاکدانِ دنیا میں آ کر ہوا و ہوس نے میرے قویٰ کو ضعیف کر دیا ہے ۔ پھر بھی اتنی استعداد رکھتا ہوں کہ اگر خودی سے رہائی پا جاؤں تو سدرہ تک اُڑ جاؤں ۔ (۴) میرے عیش کی کمی دوسروں کی عبرت کے لئے ہے ۔ زمانہ میری ترشاخ دوسروں کی نصیحت کے لئے کاٹ ڈالتا ہے ۔ (۵) ہر قدم پر سو خطر میرے راستے میں ہیں ۔ اور پھر اس سفر میں منزل کے لئے کوئی مقام بھی نہیں ہے (۶) میں کسی ایسے سفر کا راستہ طے ہی نہیں کرتا جس کے ہر قدم پر مصیبت کے خوف سے میرا جگر نہ پگھل جاتا ہو مطلب :۔ میں صرف وہی راستہ اختیار کرتا ہوں جہاں

قدم قدم پر ہول مصیبت طاری ہو (۷) شائد جب تسلیم و رضا میرا رہنما بنے میری خوف وخطر کی وادی کا راستہ پُر امن ہوجائے۔ مطلب:۔ سفر آخرت کے لئے تسلیم و رضا کی رہنمائی ضروری ہے۔ (۸) کوشش کروں اور اپنا اسباب منزل پر پہنچادوں۔ کہ کوئی رہزن کو خبر نہ پہنچاوے۔ مطلب:۔ عاقبت کے لئے اسباب نیک اعمال آگے بھیجدوں کہ کہیں موت نہ دبوچ لے۔ (۹) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر تیرے چہرے کی طرف میری نظروں کو راستہ نہیں مل سکتا۔ تو میں ہرگز اسے اجازت ہی نہ دونگا۔ کہ آنکھ کے گوشے سے باہر نکلے۔ مطلب:۔ آنکھیں صرف تیرے دیکھنے کے لئے رکھی ہیں اور بس (۱۰) تیری ایک گالی کی اُمید میں سو خوشامدیں کیں مگر تو نے میری شکر (خوشامد) کو ایک دفعہ بھی اپنی تلخی (گالی) کے عوض نہ خریدا۔ مطلب۔ ؎ سُنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم + وگرنہ کہیں سر پھرا ہے کسی کا (۱۱) اے نظیری! میں غزل اور اشعار سے کس طرح توبہ کروں جبکہ زمانہ میرے سو ہنروں سے اسی ہنر کو تو خریدتا ہے +

نعت صلعم

اے کردہ خراب خانہارا — برہم زدہ آستانہارا
صیادوشان بدام زلفت — درباختہ صید خانہارا
کردہ بہ بتاں دلربا شرط — بردہ بگرو نشانہارا
وز بہر تو صد ہزار صیاد — آراستہ دام و دانہارا
شاہاں بفصاحت تو دادہ — مفتاح در خزانہارا
در عقدۂ جعد نیم تابت — مشاطہ شکستہ شانہارا
تا کشتۂ غمزہ تو گردم — پُرساختہ ام بہانہارا
زآمد شد ہر مزار و معبد — فرسودہ ام آستانہارا
شیرازۂ نظم خویش بندم — منسوخ کنم فسانہارا
صوتے بنوائے تو برآرم — برباد دہم ترانہارا
گردید ندیم غم نظیری — خواری نرسد یگانہارا

غزل نمبر ۳۶ - نعت صلعم:۔ (۱) اے وہ ذات کہ تو نے ہمیں خانہ خراب کردیا۔ اور تمام مکانوں کو برباد کردیا۔ مطلب:۔ سب تیرے عشق میں مبتلا ہو کر خانماں برباد ہو بیٹھے۔ (۲) (تمام معشوق) شکاری خصلت لوگ تیری اُلفت کے دام میں گرفتار ہو کر اپنے شکار خانوں کو ہار بیٹھے

ہیں مطلب: معشوق اپنے عشاق کو چھوڑ کر آپ کے حُسن کے دلدادہ ہو رہے ہیں۔ (۳) تمام دلربا معشوقوں سے آپ نے شرط باندھی اور پھر سب پر گوئے سبقت لے گئے۔ (۴) آپ کے لئے سو ہزار صیادوں نے جال لگائے ہیں۔ اور دانے بکھیرے ہیں۔ (۵) بادشاہوں نے آپ کی فصاحت کے بدلے اپنے خزانوں کی کنجیاں دے دی ہیں۔ (۶) آپ کی آدھی بٹی ہوئی زلفوں میں مشاطہ نے اپنی کنگھیاں توڑ ڈالی ہیں۔ (۷) تاکہ مَیں آپ کے غمزے کا شہید ہوں۔ میں نے بیحد بہانے بنائے ہیں (۸) ہر مزا اور معبد پر میں زاہد ہو کر بیٹھا ہوں اور آستانے گھسا ڈالے ہیں مطلب: ۔ اپنی مرادِ وصل معشوق کے لئے ہر جگہ گیا ہوں۔ (۹) اب مَیں اپنی نظم کی شیرازہ بندی کرتا ہوں اور پُرانے فسانوں کو منسوخ کرتا ہوں (۱۰) اب ایک نئی آواز میں نغمہ نکالتا ہوں اور تمام دوسرے ترانوں کو برباد کرتا ہوں مطلب: ۔ طرزِ نو میں نغمہ پیرا ہوتا ہوں۔ (۱۱) اے نظیریؔ مَیں غم کا مصاحب بن گیا ہوں۔ سچ کہ اپنوں کو ذلت نہیں دی جاتی۔

نیست زیں دہر آب و دانۂ ما — ملکوتست آشیانۂ ما
کبک کہسار و بلبل گلزار — گوش دارند بر ترانۂ ما
ہر طرف صوت تازہ بندند — از غزلہائے عاشقانۂ ما
حرف شیریں شود فراموشش — خسروار بشنود فسانۂ ما
دیں فروشاں خانہ بردوشیم — دلق و دستار ماست خانۂ ما
بسلمہ ملک و مال مے بازیم — دل خورسند بس خزانۂ ما
لمن الملک مے زنیم امروز — غیر ما کیست در زمانۂ ما
خور پس از استوا سجود کند — بس بلندست آستانۂ ما
حذر از ما کہ برق در ابریم — رعد مے نالد از زبانۂ ما
زخم قوس قضا بما نرسد — ہست نیر قدر نشانۂ ما
خرج یک روزہ نظیری نیست — حاصل عمر جاو دانۂ ما

غزل نمبر ۲۷

۔ (۱) اس زمانے سے ہمارا آب و دانہ نہیں ہے۔ (بلکہ) ہمارا آشیانہ عالمِ ملکوت ہے مطلب: ۔ انسان کی ترقی کا مسکن فرشتوں کا مقام ہے نہ کہ دنیا۔ (۲) کہسار کا چکور اور باغوں کی بلبلیں ہمارے ترانہ پر کان لگاتے ہیں۔ (۳) ہماری عاشقانہ غزلوں سے ہر طرف نیا نغمہ نکالا جا رہا ہے۔ (۴) خسرو اگر ہمارا فسانہ سُن لے تو شیریں کی باتیں بھول جائے۔ (۵) ہم خانہ بدوش دعویداران دین ہیں (دریا کار لوگ ہیں) ہماری گدڑی اور پگڑی ہی ہمارا گھر ہے۔ (۶) ہم ملک و مال مفت

ہی ضائع کر دیتے ہیں (کیونکہ) ہمارا شاد دل ہی ہمارا خزانہ ہے مطلب :۔ بہ سلم باختن (۔ بیعانہ میں دے دینا۔ برائے نام قیمت پر دینا۔ (۷) ہم آج "لمن الملک" کا نعرہ لگاتے ہیں (آج کے دن ملک کس کا ہے) آج ہمارے زمانے میں ہمارے سوا اور کون ہے مطلب :۔ فردائے قیامت کو خدا تعالیٰ فرمائیگا۔ لمن الملک الیوم (آج کے دن ملک کس کا ہے)۔ جب کوئی جواب نہ ملیگا تو خود ہی فرمائیگا۔ للّٰہِ الواحد القہار (اللہ واحد اور قہار کے لئے) نظیریؔ فخریہ کہتا ہے۔ کہ میں آج یہ نعرہ [illegible] ہوں کہ ملکِ شاعری آج کے دن کس کا ہے یعنی میرا مدِ مقابل کوئی نہیں۔ (۸) خورشید استوا پر [illegible] (انتہائی بلندی پر پہنچ کر) ہمیں سجدہ کرتا ہے۔ ہمارا آشیانہ اس قدر بلند ہے (۹) ہم سے [illegible] کہ ہم ابر میں برق ہیں (کیونکہ) ہمارے شعلے سے رعد بھی نالاں ہے مطلب۔ اپنے ہمعصروں [illegible] (۱۰) قضا کی کمان کا زخم تو ہمیں نہیں لگتا بلکہ ہمارا نشانہ قدر کا تیر ہے مطلب :۔ شا[illegible] قضا کے لغوی معنوں پر اس شعر کی بنیاد رکھی ہے۔ قضا وہ دفتر ہے جہاں سے فرمان جا[illegible] اسے قدر کہتے ہیں۔ (۱۱) ہماری تمام عمر کا حاصل نظیریؔ کے ایک دن کے خرچ جتنا بھی نہیں ہے [illegible] تمام عمر کی شاعری نظیریؔ کے ایک دن کی شاعری کے برابر بھی نہیں ؎

ببریدن نرود ذوق تو از اندیشۂ ما — سالہا پنجہ بہم دادہ رگ و ریشۂ ما
اصل ما آب ز سرچشمۂ تحقیق خورد — گل تسلیم و رضا آورد اندیشۂ ما
مے منصور کہ در جوش زخامیہا بود — بعد دورے بقوام آمدہ در شیشۂ ما
در خس و خانہ نہ بینیم بجز جلوہ دوست — شجر وادیٔ ایمن بود از بیشۂ ما
عشق آوردہ خلیل اللہ ز آذر چہ عجب — یا صمد گوئے شود گر صنم از تیشۂ ما
کوہکن از ہنر عشق ندارد نامے — کار ما ہست کہ عشق ست ہمیں پیشۂ ما
گل و برگ چمن عشق نظیریؔ ماییم — نرود تا ابد از خاک رگ و ریشۂ ما

غزل نمبر ۲۸ ۔ (۱) تیرا ذوقِ عشق تو ہمارے خیال سے کاٹ دینے سے بھی جا نہیں سکتا کیونکہ ہماری جڑیں سالہا سال تک مضبوط ہوتی چلی گئی ہیں مطلب :۔ عشق رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا اسے جانا محال ہے۔ (۲) ہماری جڑیں تحقیق کے سرچشمہ سے پانی لیتی ہیں اور ہمارا اندیشہ تسلیم و رضا کے پھول نکالتا ہے۔ (۳) منصور کی شراب جو ناپختہ ہونے کی وجہ سے پُرجوش تھی ایک مدت کے بعد پختہ ہو کر ہمارے شیشہ میں آئی مطلب :۔ منصور نے دعوئے انا الحق کر کے اپنے پختہ نہ ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ ہم نے وہی شراب حاصل کی ہے۔ مگر اس وقت جب وہ پختہ ہو گئی ہے (۴) ہم اپنے گھر کے

خس و خاشاک میں بھی دوست کے جلوے کے بغیر اور کچھ نہیں دیکھتے ۔ وادیٔ ایمن کا درخت بھی ہمارے ہی جنگل سے تھا ۔ مطلب :۔ ذرّے ذرّے میں جمالِ ایزدی نمایاں ہے (۵) جب عشق نے آذر (جیسے بُت پرست و بت تراش) سے خلیل اللہ (جیسے توحید پرست) پیدا کر دیئے تو کیا تعجب ہے کہ بت ہمارے تیشے سے "یا حمد" کی آواز نکالنے لگے (۶) کوہکن عشق کے ہنر سے تو شہرت نہیں رکھتا ۔ یہ ہمارا ہی کام ہے کہ عشق ہمارا پیشہ ہے مطلب :۔ کوہکن کوہکنی کی وجہ سے مشہور ہے ۔ کہ عشق سے مگر ہم عشق کی بدولت مشہور ہیں ۔ (۷) اے نظیریؔ ! ہم عشق کے چمن کے گل و برگ ہیں اس لئے ، ہمارے رگ و ریشے قیامت تک خاک سے نہیں نکل سکتے ۔ مطلب عشق دائمی ہے ختم نہیں ہوتا ۔

نظر بر روئے او ر و زدیدہ بکشا — زخود گم گرد و بر روے دیدہ بکشا
گل پژمردۂ ما با غباں چید — صبا گو غنچۂ ناچیدہ بکشا
مبادا عالمے را جان بر آید — گرہ از زلف خود فہمیدہ بکشا
بگلشن بگذرد و رطعنۂ گل — زبان بلبل شوریدہ بکشا
برافشاں کاکل و شمشاد را گو — شکنج طرۂ ژولیدہ بکشا
گرہ بر جبین ابرو از چہ داری — سراپے نافۂ پیچیدہ بکشا
ز رمز عشق آگاہی نظیریؔ — معمائے ازل نشنیدہ بکشا

غزل نمبر ۲۹

(۱) اس کے چہرے پر دزدیدہ نگاہیں ڈال ۔ اپنے آپ میں گم ہو جا ۔ اور پھر اس پر آنکھیں کھول ۔ مطلب :۔ خودی کو فنا کر کے معشوق کو دیکھ ۔ (۲) ہمارے مرجھائے ہوئے پھول کو باغبان نے چُن لیا ۔ اے صبا اُس سے یہ بھی تو کہو کہ نہ چنا ہوا غنچہ کھلا دے ۔ (۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) ذرا سوچ کر اپنی زلفوں کی گرہیں کھولنا ۔ کہیں ایسا نہ ہو دنیا کی جان نکل جائے (۴) تو ذرا گلشن میں بھی گزر کر ۔ تاکہ پھول کو طعنہ دینے کے لئے بلبل شوریدہ کی زبان کھلے ۔ مطلب تجھے دیکھ کر بلبل پھول کو کہیگی ؂ ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوقؔ ۔ اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے (۵) تو اپنی زلفوں کو کھول ڈال اور پھر شمشاد سے کہو کہ اپنی پُر شکن زلفوں کے شکن کھول دے ۔ (۶) تو اپنے ابروؤں کے شکنوں پر گرہ کیوں رکھتا ہے ۔ اس پیچیدہ نافے کا منہ کھول دے ۔ (۷) اے نظیریؔ تو عشق کی رمز سے آگاہ ہے ۔ اس لئے ناواقف دل کے لئے یہ راز کھول دے ۔ مطلب :۔ تو آگاہ ہے تو دل کو بھی آگاہ کر دے ۔

مستی ربودہ از کف ہستی زمام ما | مطرب نمے دہد خبرے از مقامِ ما

تا گشتہ ایم غافل ازو دور ماندہ ایم | پدرام مے شویم کہ وحشی ست رامِ ما

دانی کہ نور مردمکِ چشم عالمیم | بینی اگر بدیدۂ معنی حرامِ ما

خود را برہنہ بر صف شمشیر مے زنیم | کاندر فنائے ماست بقائے دوامِ ما

برکف کلیدِ جنت و برلب سلام حور | رضواں ستادہ در طلب بارِ عامِ ما

خرمن بباد رفت درین دشت پُر فریب | مُرغے نسود گوشۂ بالے بدامِ ما

پستان دایہ در کف مشتاق شاہ ہست | بے گریہ قطرۂ نچکاند بکامِ ما

تا اقتدا بحافظِ شیراز کردہ ایم | گردیدہ مقتدائے دو عالم کلامِ ما

بارانِ گریہ طبع نظیری بہار ساخت | گو باد تا برد بگلستان پیامِ ما

غزل نمبر ۳۰ - (۱) مستی نے ہستی کے ہاتھ سے ہماری باگ چھین لی ہے اور مطرب ہمیں ہمارے مقام سے باخبر نہیں کرتا۔ مطلب :۔ مستیٔ عشق نے بالکل بے خود بنا دیا ہے۔ (۲) جب سے اس سے غافل ہو گئے ہیں۔ دُور بھی ہوتے گئے ہیں۔ ہم نامُراد ہوتے گئے ہیں۔ کہ ہمارا معشوق وحشی ہے مطلب:۔ ہماری غفلت معشوق کو زیادہ دُور کئے جا رہی ہے۔ (۳) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر تو معنی میں چلنے والی آنکھوں سے دیکھے تو جان لے گا کہ ہم عالم کی آنکھ کی پُتلی کا نور ہیں مطلب :۔ صاحبِ تصوّف کہتے ہیں عدم آئینہ ہے۔ عالم اس آئینہ میں عکس خداوندی ہے۔ اور انسان اس آئینے میں عکس کی آنکھ کی مانند ہے۔ (۴) ہم ننگی تلواروں کی صف پر اپنے آپ کو دے مارتے ہیں۔ کیونکہ ہماری بقا ہماری فنا میں پوشیدہ ہے۔ (۵) (دوسرا مصرعہ پہلے) رضوان ہمارے لئے اجازت عام لئے اس طرح کھڑا ہے کہ اس کے لبوں پر حوروں کا سلام ہے۔ اور ہاتھ میں جنّت کی کلید ہے مطلب۔ حوریں ہمارے لئے مُشتاق ہیں اور جنت کا دروازہ ہم پر کھُلا ہے۔ (۶) اس فریب بھرے جنگل میں خرمن تباہ ہو گیا۔ لیکن پھر بھی کسی پرندے نے ہمارے جال کے ساتھ اپنے بال کا گوشہ چھُوا تک نہیں مطلب :۔ دام میں دانہ ڈال کر خرمن برباد کر دیا لیکن کوئی پرندہ شکار نہ ہوگا (۷) مشتاق بچے کے ہاتھ میں دایہ کا پستان ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تاوقتیکہ ہم نہ روئیں ایک قطرہ ہمارے حلق میں نہیں ٹپکاتی مطلب :۔ روئے بغیر ماں دودھ بھی نہیں دیتی۔ کوشش کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ (۸) جب سے ہم نے "حافظِ شیراز" کی پیروی شروع کی ہے ہمارا کلام دونوں جہانوں کے لئے پیروی کے قابل ہو گیا ہے مطلب :۔ حافظِ شیراز کی پیروی کرنے سے ہمارا کلام بلند ہو گیا ہے اور لوگ ہماری پیروی

کرنے لگے ہیں (۹) نظیری کی طبیعت کو رونے کی بارش نے بہار کر دیا۔ ہوا کہاں ہے تاکہ گلستاں تک ہمارا پیام لے جائے ۔

در پردہ رہ نداوند وقت سخن صبارا ۔ من نیک مے شناسم پیغام آشنارا
عیش دیارِ غربت چوں برق درگذرست ۔ نتواں بقید کردن ذوق گریز پارا
وجد و سماع صوفی خالی ازاں مقام ست ۔ چیزے ببیار ماند آں آہوِ خطارا
زخوردۂ کہ دارو گل در قبا نگنجد ۔ جائیکہ ہست ذوقی میگردد آشکارا
فقر و تنگدستی شوم ست عجب و مستی ۔ درکشورِ غیوراں نخوت کشد گدارا
قدر قابلیت داوند ہرچہ داوند ۔ حق راست بر تو حجت تہمت مکن قضارا
مرغزار عقبلے یا سبزہ زار دنیا ۔ تا دانم از کجائی حرفی بگو خدارا
...اف و مہربانی عہد از جہاں برانداخت ۔ شد راستی خوشامد شد دوستی مدارا
باشاہ عشق بازاں آخر کسے بگوید ۔ بے آب و دانہ کشتی مرغانِ خوش لوارا
از کاہشِ محبان بر قدر خود فزائید ۔ با ایں خسیس مردم یاری مگیر بارا
خوش فطرتی نظیری حل دقیق خود کن ۔ حاصل زکام مردم بانگ است آسیارا

غزل نمبر ۱۳ - (۱) بات کرتے وقت تو پردے اُنہوں نے صبا کو بھی اجازت نہ دی۔ اس لئے میں آشنا کے پیغام کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ (۲) مسافرت کی دیار کا عیش برق کی طرح گذر جانے والا ہے۔ بھاگ جانے والے ذوق کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب: ـ ؎

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں ✢ مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں (اقبالؔ)

(۳) صوفی کا وجد و سماع اسی مقام کی حکایت بیان کرنے والا ہے۔ کہ اس ختائی ہرن میں کوئی چیز یار کی مانند ہے۔ (۴) جو ریزگاری پھول کے پاس ہے اس پر وہ پھولے نہیں سماتا۔ جہاں کہیں بھی ذوقِ عشق ہو ظاہر ہو جاتا ہے۔ مطلب: "خوردۂ گل" پر مطلب شعر کی بنیاد رکھی ہے۔ خوردہ بمعنی ریزگاری یا نقدی۔ (۵) فقر اور تنگدستی کے ہوتے ہوئے غرور و مستی بُری ہوتی ہے۔ کیونکہ غیرت مندوں کی ولایت میں تکبّرِ گدا کی موت کا باعث بن جاتا ہے۔ مطلب: ـ گدائے متکبّر اس شہر میں جہاں توانگرانِ غیور ہوں بھوکا مریگا۔ کیونکہ وہ عُجب میں دستِ سوال دراز نہ کریگا۔ اور وہ بے طلب دینے سے رہے (۶) جو کچھ دیا گیا ہے استعداد کے موافق دیا گیا ہے۔ یہی درست دلیل ہے۔ اس لئے قضا کو قصوروار نہ سمجھ۔ مطلب: ـ قضا و قدر کو کوسنا درست نہیں۔ (۷) تو عقبیٰ کے مرغزار سے ہے یا دنیا کے سبزہ زار سے۔ ایک حرف

تو خدا کے لئے کہو۔ تاکہ میں معلوم تو کروں تم کہاں سے آئے ہو مطلب:۔ انسان سے تخاطب ہے۔

(۸) انصاف اور مہربانی کا زمانہ جاتا رہا۔ اب خوشامد کا نام سچائی ہے۔ اور لطف کا نام دوستی ہے (۹) اس عشقبازوں کے بادشاہ سے کوئی کہدے کہ تو نے خوش آواز پرندوں کو پانی اور دانے کے بغیر ہی مار ڈالا ہے۔ (۱۰) یہ لوگ (رقیب) دوستوں کی تکلیف سے اپنی قدر بڑھاتے ہیں۔ اس لئے اے دوست تو ان کمینے آدمیوں سے دوستی نہ کر۔ (۱۱) اے نظیری تو سید فطرت ہے۔ اپنی باریکیوں کا حل خود کرلے کیونکہ لوگوں کے حلق سے تو چکی کی سی آواز ہی نکلتی ہے مطلب:۔ کسی دوسرے سے مطلب حاصل نہیں ہوسکتا۔

اوب گرفتہ عنانِ خمار و مستیٔ ما — برابرست بلندیٔ ما و پستیٔ ما
بخود ز دوست نیائیم تا ز مے مستیم — تمام دوست پرستی ست می پرستیٔ ما
ہزار ساغر دیدار شد تہی و ہنوز — فرو حوصلۂ ماست و شوق و مستیٔ ما
خمار شوق ندارد صبوح ما ہرگز — بیک طلوع بود نشۂ الستیٔ ما
مثال صورت موہوم بے نشاں بودیم — بمنظر تو کشیدند نقش ہستیٔ ما
ز حقۂ گہرت کار بر نمے آید — ز تنگی دہن تست تنگدستیٔ ما
ز گوشہائے نظیری طپانچہ پوست بریخت — عذار دف نخورد ضربت دو دستیٔ ما

غزل نمبر ۲۳ ۔ (۱) ادب نے خمار اور مستی کی باگ تھامی ہوئی ہے۔ ورنہ ہماری پستی اور بلندی بالکل برابر ہے۔ (۲) ہم دوست سے اپنے آپ میں نہیں آتے گویا شراب میں مست ہیں۔ گویا ہماری مے پرستی ہی دوست پرستی ہے مطلب:۔ ہم دیدار میں مست ہیں۔ اور اپنے آپے میں نہیں ہیں (۳) دیدار کے ہزاروں ساغر خالی ہو چکے لیکن پھر بھی ہمارے شوق مستی کا حوصلہ کم نہیں ہوتا۔ ع

کیا بات ہے کیا راز ہے سو مرتبہ دیکھوں ۔ پھر بھی یہ کہوں جلوۂ جاناں نہیں دیکھا۔ (۴) ہماری شرابِ صبح شوق کا خمار نہیں رکھتی کیونکہ ہمارا نشہ روزِ اوّل کی صبح ہے مطلب:۔ ہماری شراب روزِ ازل میں ہمیں ملی تھی۔ اس کا نشہ کبھی نہیں اُترتا۔ خمار تو ہوتا ہی جب ہے کہ نشہ اُترے اس لئے وہ کیسے طاری ہو (۵) ہم تو ایک وہمی صورت کی طرح بالکل بے نشان تھے۔ تیرے نظارے پر ہماری ہستی کا نقش رکھا مطلب:۔ ہماری ہستی بذاتِ خود کچھ نہیں (۶) تیرے موتیوں کے ڈبے سے کام پورا نہیں ہوتا (اصل میں) تیرے دھن کی تنگی کی وجہ سے ہی ہماری تنگدستی ہے مطلب: معشوق کے منہ چھوٹا ہونے کو شاعر نے اپنی تنگدستی کا باعث قرار دیا ہے۔ (۷) نظیری کے کانوں سے طپانچے نے کھال اُدھیڑ دی دف کا رخسار ہماری دو دستی

کی چوٹ نہیں کھا سکتا۔ مطلب:۔ دف پر اگر زور سے دو ہتڑ رسید کی جائے تو پردہ پھٹ جاتا ہے اور نظیری بھی فراقِ یار میں منہ پیٹتا رہا ہے۔ اس لئے اس کے منہ کی کھال اُدھڑ گئی ۔

زشہر دوست مے آیم پیام عشق برلب ہا — بہ تلقینے کنم آزاد طفلاں راز مکتب ہا
بگو منصور از زنداں انا الحق گو بروں آید — کہ دین عشق ظاہر گشت و باطل ساخت مذہبہا
چو من ہر کس طبیبے دارد از رحمت چہ غم دارد — کہ آہے برکشم بر کوہ و صحرا افگنم تبہا
سحر گہ خستہ در بخور از خلوت بروں آیم — چو پروانہ کہ از صحبت برآید آخر شب ہا
ز دستِ او جراحتہائے زہر آلودہ ننمائم — بزخمم ناصحاں سوزن زنند از نیش عقرب ہا
شبے داشت ورمے از کدورتہائے حرمانم — بسوئے آسماں دیدم فرو بارید کوکب ہا
بمحض التفاتے زندہ دارد آفرینش را — اگر نازے کند از ہم فرو ریزند قالب ہا
[illegible]رادے کہ بر دل شد نکردم ضبط خود اول — کنوں کاتش ہے بار و پشیمانم زیارب ہا
نظیری پر کشا تا دیدۂ دل در کشائے ندرت — کہ از تنگی عالم تنگ مے گردند مشرب ہا

غزل نمبر ۳۳ ۔ (۱) مَیں دوست کے شہر سے آ رہا ہوں اور عشق کا پیغام میرے لبوں پر ہے۔ مَیں ایک ہی نصیحت سے بچّوں کو مکتبوں سے آزاد کرا دوں گا۔ مطلب:۔ لڑکوں کو مکتبوں سے آزاد کرا کے عشق میں گرفتار کرا دوں گا (۲) منصور سے کہدو کہ انا الحق کہتے ہوئے قید خانہ سے باہر نکل آئے کیونکہ عشق کا دین ظاہر ہو گیا اور دوسرے مذہب باطل ہو گئے ہیں۔ مطلب: منصور اس واسطے مقید تھا کہ اس نے عشق کا راز انا الحق کہکر افشا کر دیا تھا۔ اب جب کہ عشق کا دَور دورہ ہے اسے کہدو کہ وہی لفظ جو مذہب شریعت میں قابلِ اعتراض تھا کہتا ہُوا باہر نکل آئے اب اسے کوئی گرفتار نہ کریگا (۳) ہر شخص جو میری طرح طبیب رکھتا ہے۔ اسے زحمت کا کیا غم ہے۔ کہیں آہ کھینچتا ہوں اور کوہ و صحرا میں حرارت پھیلا دیتا ہوں (۴) میں صبح کے وقت بیمار اور زخمی حالت میں خلوت سے نکل آتا ہوں۔ اُس پروانے کی طرح جو رات کے آخری حصّہ میں محفل سے باہر آتا ہے (۵) مَیں اس کے ہاتھ سے لگے ہوئے زہر آلودہ زخم کسی کو نہیں دکھاتا۔ کیونکہ میرے زخم پر ناصح بچھوؤں کے ڈنگوں سے سوئیاں چبھوتے ہیں۔ مطلب:۔ مَیں نہیں چاہتا کہ ناصح سمجھا بجھا کر میرے زخموں پر نمک چھڑکیں۔ اس لیئے زخمِ دل پوشیدہ رکھتا ہوں۔ (۶) رات کا دل بھی میری مصائب کی وجہ سے کدورت رکھتا تھا۔ مَیں آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں سے بھی ستارے گر پڑے۔ مطلب:۔ زمین و آسمان میری حرمان نصیبی سے متاثر ہو گئے۔ (۷) محض اپنی توجہ سے وہ موجودات کو زندہ رکھتا ہے۔ اگر وہ بھی ناز کرے تو تمام اجسام تباہ ہو جائیں۔

(۸) جو ظلم میرے دل پر ہوئے پہلے میں نے خود ہی ضبط نہ کئے۔ اب جبکہ آگ برسنے لگی ہے۔ اپنے یارب یارب کرنے پر پریشان ہوں۔ مطلب:۔ آغاز میں تو خود فریاد کرنے کا عادی بنا۔ اب جبکہ فریاد و فغاں کے ہاتھوں ہر طرف آگ برسنے لگی ہے۔ میں اس فریاد پر پشیمان ہوں۔ (۹) نظیریؔ تو پردوں کو کھول تاکہ تیرے دل کی آنکھیں کھول دیں۔ کیونکہ تنگیٔ عالم کی وجہ سے مذہبوں میں تنگ نظری پیدا ہوتی ہے۔

گر بسخن در آورم عشق سخن سرائے را ۔۔۔ بر برد و دوش سرو ہی گریۂ یا بہائے را

گل بخزاں شگفتہ شد وین دل بستہ وانشد ۔۔۔ در بُن ناخنست نے بخت گرہ کشائے

نے زرہے خبر وہم نے بدلے اثر کنم ۔۔۔ صوت کجم ز کاروان زمزمۂ درائے

ہر املے کہ صعب تر روزئے عاشقاں شود ۔۔۔ طعمہ ز استخواں سزد حوصلۂ ہمائے

درس ادیب اگر بود زمزمۂ محبتے ۔۔۔ جمعہ بمکتب آورد طفل گریز پائے

خاتم جم شکستہ تن ہیکل عشق ساختہ ۔۔۔ منظر دوست کردہ دل جام جہاں نمائے را

پیش نظیریؔ از فلک درد دلے برم کہ ہست ۔۔۔ بر در شہ اثر بلے نالۂ آں گدائے را

غزل نمبر ۴۳ - (۱) اگر میں شعر خوان عشق کو گفتار میں لے آؤں تو تُو ہائے ہائے کرکے رونے لگے مطلب واردات عشق روئے بغیر تو نہ سن سکیگا۔ (۲) پھول موسم خزاں میں کھل گیا۔ مگر میرا گرفتہ دل نہ کھُلا۔ شاید میرے گرہ کھولنے والے نصیب کے ناخن میں تنکے پھنسے ہوئے ہیں۔ مطلب:۔ نے در بُن ناخن شدن۔ عاجز آنا یا تکلیف میں مبتلا ہونا۔ (۳) نہ کسی کو راستہ بتاتا ہوں اور کسی کے دل پر اثر کرتا ہوں۔ میں قافلے کی گھنٹیوں کی غلط یا کج آواز ہوں۔ مطلب:۔ "بانگِ درا" بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ بتاتی ہے مگر میرے نالے ایسا نہیں کرتے۔ اس لئے "زمزمہ درا کی صوتِ کج" قرار دیا ہے۔ (۴) جو الم سخت ترین ہوتا ہے۔ وہ عاشقوں کا حصہ بنتا ہے (ہاں واقعی) ہما کے حوصلے کے لئے ہڈیوں کی خوراک ہی چاہیئے (۵) اگر اُستاد کا درسِ محبت کا زمزمہ ہو تو بھگوڑے بچے جمعہ کے روز بھی مکتب میں آجائیں۔ مطلب:۔ اگر درسِ محبت مدرسوں میں ہونے لگے تو بھگوڑے چھٹی کے دن بھی مکتب میں آجایا کریں دلچسپی لینے لگیں (۶) بدن نے جمشید کی انگوٹھی توڑ کر عشق کی ہیکل بنالی ہے اور دل نے "جامِ جہاں نما" کو دوست کی نظارہ گاہ بنالیا ہے (۷) آسمان کے ہاتھوں جو دردِ دل ملا ہے۔ وہ میں نظیریؔ کے پاس لے جاتا ہوں۔ کیونکہ بادشاہ کی درگاہ میں اس گدا کا بہت اثر ہے مطلب:۔ نظیری مستجاب الدعوات ہے دردِ دل کا علاج کریگا۔

بگذر از عشق کز خطوہ نہ کامست اینجا ۔۔۔ دل بحسرت نہ و بس کار تمام ست اینجا

خط آزادگی سرو بمرغان ندہند ۔۔۔ باز گردید کہ سیمرغ بدام است اینجا

فکر طوبیٰ و جناں در ورع عشق خطاست | ہر چہ در شرع مباح ست حرام ست اینجا
جرعہ از شبہ خاطر ز گلو بر گردد | ہاں بہش باش کہ جام ولب بام ست اینجا
خود بخود بانگ زنم خود بخود آواشنوم | خبرم نیست کہ گویم چہ مقام است اینجا
ہمہ مے نوشی و مستی و نشاط و طرب ست | کس چہ داند کہ شب و روز کدام ست اینجا
زابرِ ساغر مہ رخسارۂ ساقی بنمود | شکر للہ کہ تجلےٰ بدوام است اینجا
غائب از دیدۂ بازم نشود یک ساعت | آنکہ رم خوردہ از وہم ہمہ رام ست اینجا
فیض آب خضر از نظم نظیری ریزد | کہ صفائے سحری تا دم شام ست اینجا

غزل نمبر ۳۵ - (۱) عشق سے گزر جا کہ یہاں نہ قدم اور نہ قدم کا نشان ہے۔ یہاں تو دل کو حسرت زدہ کرلے اور بس مطلب پورا ہو جاتا ہے۔ مطلب:۔ دل کی حسرت کامیابی کا باعث ہے۔ (۲) سرو کی آزادی کا فرمان پرندوں کو نہیں ملتا۔ لوٹ جاؤ کہ سیمرغ بھی یہاں گرفتار ہے۔ مطلب:۔ اور تو اور سیمرغ (مرشدِ کامل) بھی یہاں پابند دام ہے۔ اس لئے لوٹ جاؤ۔ (۳) عشق کی پرہیزگاری میں طوبیٰ اور جنت کی فکر رکھنا غلطی ہے۔ جو شریعت میں جائز ہے۔ وہ (عشق کی شریعت) میں حرام ہے۔ مطلب ؎
سود اگر ہی نہیں یہ عبادت خدا کی ہے + اے بیخبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے (۴) دل میں شبہ پیدا ہو جانے سے گھونٹ گلے سے باہر آجاتا ہے۔ ہاں ہوشیار رہنا کہ یہاں جام بھی رہتے ہے اور لب بام بھی (۵) میں خود ہی نعرہ لگاتا ہوں اور خود ہی آواز سنتا ہوں۔ معلوم نہیں کہ یہ کونسا مقام ہے۔ مطلب:۔ صوفی بعض اوقات اس حالت میں ہوتا ہے کہ اپنے آپ بلاتا ہے اور خدا کی طرف سے جواب سنتا ہے اور بعض اوقات خدا کو پکارتا ہے اور خود جواب دیتا ہے۔ (۶) ہر وقت شراب نوشی مستی خوشی و خرمی ہے۔ کوئی کیا جانتا ہے کہ رات دن یہاں کون رہتا ہے۔ (۷) ساغر کے ابر میں ساقی کے رخسار کا چاند نظر آیا۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ جلوۂ دوام نظر آرہا ہے ؎ ما در پیالہ عکس رخِ یار دیدہ ایم + اے بیخبر ز لذّتِ شرب مدام ما۔ (حافظ)
(۸) میری کھلی ہوئی آنکھوں سے ایک لحظہ کے لئے بھی وہ غائب نہیں ہوتا۔ جو شخص سب کے وہم سے بھی بدکا ہوا ہے۔ یہاں (ہمارے ہاں) رام ہوا ہوا ہے + (۹) نظیری کی نظم سے آب حیات کا سا فیض ٹپکتا ہے کہ صبح کی روشنی یہاں شام تک موجود رہتی ہے +

از چاہ غبغبش بدر آوردہ ماہ را | بر ماہ عقرب سیہش بستہ راہ را
عابد کہ بیندش بدر آید ز خانقاہ | سلطان کہ یابدش بگذارد سپاہ را
گر روز حشر پردہ ز رویش برافگنند | ایزد بروئے بندہ نیارد گناہ را

آں کجکلہ چو باصف عشاق بگذرد ۔۔۔ شاہاں ز سر نہند ہوائے کلاہ را

از ہیبت تجلّے دیدار سوختیم ۔۔۔ برق آورد بشارت باراں گیاہ را

عاجز شدہ است دیدہ ز ادراک حسن او ۔۔۔ در حوصلہ جمال نگنجد نگاہ را

بارے چو در بغل ہمہ خرمن نمے رود ۔۔۔ بیجادہ در کنار کشد برگِ کاہ را

امید ہست کز سرِ آں بام بگذرد ۔۔۔ پا در میاں کوئے کشودیم آہ را

خاکش بفرق کن کہ بجاناں نمے رسد ۔۔۔ عاشق گر التفات کند مال و جاہ را

گر ایں عطش نجلد نظیریؔ زجاں رود ۔۔۔ جوئیم ز سلسبیل بآتش پناہ را

غزل نمبر ۳۶ ۔(۱) اس نے اپنی ٹھوڑی کے کنوئیں سے چاند باہر نکالا ہؤا ہے۔ اور چاند کے سیاہ بچھو نے راستہ روکا ہؤا ہے ۔مطلب:۔ چاند سے مراد رخسارِ معشوق ہے۔ اور عقرب سے زلفیں ۔(۲) اگر اسے عابد دیکھ لے تو خانقاہ سے باہر نکل آئے۔ اور اگر بادشاہ دیکھ پائے تو اپنی سپاہ کو خیر باد کہدے ۔مطلب:۔ حُسن تقویٰ سوز اور شاہ گُش ہے ۔(۳) اگر حشر کے دن اس کے چہرے سے پردہ ہٹائینگے تو خدا تعالےٰ فریادی سے گواہ کا طالب ہی نہ ہوگا ۔مطلب:۔ اس کے حُسن کو دیکھ کر ہی تسلیم کرلیگا کہ اس نے یہ خونریزیٔ عشاق کی ہوگی ۔(۴) وہ ٹیڑھی کلاہ والا (معشوق) جب اپنے عشّاق کی صفوں کے ساتھ گذرتا ہے تو بادشاہ تاج کی خواہش سر سے نکال دیتے ہیں ۔مطلب:۔ بادشاہ اس کے غلام ہوکر خواہشِ بادشاہی چھوڑ دیتے ہیں ۔(۵) ہم دیدار کی تجلّی کی ہیبت سے جل گئے۔ ہاں، بجلی گھاس کے لئے بارش کی خوشخبری لایا کرتی ہے ۔مطلب:۔ بجلی چمکتی ہے تو بارش بھی ہوتی ہے۔ ہم اگر ہیبت تجلّی سے جلے ہیں تو اب ابر رحمت کی توقع بھی رکھنی چاہیئے ۔(۶) آنکھیں اس کے حسن کی پہچان سے عاجز رہ گئی ہیں۔ نگاہ کے حوصلے میں اس کا جمال سماتا ہی نہیں ۔(۷) چونکہ بغل میں تمام خرمن نہیں سماسکتا۔ اس لئے بے جادہ (کہربا) اپنی بغل میں ایک گھاس کا تنکا ہی دبالیتا ہے ۔مطلب:۔ اپنی اپنی استعداد کے موافق ہر شخص فیض حاصل کرلیتا ہے ۔(۸) (دوسرا مصرعہ پہلے) ہم نے اپنی آہ کے پاؤں اس کے کوچے میں کھول ڈالے۔ اس اُمید سے کہ اس معشوق کے مکان کی چھت پر سے تو گزریگی ۔مطلب۔ اس لئے آہ کھینچی کہ اس معشوق کے مکان کے اوپر سے گزرنے کا فخر ہی حاصل کریگی (۹) اس کے سر پر خاک ڈال۔ کیونکہ وہ عاشق مال اور مرتبے کی طرف توجہ کرتا ہے معشوق تک نہیں پہنچتا ۔مطلب:۔ طلبِ مال وجاہ عشق میں نامرادی کا باعث ہے ۔(۱۰) اے نظیریؔ اگر یہ پیاس بہشت میں جاتی رہے تو ہم چشمۂ کوثر سے آگ میں جاکر پناہ لیں گے ۔مطلب عطشِ عشق کی لذت نہیں چھوڑیں گے۔ اگر بہشت میں

رفع ہو جائیگی تو پھر آتشِ دوزخ سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرینگے +

برائے خشتِ خُم خوبیم گو آں پیرِ ترسا را
کزیں بازیچۂ طفلاں خرو مشتِ گِل مارا

جہاں را نیست آں معنی کہ باید فکر آں کردن
الف با خوان ہر مکتب شگافد ایں معمّا را

بخود از بہر حسرت داد راہم ورنہ معلوم ست
زور یا چند در آغوش گنجد موج دریا را

ہمیں بس شاہد بے اختیاریہائے مشتاقاں
کہ عذر از جانب یوسف بود جرمِ زلیخا را

خموشی منزل عشق آرم کہ بر درگاہ سلطاناں
کماں برزہ نمے آرند بازوئے توانا را

ہمیں مقدار میخواہیم از رُخ پردہ بردادی
کہ بشناسیم قدر بینشِ ناداں و دانا را

نظیری خاطرے از داغِ دل آزردہ تر دارد
قدم ہشیار نہ اینجا کہ در خوں مے نہی پارا

غزل نمبر ۳۷ - (۱) میخانے کے اس بوڑھے سے کہدو کہ ہم شراب کے مٹکوں کی اینٹ بننے کے لئے خوب ناموزوں ہیں - اس لئے ہماری مُٹھی بھر خاک کو اس بچوں کے کھیل کے مقام سے خرید لے -
(۲) جہان کے ایسے معنی نہیں ہیں کہ اس پر زیادہ سوچا جائے - بلکہ ہر مکتب کا ابجد خواں بھی اس راز کو جان لیتا ہے - مطلب :- جہان کی بے ثباتی کا راز ہر بچہ بھی جانتا ہے - (۳) اس نے اپنی طرف محض ہمیں وقفِ حسرت کرنے کے راستہ دیا - وگرنہ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ دریا کی آغوش میں کب تک موجِ دریا سمائی رہتی ہے - مطلب :- ہم دریائے وحدت کی موج ہیں اور اس لئے حقیقت میں اُس سے جُدا نہیں - (۴) عاشقوں کی بے بسی یہی گواہی کافی ہے - کہ زلیخا کے جُرم کا عذر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے ہوتا ہے - تھی خطا ان کی مگر جب آ گئے وہ سامنے + جھک گئیں میری ہی آنکھیں رسمِ الُفت دیکھئے -
(۵) میں خموشی عشق میں اختیار کرتا ہوں - کیونکہ بادشاہوں کے دربار میں توانا بازوؤں میں کمان چلّے نہیں چڑھاتے - مطلب :- بادشاہ ضعیفوں سے زور آزمائی نہیں کرتے - میں بھی عشق میں عجز اختیار کرتا ہوں تاکہ عاشقوں کا بادشاہ ظلم و ستم کی طرف مائل ہی نہ ہوں - (۶) ہم تو صرف اس قدر چاہتے ہیں (اے معشوق حقیقی) کہ تو اپنے چہرے سے پردہ اُٹھا دے - تاکہ ہم نادان اور دانائی دانائی کا اندازہ کرلیں - مطلب جب حقیقت کا چہرہ بے نقاب ہو جائیگا تو ہم معلوم کرلیں گے کہ دانا (صاحبانِ شریعت و فلاسفر) حق پر تھے - یا نادان (عشاق) راہِ راست پر گامزن تھے - (۷) نظیری اپنا دل داغِ دل سے آزردہ رکھتا ہے - اے معشوق یہاں دیکھ بھال کر قدم رکھنا - کیونکہ تو خون میں قدم رکھ رہا ہے - مطلب :- زخموں سے ہمارا سینہ ریش ہے کثرتِ جراحت کی وجہ سے تمام خون ہی خون ہے - اس لئے معشوق کو کہتا ہے کہ اگر تو ہمارے خانۂ دل میں آ رہا ہے تو ہوشیار ہو کر قدم رکھنا +

تو اگر ز کعبہ راندی و گر از کنشت مارا — غم بندہ پرور تو بدری بہشت مارا
چو حدیث راست گویاں ہمہ مذاق تلخیم — بسفینۂ عزیزاں نتواں نوشت مارا
گل و برگ خانۂ ما ہمہ بلبلاں مستند — کہ بعاشقی برآمد ہمہ کار و کشت مارا
کہ نشست نیم ساعت بر ما زلال طبعاں — کہ ز پردہ برنیامد ہمہ خوب و زشت مارا
ز عتاب تلخ ساقی دل ما غبار دارد — بحلاوتِ حریفاں نتواں سرشت مارا
ہمہ روز دستِ حسرت چو مگس زدور لیسیم — کہ سر آستین مہماں بشکر نہشت مارا
نہ صنم بجائے یابی نہ گلے باب و رونق — ز خطا بہم برآمد ہمہ خاک و خشت مارا
بتواضع جم و کے سر ما فرو نیاید — کہ حدیث عشق و سودا شدہ سرنوشت مارا
بصداع غم نظیریؔ ز خمار بادہ رستیم — نکند دماغ خوشبو گل صد بہشت مارا

غزل نمبر ۳۸ - (۱) تونے اگر ہمیں کعبے سے نکال دیا۔ یا بتخانے سے باہر کردیا (پھر بھی) تیرے بندہ نواز غم نے ہمیں کسی دروازے کا نہ بنا کے چھوڑا۔ (۲) ہم سچ کہنے والوں کی بات کی طرح سب لوگوں کے مذاق پر تلخ ہیں۔ (اس لئے) ہمیں دوستوں کی نوٹ بک میں لکھا نہیں جاسکتا۔ مطلب:۔ چونکہ ہم سچ کہنے کے عادی ہیں، اور حالت یہ ہے کہ اَلحَقُّ مُرٌّ۔ (سچی بات کڑوی ہوتی ہے) اس لئے لوگ ہم سے دوستی پسند نہیں کرتے۔ اور کوئی شخص ہمیں اپنی نوٹ بک میں فہرستِ دوستی میں شمار نہیں کرتا۔ (۳) ہمارے گھر کا سب ساز و سامان مست بلبلیں ہیں۔ کیونکہ ہمارے تمام کاروبار کی بنیاد ہی عشق پر رکھی گئی ہے۔ مطلب: عشق ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ اس لئے گھر کا ذرہ ذرہ کشتۂ عشق ہے۔ (۴) ہم صاف طینت آدمیوں کے پاس کون شخص نصف گھنٹہ کے لئے بیٹھا ہو۔ کہ اس پر ہمارا نیک و بد پردے سے عیاں نہ ہوگیا ہو۔ مطلب ہماری صاف دلی سے ہر شخص جو قلیل مدت بھی ہمارے پاس بیٹھے تمام حقیقت حال پہچان لیتا ہے، (۵) ساقی کے تلخ عتاب کے ہاتھوں ہمارا دل غبار سے بھرا ہوا ہے۔ (اس لئے) حریفوں کے عیش میں ہمیں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ مطلب:۔ چونکہ ساقی کی محفل میں ہم معتوب ہیں۔ اس لئے حریفانِ بادہ نوش کے عیش میں ہم شریک نہیں ہوسکتے۔ (۶) میں ہر روز مکھی کی طرح دُور سے دستِ حسرت ملتا رہتا ہوں کیونکہ مہمان کی آستین شکر سے بھری ہوئی ہے (۷) نہ تو صنم کسی جگہ موجود ہے اور نہ کوئی پھول تر و تازگی رکھتا ہے۔ (گویا) ہماری خاک اور اینٹیں نقائص سے بھری ہوئی نکلیں۔ مطلب۔ اگر خاک درست ہوتی تو تر و تازہ پھول نکلتے۔ اور خشت ٹھیک ہوتی تو کوئی صنم پیدا ہوتا۔ (۸) جمشید اور کیخسرو کے سامنے بھی ہمارا سر نہیں جھکتا۔ کیونکہ عشق اور سودا کی حکایت ہماری قسمت میں لکھی گئی

ہے۔مطلب :۔عاشق کسی بڑے سے بڑے فرمانروا کے سامنے بھی سرِ تسلیم خم نہیں کرتا۔(۹) اے نظیریؔ شراب کے خمار (کی مدد) سے ہم غم کے دردِ سر سے رہائی پاگئے۔اب ہمارا دماغ سو بہشتوں کے پھول بھی معطر نہیں کرسکتے۔مطلب :۔شراب مل جانے سے احساسِ غم جاتا رہا۔

جز نام صنمم نقش مکن لوحِ جبیں را
تا چپ نکنی راست نخوانند نگیں را

از شوق شہیدانِ حریمِ سرِ کویش
چوں دانہ در آغوش نگنجد زمیں را

پیداست رہائی من از ضعفِ امیدم
رہ زود لبسر مے رسد آواز حزیں را

من دام بہ نخچیر گہ انداختہ بودم
شیر آمد و بگرفت زمن دام و کمیں را

آب رُخے از آبلہ گفتم برسانم
وادی برہم ریخت تف آبلہ چیں را

با تیغ بتسلیمم و با خصم بشفقت
با مہر بدل ساختم از عشق تو کیں را

بیروں نہم از خویش اگر پائے نظیریؔ
یکپایہ فروتر نہم عرش بریں را

غزل نمبر ۳۹

(۱) سوائے معشوق کے نام کے اپنی پیشانی کی تختی پر اور کوئی نام نقش نہ کر۔ (کیونکہ قاعدہ ہے) کہ تاوقتیکہ "مہر انگشتری" کو اُلٹا نہ کیا جائے مہر سیدھی نہیں پڑھی جاتی۔مطلب۔مُہر پر اُلٹا کھودا ہوا ہوتا ہے تو کاغذ پر لگتے ہوئے سیدھا پڑھا جاتا ہے۔اس لئے کہتا ہے کہ اپنی پیشانی پر صنم کا نام نقش کرو تاکہ جب سر بسجود ہو تو خدائے تعالےٰ کا نام زمین پر لگے۔(۲) اس کے کوچے کی چاردیواری کے شہید انتہائے شوق میں دانے کی طرح زمین کے آغوش میں نہیں سماتے۔مطلب دانہ زمین میں دبایا جائے تو بالضرور اُگتا ہے۔اسی طرح شوقِ شہادت میں عشاق بے قرار ہیں۔(۳) میری اُمید کی کمزوری ہی سے میری رہائی ظاہر ہے۔بانسری ہلکی آواز میں (آکر) بہت جلد بند ہوجاتی ہے۔ مطلب۔میری رہائی کی امید موہوم ہے(۴) میں نے شکارگاہ میں جال بچھایا ہوا تھا۔شیر آگیا اور وہ جال اور گھات دونو ہی لے گیا۔(۵) میں نے چاہا تھا کہ آبلوں کے ذریعے سے آبرو پیدا کروں (لیکن) وادی نے میرے راستے میں آبلہ چُننے والی آگ پھیلادی۔مطلب :۔راہِ عشق میں سرگرداں ہوکر پاؤں پر آبلے پڑگئے تھے اب یہ خیال تھا کہ آبلے دکھا کر عشاق کی محفل میں آبرو پیدا کرونگا۔مگر بدقسمتی سے وادی میں ایک ایسی آگ پیدا ہوئی جس نے یہ نشانِ عشق بھی چُن لئے۔(۶) میں تلوار کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں اور دشمن سے شفقت سے پیش آتا ہوں۔تیرے عشق میں کینے کو محبت سے بدل ڈالا ہے۔(۷) اے نظیریؔ اگر میں اپنے آپ سے ایک قدم باہر رکھدوں تو عرشِ بریں کو بھی ایک پایہ نیچے چھوڑ جاؤں۔مطلب :۔اگر خودی فنا کردوں تو عرش سے بھی زیادہ بلند مرتبہ ہوجاؤں ٭

دل شکستہ بود تحفۂ خزینۂ ما ——— نگین ملک تواں ساخت ز آبگینۂ ما
تو کار غیب چہ دانی کہ چیست طعنہ مزن ——— کہ جز بمصلحتے نشکند سفینۂ ما
مکن بکشتن ما مشورت کہ تا بودہ ست ——— بفال دوست مبارک نہ بود کینۂ ما
ہزار کار درست از شکست ما گردد ——— طلسم ما شکن و برخور از دفینۂ ما
یگانہ ایم بہ بے قدری ارچہ بر در دوست ——— بقدر ذرہ تواں یافتن قرینۂ ما
چراغ صومعہا زنارہ مے تواں کردن ——— بدوستی تو یعنے بسوز سینۂ ما
زابعد کعبہ نظیری زیارت ما کن ——— کہ دلبر نمکیں ست در مدینۂ ما

غزل نمبر ۴ ۔ (۱) ہمارا ٹوٹا ہؤا دل ہی ہمارے خزانے کا تحفہ ہے۔ ہمارے آئینہ سے سلطنت کا نگینہ (مُہر) بنایا جا سکتا ہے۔ مطلب ۔ ٹوٹے دل کی قدر و قیمت بے حد ہے۔ (۲) تو غیب کا کام کیا جانتا ہے کہ کیا ہے طعنہ زنی نہ کر۔ کیونکہ کسی مصلحت کے بغیر وہ ہماری کشتی کو نہیں توڑتا۔ تلمیح ۔ اس شعر میں شاعر نے حضرت موسٰی اور حضرت خضر کی رفاقت کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے حضرت خضر نے نئی کشتی جس میں بیٹھے ہوئے سوراخ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور موسٰی علیہ السلام کے پوچھنے پر بتایا تھا۔ کہ یہ غریبوں کی کشتی ہے اور جس ملک میں ہم جا رہے ہیں۔ وہاں نئی کشتیاں بیگار میں پکڑ لیتے ہیں۔ سوراخوں کا نقص دیکھ کر یہ کشتی بیگار سے محفوظ رہیگی۔ مطلب ۔ شاعر اس چیز کا اظہار کرتا ہے (۳) تو ہمارے قتل کے لئے مشورہ نہ کر۔ کیونکہ یہ دستور چلا آیا ہے۔ کہ دوست کے حق میں ہمارا قتل مبارک نہیں ہؤا۔ (۴) ہماری شکست سے ہزار کام درست ہوتے ہیں۔ ہمارا طلسم توڑ اور ہمارے دفینے سے مستفید ہو۔ (۵) اگرچہ دوست کے دروازے پر ہم بے قدری میں لاجواب ہیں نہ ہم سے بڑھ کر کوئی اور اس قدر بے عزت نہیں، مگر پھر بھی ذرے کی مثال سے ہمارا قرینہ سمجھ لینا چاہیئے۔ مطلب سے

گرچہ خوردیم نسبت است بزرگ + ذرۂ آفتاب تاباں ایم (۶) تیری دوستی یعنی ہمارے سینے کے سوز سے حجروں کے چراغ جلائے جا سکتے ہیں مطلب :۔ چراغِ صومعہ اُن چراغوں کو کہتے ہیں جو راہب وغیرہ اپنی عبادت گاہوں کے اوپر جلائے رکھتے ہیں۔ اور جو دوسروں کی رہنمائی کے کام آتے ہیں۔ شاعر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے سینے کا سوز شریعت کے دلدادگان کی رہنمائی کرنے کے لئے بھی کافی ہے (۷) اے نظیری کعبے کے بعد ہماری زیارت کر۔ کیونکہ ہمارے مدینہ (شہر) میں ایک ملیح دلبر موجود ہے۔ مطلب ۔ زیارتِ کعبہ سے مشرف ہو کر روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے کے لئے حجاج جاتے ہیں نظیری یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے دل میں معشوق حقیقی جلوہ گر ہے۔ اس لئے کعبہ کے بعد یہاں کی زیارت سے مستفیض ہو جاؤ۔

زبان پیام ہوس داشت شستم انشا را — درون سینہ بریدم سرِ تمنا را
چہ گونہ عرض تمنا کنم کہ حسن غیور — نہ دادہ راہ دریں پردہ رمز و ایما را
دراں نظارہ کہ برتیغ و کف شعور نبود — زرشک سوختہ بود آگہی زلیخا را
ذخیرۂ زجنون بہار ننہادیم — کم ست سود تنک مائگاں سودا را
نوازشے زکرم مے کند محبت نیست — تواں شناختن از دوستی مدارا را
گر از ورع بگدا زاہداں قدح ندہند — چہ مانعست حریفاں بادہ پیما را
ندشت شوق زاندازہ گوشۂ نظرے — کہ مے خموش کند مست بے محابا را
[ب]ینۂ دل بے رحم کافرت نازم — کہ کردہ است بمن دوست گبر و ترسا را
بدیہہ سنج نظیری اگر تو خواہی بود — شکر فروشش کند طوطی شکر خا را

غزل نمبر ۴۱ — (۱) زبان پر ہوس کا پیام آیا تو میں نے خط ہی کو دھوڈالا۔ اور تمنا کا سر اپنے سینہ میں ہی کاٹ ڈالا۔ مطلب :۔ ہم عشق کے دلدادہ ہیں نہ کہ ہوس پرست (۲) میں اپنی تمنا کا اظہار کس طرح کروں کہ غیرت مند حسن نے اس پردے میں اشارہ و کنایہ کو بھی جائز نہیں رکھا۔ مطلب :۔ اظہارِ آرزو کا کوئی موقع بھی حسنِ غیور نے نہیں چھوڑا۔ (۳) اس نظارے میں کہ چھری اور ہاتھ میں تمیز نہ رہی تھی ہوش نے زلیخا کو رشک سے جلا ڈالا تھا۔ مطلب :۔ زلیخا کو جب مصر کی عورتوں نے طعنۂ عشق دیا۔ تو اُس نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سے میں کس گنتی میں ہوں اور اک مرے دل کی حقیقت کیا + ہزاروں جان دیتے ہیں وہ صورت ہی کچھ ایسی ہے عورتوں کے سامنے یوسف علیہ السلام کو "نقاب پوش" بنا کے لا بٹھایا اور چھریاں ان کے ہاتھ میں دے دیں کہ جب میں نقاب اُلٹ دوں تم چھریوں سے پھل کاٹ کر کھانا شروع کر دینا۔ چنانچہ جب یوسفؑ کے چہرے سے پردہ ہٹایا گیا۔ تو عورتیں اتنی مبہوت ہوئیں کہ اُنہوں نے چھریوں سے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ غالب ذرا اختلاف کے ساتھ یہ مضمون اس طرح ادا کرتا ہے سے سب رقیبوں سے ہیں ناخوش پر زنانِ مصر سے + ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہوگئیں۔ (۴) ہم نے موسمِ بہار کے جنون سے کچھ ذخیرہ باقی نہ چھوڑا۔ سودا کے کم مایہ سوداگروں کو نفع نہیں ہوتا۔ مطلب :۔ موسم بہار میں مستوں کا جنون زور کرتا ہے۔ عاشق کہتا ہے کہ میں موسم بہار کے جنون کو ذخیرہ کر لیتا تو اب کام آتا جب کہ جنون میں کمی ہوتی تھی۔ (۵) اگر وہ اپنی مہربانی سے نوازش کرتا ہے۔ تو یہ محبت نہیں ہے لطف اور دوستی میں تمیز کی جا سکتی ہے۔ مطلب :۔ اگر کبھی معشوق نوازش کر دے۔ تو اس کو محبت نہیں کہا جا سکتا (۶) اگر زاہد اپنی پرہیزگاری کی وجہ سے گدا کو پیالۂ شراب نہیں دیتے تو بادہ نوش احباب کو کون روکتا تھا سے

ئیں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں + گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہؤا تھا۔ (۷) شوق اندازہ سے بڑھ چکا ہے (اے معشوق) اپنی نگاہ کا گوشہ اس طرف بھی پھیر۔ کیونکہ شراب بے خون مست کو خاموش کر دیتی ہے مطلب۔ تیری شراب نگاہ مستِ عشق کے شوق کو دبا دیگی۔ (۸) میں تیرے بے رحم کافر دل کی دشمنی پر ناز کرتا ہوں جس نے آتش پرستوں اور کافروں کو بھی مجھ پر مہربان کر دیا ہے۔ مطلب۔ تیرے ہاتھوں جو ستم مجھ پر ڈھائے گئے ان کی وجہ سے اپنا و بیگانہ مجھے رحم کی نظروں سے دیکھتا ہے (۹) اے نظیری۔ اگر تو حاضر جواب ہو جائیگا تو حلاوت پسند طوطی کو شکر فروش کر دیگا +

ہر گہ رقم کنم بتو عذر گناہ را — ریزم چو خامہ از مژہ خون سیاہ را
شاید کہ شرم ذلت ما را گراں خرند — آنجا کہ خرمنیست بہا برگ کاہ را
مطرب رہِ سماع با آہنگ مے زند — صوفی خانقاہ غلط کردہ راہ را
آں عارفاں کہ در رمضاں بادہ میخورند — بینند در زلال قدح عکس ماہ را
معراج ما نہایت افتادگی بود — در عشق قرب صدرہ بود قعر چاہ را
آنجا کہ بے تفاوتئے وسع رحمت ست — بدخواہ الفعال و بد نیک خواہ را
گر خون یک قبیلہ ازاں رخ طلب کنند — سلطان زداد خواہ نخواہد گواہ را
گر غبن عشقبازی و مستی شود حساب — فرواگنہ برد بشفاعت گناہ را
عشق آمد و بخرقۂ پشمیں فروختیم — تشریف شاہ اکبر و عباس شاہ را
کردیم خاک مسکنت و نیستی بسر — تعظیم صدر منزلت و بارگاہ را
سرگشتہ اند خلق نظیری بیا کہ ما — روشن کنیم زمزمۂ خانقاہ را

غزل نمبر ۲۴ - (۱) جب میں گناہ کا عذر تیری طرف لکھتا ہوں۔ تو اپنی پلکوں سے قلم کی طرح سیاہ خون گراتا ہوں۔ مطلب۔ خون کے آنسو روتا ہوں۔ (۲) جہاں گھاس کے ایک تنکے کی قیمت خرمن ڈالتے ہیں۔ وہاں شاید ہماری ذلت کی شرم مہنگی خریدیں۔ مطلب۔ بارگاہ خداوندی میں توبہ قبول ہونے کا امکان بتایا ہے۔ کہ وہاں معمولی سی نیکی کا اجر خوب مل جاتا ہے۔ وہاں شاید ہماری ندامت کی بھی خوب قیمت پڑے۔ ؎ تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ + کہا جو سر کو جھکا کے گنہگار ہوں میں (۳) مطرب اپنے آہنگ سے وجد کی راہزنی کر رہا ہے۔ اس لئے خانقاہ کا صوفی اپنا راستہ کھو بیٹھا ہے مطلب۔ مطرب ایک خاص آہنگ پر چنگ نوازی کرتا ہے۔ اس لئے صوفی خانقاہ اس سے متاثر ہو کر ادھر آ گیا ہے (۴) وہ عارف جو کہ ماہ رمضان میں شراب پیتے ہیں۔ انہوں نے گویا صاف پیالہ شراب میں چاند کا عکس

دیکھ لیا ہے مطلب۔ وہ پہلے ہی دیدار سے مستفیض ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے عید کا چاند شراب کے پیالے کے پیالے میں دیکھ کر شراب نوشی شروع کر دی ہے۔ (۵) ہمارا انتہائی عروج انتہائی پستی ہے عشق میں کنوئیں کی گہرائی کوئی سدرۃ المنتہیٰ جیسا قرب ہے مطلب عشق میں عام لوگوں کی نظروں میں جو پستی ہے۔ وہ دراصل بلندی ہے۔ (۶) وہاں جہاں کہ (خدا تعالےٰ کی) وسعت رحمت کی حد مقرر نہیں وہاں بڑے نیکوں کو شرمندہ کر دیتے ہیں سے بھلا بتاؤ تو واعظ کا کیا بگڑتا ہے ۔ جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے (۷) اگر ایک قبیلے کا خون بہا بھی اس معشوق سے طلب کریں تو بادشاہ فریادی سے گواہ کا طالب نہ ہوگا۔ مطلب۔ اس کی شکل وصورت دیکھ کر ہی خدا تعالیٰ اس کے قاتل ہونے کا یقین کر لیگا۔ (۸) اگر عشق ومستی کے گناہ کا حساب کیا جائے۔ توکل (بروز قیامت)، گناہ گناہ بخشوانے کے لئے لے جایا جاسکیگا۔ مطلب عشق ومستی کا گناہ ایسا گناہ ہے جو دوسرے گناہوں کا شفیع بن سکتا ہے۔ (۹) عشق آیا تو ہم نے شاہ اکبر اور شاہ عباس شاہ (صفوی) کی خلعتیں پشمین گدڑی کے عوض بیچ ڈالیں مطلب۔ سامان تجمل چھوڑ کر فقر اختیار کر لیا۔ (۱۰) اس کی بارگاہ تعظیم کے لئے ہم نے مسکنت اور نیستی کی خاک سر پر ڈال لی۔ (۱۱) اے نظیری تمام خلقت سرگرداں ہے۔ آؤ ہم خانقاہ کو روشن کریں ۔

نگاہ گم شدہ بر راہ کوئے یار مرا — گسستہ عقد گہر گریہ در کنار مرا
خود از محبت جاناں بخود حسد دارم — زرشک غیر کنوں بر گذشتہ کار مرا
زبہر یقین کہ شود صاف سینۂ صاف ترم — غبار دل نشوم گر کنی غبار مرا
بہ بے بری مزنم طعنہ کز ہزار چمن — قضا گذاشتہ اینجا بیادگار مرا
زروزگار چہ منت کہ بر سر من نیست — بروزگار تو افگندہ روزگار مرا
خدا ز آفت پژمردگی نگہدارد — شگفتہ است دل وطبع زیں بہار مرا
مزاج دوست خموشی خرد ولے چہ کنم — گل محبتم این نالہ ہست خار مرا
تعلق تو نظیری بہ پستیم دارد — توجہے کہ کند دوست واگذار مرا

غزل نمبر ۳۴ - (۱) یار کے کوچے کے راستے میں نگاہ گم ہو کر رہ گئی۔ گریہ نے موتیوں کی لڑی میری بغل ہی میں کھول ڈالی۔ مطلب۔ یار کے کوچے میں اتنا روئے کہ فرطِ گریہ سے آنکھوں کے سامنے دھندلکا آجانے سے نگاہ گم ہوگئی اور پھر آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تو گویا موتیوں کی لڑی بکھر گئی (۲) میں معشوق کی محبت میں اپنے آپ پر بھی حسد کرنے لگا ہوں غیر کے رشک سے (ہوتے ہوتے) کام یہاں تک جا نکلا ہے مطلب :۔ غیر پر رشک کرتے کرتے اب اپنے آپ سے شاکی ہونا ہے غالب

کیا خوب کہتا ہے ؎ دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے ٭ مَیں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
(۳) وہ یقین جو بالکل صاف ہو میں اس سے بھی زیادہ صاف سینہ رکھتا ہوں - اگر تو مجھے عشق میں پیسکر غبار بنا دے پھر بھی کسی کا غبارِ دل نہ بنوں گا مطلب مَیں غبار ہو کر بھی کسی کی کدورت کا باعث نہ ہونگا -
(۴) مجھے ثمر نہ ہونے پر طعنہ نہ دے - کیونکہ قضا نے یہاں مجھے ہزار باغوں میں سے ایک یادگار چھوڑا ہے -
مطلب - باوجود بے بر ہونے کے ہزار چمنوں کی یادگار ہوں اس لئے طعنہ نہ دو - (۵) زمانے کے احسانوں میں سے کون سا احسان مجھ پر نہیں ہے - کہ اس نے تیرے زمانے میں مجھے رکھا ہے مطلب - اے ممدوح تو اور تو ہمعصر ہیں - اور یہی زمانے کا مجھ پر کیا کم احسان ہے - (۶) خدائے تعالےٰ پژمردگی کی آفت سے اپنی نگاہ میں رکھے - کیونکہ اس بہار میں میرا دل اور طبیعت شگفتہ ہو گئی مطلب - اب کے جو بہارِ عشق سے میری طبیعت شگفتہ ہو گئی ہے - اللہ تعالیٰ اسے پژمردگی کی مصیبت سے پناہ میں رکھے - (۷) میرے دوست کا مزاج خاموشی پسند ہے مگر میں کیا کروں - مَیں محبت کا پھول اور میرا نالہ کانٹا ہے مطلب پھول کے ساتھ خار ضرور ہوتا ہے - اس لئے محبت کے پھول کے ساتھ گریہ و زاری کا کانٹا ہوتا ہے - (۸) اے نظیری تیرا تعلق ہمیں پستی میں رکھے ہوئے ہے - اگر تو چاہتا ہے کہ دوست ہم پر توجہ کرے تو ذرا ہمیں چھوڑ دے مطلب - شعر میں صنعتِ تجرید ہے - تو سے مراد خودی اور انانیت ہے جو عشق کی تکمیل میں سدِ راہ ہے -
؎ ترا تا کوہِ ہستی بیش باقی است ٭ جوابِ رب ارنی لن ترانی است (گلشن راز)

امشب خوش آشناست برویش نگاہِ ما ۔۔۔ گویا حجاب سوختہ از برق آہِ ما
ازبسکہ مے شدیم بحسرت جُدا ازو ۔۔۔ خون میچکید روز وداع از نگاہِ ما
شغلِ محبّت ست کہ مانع زطاعت ست ۔۔۔ روز جزا بس ست ہمیں عذر خواہِ ما
دوزخ اگر بچاشنی آتشِ دلِ ست ۔۔۔ اہل بہشت رشک برند از گناہِ ما
دل بے غمت مباد کزیں فیض کشتہ است ۔۔۔ رحمت طفیلئے نفس صبح گاہِ ما
صد سیل وصل آمد و صد تشنہ تازہ شد ۔۔۔ ہرگز نبود نشو و نما در گیاہِ ما
مانخل ماتمیم نظیری زما حذر ۔۔۔ غمگین شود کسیکہ بود در پناہِ ما

غزل نمبر ۴۴ - (۱) آج رات ہماری نگاہ اس کے چہرے سے خوب آشنا ہے (صاف پڑ رہی ہے) گویا ہماری آہ کی برق سے پردہ جل گیا ہے مطلب - ہمارے اور معشوق کے درمیان جو پردہ حائل تھا - ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ ہماری آہ کی برق سے وہ جل گیا ہے - جبھی ہماری نگاہیں بے باکانہ اس پر پڑ رہی ہیں - (۲) چونکہ اس معشوق سے ہم بصد حسرت جُدا ہو رہے تھے - اس لئے رخصت کے

دن ہماری نگاہ سے خون ٹپکتا تھا۔ (۴) "محبت کا شغل ہی ہمیں عبادت سے روکتا رہا"۔ قیامت
کے دن صرف یہی عذر ہم پیش کرینگے ؎ عذر آفریں جرم محبت ہے حسن دوست + محشر میں عذر تازہ نہ پیدا کرے کوئی (اقبال)
دوزخ بھی اگر حلاوت میں دل کی آگ کی مانند ہے تو جنت والے ہمارے گناہ پر رشک کرینگے مطلب آتش
دل کی لذت عجیب ہے۔ اگر ایسی ہی لذت دوزخ کی آگ میں ہوتی۔ تو جب ہم اس لذت سے بہرہ یاب ہو رہے
ہونگے۔ تو ہماری خوشی دیکھ کر اہل بہشت ہمارے گناہوں پر رشک کرنے لگینگے۔ (۵) دل کو غم کے بغیر نہ
رکھنا۔ کیونکہ اس کے فیض سے رحمت ہماری صبح کی آہوں کی طفیلی ہوگئی ہے۔ مطلب:۔ غم عشق میں
جو آہیں صبح کو ہمارے دل سے نکلتی ہیں۔ رحمت ان کے سامنے گداگر کی حیثیت رکھتی ہے (۶) وصل کے
سو سیلاب آئے۔ اور سو پیاسے سیراب ہوگئے۔ مگر ہمارے گھاس میں نشوونما کی قوت ہی نہ تھی مطلب
روز ازل سے ہم نامراد تھے ورنہ جن کی قسمت اچھی تھی وہ فیضیاب ہوجاتے رہے (۷) اے نظیری ہم ماتم
کے پودے ہیں۔ ہم سے پرہیز کرو۔ کیونکہ جو ہمارے سائے میں بیٹھتا ہے وہ بھی غمناک ہوجاتا ہے۔ ذرا
مضمون بدل کر اردو کا شاعر کہتا ہے ؎ آرزو میری بھی گویا نخل ماتم کی تھی شاخ + جو کلی کمبخت میں آئی سو مرجھائی ہوئی

ازیں ویرانہ تر میخواستم ویرانہ خود را — ازیں ویرانہ بیروں مے برم دیوانہ خود را
حریفان نشۂ مہر و محبت را نمے دانند — بدست دشمن خود میدہم پیمانۂ خود را
نہ مورش خواہد از سختی نہ مرغش چیند از تلخی — نمے بینم زجنس ہیچ خرمن دانۂ خود را
زبیم آنکہ طبل رحلتے ناگاہ بنوازند — ہمیشہ رخت بر درگاہ دارم خانۂ خود را
عزیزاں دیدہ از خاکسترم سازند نورانی — تو شمع بزم خلوت مے کنی پروانۂ خود را
بآیات زبور و نغمۂ داؤد نفروشم — بیان درد ناک و نعرۂ مستانۂ خود را
نظیری قصۂ فرہاد و خسرو داستانے شد — کنوں من ہم کتابی مے کنم افسانۂ خود را

غزل نمبر ۵۴ — (۱) میں اپنے ویرانہ کو موجودہ ویرانگی سے زیادہ ویران دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اس
ویرانے سے اپنے دیوانے کو نکال لے جانا چاہتا ہوں۔ مطلب عشق ویرانہ طلب ہے (۲) حریف۔ محبت
نشے سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اس لئے میں اپنے دشمن کے ہاتھ میں پیمانہ دیتا ہوں۔ مطلب۔ میرے
دوست مہر و محبت میں سرشار ہوکر میرے عیوب ظاہر ہی نہیں کرتے۔ اس لئے پیمانہ دشمن کو دیتا
ہوں تاکہ وہ عیوب ظاہر کردے۔ (۳) نہ تو چیونٹی اسے سختی کی وجہ سے پسند کرتی ہے نہ اسکی کڑواہٹ
کی وجہ سے کوئی پرندہ چنتا ہے۔ نہیں معلوم ہمارا دانہ کون سے خرمن سے ہے مطلب۔ کوئی بھی دنیا
میں میرے ساتھ مانوس نہیں ہوتا۔ (۴) اس خوف سے کہ کہیں کوچ کا نقارہ اچانک نہ بجادیں۔ میں

ہمیشہ اسباب خانہ گھر کی دہلیز میں (جمع کئے) رکھتا ہوں۔ مہیائے آمدِ اجل ہوں۔ موت کے لئے ہر وقت تیار بلکہ پا بر کاب ہوں۔ (۵) تو اپنے پروانے کو (مجھے) اپنی بزم کی شمع بناتا ہے (جلاتا ہے) اس لئے احباب اپنی آنکھیں میری خاک سے (تبرکاً) نورانی کرتے ہیں۔ (۶) میں اپنے دردناک بیان اور مستانہ نعرے کو زبور کی آیات اور داؤد کے نغموں کے بدلے بھی نہ بیچوں گا۔ مطلب۔ میرا بیان اور نعرۂ مستانہ نہایت بیش قیمت ہے (۷) اے نظیری! فرہاد اور خسرو کا قصہ داستان دپارینہ) بن چکی۔ اب میں بھی اپنے افسانہ کو قلبند کرتا ہوں۔

آنکہ بر ما رقم کیں زدہ از کینۂ ما
نقش آئینہ خود دیدہ در آئینۂ ما

عید و نوروز بود کتب ما را ہر روز
بمحبت گذرد شنبہ و آدینۂ ما

محضرِ سلطنتِ عشق اگر بر خوانند
خاتم و سکہ بر آرند ز گنجینۂ ما

خوردہ دل زخمے ازاں غمزہ کہ نتوانی دوخت
تو کہ صد بار فزوں دوختۂ سینۂ ما

زاں نگاہے کہ بدنبالۂ حشمت نرسید
خون فرو میچکد از خرقۂ پشمینۂ ما

آزمودیم بزور مے امسال نبود
قدحے داشت خم از بادۂ پارینۂ ما

طرفہ شورے سحر از سینہ نظیری برخاست
ساخت کارِ ہمہ را گریۂ دوشینۂ ما

غزل نمبر ۲۶۔ (۱) جس نے کہ ہم پر کینے کی تحریر رقم کی (ہمیں کینہ کا الزام لگایا) اس نے اپنے آئینے کا نقش ہمارے آئینہ میں دیکھا۔ (۲) ہمارے مکتب میں ہر روز عید اور نوروز ہوتا ہے۔ ہمارا ہفتہ اور جمعہ محبت میں گذرتا ہے۔ (۳) عشق کی سلطنت کی درخواست اگر پڑھیں تو انگشتری اور سکہ ہمارے خزانے سے لائینگے۔ مطلب۔ سلطنتِ عشق کے فرمانروا ہم ہیں۔ اس لئے مُہر اور سکہ ہمارا ہوگا۔ (۴) اس غمزے سے ہمارے دل نے وہ زخم کھایا ہے جو سیا نہیں جا سکتا۔ (حالانکہ) تو نے سو دفعہ ہمارا سینہ سیا ہے۔ مطلب۔ اب کے جو زخم کھایا ہے وہ قابلِ رفو نہیں ؎

بارہا دیکھی ہیں ان کی رنجشیں + پر کچھ اب کے سرگرانی اور ہے۔ (۵) اس نگاہ سے جو ابھی تمہاری آنکھ کے گوشے میں بھی نہ پہنچی تھی۔ ہماری پشمینہ کی گدڑی سے خون بہنے لگا۔ مطلب۔ وہ نگاہِ ناز ابھی آنکھ سے نہیں نکلی کہ ہمارے دل وجگر کو زخمی کر دیا۔ اور خون خرقۂ پشمینہ سے ٹپکنے لگا۔ (۶) ہمارے خم میں گذشتہ سال کی شراب کا ایک پیالہ تھا۔ مگر ہم نے آزما لیا۔ وہ اس سال کی شراب جیسی پرزور نہ تھی۔ مطلب شراب عشق اس سال کی پختہ ہے۔ ورنہ عام شراب تو گذشتہ سال کی زیادہ تیز ہوتی ہے۔ (۷) صبح نظیری کے سینے سے ایک عجیب شور پیدا ہؤا۔ ہمارے کل رات کے رونے نے سب کا کام تمام کر دیا +

غبار از دل بمژگان روبم و بینم نشانش را
بآب دیده شویم خاک و جویم آستانش را

زمستیہائے شوق آں بلبل شوریدہ احوالم
کہ نشناسد اگر صد بار بیند آشیانش را

اثر میکرد گاہے نالہ ام از بسکہ نالیدم
کنوں از نالۂ من خواب آید پاسبانش را

ہمہ در عشق او از رشک با من دشمن جانند
کہ با من مہرباں سازد دل نامہربانش را

مرا زیں عشق شور انگیز در رشک خواہد گشت
کہ ہر کس بر سر ہر کوئے خواند داستانش را

سوال بوسہ کردم ازاں رخ لب گزید از قہر
ضیافت کرد ابرامش بشیرینی لبانش را

نظیری قاتلے دارد کہ آمرزیدہ میگردد
سگاں از کوئے او گر بگذرانند استخوانش را

غزل نمبر ۴۷ - (۱) میں اپنے دل کا غبار پلکوں سے صاف کرتا ہوں۔ اور پھر اس کا نشان دیکھتا ہوں۔ اپنی آنکھوں کے پانی سے خاک دھو کر اس کا آستان تلاش کرتا ہوں۔ مطلب۔ گریہ و زاری سے دل کو مصفا کرتا ہوں۔ اور پھر اُس معشوقِ حقیقی کو پاتا ہوں ع گو مفلسان کعبہ بگرئید رب کا چشم ؛ بر عرش بردہ از در مسجد یتیم را (۲) شوق کی مستیوں سے میں وہ پریشاں حال بلبل ہوں۔ جو سو بار بھی اپنا آشیانہ دیکھے پھر بھی نہ پہچانے۔ مطلب۔ پریشانی میں بلبل یا کوئی اور پرندہ اپنا آشیانہ بھی پہچان نہیں سکتا۔ یعنی انسان مستی شوق سے منزلِ مقصود کی شناخت سے بھی عاجز رہ جاتا ہے۔ (۳) کبھی میرے نالے اثر کیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ میں بے حد رویا ہوں۔ اب (یہ) حالت ہے کہ (میرے نالوں سے اُس کے پاسبان کو نیند آتی ہے۔ (۴) اس کے عشق میں تمام لوگ رشک سے میرے دشمنِ جان ہو گئے ہیں۔ کون ایسا ہے۔ جو اس کے نامہربان دل کو مجھ پر مہربان کر دے۔ (۵) میرے اس شور انگیز عشق کی وجہ سے گھر گھر رشک پیدا ہو جائیگا۔ کیونکہ اب ہر کوچہ میں اسی کی داستان بیان ہو رہی ہے مطلب۔ ہر جگہ میرے عشق کا چرچا ہے۔ اس لئے اس کے حسن کی تعریف سُن کر حلقۂ عشاق وسیع ہوتا چلا جائیگا (۶) میں نے بوسے کا سوال کیا تو اُس نے غصے سے اپنے لبوں کو کاٹا (قہر کا اظہار کیا) اس کی گالیوں نے اس کے لبوں کی شیرینی سے ضیافت کی۔ (۷) نظیری ایسا قاتل رکھتا ہے کہ اگر اس کے کوچے سے کتے اس کی (نظیری کی) ہڈیاں لے کر گذریں تو وہ (قاتل) بخشا جاتا ہے ✦

ہر روز جویم آب رُخ روز رفتہ را
گویم بفخر ننگ زمردم نہفتہ را

لب بستم از سخن کہ دریں مجمع نفاق
بہ یافتم زگفتہ حدیث نگفتہ را

ہرگز شب امید بدوراں من ندید
جام مئے دو سالہ و ماہِ دو ہفتہ را

خفاش بخت من چو نہ بیند چہ فائدہ
گر سرمہ ز آفتاب کشد چشم خفتہ را

درخون ہمیشہ نشتر مژگان شکستہ ام — ناسفتہ کردہ ام ہمہ دُرہائے سفتہ را
فراش کوئے دوست شوائے نالہ یک سحر — در چشم بخت کن خس و خاشاک رفتہ را
زہرست آب دیدہ نظیری نہ اشک تلخ — در دیدہ آب میکنم الماس تفتہ را

غزل نمبر ۴۸ - (۱) میں گذرے ہوئے دن کی آبرو تلاش کرتا ہوں - اور اپنی بے عزتی جو لوگوں کی نظروں سے پنہاں ہے - فخریہ طور پر بیان کرتا ہوں (۲) میں نے باتوں سے منہ بند کر لیا - کیونکہ اس نفاق کے مجمع میں (دنیا میں) میں نے نہ کہی ہوئی حدیث کہی ہوئی سے بہتر پائی - مطلب - بات کہی اور پرائی ہوئی - پھر اس مجمع نفاق میں یہ حالت ہوتی چلی جاتی ہے کہ ع لگا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کے لئے -
(۳) میرے زمانے میں میری اُمید کی رات نے دوسالہ شراب کا پیالہ اور چودھویں کا چاند نہیں دیکھا - مطلب - میری شب اُمید نے شرابِ تند اور روئے معشوق نہیں دیکھا - (۴) جب میرے نصیب کا چمگادڑ نہیں دیکھتا تو پھر اگر سوئی ہوئی آنکھ میں آفتاب کا سرمہ بھی ڈالا جائے تو کیا فائدہ ہے مطلب - جب نصیب ہی بد ہوں تو پھر بہتر سے بہتر چیز بھی فائدہ نہیں دیتی ہے
تا در نرسد وعدۂ ہر کار کہ ہست ۔ سُودے ندہد یاریٔ ہر یار کہ ہست - (۵) میں نے پلکوں کی نشتر ہمیشہ خون ہی میں توڑ ڈالی ہے - میں نے ہمیشہ بیندھے ہوئے موتیوں کو اَن بیدھ موتی بنایا ہے - (۶) اے نالہ تو کسی صبح کو دوست کے کوچے کا فراش بن جا - اور میرے نصیب کی آنکھ میں (اُس کوچے سے) صاف کئے ہوئے خس وخاشاک ڈال دے - (۷) اے نظیری! یہ آنسوؤں کا پانی زہر ہے نہ کہ تلخ آنسو - میں اپنی آنکھوں میں جلا ہُوا الماس بھی پانی کر دیتا ہوں مطلب - الماس سرخ رنگ کا ہیرا ہوتا ہے - خون کے آنسوؤں کو "الماس تفتہ وآب شدہ" قرار دیا ہے۔

دلا گداز کہ آئینہ کردہ سنگ ترا — کدام صیقل ابرو زدودہ زنگ ترا
تو کعبہ در دل ما کافراں چرا جوئی — گر آذری نہ تراشیدہ است سنگ ترا
کسے شکاریٔ عشق ترا چہ میداند — نشانہ دیگر و زخمے وگر خدنگ ترا
زخار خار محبت دل ترا چہ خبر — کہ گل بجیب نگنجد قبائے تنگ ترا
بہر کسے نظر از شیوۂ دگر داری — کسے درست نفہمیدہ بو و رنگ ترا
بنغمۂ وگرم زندہ ساز اے مطرب — چہ معجز ست کہ در پردہ نیست چنگ ترا
تو حرف تلخ فروشی و من شکر نوشم — کہ چاشنی ہزار آشتی ست جنگ ترا
تو از نسیم نظیری بشور مے آئی — چو گل نہاں نتواں کرد بو و رنگ ترا

غزل نمبر ۴۹ - (۱) اے دل کس کے گداز نے تیرے پتھر کو آئینہ بنا دیا ہے۔ اور کون سے ابرو کے صیقل نے تیرا زنگ صاف کر دیا ہے مطلب۔ دل سے سوال کرتا ہے کہ اے دل یہ تو بتا تو کس کے عشق کا شہید ہے (۲) (دوسرا مصرعہ پہلے) اگر کسی آذر نے تیرا پتھر نہیں تراشا تو پھر تو ہم کافروں کے دلوں میں کعبہ کیوں تلاش کرتا ہے مطلب۔ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا یا بعض روایتوں کے مطابق باپ تھا۔ اور مشہور بُت تراش تھا۔ (۳) کوئی تیرے عشق کے شکاری کو کیا جانے۔ کیونکہ تیرے تیر کا نشانہ اور ہوتا ہے۔ اور زخم اور ہوتا ہے ؎ فغاں غمزہ و عشوہ و چابکی ٭ کجا مے نماید کجا مے زند (۴) محبت کی خلش سے تیرے دل کو کیا خبر کہ تیرے تنگ قبا کے گریبان میں پھول نہیں سماتا۔ مطلب۔ جس نے دل نہ لگایا ہو اُسے محبت کی خلش کا کیا پتہ۔ (۵) تو ہر ایک شخص کو ایک مختلف شیوہ سے دیکھتا ہے۔ اور کسی نے تیرا ظاہر و باطن درست نہیں پہچانا ؎ معشوقِ ما بشیوۂ ہر کس برابر است ٭ با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد۔ (۶) اے مطرب! کسی اور نغمے سے مجھے زندہ کر دے۔ وہ کونسا ایسا معجزہ ہے جو تیرے باجے میں نہیں ہے (۷) تو گالیاں دیتا ہے اور ان کو شکر سمجھ کر کھا رہا ہوں۔ کیونکہ تیری جنگ میں ہزار صلح کی چاشنی ہے۔ (۸) اے نظیری! تو نسیم کے سبب بھی شور برپا کر دیتا ہے۔ تیرا رنگ و بو پھول کی طرح چھپایا نہیں جاسکتا مطلب پھول کی خوشبو صبا بالضرور منتشر کریگی۔ اور اس کا رنگ ہر گلچیں کے لئے جاذبِ توجہ ہوگا۔ چونکہ نظیری بھی نسیم کی وجہ سے نالہ و بکا پر اُتر آتا ہے۔ اس لئے شاعر کہتا ہے کہ تیرا عشق بھی چھپایا نہیں جاسکتا اور یوں بھی تو ؎ عشق اور مشک چھپائے سے کہیں چھپتا ہے۔

کردم ز شکوہ منع دلِ زارِ خویش را ٭ انداختم بروزِ جزا کارِ خویش را
وقتِ نظارۂ بتِ پرہیزگارِ خویش ٭ شویم بگریہ دیدۂ خونبارِ خویش را
جرم من ست پیش تو گر قدرِ من کم ست ٭ خود کردہ ام پسند خریدارِ خویش را
صد مشتری ست جنسِ دلم را چو آفتاب ٭ من گرم مے کنم بتو بازارِ خویش را
ترسم کہ رفتہ رفتہ بہ بے داد خو کنی ٭ بر کین مدار طبعِ ستمگارِ خویش را
اے دل مجو نجات کہ صیاد پیشگاں ٭ در دام مے کشند گرفتارِ خویش را
عمرت بود کہ در پیش نظیری بیاد تو ٭ آساں نمود مردنِ دشوارِ خویش را

غزل نمبر ۵۰ - (۱) میں نے اپنے زخمی دل کو شکووں سے منع کر دیا ہے۔ کیونکہ اب میں نے اپنا معاملہ روزِ جزا (قیامت) پر چھوڑ دیا ہے مطلب۔ قیامت کے دن اپنے اور اس کے معاملے کا فیصلہ کرا لونگا۔ (۲) اپنے پاکیزہ معشوق کو دیکھتے وقت میں اپنی خون برسانے والی آنکھوں کو آنسوؤں سے دھو لیتا

ہوں ۔ (۳) اگر تیرے سامنے میری عزت نہیں تو یہ میرا اپنا قصور ہے ۔ کیونکہ میں نے اپنے دل کا خریدار خود پسند کیا ہے ؎ ہزاروں باوفا معشوق ہیں لیکن مری قسمت ✤ جب آیا بے وفاؤں پر دل خانہ خراب آیا (حفیظ)

(۴) میرے دل کی جنس کے لئے آفتاب جیسی شکل رکھنے والے سو گاہک ہیں مگر میں اپنے بازار (دل) کی رونق تجھی سے بڑھاتا ہوں ؎ سارے جہاں کے خوبرو تیری قسم ترے سوا ✤ کھبتے نہیں نگاہ میں اپنی نظر کو کیا کہوں (۵) مجھے خطرہ ہے کہ رفتہ رفتہ تو ستم کا عادی ہو جائیگا ۔ اس لئے اپنی ظالم طبیعت کو ہمارے کینہ میں مبتلا نہ رکھو (۶) اے دل نجات طلب نہ کر ۔ کیونکہ شکاری لوگ اپنے گرفتار کو جال ہی میں مار ڈالتے ہیں مطلب جو ایک دفعہ گرفتارِ عشق ہؤا ۔ پھر رہا نہیں ہو سکتا ۔ (۷) تیری عمر دراز ہو کہ کل نظیری نے تیری یاد میں اپنی موت کی مشکل آسان کر دی ۔ مطلب ۔ نظیری کی موت تیرے فراق میں سخت تکلیف دہ اور مشکل تھی لیکن جونہی تو یاد آیا ۔ موت آ گئی اور مشکل حل ہو گئی ۔

فراق دوستاں بسیار پیش آمد دل مارا — غم بیرون گرفت از ما ہوائے منزل مارا
گل افشاں بود با تو ہر سر خار و بن سنگے — تو چوں رفتی، ازینجا آفتے زد حاصل مارا
عفاک اللہ لقید عشقم از ہستی بر آوردی — بیک مشکل نمودی حل ہزاراں مشکل مارا
اگر مقبول اگر مردود حرف ما اثر دارد — تواں تعویذ بازو کرد سحر باطل مارا
سرشت ما خواص مہر و طبع دوستی دارد — برہمن بت نمے سازد مگر مشت گل مارا
ہمہ افسانۂ گیسو و رخسار تو مے گوئیم — شب ما نور مے بخشد چراغ محفل مارا
بشارت در گذر داریم و شاہد در نظر دائم — بدیدارِ تو چشم افتادہ بخت مقبل مارا
دریں صحرا نظیری نیست لاغر تر ز ما صیدے — کہ بر فتراک مے بندد شکارِ بسمل مارا

غزل نمبر ۵۱ ۔ (۱) ہمارے دل کو بہت سے دوستوں کا فراق پیش آ چکا ہے ۔ اس لئے منزل پر پہنچنے کی خواہش ہماری موت کے غم نے لے لی ۔ مطلب ۔ دوستوں کی موت نے مجھے موت کا طلبگار بنا دیا ہے ۔ (۲) تیری موجودگی میں تو میرے پتھر اور کانٹے پھول برساتے تھے ۔ لیکن جونہی تو چلا گیا ۔ ہماری کھیتی کے حاصل پر آفت آ پڑی ۔ مطلب ۔ وصل میں تکلیفیں بھی راحتیں تھیں ۔ لیکن تیرے جاتے ہی مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ۔ (۳) اللہ تجھ پر رحمت کرے کہ تو نے مجھے عشق کی قید میں مبتلا کر کے ہستی کی قید سے رہائی دلا دی ۔ ایک مشکل سے تو نے ہماری ہزاروں مشکلیں آسان کر دیں ۔ مطلب ۔ عشق میں مبتلا ہو کر خودی کا احساس جاتا رہا ۔ اور خودی ہی تمام مشکلوں کا باعث تھی ۔ جب یہ جاتی رہی مشکلیں آسان ہو گئیں ۔ (۴) خواہ قابلِ قبول ہوں اور خواہ رد کرنے کے لائق ۔ ہماری باتیں اثر ضرور کرتی ہیں ۔ اس لئے ہمارے باطل جادو کو بازو کا تعویذ

بنایا جاسکتا ہے۔ مطلب۔ سحرِ باطل سے مراد شاعری ہے۔ نظیری نے یہ شعر فخریہ کہا ہے (۵) ہماری فطرت ہی محبت کے خصائص اور طبعی دوستی رکھتی ہے۔ شاید برہمن بھی ہماری مٹھی بھر خاک سے بُت بناتا ہے۔ مطلب۔ بُت بھی مہرو محبت کی تاثیر رکھتا ہے۔ اس لئے شاعر کہتا ہے کہ شاید یہ ہماری خاک سے ہی بنایا گیا ہے (۶) میں ہر وقت تیری زلفوں اور رخسار کا افسانہ کہتا رہتا ہوں۔ ہماری محفل کے چراغ کو ہماری رات منوّر کرتی ہے۔ مطلب۔ زلف سے مراد رات اور رخسار سے مطلب چراغِ محفل ہے (۷) ہمارے قبول شدہ نصیب کی آنکھیں تیرے دیدار پر لگی ہوئی ہیں۔ اس لئے ہم معشوق کو نظروں میں رکھے ہوئے ہیں اور لوگ ہماری مندی کی مبارک باد دیتے ہیں۔ (۸) اے نظیری! اس جنگل میں ہم سے زیادہ کمزور شکار نہیں ہے۔ کون ایسا ہے جو ہم جیسے آدھ موئے شکار کو اپنے شکار پر باندھتا ہے۔

زحرمانم غمے در خاطرِ یاراں شود پیدا	چو بیمارے کہ مرگش بر پرستاراں شود پیدا
چو پیدا گردم از راہے چناں یاراں رمند از من	کہ بدمستے میانِ جمعِ ہشیاراں شود پیدا
کسے نگریزد از ما گر ازیں تقوٰی بروں آیم	طرب کز ما رمد در کوئے میخواراں شود پیدا
بتے از حلقۂ پرہیزگاراں بر نمے خیزد	کہ بر مردم مسلمانی دینداراں شود پیدا
پشیمانی مکش از بیع من کایں سہل قیمت را	تو چوں صاحب شوی ذوق خریداراں شود پیدا
زلیخا گو میارا بزم و فرش دلبری مفگن	کہ آں یوسف بزنداں گرفتاراں شود پیدا
چراغ زندہ میخواہی در شب زندہ داراں زن	کہ بیداری بخت از بخت بیداراں شود پیدا
نظیری کاش بنمائی کہ در ساغر چہ میداری	کہ بیش زاہداں قدرِ گنہگاراں شود پیدا

غزل نمبر ۵۲ ۔ (۱) میرے رنج کی وجہ سے دوستوں کے دل میں بھی غم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بیمار کی طرح جس کی موت تیمارداروں پر ظاہر ہو گئی ہو۔ مطلب۔ ع افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را (۲) جب میں راستے میں اتفاقاً ملتا ہوں۔ تو دوست اس طرح مجھ سے بھاگتے ہیں جس طرح کہ کوئی بدمست ہوشیاروں کی محفل میں اچانک ظاہر ہو جائے۔ مطلب۔ سیاہ بختی میں دوست ملنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ (۳) اگر ہم اس پرہیزگاری کو چھوڑ دیں تو کوئی شخص بھی ہم سے کنارہ کش نہ ہو۔ نہ خوشی جو ہم سے بھاگی ہوئی ہوتی ہے وہ شراب نوشوں کے کوچے میں جاکر ظاہر ہو جاتی ہے۔ مطلب عیش و عشرت جو پرہیزگاروں سے فرار اختیار کرتی ہے۔ شراب نوشوں کے ہاں مل جاتی ہے (۴) کوئی بُت (معشوق) پرہیزگاروں کے حلقے میں پیدا نہیں ہو جاتا۔ ورنہ لوگوں پر دینداروں کی مسلمانی ظاہر ہو جائے۔

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفتِ جاں کو خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا۔ (۵) مجھے خرید کر پریشان نہ ہو۔

کیونکہ میرے جیسے بے قیمت کا جب تو مالک بنے گا تو خریداروں میں ذوق پیدا ہو جائیگا مطلب ہزاروں لوگ تیری وجہ سے مجھے تجھ سے خریدنے کے لئے تیار ہو جائینگے (۶) زلیخا سے کہدو کہ بزم آراستہ نہ کرے اور دلبری کا فرش نہ بچھائے۔ کیونکہ وہ یوسف تو گرفتاروں کے قید خانے میں ظاہر ہوگا مطلب۔ حضرت یوسف ؑ کے مقید ہونے اور زلیخا کے آغازِ عشق کی طرف اشارہ ہے (۷) اگر تو روشن چراغ چاہتا ہے تو راتوں کو عبادتیں کرنے والوں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کیونکہ نصیب کی بیداری کسی خوش نصیب ہی سے پیدا ہوتی ہے مطلب۔ کسی کامل کا دامن پکڑنے ہی سے چراغ دل روشن و منور ہوتا ہے۔ (۸) اے نظیری! کاش دکھادے کہ کس قسم کی شراب اپنے ساغر میں رکھتا ہے۔ تاکہ زاہدوں پر گنہگاروں کی قدر ظاہر ہو جائے مطلب۔ تو وہ شرابِ حقیقت نمایاں کردے جو تیرے ساغر میں ہے۔ تاکہ زاہد لوگ گنہگاران عشق پر زبانِ طعن دراز کرنے سے رُک جائیں۔

از پئے آشوب ما در زلف وارد شانہ را
شورشِ زنجیر در شور آورد دیوانہ را

حُسن بنیادِ محبت بر پریشانی نہاد
تا نشورد خاک را دہقان نریزد دانہ را

حور و جنت جلوہ بر زاہد دہد در راہ دوست
اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

عشق کامل نیست تا در بند مال و مسکنی
آنزماں آتش علم گردد کہ سوزد خانہ را

ہر چہ زد خود را بر آتش محو آتش گشت و رفت
در حقیقت شعلہ بال و پر بود پروانہ را

جائے یک ناخن درستی در سراپائم نماند
ہر زماں دیوانہ ویراں تر کند ویرانہ را

گرد و عشق از مزاج پیر لذت کے رود
بوئے مے باقی بود گر بشکنی پیمانہ را

عقدۂ دل در شکنج طرہ نکشاید بعقل
یک گرہ زاں زلف وا ہم بشکند صد شانہ را

سرگذشت عہد گل را از نظیری بشنوید
عندلیب آشفتہ تر میگوید ایں افسانہ را

غزل نمبر ۵۳ - (۱) ہمیں پریشان کرنے کے لئے وہ ہر وقت کنگھی اپنی زلفوں میں رکھتا ہے (ٹھیک ہے) کہ زنجیر کی جھنکار دیوانے کو جوش میں لاتی ہے۔ مطلب۔ زلف کو زنجیر قرار دیا ہے اور ہر وقت کنگھی کرنے سے گویا یہ زنجیر جھنکار پیدا کرتی ہے۔ اور نتیجے کے طور پرستوں کے جنون تیز کرتی ہے (۲) حسن نے محبت کی بنیاد ہی پریشانی پر رکھی ہے۔ تا وقتیکہ کسان زمین کو جلا کر کھاد نہیں بناتا دانہ نہیں بوتا مطلب۔ تکلیف کے بعد راحت ہے۔ اور خرابی کے بعد آبادی ہے مے ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند ÷ اوّل آں بنیاد را ویراں کنند۔ (۳) حور اور جنت دوست کے راستے میں زاہد کو اپنا جلوہ دکھاتی ہیں۔ یعنی عشق رفتہ رفتہ ایک بیگانہ کو اپنے کام پر لگاتا ہے مطلب۔ زاہدوں کو عشق حور اور جنت کا لالچ دے دے کر اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

حسن بھی کیا چیز ہے زاہد ذرا انصاف کر ٭ اپنے بندوں کو خدا دیتا ہے لالچ حور کا۔ (۴) عشق جب تک مال اور مسکن کی قید میں ہے۔ کامل نہیں ہو سکتا۔ آگ اس وقت بلند ہوتی ہے جو گھر جلا ڈالتی ہے۔ مطلب۔ عشق میں بربادیٔ علائق دنیا پہلی منزل ہے۔ (۵) جس نے اپنے آپ کو آگ پر گرایا وہ آگ میں محو ہو کر ضائع ہو گیا۔ حقیقت میں شعلہ پروانے کے لئے بال و پر ہوتے ہیں۔ مطلب۔ پروانہ جل کر معشوق سے واصل ہو گیا۔ گویا فنائے ہستی بقائے دوام کے لئے ضروری ہے۔ (۶) ایک ناخن جتنی جگہ بھی میرے جسم میں درست نہیں رہی دیوانہ ہر لحظہ اپنے ویرانے کو اور زیادہ ویران کرتا ہے (۷) اگر بوڑھے کے مزاج سے عشق چلا بھی جائے تو اس کی لذت کب جاتی ہے۔ تو اگر پیمانے کو توڑ بھی ڈالے تو اس میں شراب کی بو باقی رہتی ہے۔ مطلب عشق بے بنیاد نہیں ہے (۸) اس کی زلفوں میں پھنسے ہوئے دل کی گتھیاں عقل سے نہیں کھلتیں۔ کیونکہ اس کی زلفوں کی ایک گرہ سو کنگھیوں کو توڑ ڈالتی ہے۔ مطلب عشق کے راز عقل نہیں کھول سکتی۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ٭ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی (اقبالؔ) (۹) موسم بہار کی سرگذشت نظیریؔ سے سنو (کیونکہ) بلبل ہی زیادہ دردناک پیرائے میں یہ افسانہ کہتی ہے۔ مطلب۔ عندلیبِ زخم خوردہ ہی افسانۂ موسمِ بہار حقیقی درد سے بیان کر سکتی ہے۔ اسی طرح میں عشق کا راز ہوں۔ بہارِ جوانی کا افسانہ میں ہی خوب سُنا سکتا ہوں ٭

زعاشق میشود معشوق را نام و نشاں پیدا ٭ ثمر نیکو نیاید تا نگردد باغباں پیدا
خود بہا محو گردد گر تو از رخ پردہ برداری ٭ گماں پوشیدہ گردد ہر کجا گردد عیاں پیدا
من آں روزیکہ بر رخ فتنہ میشد زلف میگفتم ٭ کہ روزے خوش نخواہد گشت ہرگز در جہاں پیدا
دراں صحرائے بے پرسش کہ رہبر راہزن باشد ٭ دل مجروح گردد کارواں در کارواں پیدا
تپے گر عارض جسمم شود آں را دوا سازم ٭ چہ سازم سوز عشقے را کہ شد در استخواں پیدا
تمنائش چو گردد گرد خاطر مضطرب گردم ٭ چو محتاجے کہ گردد در سرائش میہماں پیدا
بغل از نامۂ احباب پر کردو نمے خواند ٭ کہ مے ترسد شود مکتوب ہم درمیاں پیدا
نمیدانم زمن و رجاں سپاریہا چہ نقصاں شد ٭ کہ اکثر میشود در بدگمانی امتحاں پیدا
نظیریؔ سوئے او کم رو کہ امروز ست یا فردا ٭ کہ از خاکسترت ہم نیست در کویش نشاں پیدا

غزل نمبر ۴۵ (۱) عاشق ہی کی بدولت معشوق کی شہرت ہوتی ہے۔ جس طرح باغ میں، اگر باغباں نہ ہو تو اچھا پھل پیدا نہیں ہوتا۔ مطلب۔ عاشق معشوق کے حسن کی حفاظت کرنے میں باغباں کی طرح ہے۔ اور شہرتِ معشوق بھی اس کی وساطت سے ہوتی ہے۔ (۲) اے معشوقِ حقیقی، اگر تو اپنے چہرے سے

پردہ ہٹادے۔ تو تمام خود نمائی مٹ جائے۔ (یہ ظاہر ہے) کہ جب حقیقت نمایاں ہو جائے۔ تو تمام گمان پوشیدہ ہو جاتے ہیں مطلب۔ حقیقت نمایاں ہو جائے تو مجاز کی ضرورت نہیں۔ (۳) میں نے اسی دن جبکہ اس کے چہرے پر زلف فتنہ برپا کر رہی تھی۔ کہدیا تھا کہ اب جہان میں خوشی کا دن پیدا ہی نہ ہوگا مطلب۔ حسنِ فتنہ گر دیکھتے ہی پکار اُٹھا تھا۔ کہ اب سب لوگ اس کے عشق میں گرفتار ہو جائینگے اور خوشی و خرمی کو خیرباد کہدینگے۔ (۴) اس بے نشان بیابان میں جہاں راہبر بھی راہزن ہو جاتے ہیں۔ وہاں زخمی دلوں کے قافلے کے قافلے ملتے ہیں۔ (۵) اگر میرے جسم کو بخار لاحق ہو تو میں اس کا علاج کروں۔ مگر میں عشق کے سوز کا کیا علاج کروں جو میری ہڈیوں میں سرایت کر چکا ہے مطلب عشق دردِ بے مداوا ہے۔ (۶) جب اس کی تمنا دل میں پیدا ہوتی ہے تو میں مضطرب ہو جاتا ہوں۔ (بالکل) اُس محتاج کی طرح جس کے گھر میں کوئی مہمان آ نکلے مطلب غریب و نادار کے ہاں مہمان کا آنا مصیبت اور پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اس طرح مفلسِ عشق اس کی تمنا دیکھ کر مضطرب ہو جاتا ہے۔ (۷) تھیلا دوستوں کے خطوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور وہ انہیں پڑھتا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اسے خطرہ ہے کہ کہیں ہمارا خط بھی اُن میں نہ ہو۔ (۸) معلوم نہیں جانبازیوں میں مجھ سے کیا غلطی واقع ہوگئی ہے (کہ وہ آزمائش کرنا چاہتا ہے) کیونکہ عام طور پر بدگمانی پیدا ہونے کی صورت میں امتحان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ (۹) اے نظیری! اس کی طرف نہ جا کیونکہ آج کل ہی میں اس کے کوچہ میں تیری خاک کا بھی نشان نہ ملے گا۔ مطلب۔ وہ معشوق تیری زندگی کا خاتمہ کر دیگا۔

زلبس بود دل خود کام ناسپاس مرا
زروے ہم رسد اندوہ بے قیاس مرا

بلا مقام مرا پیش ازیں نمے دانست
غم تو کرد دریں شہر روشناس مرا

چہ روز بود کہ تشریف عشق پوشیدم
کہ خوشدلی نشناسد دریں لباس مرا

زرشک دوش چنیں درہم کہ نتواں برد
بہ بزمِ وصل تو امشب بالتماس مرا

رُخے کہ داشت ملک میلش از توجہ غیر
چناں نمود بچشم کہ شد ہراس مرا

ازاں زآہ نظیری فراغتے داری
کزیں فسردہ دلاں کردۂ قیاس مرا

غزل نمبر ۵۵ ۔ (۱) چونکہ میرا دل خودغرض اور ناشکر گذار ہے۔ اسی سبب سے مجھے بے حد غم مل رہے ہیں۔ (۲) اس سے پیشتر بلاؤں کو میرے مکان کا علم نہ تھا۔ اب تیرے غمِ عشق نے مجھے اس شہر میں واقفیت پیدا کرا دی۔ مطلب۔ تیرے غمِ عشق میں مبتلا ہونے سے پیشتر میں بلاؤں کی آماجگاہ نہ تھا۔ مگر یہ اس عشق کی بدولت ہے کہ بلاؤں نے میرا ٹھکانا معلوم کر لیا ہے۔ اور پے در پے چلی آتی ہیں۔ بقولِ شاعر سے

اس ادا سے کہ فرستادۂ گردوں سمجھوں ۔ گھر مرا پوچھتی اوپر سے بلائیں بلائیں۔ (۳) وہ کونسا دن تھا کہ میں نے

عشق کی خلعت پہن لی۔ کہ اب اس لباس میں مجھے خوشی پہچانتی ہی نہیں مطلب عشق اختیار کرنے کے بعد کبھی خوشی میسّر نہیں آتی۔ (۴) کل کے رشک سے میں اتنا پریشان ہو گیا ہوں۔ کہ آج تیری بزمِ وصل میں منتوں سے بھی مجھے لے جایا نہیں جاسکتا۔ مطلب۔ کل رات کی محفل میں غیر سے اختلاط روا رکھا گیا۔ اور عاشق کو محروم۔ اس رشک کی وجہ سے عاشق دوسری رات وہاں جانے کے لئے آمادہ نہیں۔ (۵) وہ چہرہ جس پر فرشتہ بھی عاشق تھا۔ اب غیر کی توجہ کی وجہ سے اس طرح ہو گیا ہے۔ کہ میں حیران رہ گیا ہوں۔ مطلب۔ مجھے اس حسن میں رقابت کی وجہ سے ہراس نظر آتا ہے۔ (۶) کیا تو اس لئے نظیری کی آہوں سے بے پرواہ ہے۔ کہ تو نے مجھے بھی دوسرے لوگوں کی طرح افسردہ دل خیال کیا ہے مطلب ہم دوسرے لوگوں کی طرح بے اثر آہیں نہیں رکھتے بلکہ ؎ ہماری آہوں نے اُلٹے ہیں تخت شاہونکے + یہ تیر وہ ہے کہ جس سے فرار مشکل ہے۔

شرم مے آید ز قاصد طفل محجوب مرا — بر سر راہش بیند ازید مکتوب مرا
دست پرورد توام اے عشق پاس من بدار — ہر کہ بیند از تو میداند بد و خوب مرا
فرصتت بادا کہ میباید ستمگارے چنیں — ایں قرار و طاقت و ایں صبر ایوب مرا
ناز پرورد وصالم گوش بر حرفم مکن — آرزو بسیار باشد طبع محجوب مرا
بے سوالے خون خود در حشر مے بخشم باو — زانکہ دانم از طلب عار است مطلوب مرا
شوخ طبعی ز اختلاط غیر منعت چوں کنم — بیش ازیں نتواں شنیدن حرف و لکوب مرا
امشب از یوسف رخے چشم نظیری روشن است — یا ز نورے ہست در کاشانہ یعقوب مرا

غزل نمبر ۵۶ - (۱) میرے شرمیلے کمسن معشوق کو قاصد سے شرم آتی ہے۔ اس لئے میرا خط اس کی گذرگاہ میں پھینک دو۔ مطلب۔ اس کے راستے میں میرا خط ڈال دو۔ وہ اُٹھائے گا۔ کیونکہ جب قاصد اس کے ہاں جاتا ہے۔ میرا کمسن معشوق شرمندہ ہو جاتا ہے۔ (۲) اے عشق میں تیرے ہاتھوں کا پالا ہوں۔ اس لئے میری شرم رکھیو۔ کیونکہ جو مجھے دیکھیگا اور میری نیکی و بدی تیری طرف منسوب کرے گا۔ (۳) تیری عمر دراز ہو کہ میرے ایوب جیسے صبر اور قرار کے لئے ایسا ہی ستمگر درکار تھا۔ مطلب۔ چونکہ ہم صبر و قرار ایوبی رکھتے ہیں۔ اس لئے اس کی آزمائش کے لئے ایسا ہی ستمگر چاہئے تھا جس طرح کہ تو ہے۔ خدا تیری عمر دراز کرے۔ (۴) میں وصال کے نازوں کا پالا ہوں۔ اس لئے میری باتوں پر کان نہ دھرنا۔ میری شرمیلی طبیعت میں بجد آرزوئیں ہیں۔ (۵) میں حشر میں اس کی درخواست کے بغیر ہی اپنا خون اسے بخش دوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرے محبوب کو مانگنے سے عار ہے۔ ؎ ہم نہیں وہ کہ کریں خون کا دعویٰ تم پر + بلکہ پوچھیگا خدا بھی تو مکر جائینگے۔ (۶) تو شوخ طبیعت والا ہے۔ اس لئے میں تجھے غیر کے اختلاط سے کس طرح روک سکتا ہوں۔ تو میری سخت

باتوں کو اس سے زیادہ سُن ہی نہیں سکتا ۔ مطلب ۔ طفل شوخ سخت نصیحت سُن ہی نہیں سکتا ۔ بلکہ ضد پر آ کر جس کام سے روکا جائے عمداً چڑانے کے لئے وہ بارہ کرتا ہے ؎

کسی دن میں نے ٹوکا تھا اسے غیروں سے ملنے پر ✤ مری ضد سے وہ ظالم اب بھری محفل سے ملتا ہے (۷) آج رات نظیریؔ کی آنکھیں ایک یوسف جیسا چہرہ رکھنے والے معشوق سے روشن ہیں ۔ پھر میرے یعقوب کے گھر میں نُور پیدا ہو گیا ہے ۔ مطلب ۔ حضرت یعقوب کی آنکھیں فراقِ یوسف میں ضائع ہو گئی تھیں جو پھر بیٹے کے دیدار سے منور ہوئیں ✤

دیدمش در دل نہفتم آہ پُر ناثیر را — در کماں از بسکہ دزدیدم شکستم تیر را
پائے رفتن نیست زیں بزمم کہ در بیروں در — بخت دارد در کمیں ہجر گریباں گیر را
خوشدل از غیرم کہ در بزم وصال او نیافت — ذوق دردِ اضطراب و لذّتِ تغیئر را
از کمند عشق جستن مے شود ترک ادب — ورنہ طغیاں جنوں از ہم کند زنجیر را
بے سبب وا دی گر آزارم خجل از من مباش — کردہ ام خاطر نشانِ خویش صد تقصیر را
گشتہ دل پامال حسرت عشوہ در کارش مکن — قلب زر اندود ما ضائع کند اکسیر را
از نگاہے شد نظیریؔ صید من در انفعال — زانکہ ایں وحشی نمے ارزد بہائے تیر را

غزل نمبر ۵۷

(۱) اُس کو دیکھتے ہی مَیں نے پُر تاثیر آہ کو دل میں چھپا لیا ۔ چونکہ میں نے تیر کو کمان میں بہت دبایا ۔ اس لئے وہ تیر ہی ٹوٹ گیا ۔ مطلب ۔ میں نے اس کے دیدار سے مشرف ہوتے ہی آہ کو ضبط کیا (۲) اس محفل سے باہر نکلنے کی طاقت نہیں ہے ۔ کیونکہ (جانتا ہوں) کہ اس کے دروازے کے باہر میرا نصیب گریباں گیر فراق لئے بیٹھا ہے ۔ مطلب ۔ جونہی باہر نکلوں گا فراق لاحق ہو گا ۔ (۳) میں غیر سے اس لئے خوش ہوں کہ اس کی وصال کی محفل میں اس نے دردِ اضطراب کا ذائقہ اور تغیّر کی لذت نہیں پائی ۔ مطلب ۔ غیر کو چونکہ وصال میسّر ہے ۔ اس لئے دردِ اضطراب و لذتِ تغیّر سے ناآشنا ہے ۔ میں اسواسطے بے حد خوش ہوں ۔ (۴) عشق کی کمند سے (بچنے کے لئے) کودنا بے ادبی ہے ۔ ورنہ جنون کا طغیان تو زنجیر بھی توڑ ڈالے ۔ (۵) اگر تو نے مجھے بےوجہ تکلیف دی ہے ۔ تو مجھ سے شرمندہ نہ ہو ۔ کیونکہ میں نے اپنے دل پر قصور کے سو نشان پیدا کر لئے ہیں ۔ مطلب ۔ تجھے شرمندہ دیکھنا نہیں چاہتا ۔ اس لئے دل میں گناہوں کے نشان پیدا کر لئے ہیں ؎ تا منفعل ز رنجش بیجا نبینمش ✤ می آرم اعتراف گناہ نبودہ را (نظیریؔ) (۶) دل حسرتوں سے پامال ہو چکا ۔ تو نازو کرشمہ اس کے کام میں نہ لا ۔ کیونکہ ہمارا ملمع کیا ہوا دل اکسیر کو بھی ضائع کر دیگا ۔ مطلب ۔ نازو کرشمہ اکسیر ہیں ۔ مگر ہمارا دل جو کہ حسرتوں سے پامال ہو چکا ہے اب خالص سونا نہیں بن سکتا ۔ اس لئے تو خواہ مخواہ اپنی اکسیر اس کے لئے ضائع نہ کر ۔ (۷) نظیریؔ ایک ہی نگاہ کا شکار ہو گیا اور میں شرمندہ ہو رہا ہوں ۔

کیونکہ یہ وحشی ایک تیر کی قیمت بھی نہ پاسکا مطلب۔ یہ شکار بالکل بے حقیقت ہے۔ کہ ایک ہی نگاہ کا شکار ہوا صنعتِ تجرید ہے ؂

کجا بودی کہ امشب سوختی آزردہ جانے را ‏ بقدرِ روزِ محشر طول دادی ہر زمانے را
سوالے کن زمن امروز تا غوغا بشہر افتد ‏ کہ اعجاز فلانے کرد گویا بے زبانے را
بہر نرخے کہ میگیرند اخلاص و وفا خوب ست ‏ پس از عمرے گذار افتاد برما کاروانے را
کتاب ہفت ملت گر بخواند آدمی عامیست ‏ نخواند تا از جزو آشنائی داستانے را
فسوں موم آہن کردن آسان تر از آں باشد ‏ کہ از کیں بر سرِ مہر آوری نامہربانے را
بعشاق اشک گرم و رنگ زرد از بہر آں دادند ‏ کز استغنا فرود آرند مستغنی جوانے را
اگر از خارِ خارِ بیوفائی ہائے گل نبود ‏ سحرگہ عندلیبے برنہ خیزد گلستانے را
دلا سیلاب خوں را از شگاف سینہ بیروں کن ‏ کہ امشب سودہ ام بر دیدہ خاک آستانے را
نمیدانم نظیری کیست چوں مے آمدم زاں کو ‏ بحال مرگ دیدم بر سرِ رہ ناتوانے را

غزل نمبر ۵۰ (۱) تو آج رات کہاں تھا کہ ایک آزردہ دل کو جلایا۔ اور ہر لحظہ کو یوم حشر کی مانند طویل بنادیا۔ مطلب۔ معشوق سے اس کی غیر حاضری کا سبب دریافت کرتا ہے۔ اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تیرے فراق میں جو وقت گذرا ہے۔ اس کا ایک ایک لحظہ روزِ محشر کی طرح طویل تھا۔ یہ اظہر من الشمس ہے کہ عیش کے دن جلدی گزر جاتے ہیں۔ اور مصیبت و انتظار کا وقت کاٹے نہیں کٹتا۔ ایک اور شاعر معشوق سے اسی قسم کا سوال کرتے ہوئے کہتا ہے ؂

کجا بودی و امشب باکہ مے خوردی کہ می آئی ؞ قدم لغزیدہ لغزیدہ نگہ دزدیدہ دزدیدہ۔ (۲) تو آج مجھ پر کوئی سوال کر۔ تاکہ شہر میں یہ غوغا برپا ہو جائے کہ فلاں شخص کے معجزے سے ایک بے زبان کو قوتِ گویائی مل گئی مطلب۔ عاشق معشوق کے عدمِ التفات کی وجہ سے خاموشی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے۔ اور لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ یہ شخص گویا نہیں۔ لیکن معشوق سے مستدعی ہے۔ کہ تو جب کوئی سوال مجھ پر کریگا۔ تو اس کا جواب بہر حال دونگا۔ جونہی لوگ مجھے گفتگو میں مشغول دیکھینگے۔ وہ غوغا برپا کریں گے۔ کہ فلاں شخص نے ایک گونگے کو گویا بنادیا۔ (۳) اخلاص و وفا جس قیمت پر ہم خرید لیں بہتر ہے کیونکہ مدت مدید کے بعد ایک قافلے کا گذر ہماری طرف ہوا ہے۔ (۴) اگر ساتوں ملتوں کی کتابیں بھی انسان پڑھ لے تو انسان جانور ہی رہتا ہے۔ تاوقتیکہ آشنائی کا باب نہ پڑھے۔ (۵) جادو سے لوہے کا موم کر لینا اس سے کہیں آسان ہے۔ کہ کسی نامہربان کو کینے کی بجائے مہربانی پر اُبھار لینا مطلب۔ کینے

کا بدل بہ مہر ہونا ناممکن ہے۔(۶) عاشقوں کو زرد رنگ اور گرم آنسو اس لئے دیئے گئے ہیں۔کہ کسی بے پرواجوان کو بے نیازی سے الگ کریں یمطلب یمعشوقوں کا رحم حاصل کرنے کے لئے عشاق کی یہ حالت بنائی گئی ہے۔(۷) بلبل اگر پھول کی بے وفائی کی خلش نہ رکھتی ہو تو صبح کے وقت تمام گلستان کو بیدار نہ کرے یمطلب یعشقِ گل سے سینہ داغدار رکھتی ہے۔تو صبح سویرے اُٹھ کر زبان فریاد کھولتی ہے اور تمام چمن جاگ اُٹھتا ہے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کیوں علے الصباح باغ میں نالہ وزاری کے لئے نکلتی۔(۸) اے دل! تو آج خون کے سیلاب کو سینہ میں شگاف کر کے باہر نکال دے۔کیونکہ آج میر[illegible] میں اس کے آستان کی خاک لگائی ہے یمطلب۔اگر آج خونِ دل حسب معمول آنکھوں کے [illegible] یہ خاکِ آستانِ یار بھی تو، بہ جائیگی۔اس لئے آج دل کے شگاف سے یہ خون خارج ہونا چا[illegible] تو میں نہیں جانتا کہ نظیری کون ہے۔ہاں اتنا یاد ہے)کہ جب میں اُس کوچے میں سے گذ[illegible] کمزور و نحیف شخص کو موت کی حالت میں راستے میں پڑا ہوا پاتا تھا +

طعمِ ہلاہل مید ہد زہر فراقت آب را
تا تلخ کردی عیش من شیرین ندیدم خواب را

دریائے رحمت بر رخم تا شام مردن واکنند
گر چشمم از رویت کند یک صبح فتح الباب را

از دولت گم گشتہ ام شاید نشانے وادہند
بارے بدریائے امید افگندہ ام قلاب را

زاہل دروں باہش ترند آناں کہ بیرون در رند
اکثر بخاصاں مید ہد سلطان شراب ناب را

طوفاں بہر جانب برد بکشا معلم بادباں
لنگر نبیند از کسے دریائے بے پایاب را

وعظِ طبیب و صبر من بر جان گوارا گشتہ اند
من سخت تر سازم مرض او تلخ تر جلاب را

با غایتِ بیطاقتی از عشق نتوانم گریخت
گوئی کہ آتش بستہ رہ از ہر طرف سیماب را

در انتظار رحمتت لب تشنگاں افتادہ اند
ساقی بکوثر زن قدح در یاب زود اصحاب را

کار نظیری در رضا غم خوردن و خوش بودنست
دارم مے مرد آزما خوش باد شیخ و شباب را

غزل نمبر ۵۹ ۔ (۱) تیرے فراق کا زہر پانی کو ستم قاتل کا مزا دیتا ہے۔جب سے تو نے میرا عیش تلخ کر دیا ہے۔میں نے کبھی خواب بھی شیریں نہیں دیکھا (۲) دوسرا مصرعہ پہلے) اگر میری آنکھیں ایک دن تیرے چہرے کو بے پردہ دیکھ لیں تو شاید مرتے وقت مجھ پر رحمت کا دروازہ کُھلے۔مطلب۔اگر تیرے دیدار سے شادکام ہو کر مروں تو پھر بخشش کی بھی توقع ہو سکتی ہے۔(۳) میں نے اس خیال سے امید کے دریا میں کانٹا پھینکا ہے کہ شاید میری گم شدہ دولت سے کوئی نشان مل جائے۔(۴) وہ لوگ جو دروازے سے باہر ہیں وہ اندر والوں سے زیادہ ہوشمند ہیں۔بادشاہ اپنے مقربوں ہی کو خالص شراب دیتا ہے یمطلب "بیرون در"

سے مراد "بیروں شرع ظاہر" ہے۔ یعنی بندگانِ عشق انہی کو "خواصان سلطان" قرار دیا ہے (۵) اے معلم جس طرف طوفان لے جائے بادبان اسی جانب کھول دو۔ کیونکہ بے کنار پانی میں کوئی لنگر نہیں ڈالتا۔ مطلب۔ لنگر کنارے کے قریب جہاں پانی کم ہو ڈالا جاتا ہے۔ شاعر اپنے معلم کو کہتا ہے کہ ابھی تو ہم "دریائے بے پایاب" میں ہیں۔ یہاں توقف درست نہیں جس طرف طوفان لیجائے ادھر ہی بادبان کھول دو۔ (۶) طبیب کا وعظ اور میرا صبر دونو چیزیں ہیں میں نے اپنی جان پر گوارا کر رکھی ہیں۔ جوں جوں میں مرض کو سخت کرتا جاتا ہوں وہ جلاب کو تیز بناتا ہے۔ مطلب میں عشق میں [illegible] کڑتا ہوں اور ناصح نصیحتوں کے جلاب دیتا ہے۔ ایک تو یہ نصیحتیں برداشت کر رہا ہوں۔ اور [illegible] میں صبر بھی اختیار کئے ہوں۔ یہی دونوں چیزیں جان پر گوارا کر رکھی ہیں۔ (۷) انتہائی کمزوری کی وجہ سے عشق سے بھاگ نہیں سکتے۔ گویا آگ نے ہر طرف سے پارے کا راستہ بند کیا ہوا ہے۔ مطلب پارے کو آگ دی جائے تو وہ اُڑ جاتا ہے۔ مگر شاعر کہتا ہے کہ ہر طرف سے آگ نے گھیرا ہوا ہے۔ تو کہاں اُڑے۔ یعنی عشق میں یہ حالت ہے۔ ع نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ (۸) تیری رحمت کے انتظار میں ہم سب پیاسے پڑے ہوئے ہیں۔ اے ساقی کوثر میں پیالہ بھر اور اپنے مصاحبوں کو بلا لے۔ مطلب۔ جام کوثر اصحابِ خاص کو پلایا جائیگا جبکہ لوگ العطش العطش پکار رہے ہونگے۔ (۹) نظیری کا کام تیری رضا میں غم کھانا اور خوش رہنا ہے۔ میں مردوں کا مقابلہ کرنے والی طاقت اور شراب رکھتا ہوں۔ بوڑھوں اور جوانوں کو بشارت ہو۔

ردیف الباء

خانہ در کوئے مغاں کردم خراب
عاقبت ہم طبع گشتم با شراب

دہر پیرم کردہ اما ذوق عشق
گرم تر دارد مزاجم از شباب

از جوانی ہست ذوقے در سرم
از نمک ماندست شورے در کباب

ہر چہ خوانم از ورق شویم بہ اشک
عشقم افتادست بر درس کتاب

زندہ دارد مرد را آثار مرد
نام گل باقیست چوں گرد گلاب

گوش بر تشریف فرمانم کہ ہست
جان مشتاقم سوالش را جواب

بر امید او بعجز بستہ ام
باد را بر خاک و آتش را بآب

چارۂ ناسور تسلیم ست و بس
خلق مرہم مے نہند از اضطراب

به که پوشم چشم ازیں دل خفتگان | روئے بیداراں مگر بینم بخواب
چشمہ حیوان نظیری ہیچ نیست | عالمے تاریک و قحط آفتاب

غزل نمبرا ۔ (۱) میں نے پیر مغاں کے کوچے میں گھر برباد کر دیا ۔ پھر کہیں جاکر شراب مزاج کو موافق آئی ۔ مطلب ۔ مدت کے بعد عشق میں پختگی حاصل ہوئی ۔ (۲) زمانے نے مجھے بوڑھا کر دیا ۔ مگر عشق کا ذوق ابھی میرا مزاج جوانی سے زیادہ گرم رکھتا ہے ۔ مطلب ۔ پیری میں بھی ذوقِ عشق کم نہیں ہو رہا ۔ (۳) جوانی سے ذوق (عشق) ابھی میرے سر میں موجود ہے ۔ (گویا) کباب میں نمک کی نمکینیت ہی باقی رہ گئی ہے ۔ مطلب ۔ جوانی جاتی رہی مگر ذوقِ عشق کا اثر باقی ہے (۴) میں جو کچھ کتابوں میں پڑھتا ہوں عشق آنسوؤں اور آہوں سے کتاب کے درس کو ضائع کر دیتا ہے ۔ مطلب ۔ عشق میں سب کچھ فراموش ہو جاتا ہے (۵) مرد (عشق) کو آثار مرد (عشق) ہی زندہ رکھتے ہیں ۔ "گل" گلاب بن جاتا ہے ۔ تو بھی "گل" کا نام باقی رہتا ہے ۔ (۶) میرے کان تو اس کے فرمان کی بجا آوری پر لگے ہی ہوتے ہیں اور میری مشتاق جان بھی اس کے سوال کا جواب بنے بیٹھی ہے ۔ مطلب ۔ ہم ہمہ تن اس کے فرمان کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں (۷) اس امید میں ہم نے معجزے کے طور پر ہوا کو خاک پر اور آگ کو پانی پر باندھ دیا ہے ۔ مطلب ۔ اس کے وصل کی امید میں ہم نے ناممکن کو ممکن بنا دیا ۔ (۸) ناسور (دل) کا علاج تسلیم و رضا ہے ۔ (اور) بس ۔ لوگ (اس کے علاج کیلئے) اضطراب میں مرہم لگاتے ہیں ۔ مطلب ۔ دل کا زخم مرہموں سے اچھا نہیں ہوتا ۔ اس کا علاج راضی برضا ہونا ہے ۔ ع جگر کا داغ بھی اچھا کہیں ہوتا ہے مرہم سے ۔ (۹) ان خفتہ دلوں سے چشم پوشی کرنا ہی بہتر ہے (اس طرح) شاید بیداردلوں کا چہرہ خواب میں دیکھوں ۔ مطلب ۔ دنیا کے لوگ تو خفتہ دل ہیں ۔ اس لئے میں آنکھیں بند کرتا ہوں تاکہ بیدار دل لوگوں کو خواب ہی میں دیکھ سکوں ۔ (۱۰) اے نظیری ! چشمۂ آبحیات کچھ بھی نہیں ہے ۔ ایک تاریک فضا جہاں دھوپ کا نشان نہیں ۔ ع کہ تاریکی دروں آبحیات است ۔

میم در جام و ماہم تا سحر بر روزنست امشب | دو دو شمع تا بوقت صبح طوق گردنست امشب
دو چشم حجلہ آئیں بستہ انداز گریۂ شادی | در و بام از چراغان سر شکم روشن ست امشب
شماری تا سحر و ستم بزلف در ہمے دارد | گر بیا نم گہ بیالنست و دامن دامنست امشب
ہمہ شب بے لب رخسار و گیسو مے زنم بوسہ | گل و نسرین و سنبل را صبا در خرمنست امشب
مغنی میگساری میکند ساقی نوا سازی | ازیں شادی کہ در بزم حسوداں شیونست امشب
بدل طرح وصال جاودانی نقش مے بندم | گرم خود دوست مے آید بخلوت دشمنست امشب
باقبال محبت شاہدے در نظر دارم | نہ من بابخت خویشم نے نظیری بامنست امشب

غزل نمبر ۳۰ (۱) اے میرے جام میں شراب۔ اور میرے روشندان پر چاند صبح تک موجود ہے اور میرے دونوں ہاتھ صبح طلوع ہونے تک اس کی گردن کے گرد حمائل ہیں مطلب۔ چاندنی رات ہے۔ شراب بھی موجود ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معشوق کی گردن میں ہاتھ بھی حمائل ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور خوش قسمتی کیا ہوتی ہے (۲) میری دونوں آنکھوں نے خوشی کے آنسو بہا کر کمرے کو آراستہ کر لیا ہے تمام دروازے اور چھتیں خدان کے آنسوؤں سے آج رات روشن ہیں مطلب۔ وصل میسّر ہے۔ اس لئے گریۂ شادی کیا ہے۔ (۳) میرا ہاتھ صبح نمودار ہونے تک اس کی پریشان زلفوں میں پھر رہا ہے اس لئے آج رات میرا گریبان گریبان ہے اور دامن دامن مطلب۔ وصل میسّر ہے اس لئے دامن و گریبان ہر دو سلامت ہیں۔ ورنہ تار تار ہوتے۔ (۴) میں تمام رات اس کے لبوں۔ رخساروں اور زلفوں پر بوسے دے رہا ہوں۔ (گویا یہ سمجھ لو) کہ گلاب۔ نسترن اور سنبل کے خرمن میں آج صبا گھسی ہوئی ہے۔ مطلب۔ صبا جب پھولوں کی کیاریوں میں گھستی ہے تو کسی پھول کا منہ چومتی ہے کسی کی زلف کھینچتی ہے کسی کی پیشانی پر بوسہ دیتی ہے۔ عاشق بھی یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ میں آج معشوق کے وصل سے شادماں ہوں۔ اور بالکل آزادی سے شراب وصال پی رہا ہوں۔ (۵) مطرب شراب پلا رہا ہے اور ساقی گا رہا ہے۔ اس طرح خوشی سے کہ آج حاسدوں کی محفل میں گریہ وزاری ہو رہی ہے مطلب مطرب ساقی کا کام اور ساقی مطرب کا فرض انجام دے رہا ہے۔ انتہائی خوشی کی وجہ سے (۶) میں اپنے دل میں وصال جاودانی کا نقش جما رہا تھا۔ اور اگر خود دوست بھی آج میری خلوت میں آجاتا تو گویا میرا دشمن ہوتا مطلب عشق جاوداں کے خیال میں اس قدر محو ہو گیا ہوں۔ کہ خود معشوق کی آمد یا احساس موجودگی میرے لئے محویت کا انقطاع ہوگا۔ اور اس لئے دشمن۔ (۷) محبت کے اقبال سے میں معشوق اور شراب دونوں موجود رکھتا ہوں۔ نہ میں اپنے نصیب کے ساتھ ہوں اور نہ نظیریؔ آج میرے پاس ہے۔
شب وصال میں اپنے آپ کو بھی بھولا ہوا ہوں +

سحر منادی بلبل بگلستان دریاب — صلائے صحبت گل میزند زماں دریاب
ہر آں دقیقہ کہ دریافتی زعمر از تست — کہ میشود نفس رفتہ را ضماں دریاب
ترا فریضہ بود رفتنی بخانۂ دوست — دروں اگر نگذارند آستاں دریاب
ہزار واقعہ بارہ نگارم افتادست — بیک کرشمۂ لطفم اگر تواں دریاب
نظارۂ گل و ہراز وداع یاد دہد — ببیں بہار دے و معنئے خزاں دریاب
ہنوز بوئے دلم بر مشام مے آید — دمے کہ آتشم افتد بجا نماں دریاب

تہ پیالہ چو بر خاکِ تشنگان ریزی — مرا کہ سوختہ ام مغز استخواں دریاب
مباد زخمِ تو جز من بدیگرے آید — گہے کہ تیرِ جفائے کشی نشان دریاب
مکش ملال نظیریؔ کہ جسم و جاں کاہست — زلالِ جام کش و عمرِ جاوداں دریاب

غزل ۳۔ (۱) صبح کے وقت بلبل جو گلستان میں منادی کر رہی ہے اسے سمجھ۔ زمانہ پھولوں کی محفل کی دعوت دے رہا ہے اسے غنیمت سمجھ۔ (۲) اپنی عمر سے جو دقیقہ تجھے مل گیا وہ تیری ملکیت ہے۔ کیونکہ گذرے ہوئے وقت کا ضامن کون ہو سکتا ہے۔ (۳) تیرا فرض یہ ہے کہ تو یار کے گھر جائے۔ اگر تجھے اندر نہ بھی جانے دیں۔ تو دہلیز ہی میں بیٹھ جا۔ (۴) میرے زمانے کے ساتھ ہزار واقعات الجھے ہوئے ہیں۔ اگر ہو سکے تو ایک ہی لطف کے کرشمے سے ان کو پا لے۔ (۵) زمانے کے پھول کا نظارہ ہی ان کی جدائی کی یاد دلا دیتا ہے۔ اس کی بہار کو دیکھو اور خزاں کے معنی سمجھ لو۔ مطلب۔ ہر خزاں کے بعد بہار ہے۔ اور ہر بہار کے بعد خزاں ہے۔ جیسی بہار ہوگی اتنی ہی زیر و زبر شدہ خزاں ہوگی (۶) ابھی میرے دل کی بو دماغ میں آ رہی ہے۔ جب آگ بڑھ کر گھر تک پہنچ جائیگی تو پھر دیکھنا (۷) جب تو اپنے پیالہ شراب کی میل پیاسوں کی قبروں پر گرائے تو مجھے جس کی ہڈیوں کا گودا بھی جلا ہوا ہے یاد رکھنا۔ مطلب۔ اس عنایت سے محروم نہ رکھنا۔ (۸) کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا زخم میرے سوا کسی اور کو جا لگے۔ اس لئے جب تو جفا کا تیر چلانے لگے تو ذرا نشانہ دیکھ لینا۔ (۹) اے نظیری! زیادہ رنج نہ اٹھا۔ کیونکہ یہ ملال جسم و جان کو برباد کرنے والا ہے۔ تو جام کی صاف شراب پی لے۔ اور عمر جاوداں پا لے۔ مطلب۔ رنج و ملال تو جان کھا جاتا ہے۔ اسے رفع کرنے کے لئے شراب پیو۔

سبزۂ عیش ز بوم و بر ہجراں مطلب — نیشکر حاصلِ مصر ست ز کنعاں مطلب
رسنِ زلف پے حیلہ در آویختہ اند — جز دلِ تشنہ ازاں چاہ زنخداں مطلب
در دیار یکہ سجود خم ابرو رسمیست — غیر محراب کژ و قبلۂ ویراں مطلب
فرض و سنّت بتماشائے تو از یاد برفت — پردہ بر روئے فگن یاز من ایماں مطلب
بعد ازاں گرچہ بنسیاں بدرم آوردی — پیشِ گر گم فگن و قیمتم ارزاں مطلب
مہر کیں نیست کہ ہر جا طلبی یافت شود — آنچہ ہرگز نسپردند بدوراں مطلب
لختِ دل قوت کن و شکرِ احباب مخواہ — دودِ دل سرمہ کن و کحلِ صفاہاں مطلب
آبِ حیواں ز کفِ دُرد کشاں مے جوشد — گو خضر دشت مپیما و بیاباں مطلب
ہمہ از کاہشِ احباب بخویش افزانید — قیمت یاری ازیں خویش فروشاں مطلب

جلوہ از حوصلہ بیش ست نظیری ہشدا　　کشتی نوح نشد ساختہ طوفاں مطلب

غزل نمبر ۱۴ - (۱) عیش کا سبزہ فراق کی سرزمین میں تلاش نہ کر۔ گنج مصر کی پیداوار ہے۔ کنعان میں تلاش نہ کر۔ عیش و فراق کا باہمی تعلق نہیں۔ (۲) زلف کی رسّی مکاری کے لئے لٹکائی ہوئی ہے۔ اس ٹھوڑی کے کنوئیں میں سوائے پیاسے دلوں کے اور کسی چیز کو طلب نہ کر۔ مطلب۔ چاہِ زنخدان باوجود کنواں ہونے کے پیاسے دل مقیّد رکھتا ہے۔ اور پھر کنوئیں کی رعایت "رسن زلف" لایا ہے۔ جو چاہِ زنخداں میں لٹک رہی ہے۔ (۳) اس ولایت میں جہاں ابرو کے خم کو سجدہ کرنے کی رسم ہے وہاں ٹوٹے محراب اور ویران قبلے کے سوا اور کوئی چیز تلاش نہ کر۔ مطلب۔ جہاں عشق کا دور دورہ ہے وہاں محراب و قبلہ ویران ہے۔ (۴) تیرے دیدار میں فرض اور سنّت (شریعت کی) بھول گیا ہوں۔ تو اپنے چہرے پر پردہ ڈال لے یا پھر مجھ سے ایمان کا طالب نہ ہو۔ مطلب۔ تیرے حُسن نے مجھے سب عبادات بھلا دی ہیں۔ اس لئے اگر میرے ایمان کی پختگی چاہتا ہے تو نقاب اوڑھ لے۔ (۵) اس کے بعد کہ تو نے مجھے نسیان کے کنوئیں سے نکالا ہے۔ تو مجھے بھیڑیئے کے آگے ڈال دے۔ مگر کم قیمت پر فروخت نہ کرنا۔ مطلب۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان کو کنوئیں میں گرایا تھا۔ اور جب وہ وہاں سے نکلے۔ تو چند درہموں کے بدلے قافلے کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ باپ کو اُنہوں نے کہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اس شعر میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ (۶) محبت جنسی نہیں ہے کہ جہاں بھی تو چاہے ملجائے بلکہ وہ چیز جو زمانے کو دی ہی نہیں گئی۔ اس کی تلاش نہ کر۔ مطلب۔ محبت صادق زمانے سے مفقود ہے اس کی تلاش فضول ہے۔ (۷) دل کے ٹکڑے کو روزی بنا لے (کھا لے) مگر شیراز کی شکر کی خواہش نہ کر۔ (دوسرے سے نہ مانگ) اپنے دل کے دھوئیں کو سُرمہ بنا لے۔ مگر اصفہانی سُرمہ کسی سے نہ مانگ۔ مطلب کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے یہ بہتر ہے کہ انسان خونِ دل کھائے۔ (۸) ان تلچھٹ پینے والوں کے ہاتھوں سے آبِ حیات جوش مارتا ہے۔ اس لئے خضر سے کہدو کہ (آبحیات کی تلاش میں) جنگل میں نہ پھرو اور بیابان کی تلاش نہ کرو۔ مطلب سے

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو ٭ یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں (۹) تمام لوگ احباب کے نقصان سے خود فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ ان محبت فروش لوگوں سے اپنی دوستی کی قیمت طلب نہ کرو۔ مطلب۔ یہ لوگ تو خود غرض ہیں ان سے وفا کے بدلے محبت کی توقع ہی نہ رکھو (۱۰) اے نظیری! جلوۂ معشوق حقیقی حوصلے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لئے ہوشیار رہنا کیونکہ نوح کی کشتی تیار ہی نہیں تو ابھی طوفان کی خواہش نہ کر مطلب۔ پہلے خدا تعالےٰ کے جلوے کی تاب پیدا کرو۔ پھر خواہشِ جلوہ آرائی کرو ٭

آنکہ شب داد توبہ ام زشراب — امشبم باز دید مست و خراب
لب ساغر چناں زنم بوسہ — کہ در آرم حریف را از خواب
مزہ کز راح آتشیں گیرم — خاک را در دہاں بگردد آب
عضو عضوم پُرست از مستی — کاہلی ہا ہمہ شوند شتاب
ظرف لبریز کردم از بادہ — ہمچو ماہ دو ہفتہ از مہتاب
راہ مستی گرفتہ جانب دوست — میروم تا برآرمش ز حجاب
محو ترمے شوم زخود ہر دم — رفتم از دست مطربا دریاب
قوتم نیست پست کن پردہ — طاقتم نیست گوش چنگ متاب
بر نظیری مگر بہ بخشانید — بجزع دا نمے شود ایں باب

غزل نمبر ۵ ۔ (۱) جس نے کل رات مجھے شراب سے توبہ کرائی۔ آج پھر اس نے مجھے مست و خراب دیکھا۔ مطلب سے
مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے ✤ اُٹھا لاؤ درِ پیر مغاں سے۔
میں ان کو جوڑ کر پھر توڑ ڈالوں ✤ بس اک جامِ شرابِ ارغواں سے (اقبال) (۲) میں ساغر کے لبوں کو اس طرح بوسے دیتا ہوں کہ حریف کو نیند سے بیدار کر لوں۔ (۳) جو مزا مجھے آتشیں (آگ کا سا سرخ رنگ رکھنے والی) شراب میں ملتا ہے۔ وہ خاک کے منہ میں بھی پانی بھر لاتا ہے۔ مطلب۔ خاک اور آب کا تضاد شعر کی جان ہے۔ (۴) مستی سے میرا عضو عضو بھرا پڑا ہے۔ اس لئے سُستی جلدی میں تبدیل ہو جاتی ہے (۵) میں نے شراب سے پیالہ بھر دیا ہے جس طرح چودھویں کا چاند چاندنی سے (۶) مستی نے دوست کا رُخ کیا ہے۔ میں ادھر جاتا ہوں تاکہ اسے حجاب سے باہر نکالوں۔ مطلب سے
ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن ✤ ورنہ ہم چھیڑینگے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن (۷) میں اپنے آپ سے زیادہ محو ہوتا جا رہا ہوں۔ میں یہ چلا۔ اے مطرب مجھے تھام لے۔ (۸) مجھ میں قوت نہیں اس لئے پردہ ساز کو اور پست کر دے۔ مجھ میں تاب نہیں اس لئے باجا نہ بجاؤ۔ (۹) شاید نظیری پر بخشش کر دیں ورنہ گریہ و زاری سے توبہ دروازہ نہیں کھُلتا ✤

چوں غنچہ دل مبند و چو بو بر ہوا متاب — بر گل سوار باش و عناں از صبا متاب
آمیزش از صلاح دو یک دل بہم رسد — جائے کہ تار میل نباشد دو تا متاب
شوقے اگر نجات زخود بینیت دہد — بگریز و رُخ ز آئینہ ہم بر قفا متاب
بر سفرہ ہیچ نیست سوال از بروں چرا — قفل کشودہ بر در گنج عطا متاب

شغل توام زگوشۂ خاطر نمی رود ✣ گوشم چو طفل از پئے ہر مدعا متاب
بر صفحہ نقشہا ہمہ زیبا کشیدہ اند ✣ برقع بدستِ کوتۂ چون و چرا متاب
ہرگز خضر بہ تشنہ زلالِ بقا نداد ✣ مس بر امید داری این کیمیا متاب
آہے زدیم و پیرہن پارہ سوختیم ✣ گو ہمنشیں فتیلہ بے داغ ما متاب
چشم از امید داری دیدار روشنست ✣ گو روشنی مہر و مہم بر سرا متاب
معشوق ساقیست مزن بر پیالہ دست ✣ یوسف نمودہ رُخ بصر از توتیا متاب
افسونِ لب بکار نظیری کفایت ست ✣ لعلش در آتش از پے مہر و وفا متاب

غزل نمبر ٦ - (١) غنچہ کی طرح دل گرفتہ نہ ہو اور بُو کی طرح ہوا پر نہ اُڑتے پھر - تو پھول پر سوار ہو جا - اور صبا سے باگ نہ موڑ - (٢) ملاپ دو ایک طبیعت والوں کی خواہش سے ممکن ہوتا ہے - لیکن جہاں نفاق ضرب المثل ہو چکا ہو وہاں (محبت کا رشتہ) دوہرا بھی نہ بٹو مطلب - جہاں دوستی ممکن ہی نہ ہو - وہاں کوشش ہی نہ کرو طبیعتیں ملیں تو دوستی زیادہ ہو جاتی ہے - (٣) اگر تجھے تیری خودی سے شوق رہائی دلائے - تو بھاگ اور آئینہ کی پشت پر بھی نگاہ نہ ڈال مطلب - آئینہ سامانِ خود بینی ہے - اس لیئے شاعر خواہش کرتا ہے کہ اس کی طرف نگاہ ہی نہ ڈالنا چاہیئے ؎

تا قیامت رہے آئینہ سلامت یارب ✣ ہر حسیں کو ہے یہ دعویٰ کہ سکندر ہم ہیں (شاد) (٤) جب دسترخوان پر کچھ ہے ہی نہیں تو باہر سے سوال کس لئے ہو رہا ہے - تو اپنی بخشش کے خزانے پر قفل کھول کر دوبارہ نہ لگا دے - (٥) تیرا شغل (عشق) میرے دل کے گوشے سے نکلتا ہی نہیں - اس لئے ہر مدعا کے لئے بچوں کی طرح میری گوشمالی نہ کر - (٦) صفحوں پر نقش نہایت خوبصورت کھینچے ہیں اس لئے تو اعتراضات کے کوتاہ ہاتھ سے نقاب نہ اُلٹ مطلب - قدرت نے جو کچھ کیا ہے درست ہے تو خواہ مخواہ اس پر اعتراض نہ کر - (٧) خضر نے کبھی کسی پیاسے کو زندگی کا صاف پانی عطا نہیں کیا - اس لئے اس کیمیا کی امید میں تانبے کو تاؤ نہ دو - مطلب - زمانہ کسی شخص کو مراد و آرزو عطا نہیں کرتا - تو بھی اس امید موہوم میں مبتلا نہ رہ - (٨) ایک آہ بھری اور پارہ پارہ لباس کو جلا ڈالا - اس لئے ہمنشین سے کہدو - ہم کو داغ دینے کے لئے بتی نہ جلائے مطلب - ہم سوز دل رکھتے ہیں - ہمارے لئے فتیلے کی ضرورت نہیں ہے - (٩) دیدار کی امیدواری سے ہماری آنکھ روشن ہے - چاند اور سورج کی روشنی کو کہدو کہ ہمارے مکان پر نہ چمکے مطلب - جب اُمید وصل ہی سے ہماری آنکھیں منور ہیں - تو پھر مصنوعی چیزوں سے روشنی حاصل کرنے کی ہمیں ضرورت کیا ہے - (١٠) معشوق ہمارا ساقی ہے - اس لئے پیالے

کو نہ ٹھکرا۔ جب یوسفؑ نے اپنا چہرہ دکھایا ہے تو سرمے سے آنکھوں کو نہ پھیر۔ مطلب - جب معشوق پلانے والا ہو تو انکار فضول ہے ؎

توبہ! توبہ! شیخ جی! توبہ کا پھر کس کو خیال ۔ جب وہ خود کہدے کہ پی تھوڑی سی پی میرے لئے (حفیظ)

(۱۱) لبوں کا جادو ہی نظیری کے لئے کافی ہے۔ اس کی مہر و وفا کے لئے نعل کو آگ میں رکھنا بے سود ہے مطلب:۔ اس کو تو غلام بنانے کے لئے گفتگوئے شیریں ہی کافی ہے۔ داغِ غلامی لگانے کے لئے "نعل در آتش" کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔

باطبع ہر کہ راست نیاید کراں طلب
مے باش و از مزاج حریفاں نشاں طلب

چوں رہ بری بصحبت نیکاں گراں مباش
جایت اگر بصدر دہند آستاں طلب

مہماں گنج باش و قناعت بخاک کن
ہمسایۂ ہمائے شو و استخواں طلب

مجموعہ الیست عالم از و انتخاب کن
مخلوبہ الیست و ہر در وجہرباں طلب

در طبع دوستاں زحسد راستی نماند
انصاف اگر طلب کنی از دشمناں طلب

از حلقہائے زلف طلسمے بچنگ آر
فر شغل آں زوسوسۂ دل اماں طلب

دستِ کسے بدامن محمل نمے رسد
کورانہ بر صدائے جرس کارواں طلب

ہر گاہ یوسفے زتو در راہ ماندہ است
شیون کن و زگم شدۂ خود نشاں طلب

ننگ ست در طریق کریماں معاملت
جاں از نظیریؔ ار طلبی رائگاں طلب

غزل نمبر ۷ - (۱) تو شراب بن جا۔ اور حریفوں کا مزاج پہچان۔ جس کی طبیعت پسند نہ آئے اس سے کنارہ کشی اختیار کر۔ مطلب۔ صرف انہیں احباب سے تعلقاتِ دوستی قائم کر جن سے طبیعت ملے۔ (۲) اگر تجھے نیکوں کی صحبت میں موقع ملے تو ان پر گراں نہ ہو جا۔ بلکہ اگر تجھے جائے صدر پر بٹھائیں تو پھر بھی آستان طلب کر۔ (۳) تو ایک گوشے کا مہمان ہو اور خاک پر قناعت کر۔ ہما کا ہمسایہ بن اور صرف ہڈیاں رخوراک کے لئے طلب کر۔ مطلب - ہما ہڈیاں کھاتا ہے۔ اور کسی کو نہیں ستاتا۔ فارغ جانور ہے ۔ مگر تمام پرندوں کا سردار ہے ۔ (۴) دنیا ایک مجموعہ (انسان) ہے۔ زمانہ ایک ہجوم ہے۔ اس میں مہربان تلاش کر۔ مطلب۔ دنیا میں ہر قسم کے آدمی ملتے ہیں۔ ان میں مہر و محبت والے تلاش کر۔ (۵) دوستوں کی طبیعت میں حسد کی وجہ سے سچائی نہیں رہی۔ اس لئے اگر تو انصاف چاہتا ہے۔ تو دشمنوں سے طلب کر۔ (۶) زلف کے حلقوں میں کوئی طلسم پھانس لے۔ اور اس شغل میں دل کے وسوسوں سے رہائی پا لے۔ (۷) کسی کا ہاتھ بھی محمل کے پردے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے

قافلے کی گھنٹیوں کی آواز پر اندھادھند قافلے کی تلاش کر۔ مطلب۔ عشق میں کورانہ تقلید منزل مقصود پر پہنچا ئیگی۔ (۸) جب تیرا یوسف (دُرِ مقصود) راستے میں بچھڑ گیا ہے۔ تو اب نالہ وزاری کر اور اپنے گمشدہ کا نشان تلاش کر۔ (۹) سخیوں کے طرزِ عمل میں معاملہ کرنا بے شرمی ہے۔ اس لئے نظیری سے اگر جان مانگ رہا ہے تو مفت طلب کر۔ مطلب۔ جان کے بدلے وفائے معشوق طلب کرنا معاملہ ہے۔ اور سخی سودا نہیں کیا کرتے۔ نظیری کہتا ہے کہ اے معشوق اگر میری جان لینا مقصود ہے تو مفت مانگ +

عشق دہد با دل شوریدہ تاب
پرورش ذرہ کند آفتاب

کم نشود سوزِ دل از سیلِ اشک
آتش سودا نہ نشیند باآب

آہ کہ عاشق کشد از خامی ست
دود کند دل چو نباشد کباب

باسخن تلخ تبسم خوش ست
نشہ دہد شہد چو گردد شراب

دیر رود جاں کہ توئی در دلم
شعلہ کند بر سر شمع اضطراب

در شبِ ہجراں نبود روشنی
گرچہ بود تا بسحر ماہتاب

دیدہ نظیری نشناسد رخش
بسکہ گدازد نگہم از حجاب

غزل نمبر ۸۔ (۱) عشق دلِ پُرشور کو تاب دیتا ہے۔ آفتاب ایک ذرے کی پرورش کرتا ہے مطلب۔ دل ایک ذرہ ہے اور عشق اسے نور بخشتا ہے۔ (۲) دل کا سوز اشک کے سیلاب سے کم نہیں ہوتا جنون کی آگ پانی سے نہیں بجھا کرتی۔ مطلب۔ رونے سے بھی عشق میں کمی نہیں آسکتی۔ (۳) عاشق جو آہ کھینچتا ہے وہ اس کی خامی کی دلیل ہے۔ دل جب تک (بھُن کر) کباب نہ ہوگیا ہو۔ اس وقت تک دھوآں دیتا ہے۔ مطلب۔ آہیں بھرنا پختگی کی دلیل نہیں۔ جو عشق صادق رکھتے ہیں وہ ع

لبوں پہ مُہرِ خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں۔ (۴) کڑوی باتوں کے ساتھ تبسم (بھی ہو) تو خوب ہے شہد جب شراب ہو جاتا ہے تو نشہ بھی دینے لگتا ہے۔ (۵) میری جان نکلنے میں اس لئے تاخیر کر رہی ہے۔ کہ تو میرے دل میں (سمایا ہے) شعلہ شمع پر اضطراب کیا ہی کرتا ہے۔ (۶) ہجر کی رات اگر صبح تک چاندنی بھی چھائی رہے تو بھی (ہمارے غم خانہ میں) روشنی نہیں ہوتی۔ مطلب۔ فراق معشوق میں عاشق کا گھر کس طرح منور ہو سکتا ہے۔ شاعر تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں ؎ اُف میرے غمکدے کی تاریکی + آپ آئے بھی تو سحر نہ ہوئی۔

(۷) اے نظیری! میری آنکھیں اس کا چہرہ پہچان ہی نہیں سکتیں۔ کیونکہ وہ حجاب سے میری (عزیز) نگاہ ہی پگھلا دیتا ہے۔ مطلب۔ تاب نظارہ نہیں +

ردیف التاء

ابرے بنظر آمد و برقے زمیاں جست ۔۔۔ صد فتنہ بہر مرحلہ از خواب گراں جست
انگیخت ازاں ظلمت و پرتو دل و جانے ۔۔۔ وز پردہ بروں آمد و در خانۂ جاں جست
آسودہ ز آفات بہم ساختہ بودیم ۔۔۔ ناگاہ خطائے شد و تیرے ز کماں جست
نشنید کس از کس سخن مہر و محبّت ۔۔۔ شوقے بضمیر آمد و حرفے ز زباں جست
در مدعیاں غلغلہ اُفتاد ازیں رشک ۔۔۔ منصف بمیاں آمد و منکر بکراں جست
ربطست باد سر لبسر اجزائے جہاں را ۔۔۔ زیں سلسلہ حاصل کہ بجائے نتواں جست
زیں بیش حکایت نتواں کرد نظیری ۔۔۔ افروخت ورق در کف و آتش زبناں جست

غزل نمبرا۔ (۱) ایک بادل نظر پڑا۔ اور اس میں سے ایک بجلی چمکی (اس کے چمکتے ہی) ہر قدم پر سو فتنے برپا ہو گئے۔ مطلب۔ ابر سے مراد عدم ہے، (ظلمت کی رعایت سے) اور برق سے مراد وجود ہے (درخشندگی کی رعایت سے) عدم سے وجود پیدا ہوُا۔ اس لئے ع "ابرے بنظر آمد و برقے زمیاں جُست" وجود کے ظاہر ہوتے ہی سو قسم کے مصائب و آلام نمودار ہو گئے۔ (۲) اس ظلمت (ابرِ عدم) اور چمک (برقِ وجود) سے دل اور جان پیدا ہوئی۔ اور وہ خود پردہ سے نکل کر جان کے گھر میں کوُد کر ہو بیٹھا مطلب "من" سے مرادِ جسم انسانی ہے جو ظلمت عادم سے پیدا ہوُا اور جان برقِ وجود سے بنائی گئی۔ (۳) ہم تمام مصائب سے الگ آزاد بیٹھے تھے۔ اچانک خطا ہوئی۔ اور تیر کمان سے اُچھل گیا مطلب۔ خطا سے مراد بعض شارحین نے "لغزش آدم" لی ہے۔ کہ اُن کی لغزش نے ہمیں مبتلائے آفاتِ دنیاوی کر دیا۔ ورنہ ہم تو جنّت میں تمام مصائب سے آزاد تھے۔ میرے خیال میں "خطا" سے مراد عدم سے وجود میں آنا ہے اور تخلیقِ انسانی سے مراد ہے۔ (۴) کسی نے کسی سے مہر و محبّت کی بات سنی ہی نہ تھی۔ ایک شوق ضمیر میں پیدا ہوُا اور ایک حرف زبان سے نکل گیا مطلب۔ شارحِ نظیری مطبوعہ لکھنؤ نے "حرفِ ز زباں جست" سے مراد "گویا شدن" سے لی ہے۔ مگر خاکسار کی رائے میں اس شعر میں اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ کُنتُ کنزاً مخفیة فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ "میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔ پھر مَیں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔ مَیں نے دنیا کو پیدا کیا۔" یہ شوقِ معرفت تھا جو ضمیر میں آیا۔ اور وہ حرف جو زبان سے اچانک نکلا۔ لفظ "کُن" تھا جس کے نکلتے ہی "فیکون" کا ثبوت ملا۔ دنیا پیدا ہوئی تو محبّت کا دَور دَورہ ہوُا۔ ورنہ اس سے پہلے کائنات ہی نہ تھی۔ اور محبت کہا

نام ونشان بھی نہ تھا۔ (۵) مدعیوں میں رشک کی وجہ سے شور برپا ہوگیا منصف درمیان میں آیا اور منکر کنارہ کش ہوا مطلب۔ اس شعر میں اس آیت کریمہ کے مضمون کو ادا کیا گیا ہے۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ۔ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ جب خدا تعالےٰ نے ارادۂ تخلیق انسان فرشتوں کے سامنے ظاہر کیا اور بتایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔ اس وقت فرشتوں نے رشک سے یہ کہدیا تھا کہ "تو ایسی ہستی کو پیدا کرنیوالا ہے جو فساد اور خونریزیاں برپا کرے گی۔ (حالانکہ) ہم تیری تسبیح پڑھتے اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں" اس لئے مدعی سے مراد ملائکہ ہیں جنہوں نے حقیقت ظاہر ہونے کے بعد خدائے تعالےٰ کے حکم سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرکے ان کی برتری کا اعتراف کرلیا تھا۔ مگر ابلیس نے انکار کیا تھا۔ اس لئے اُسے منکر قرار دیا ہے۔ (۶) جہان کے تمام اجزاء سے اس کو واسطہ ہے۔ اور اس سلسلہ کا حاصل یہ ہے کہ اس سے باہر نکلا ہی نہیں جاسکتا مطلب۔ دنیا تمام اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کی حدود سے باہر کہیں جا ہی نہیں سکتے۔ وَاِلَیْہِ الْمَرْجَعُ وَالْمَاٰبُ ۔ (۷) اے نظیری! اس سے زیادہ یہ حکایت بیان ہی نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ورق چمک اُٹھا ہے اور انگلیوں کے پوروں سے آگ نکل پڑی ہے۔ مطلب۔ رازہائے تخلیق کائنات کھولنا آسان نہیں۔ اشارۃً و کنایۃً اتنا کچھ بیان کردیا ہے۔ اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ انگلیاں جل اُٹھی ہیں۔ مَنْ عَرَفَ رَبَّہٗ فَقَدْ کَلَّ لِسَانُہٗ " جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی۔ نوٹ۔ اس غزل میں موجودات کی پیدائش اور بالخصوص خلاصۂ موجودات یعنی انسان کی تخلیق کے حقائق پر روشنی ڈالی ہے اور یہ تصوف کا نچوڑ پیش کردیا ہے

گہ تجلی مانعست وگاہ ہجراں حاملست
حیرت اندر حیرتست ومشکل اندر مشکلست

بے نہایت از بر ما بود تا مقصد مقام
منزل کونین طے کردیم و اوّل منزلست

زخم ما بیطالعاں پیدا و پنہاں دست و تیغ
بخت مقبولے کہ چشمش بر جمال قاتلست

از نم فیضے کہ با این مشت خاک آمیختند
حاملان عرش را بار امانت در گلست

عقدۂ ما را رسول و نامہ نتواند کشود
بُعد ظاہر بین بچشم دوری ما در دلست

بام و در پُر جلوۂ حُسن است اہل حال را
ہر کہ صورت دوست میدارد زمعنی غافلست

سینہ را بخراش و روے وانہ اشکے فشاں
اینکہ شورے خاک ریزی تخم را بیجا صلست

از حدیث سود و سودائے دوم دیوانہ وار
حرف لیلی گوئے تا دانی کہ مجنوں عاقلست

از کرم شاید درے بر روئے مسکین وا کنند
بیشتر شبہا درین درگہ نظیری سائلست

غزل نمبر ۲۔ (۱) کبھی تو جلوۂ دیدار روکتا ہے اور کبھی ہجر حائل ہوتا ہے۔ (اس لئے) حیرت در حیرت اور مشکل در مشکل ہے۔ مطلب۔ ہجر تو ویسے ہی معشوق سے دُوری کا نام ہے۔ اور "جلوۂ دیدار" بہ سبب ناقابلِ برداشت ہونے کے نظارے میں مانع ہے (۲) ہم سے لے کر مقصد تک بے حد فاصلہ تھا۔ (چنانچہ) ہم نے دونوں جہانوں کی منزلیں طے کر ڈالیں۔ اور ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں مطلب۔ راہِ معرفت بے حد طویل ہے۔ (۳) ہم بدنصیبوں کا زخم تو ظاہر مگر (زخم لگانے والا) ہاتھ اور تلوار پوشیدہ ہے۔ وہ مقتول کتنا ہی خوش نصیب ہے جس کی آنکھیں (قتل ہوتے وقت) جمالِ یار پر لگی ہوں۔ مطلب۔ اگر قتل ہوتے وقت قاتل سے آنکھیں لڑ جائیں تو کم از کم زندگی کی آخری معرفت میں دیدارِ یار تو نصیب ہو جاتا ہے احساس ہی ایذا کا نہ ہوا فریاد و فغاں میں کیا کرتا ✦ جس وقت تہِ خنجر تھا گلا آنکھ اپنی ملی تھی قاتل سے (۴) اس فیض کی نمی سے جو اُس مٹھی بھر خاک میں ملائی گئی عرش کے اُٹھانے والے (فرشتے) امانت سے عاجز آ گئے۔ مطلب "نمِ فیض" سے مراد "استعدادِ انسانی" ہے۔ جس نے انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ امانتِ خداوندی (خلافتِ الٰہی) اُٹھا لے۔ جس کو "حاملانِ عرش" (فرشتے) بھی نہ اُٹھا سکے۔ ے

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید ✦ قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند۔ (۵) ہماری گتھیوں کو قاصد یا خط نہیں کھول سکے۔ کیونکہ ظاہر بینوں کی دوری تو نظروں سے ہے۔ اور ہماری دوری دل میں ہے مطلب۔ ہمارا "حجابِ دل" ہے جس کو قاصد یا خط کے ذریعے اُٹھایا نہیں جا سکتا۔ (۶) اہلِ حال کے لئے دنیا حسن کے جلوے سے بھری ہوئی ہے۔ جو شخص صورت (ظاہر) کو دوست رکھتا وہ معنی (باطن) سے غافل رہتا ہے مطلب۔ عاشقانِ خداوندی کو تو ہر چیز میں حسنِ ایزدی جلوہ گر نظر آتا ہے (۷) تو سینے کو چیر دے۔ اور اس میں آنسوؤں کے دانے بکھیر۔ یہ تیرا زمین میں ہل چلانا اور پھر اس میں بیج بونا فضول ہے۔ مطلب۔ دلی طور پر رونے سے کچھ حاصل ہوتا ہے۔ نہ کہ ظاہری کشت زار سے۔ (۸) میں فائدے اور معاملے کی باتوں سے تو دیوانوں کی طرح بھاگتا ہوں۔ تو لیلیٰ کی باتیں کرتا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ مجنوں عاقل ہے مطلب۔ میں مجنونِ عشق ہوں۔ مجھ سے محبوب کی باتیں کرو۔ تو میری عقل و خرد کا راز تم پر کھل سکیگا۔ "سود و سودا" کی حدیث سے مجھے کیا کام ✦ (۹) شاید اپنے کرم سے اس مسکین پر دروازہ کھول دیں۔ کیونکہ نظیری کئی راتوں سے اس درگاہ پر بحیثیت سائل بیٹھا ہے ✦

غیرِ من در پسِ ایں پردۂ سخن سازے ہست — راز دل نتواں داشت کہ غمازے ہست
زخم کاریست صراحی و قدح بر چینید — نیم بسمل شدۂ بر سر پروازے ہست
بلبلاں گل ز گلستاں بشبستاں آرید — کہ دریں کنج قفس زمزمہ پردازے ہست

گو کہ ایں صف شکناں قصد ضعیفاں نکنند
کہ دریں قافلہ گاہے قدر اندازے ہست

تو مپندار کہ ایں قصہ بخود مے گوئم
گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

عشقبازیم بمعشوق مزاجے انداخت
کز نیازیم کہ با اوست بخود نازے ہست

دی نظیری نرسیدہ است کہ امروز رود
صحبتے را بود انجام کہ آغازے ہست

غزل نمبر ۳۳ - (۱) اس پردے کے پیچھے میرے سوا کوئی اور بول رہا ہے - راز میرے دل میں پوشیدہ نہیں کیا جا سکتا - کیونکہ یہ غماز ہے - مطلب - میرے دل میں ایزد تعالیٰ خود جلوہ گر ہے - اور وہی مصروف سخن سازی ہے - میں یہ راز کسی طرح چھپا ہی نہیں سکتا - کیونکہ دل خود غماز ہے وہ کس طرح پوشیدہ رہے - (۲) مجھے زخم کاری لگا ہے صراحی اور پیالہ اٹھا لو - کیونکہ ایک نیم بسمل اڑنے کے قریب ہے - مطلب - مجروح عشق مرنے کے قریب ہے - پس اس وقت "صراحی و قدح" کس کام آسکتا ہے - اسے اٹھا لو - (۳) اے بلبلو! باغ سے اس (کنج تنہائی) شبستان میں بھی پھول لے آؤ - کیونکہ اس قفس کے گوشے میں بھی ایک نغمہ پیرا (بلبل ہے) - مطلب - قفس تن میں جان ایک مقید بلبل کی طرح ہے - آزادوں سے مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اس گرفتار قفس کو فراموش نہ کرو - (۴) ان صفیں توڑنے والوں (معشوقوں) سے کہہ دو کہ ہم کمزوروں کی طرف رُخ نہ کریں - کیونکہ اس قافلہ گاہ (ضعیفوں کے قافلے میں) ایک تیر انداز بھی ہے - مطلب سے خاکساران جہاں را بحقارت منگر * تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد (۵) تو یہ نہ سمجھ کہ میں یہ قصہ اپنے پاس سے بیان کر رہا ہوں - تو کان میرے لبوں کے نزدیک کر کے دیکھ کہ کس کی آواز ہے - مطلب سے در پس آئینہ طوطی صفتے داشتہ اند * آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گوئم - (۶) میری عشقبازی نے مجھے معشوق مزاج بنا دیا - کیونکہ اس نیاز پر جو مجھے اس کے ساتھ ہے - میں ناز کرتا ہوں - مطلب - نیاز شیوۂ عاشق ہے اور ناز شیوۂ معشوق - عاشق اپنے نیاز پر جو ناز کرنے لگا ہے گویا معشوق مزاج ہو گیا - (۷) کل نظیری نہیں پہنچا تھا کہ آج چلا جائے - اس صحبت کا انجام ہوتا ہے جس کا آغاز ہو - مطلب - نظیری جب آیا ہی نہیں تو جائے کیسے کیونکہ کسی کام کا آغاز ہو تو اس کا انجام بھی ہونا ہے *

رہ حریف گرفتم کہ شیشہ یار من است
خرد پیادہ شد از من کہ مے سوار من ست

جراحتم ہمہ راحت شد از سعادت عشق
گلے کہ در رہ من بشگفد ز خار من ست

اگر درستی در کار جام و میناہست
شکستہ بستۂ از عہد استوار من ست

صبا بطرف چمن خواند ابر بر لب کشت
بہر دو گام حریفے بہ انتظار من ست

شراب و حور میسر نگشت و توبہ گریست — شفیع جرم خوشیہائے روزگار من ست
شبے کہ با تو قدح نوشم و لبے بگزم — کند فرشتہ سجودم کہ کار کار من ست
گلم بآتش دل آب مے خورد ہمہ عمر — شگفتہ روئی جاوید با بہار من ست
بسوز و ساز حریفم بآہ و نالہ حریص — غمست داروئے دردے کہ سازگار من ست
باضطراب دلا جاں سپار و حال مپرس — کہ اختیار نظیری ہم اختیار من ست

غزل نمبر ۴۸ - (۱) میں نے حریف کا راستہ روک لیا۔ کیونکہ شیشہ میرا دوست ہے۔ عقل مجھ سے پیادہ ہو گئی۔ اس لئے کہ شراب مجھ پر سوار ہے مطلب۔ حریف سے مراد عقل و خرد ہے جب شیشہ حریف بنا تو اس نے عقل و خرد کا راستہ روک لیا۔ چنانچہ شراب سوار ہو گئی۔ (اس نے مجھے اپنا مطیع بنا لیا) اور عقل مجھے چھوڑ گئی۔ (پہلے جس کا مطیع تھا) (۲) عشق کی سعادت سے میرے زخم راحت ہو گئے۔ وہ پھول جو میرے راستے میں کھلے ہیں یہ میرے کانٹے ہی سے (پیدا) ہوتے ہیں مطلب عشق میں جراحتِ دل عین راحت معلوم ہوتا ہے۔ گویا تکلیفیں ہی میرے لئے راحتیں بن جاتی ہیں۔ (۳) اگر صراحی اور پیالے کے کام میں کچھ درستی نظر آتی ہے (اتفاق ہے) تو یہ بھی میرے مضبوط عہد کی بچی کھچی ہے۔ مطلب۔ میرے مضبوط عہدِ عشق کا ایک ادنیٰ کرشمہ یا نمونہ "جام و مینا" کا اتفاق ہے (۴) صبا نے باغ پر ابر کو بلایا (صبا بادل لے آئی) اس لئے ہر کشت کے کنارے ہر دو قدم پر ایک حریف میرے انتظار میں بیٹھا ہے مطلب۔ جو بادل جھومتا اٹھا تو میکش باغوں میں آئے۔ اور قدم قدم پر میرا انتظار ہو رہا ہے۔ (۵) شراب اور معشوق مجھے میسر ہی نہیں آتے تو پھر توبہ کون کرے؟ میرے زمانے کی خوشیاں ہی میرے جرم کو معاف کرانے کے لئے کافی ہیں۔ مطلب۔ جب نہ شراب ملی اور نہ معشوق تو پھر توبہ کی ضرورت ہی کیا ہے۔ (۶) جس رات میں تیرے ساتھ شراب پیتا ہوں اور تیرے لبوں کو چومتا ہوں (اس رات) فرشتہ بھی مجھے سجدہ کرتا ہے۔ کہ یہ میرا ہی کام ہے۔ مطلب عشق میں شاد کام ہونا میرا ہی حصہ ہے۔ فرشتے بھی میری بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ (۷) میرا پھول دل کی آگ سے پانی حاصل کرتا ہے۔ تمام عمر ہمیشہ کی شگفتہ روئی میری بہار ہی سے ہے۔ مطلب۔ آتش دل سے مراد عشق ہے۔ میں عشق کی وجہ سے شگفتہ ہوں۔ (۸) میں سوز و ساز کا حریف ہوں۔ اور آہ و نالہ کا حریص۔ غم ہی اس درد کا علاج ہے جو میرے لئے موافق ہے۔ مطلب۔ میں سوز و ساز عشق کا خواہاں اور اپنے درد کا علاج غم ہی سمجھتا ہوں۔ جو مجھے موافق آرہا ہے (۹) اے دل مضطرب ہو کر جان دے اور حال نہ پوچھ کہ نظیری کا اختیار بھی تو میرے اختیار میں ہے مطلب۔ کیونکہ ع اور اپنہ مراد دیگری باز نیست

ذوقے بکمال ست وصالے بدوام ست — امروز بما منزلتِ عشق تمام ست
بر صوفیٔ بے وجد وبال ست عبادت — بر شیشہ کہ خالیست ز مے سجدہ حرام ست
دادیم بمعشوقہ و مے دنیا و دیں را — بدنام شدن در دو جہاں غایتِ نام ست
احیائے شبِ ما و صبوحے حریفاں — مہتاب ہمہ روزن و صبح ہمہ بام ست
جمعے کہ گرفتاری ایام شناسند — چوں شپرہ از نور گریزند کہ دام ست
میگریم و از گریہ چو طفلاں خبرے نیست — در دل ہوسے ہست ندانم کہ کدام ست
ساقی غم دوراں مخور و رطل گراں دہ — شاد ست جہاں تا مئے حُسن تو بجام ست
گوئید بزاہد بچہ عصمت نفروشد — بوئے مئے دو شینہ ہنوزم بمشام ست
رنجورِ الم دیدۂ پیری ست نظیری — جامِ سحری چوں نخورد ماہ صیام ست

غزل نمبر ۵ ۔ (۱) ہمارا ذوق کمال پر پہنچا ہوا ہے۔ اور وصال دائمی ہے آج عشق کا منصب ہم پر ختم ہے۔ مطلب۔ ہم ذوقِ عشق کی تکمیل کر چکے ہیں۔ اس لئے وصال دائمی سے شادکام ہیں (۲) ایسے صوفی پر جس پر وجد طاری ہو ہی نہیں سکتا عبادت حرام ہے۔ جس طرح کہ وہ شیشہ جو شراب سے خالی ہو اس پر سجدہ حرام ہوتا ہے۔ مطلب۔ شیشہ شراب سے خالی ہو تو اُس کو جھکاتے ہیں اسی طرح جو ولی طور پر رازِ معرفت نہیں سمجھتا وعبادت کیا کریگا۔ (۳) ہم نے دنیا اور دین شراب اور معشوقہ کے عوض دے دیا ہے۔ کیونکہ دونوں جہانوں میں بدنام ہونا ہی نام آوری کی انتہا ہے مطلب۔ عشق میں جس قدر زیادہ بدنام ہوں گے اسی قدر درجۂ عشق بلند ہوگا۔ (۴) ہماری شب زندہ داری اور حریفوں کا باہمی شراب پینا ہی تمام (لوگوں کے) روشندان کا نور اور تمام (خلقت کے) چھتوں کی صبح ہے مطلب۔ ہماری شب زندہ داری اور حریفوں کی صبوح آشامی لوگوں کی روشنی ور ہنمائی کا باعث ہے (۵) وہ لوگ جو زمانے کی گرفتاری سے واقف ہیں۔ وہ جس طرح چمگادڑ نور سے بھاگتی ہے گریز کرتے ہیں۔ کیونکہ (یہ تعلقات دنیوی) جال ہیں۔ (۶) میں روتا ہوں اور بچے کی طرح اپنے رونے (کے باعث) سے بے خبر ہوں۔ میرے دل میں ایک ہوس ہے لیکن نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے۔ (۷) اے ساقی! زمانے کا غم نہ کھا۔ اور بھاری پیالہ شراب دے دے۔ اس وقت تک جہان خوش ہے جب تک تیرے حُسن کی شراب جام میں موجود ہے مطلب۔ شراب ہو تو غم زمانہ سے کیا کام؟ تیرے حُسن کی شراب موجود ہے تو خرمی جہاں موجود ہے۔ (۸) زاہد سے کہدو دعوئ عصمت نہ کرتا پھرے۔ کیونکہ ابھی تک میرے دماغ میں کل رات کی شراب کی بُو موجود ہے مطلب۔ کل رات جو زاہد نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر شراب

پی تھی ۔ اس کی بُو ہمارے دماغ میں موجود ہے ۔ اس لئے پھر ہمارے سامنے ہی پارسائی کا دعویٰ نہ کرے
(۹) نظیری کی آنکھیں بڑھاپے کا غم دیکھ کر بیمار ہیں ۔ وہ "جامِ سحری" کیوں نہ کھائے ۔ کہ آج کل ماہِ رمضان
ہے ۔ مطلب ۔ رمضان میں سحری کھائی جاتی ہے ۔ شاعر نے بھی "جامِ سحری" اور ماہِ رمضان میں رعایت
ملحوظ رکھی ہے +

هوا بدیہہ رسانست و باغ موزونست — بہر ترنم مرغے ہزار مضمون ست
زبان بلبل شوخ از سخن نمے اُفتد — اگرچہ خوردۂ گل ہمچو دُرِّ مکنون ست
بہوش زی کہ تو گر از بروں نمے بینی — دروں پردہ بہ بینند ہر چہ بیرون ست
اگر بلذت لطفِ نہاں رسی دانی — کہ اندکے تو ورشتت چگونہ افزون ست
بشور وادی و فریاد میل خوش داریم — کز اہل سلسلۂ ماست ہر کہ مجنون ست
ز روئے دوست ہویدا بود سعادتِ دوست — نوشتہ اند لعنواں کہ خاتمت چون ست
اگر کنار بیاباں عشق دریابی — زخون کشتہ بہ بینی ہزار جیحون ست
نشانِ ذوق حقیقت بنازکانِ ندہند — چہ شد کہ فاختہ خوشگوئی و سرو موزون ست
بہیچ کاسہ چشم گدائی پُر نشود — مگر ز کاسۂ آزادگاں کہ واژون ست
چو نام توبہ گرفتم قدح بیاد آمد — بنوش بادہ نظیری کہ فال میمونست

غزل نمبر ۶ ۔ (۱) ہوا تازہ مضمون پیدا کر رہی ہے ۔ اور باغ موزون ہے ۔ اس لئے ہر مرغ کے
نغمے میں ہزار مضمون پوشیدہ ہیں مطلب ۔ موسم بہار ہے اور طبیعت میں شگفتگی پائی جاتی ہے ۔ (۲)
شوخ بلبل کی زبان بند نہیں ہوتی ۔ اگرچہ پھول کی پنکھڑیاں پوشیدہ موتیوں کی طرح ہیں مطلب ابھی
پھول نہیں کھلے ۔ کلیاں بند ہیں ۔ لیکن بلبل اپنے عشق کا اظہار کئے جا رہی ہے ۔ (۳) ذرا ہوشمندی سے
زندگی بسر کر ۔ کیونکہ اگر تو باہر سے اندر نہیں دیکھ سکتا تو پردے کے اندر سے باہر سب کچھ دیکھ رہے
ہیں ۔ مطلب ۔ ظاہر ہے کہ پردے کے اندر سے باہر کی اشیا نظر آجاتی ہیں ۔ مگر اندر کی چیزیں باہر والے
کو دکھائی نہیں دیتیں ۔ مطلب یہ ہے کہ تو خداوند تعالےٰ کو نہ دیکھ سکے تو در بات ہے مگر وہ تیرے
ہر قول و فعل سے واقف ہے ۔ (۴) اگر تو پوشیدہ مہربانی کی لذت سے واقف ہو تو تجھے معلوم ہو کہ تیرا
کم وزشت کس قدر زیادہ ہے ۔ مطلب ۔ خداتعالیٰ کی رحمت کے سامنے تیری برائیاں اور کوتاہیاں درجہ پانے
میں زیادہ ہو جاتی ہیں ۔ (۵) ہم وادی کے شور اور سیلاب کی فریاد سے خوش ہیں ۔ کیونکہ جو بھی مجنوں ہو ہمارے
خاندان سے ہے ۔ مطلب ۔ دیوانے کا کام شور مچانا ہے ۔ وادی میں ہوا کا شور اور سیلاب میں پانی کا زور ۔

ہوتا ہے۔ شاعر نے ان کو مجنونِ عشق قرار دے کر اپنے خاندان کا ایک فرد بنایا ہے۔ یا "مرشد بھائی" ثابت کیا ہے۔ اور اس لئے اس فریاد و شور کو پسند کرتا ہے۔ (۶) دوست کے چہرے سے اس کی سعادت نمایاں ہو جاتی ہے۔ تیرے عنوان (پیشانی) پر نوشتہ ہے کہ تیرا انجام کیا ہے۔ مطلب۔ انسان کی پیشانی پر نوشتۂ تقدیر موجود ہے۔ (۷) اگر تو عشق کے بیابان کا کنارہ پالے۔ تو وہاں دیکھیگا کہ مقتولوں کے خون سے ہزار دریائے جیحوں بہ رہے ہیں۔ مطلب عشق کے بیابان میں ہزار عشاق سرگرداں ہو کر "شہیدِ عشق" ہو گئے ہیں۔ (۸) نازکوں کو حقیقت کے ذوق کا پتہ نہیں دیتے۔ کیا ہوا اگر فاختہ خوشگو اور سرو موزوں ہے۔ مطلب۔ نازکوں سے مراد کم حوصلہ لوگ ہیں۔ شاعر ظاہر کرتا ہے کہ کم حوصلہ لوگوں کو عشقِ حقیقی عطا نہیں کیا جاتا۔ رہا قمری کی خوشگوئی اور سرو کی موزونیت کا معاملہ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عشق نہیں ظاہر پرستی ہے اور بس۔ (۹) سوائے آزادوں کے پیالے کے اور کسی چیز سے گدا کی آنکھ کا پیالہ بھر ہی نہیں سکتا۔ مطلب۔ گدایانِ عشق کامل نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ کہ کوئی "کامل" ان کی رہنمائی کرے۔ (۱۰) جب میں نے توبہ کا نام ہی لیا تو پیالہ مجھے یاد آگیا۔ اے نظیری شراب پی کہ نہایت مبارک فال نکلی ہے۔ مطلب۔ توبہ کے وقت شراب کا پیالہ یاد آنا نیک فال ہے۔ اس لئے شراب نوشی میں محو ہونا ہی بہتر ہے ✦

بے عشق عقل راہنرے در دماغ نیست — بدسوزد آں فتیلہ کہ از شعلہ داغ نیست
ہرگز فرشتہ از سر بامش نمے رود — آنرا کہ مرغ نامہ برے در سراغ نیست
طعنم بہ بیخودی چہ زنی محتسب برو — مارا فراغتست ترا گر فراغ نیست
ماحال خویش بر پرِ عنقا نوشتہ ایم — در بال ہدہد و سر منقار زاغ نیست
چوں چغد بر خرابۂ خود فال مے زنیم — کیں نغمہ از ترانۂ مرغان باغ نیست
از خندہ ہائے تلخ صراحی بکارِ ما — جز خون دل بگردش چشم ایاغ نیست
تلخ ست بے تو عمر نظیری چہ زندگیست — بیمار را کہ بر سر بالیں چراغ نیست

غزل نمبر ۷ (۱) عشق کے بغیر عقل کے دماغ میں کوئی ہنر نہیں ہے۔ وہ بتی اچھی طرح نہیں جلتی۔ جسے ایک دفعہ شعلے نے نہ داغا ہو۔ مطلب۔ عشق عقل کو برسرِ کار کرتا ہے۔ (۲) جس کے سراغ میں کوئی نامہ بر کبوتر نہیں۔ فرشتہ اس کی چھت پر سے گذر ہی نہیں کرتا۔ مطلب۔ جہاں عشق کا دور دورہ نہیں وہاں فرشتہ بھی گذر نہیں کرتا۔ اے محتسب! تو مجھے بیخودی کا طعنہ کیا دیتا ہے۔ ہم تو فراغت میں بیٹھے ہیں۔ اگر تجھے فراغت نہیں (تو نہ ہو) مطلب۔ ہمیں شرابِ عشق پینے سے بیخودی حاصل ہو گئی ہے۔ جو فراغتِ دو جہاں کا باعث بن گئی ہے۔ (۴) ہم نے اپنا حال عنقا کے پروں پر لکھا ہے۔ ہدہد کے

بالوں پر یا کوے کی چونچ پر نہیں ۔مطلب ۔عنقا تو پہلے ہی نایاب ہے ۔اور شاعر کا مطلب بھی یہی ہے ۔کہ ہم نے اپنا حال کسی پر ظاہر نہیں کیا ۔ ہُدہُد اور زاغ تو عام پرندے ہیں ۔ ان کے پروں پر لکھتے تو سب کو معلوم ہوتا ۔ (۵) اُلّو کی طرح ہم اپنی ویرانی کی فال نکالتے ہیں ۔ یہ ہمارا ترانہ باغ کے پرندوں سے نہیں ہے ۔ مطلب ۔پرندوں کے نغمے تو باغ کی آبادی کا باعث بنتے ہیں اور ہم ویرانے کے طلبگار ہیں ۔ (۶) صراحی کی تلخ ہنسی ہمارے کام ہیں سوائے اپنے دل کے خون کے اور کوئی چیز پیالے میں نہیں ڈالتی (کہ وہ گردش کرے ۔مطلب ۔ ہماری بدبختی کی وجہ سے شراب عیش ختم ہو چکی ہے ۔ اس لئے صراحی خندۂ تلخ سے خونِ دل ہمارے لئے پیش کر رہی ہے ۔ (۷) تیرے بغیر نظیری کی عمر تلخ ہو چکی ہے ۔ (اس کی بیمار زندگی بھی) کیا زندگی ہے جس کے سرہانے چراغ بھی نہ ہو ۔ مطلب ۔ بیمار کے سرہانے چراغ نہ ہونا اس کی انتہائی بے بسی اور حسرت و یاس کی علامت ہے ۔ نظیری کا چراغ اس کا معشوق ہے ۔ اسی واسطے اس کے بغیر اپنی زندگی تلخ بتا رہا ہے +

صافی شوم از کون کہ در دُرد صفا نیست — بر عرش زنم جوش کہ در خمکدہ جا نیست

رویم ہمہ چوں سایہ کہ در خدمت خورشید — صد گونہ سجود ست کہ در طاعت ما نیست

لطفِ نظر سوختگاں تابشِ برقست — اینجا پر پروانہ طلب بال ہما نیست

چندانکہ دراں جبہہ خدنگست نصیب ست — در ہمت ما جستنِ درشمست خطا نیست

بخرام بگلشن کہ پئے سیر صبوحی — پیغامِ گلے نیست کہ با بادِ صبا نیست

توفیق نکوکاری ما و تو عطا نیست — اخلاص بدینار و مروت بہہا نیست

صد گونہ دوا در سر ہر شاخ گیاہست — اما چو ترا درد نہ دادند دوا نیست

گر کفر و ضلالت بود ار دین و ہدایت — خوش باش کہ کار ازلی جز بعطا نیست

با حکم قضا ساز کہ در دیر نظیری — مقبول مغاں نیست نمازیکہ قضا نیست

غزل نمبر ۸ ۔ (۱) میں دنیا سے پاک ہوتا ہوں ۔ کیونکہ تلچھٹ میں صفائی نہیں ہے ۔ میں عرش پر جوش مار رہا ہوں ۔ کہ میخانے میں بالکل کوئی جگہ نہیں ہے ۔ (۲) میں سائے کی طرح سر تا پا منہ بنا ہوا ہوں کیونکہ خورشید کی خدمت میں سو قسم کے ایسے سجدے ہیں جو ہماری عبادت میں موجود نہیں ۔مطلب عشق کی عبادت اور ہے ظاہری شریعت کی پیروی اور ۔ (۳) جلے ہوؤں کا لطف بجلی کی چمک کی مانند ہے یہاں تو پروانہ کے پر طلب کر ۔ ہما کا پر یہاں نہیں ہے ۔مطلب عشق میں تجمل و شان کی گنجائش نہیں جس پر عشق کی نظرِ عنایت ہو جاتی ہے وہاں سوختگانِ عشق نظر آتے ہیں نہ صاحبانِ شوکت و عظمت (۴) جتنے

تیر اس کے ترکش میں ہیں سب میری قسمت میں لکھے ہیں مد میں ان کا نشانہ بنونگا۔ ہماری ہمت میں کودنا اور نشانے کی رقسمت میں، خطا ہونا لکھا ہی نہیں ہے۔ (۵) ذرا گلشن میں ٹہلنے کے لئے گزر کر۔ کیونکہ صوفی کی سیر کے لئے کوئی ایسا پھول نہیں جس کا پیغام بادِ صبا کے ساتھ نہ ہو۔ مطلب۔ بادِ صبا قسم قسم کے پھولوں کی خوشبو ساتھ لئے گلشن میں آتی ہے۔ وہی ان کا پیام ہے۔ (۶) ہم سب کو نیکی کی توفیق عطا ہوئی ہے (خدا تعالےٰ کی طرف سے دی گئی ہے) اخلاص دینار سے اور مروّت قیمت سے نہیں ملتی مطلب توفیقِ کارِ نیک وہی چیز ہے جو قیمتاً یا اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی (۷) گھاس کے ہر تنکے میں ہزار قسم کی دوائیں ہیں۔ لیکن جب تمہیں درد نہیں ملا تو تیرے لئے کوئی دوا ہی نہیں۔ مطلب۔ خدائے تعالےٰ تو ہر قسم کے گھاس میں بھی جلوہ گر ہے۔ لیکن راز تجھ پر کھُل ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ تو دردِ عشق کا شہید ہی نہیں۔ (۸) خواہ کفر اور گمراہی ہو یا دینداری اور ہدایت۔ تجھے ہر حالت میں خوش رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ ازل کا کام سوائے فطری ہونے کے اور کچھ نہیں۔ مطلب کفر ہو یا ہدایت دونوں صورتوں میں ازل کی خواہش بنیاد ہے۔ اس لئے تمہیں راضی برضا ہونا چاہیئے۔ (۹) اے نظیری! تو قضا کے حکم سے موافقت کر۔ کیونکہ پیرِ مغاں وہ نماز ہی قبول نہیں کرتا جو قضا نہ ہو۔ مطلب۔ لفظ قضا پر بنیاد شعر رکھی ہے۔ قضا ایک تو فترِ ازل ہے۔ اور دوسری "نماز قضا" ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پیرِ مغاں راہِ معرفت میں اپنے مقتدیوں کی صرف وہی عبادت قبول کرتا ہے جو بادی النظر میں مطعون ہو۔

اختر شناس در روشِ بخت من گم ست — مشکل فتادہ کار نہ در دستِ انجم ست
دوراں صلائے تفرقہ داد و شراب نیست — یک پارہ در صراحی و یک پارہ در خم ست
ساقی چو فیض اوست ہمہ صرف او کنم — ایں جرعۂ کہ در تہ جام تکلم ست
شیریں نکردہ خندۂ شادی مذاق کس — گل نیز تلخ گشتۂ زہر تبسم ست
باشد بنا امیدی خویشم محبتے — کو آشنائے گوشۂ چشم تراحم ست
آسودمی اگر بخودم کس گذاشتے — از جور او کشندہ ترم رحم مردم ست
ناخن ہمیشہ در جگر خارہ مے زنم — در دبست رخش سعی مرا سنگ و سم ست
کے سرز کار بستہ بر آرم کہ چرخ را — دوراں نماند و رشتۂ امید من کم ست
گفتار بے نتیجہ نظیری نمے خرند — عودیکہ سوز دو ند ہد بوئے ہیزم ست

غزل نمبر ۹ ۔ (۱) ستارہ دیکھنے والا میرے نصیب کی روش (دیکھنے) میں محو ہے مشکل یہ آپڑی ہے کہ کام ستاروں کے ہاتھ ہی میں نہیں ہے مطلب۔ مجھے عشق سے پالا پڑا ہے۔ میرے نصیب کا تعلق

ستاروں کے ساتھ رہا ہی نہیں۔ اس لئے اختر شناس عجیب مشکل میں ہے۔ (۲) زمانے نے تفرقہ کی دعوت دے دی اور یہاں شراب بھی نہیں ہے۔ (یونہی) ذراسی صراحی میں اور ذراسی مٹکے میں ہے۔ مطلب۔ اس تفرقہ زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لئے میرے پاس شراب ہونی چاہئے تھی۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ یہاں شراب کا فقدان ہے۔ اس لئے اس مصیبت کے پنجے سے رہائی ممکن نہیں۔ (۳) اے ساقی! یہ گھونٹ جو میری گفتگو کے جام کی تہ میں ہے۔ چونکہ اس کا فیض ہے۔ اس لئے اسی پر صرف کردوں۔ مطلب۔ شکر منعمِ حقیقی کروں۔ کہ اس نے اپنے فیض سے مجھے یہ توفیق عنایت فرمائی (۴) خوشی کی ہنسی نے کسی کا مذاق شیریں نہیں کیا۔ (دیکھو لو کہ) پھول بھی تبسم کے زہر سے تلخ ہوا ہوا ہے۔ مطلب۔ ہماری فطری تلخی دنیوی شادی سے بدل نہیں سکتی۔ (۵) مجھے اپنی ناامیدی سے اب ایک قسم کی محبت پیدا ہوگئی ہے کیونکہ وہ تیری رحم بھری آنکھوں کے گوشے سے واقف ہے۔ مطلب۔ میری ناامیدی پر رحم کھا کر تو ایک نظر مجھے دیکھ لیتا ہے ؎ شرما کے اُس نے مجھ کو گلے سے لگا لیا + مایوسیٔ نگاہ عجب کام کر گئی۔ (۶) اگر مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو میں کچھ آرام پاتا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ میں اس کے ظلم سے کہیں بڑھ کر لوگوں کے رحم کا مارا ہوا ہوں۔ مطلب۔ لوگ جو پند و نصائح کے دفتر کھول دیتے ہیں یا بار بار حالتِ دل پوچھتے ہیں۔ یہ میرے لئے معشوق کے ستم سے بھی زیادہ مصیبت کا باعث بنے ہوتے ہیں۔ ؎
ضبطِ اُلفت کی قسم کھاتا ہوں لیکن کیا کروں + جان کھا جاتے ہیں ارشد پوچھنے والے مرے۔ (۷) میں ہمیشہ پتھر کے جگر پر ناخن مارتا ہوں۔ کیونکہ ایک مدت ہوئی میری کوشش کا گھوڑا بیکار ہو گیا ہے۔ مطلب گھوڑے کے پاؤں میں پتھر چبھ جائے تو وہ کام کا نہیں رہتا۔ شاعر کہتا ہے کہ میری تمام کوششیں بیکار ہوگئی ہیں اور میں ہمیشہ ناقابلِ عمل تدبیروں پر عمل پیرا ہوتا ہوں۔ (۸) میں اپنے رُکے ہوئے کام سے کس طرح عہدہ برآ ہوں۔ جبکہ آسمان کی گردش ختم ہو گئی ہے۔ (اس لئے) میری اُمید کا رشتہ ہی گم ہو گیا ہے مطلب۔ اگر آسمان گردش میں رہتے تو شاید کبھی اچھے دن بھی آجاتے۔ بقولِ غالب ؎
رات دن گردش میں ہیں سات آسماں + ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبراؤں کیا۔ (۹) اے نظیری! بے فائدہ بات کوئی نہیں خریدتا۔ وہ عود جو جل کر خوشبو نہ دے ایندھن ہے نہ کہ عود۔ مطلب۔ بے نتیجہ سخن کسی کام کا نہیں۔

لختِ دل بر جیب و جیبم بر کنار افتادہ است — دست و دل گم گشتہ تا بازم چہ کار افتادہ است
سازو برگ شادمانی را کہ میداند کجاست — درہم اندوہ و نشاط روزگار افتادہ است
خستہ دل تر میشود تا تلخ تر نوشم دوا — پند ہر دم در مذاقم خوشگوار افتادہ است
از کدورت بر نیایم گر صفا دستم دہد — تیرہ روزم بخت با من سازگار افتادہ است

غصّہ مُرد و غم بماتم سوخت اکنوں ہجر را
صد چراغِ مردہ بر گرد مزار افتادہ است

ظرفِ ایں ہنگامہ پیدا کن خراباتست ایں
گرد ہر ویرانہ صد منصور و دار افتادہ است

کے نظیری خوار ماند عشق را نسبت قویست
یکدو روزے غائبش از اعتبار افتادہ است

غزل نمبر ۱۰۔ (۱) دل کے ٹکڑے میرے گریبان میں (آ پڑے ہیں)، اور گریبان (تار تار ہو کر) ایک طرف ہو گیا ہے۔ ہاتھ اور دل دونوں گم ہو چکے ہیں۔ دیکھو تو سہی مجھے کیا پالا پڑا ہے یعنی مطلب عشق کی افتاد نے بے حواس کر رکھا ہے۔ گریبان کہیں اور لختِ دل کہیں۔ (۲) کون جانتا ہے کہ شادمانی کا ساز و سامان کہاں ہے۔ (کیونکہ، زمانے کی خوشی اور غم درہم و برہم پڑے ہیں ؎

شادی و غم جہاں میں توام ہے + کہیں شادی ہے اور کہیں غم ہے۔ (۳) میں زیادہ شکستہ دل ہونا جا رہا ہوں۔ تاکہ زیادہ کڑوی دوا پیوں۔ کیونکہ لوگوں کی نصیحت میرے مذاق پر خوشگوار ہو گئی یعنی مطلب لوگوں کی نصیحت کو "داروئے تلخ" سے تشبیہ دیتا ہے۔ (۴) اگر صفا میسر بھی آ جائے تو بھی میں کدورت سے پاک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ میری بدنصیبی میرے ساتھ موافق آ گئی ہے یعنی مطلب۔ بدنصیبی مجھ پر چھائی ہوئی ہے ؎ اُف میرے غمکدے کی تاریکی + آپ آئے بھی تو سحر نہ ہوئی۔ (۵) غصّہ جاتا رہا اور ماتم میں غم جل گیا۔ اس لئے اب ہجر کے مزار پر چند بجھے ہوئے چراغ رکھے ہیں یعنی مطلب۔ یا تو وصل کا بیان ہے۔ کہ جب وصل میسر آ گیا۔ تو غم و رنج جلتے رہے۔ اور یہی دونوں ہجر کے چشم و چراغ تھے۔ اب ان کے چلے جانے سے ہجر کا مزار بن گیا ہے جس پر شمع تک روشن نہیں۔ یا فراق کی انتہا کا اظہار ہے۔ کہ غم و رنج انتہا پر پہنچ کر فنا ہو گئے۔ اس لئے اب ہجر کا مزار بن گیا ہے جس پر کوئی دیا بھی روشن نہیں۔ (۶) یہ میخانہ ہے اس لئے ظرف کے مطابق ہنگامہ پیدا کرو۔ (یہاں تو) ہر ویرانے کے گرد سینکڑوں منصور اور دار پڑی ہیں یعنی مطلب "میخانہ عشق" میں گامزن ہونے کا حوصلہ پیدا کرو۔ اور پھر یہاں آنے کا نام لو۔ کیونکہ یہ وہ میدان ہے۔ جہاں منصور جیسے لاکھوں عشاق دار پر چڑھا دیے گئے ہیں۔ (۷) جب نظیری کو عشق سے مضبوط نسبت ہے تو وہ ذلیل کیسے رہ سکتا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک دو دن کے لئے بے اعتبار ہو گیا ہے۔ مطلب۔ یک دو روزہ زندگی دنیا میں اگر بے اعتبار ہو گیا ہے تو معمولی بات ہے۔ کیونکہ اس کے اختتام پر اسے عالی درجے حاصل ہو جائینگے۔ اور عشق آخرت میں بروئے کار آئیگا۔

عشق تو قید علائق زرہ ما برداشت
ہر کہ مجنونِ تو شد سلسلہ از پا برداشت

جنس ار زندہ دار باب بصارت مشتاق
نتواں دست ز بیجانۂ سودا برداشت

چوں تواں گشت کنوں ساکن خلوت گہ باغ
مجلس آراست گل و مرغ تقاضا برداشت

دست درگردنِ معشوق حمائل کردم — نتواں کف پے ما عرض تمنا برداشت

عارفاں گوشۂ چشمے بدو عالم ندہند — ہر کجا باد نقاب از رخ زیبا برداشت

محضر بندگی از مرتبۂ من بیش است — ایں نشاں را دل مفلس زکجا تا برداشت

پردہ ملیبا یدم آویخت کہ ہر کس نگریست — شرح سودائے ترا نسخہ زسیما برداشت

بسکہ نازک دلم از عشق حدیثے تارفت — اشکم از پردہ بروں آمد و غوغا برداشت

طفل ور گریہ نظیری چو تو کافر خونیست — پدرت تا زکدامیں ورزِ ترسا برداشت

غزل نمبر ۱۱ - (۱) تیرے عشق نے تعلقات دنیوی کی قید ہمارے راستے سے ہٹا دی۔ جو شخص تیرا دیوانہ ہوا۔ اس نے اپنے پاؤں سے بیڑیاں نکال ڈالیں۔ مطلب عشق میں مبتلا ہو کر تمام دنیاوی پابندیاں ختم ہو گئیں۔ (۲) چیز سستی ہے اور دانشمند (اس) کے خریدنے کے لئے مشتاق ہیں۔ اس لئے اس سودے کے بیعانے سے ہاتھ نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ مطلب۔ محبت اگر دل دے کر بھی خریدی جا سکتی ہے تو سستی ہے۔ کیونکہ اربابِ بصارت مشتاق ہیں۔ اس لئے ہم اسے فراموش نہیں کر سکتے۔ (۳) اب باغ کی تنہائی میں کس طرح بیٹھے رہ سکتے ہیں۔ جبکہ پھولوں نے محفل آراستہ کی ہے۔ اور مرغ نے شور برپا کر دیا ہے۔ مطلب۔ موسمِ بہار میں خلوت میں بیٹھنے کے لئے طبیعت کس طرح آمادہ ہو سکتی ہے (۴) ہم نے معشوق کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہر تمنا کے عرض کرنے کے لئے ہاتھ پھیلائیں۔ مطلب۔ اتنا ہی غنیمت ہے کہ معشوق کے گلے میں ہاتھ حمائل کر دیئے ہیں۔ اب اس سے زیادہ تمنائیں پیش کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ (۵) عارف اپنی آنکھ کے گوشے میں بھی دونوں جہانوں کو سمانے نہیں دیتے۔ اس وقت جبکہ خوبصورت چہرے سے ہوا نے نقاب اُلٹ دی۔ مطلب۔ جب عارفوں پر خدا تعالیٰ کا جلوہ نمودار ہو گیا تو ان کو کیا پڑی ہے کہ موجودات کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھیں۔ (۶) غلامی کی درخواست ہمارے مرتبے سے بہت زیادہ بلند ہے (معلوم نہیں) اس مفلس کے دل نے یہ نشان (محضر بندگی عشق) کہاں سے اُٹھا لیا۔ مطلب۔ میں بظاہر عشق کے قابل نہ تھا۔ مگر معلوم نہیں یہ نعمت کہاں سے مل گئی۔ (۷) میرے چہرے پر پردہ لٹکا دینا چاہیئے۔ کیونکہ جس نے بھی دیکھا اس نے تیرے عشق کی شرح کا نسخہ میری پیشانی سے حاصل کر لیا۔ مطلب۔ ہر عاشق میری پیشانی سے تیرے عشق کا پتہ چلا لیتا ہے۔ اور ساتھ سودائے عشق کی شرح کا نسخہ بھی۔ اس سے بچنے کے لئے خواہش کرتا ہے کہ میرے چہرے پر پردہ ہی پڑا رہے تو بہتر ہے۔ (۸) چونکہ میں بے حد نازک دل واقع ہوا ہوں۔ اس لئے جب سے عشق کی حکایت چلی ہے (اس وقت سے) آنسوؤں نے پردۂ چشم سے باہر نکل کر شور مچایا ہوا ہے۔ مطلب۔ میری نازک دلی

عشق کی داستان سُن کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔ بلکہ اس وقت سے باقاعدہ گریہ وزاری میں مصروف ہے۔ (۹) اے نظیری! بچہ بھی رونے میں تیرے جیسا ضدی خو رکھنے والا نہیں معلوم نہیں تیرے باپ نے کون سے بُت خانے کے دروازے سے تجھے اُٹھا لیا ہے مطلب۔ بچّہ ضدی ہوتا ہے۔ "کافر خو" کی رعایت سے "درِ ترسا" لایا ہے +

بُوئے ازاں دو سلسلۂ خم نجم گذشت | شیخ از حرم برآمد و گبر از صنم گذشت
بیز از سفال خضر زلالِ بقا بنوش | کیں آب زندگی ز سرِ جام جم گذشت
بود علائق دو جہاں گرد دامنش | چوں من مجردے کہ ز دیر و حرم گذشت
ناموس و ننگ در نظر من برابر ست | ہر کس ز خود گذشت ز شادی و غم گذشت
ہر رفت و آمدِ نفسے نیست درمیان | جاوید زیست ہر کہ ازیں یکدوم گذشت
برق دل رمیدۂ مارا طلب مکن | کیں پرتو از سواد وجود و عدم گذشت
چوں عندلیب مست نظیری ترانہ گوست | از خار و گل بریدہ شد از مدح و ذم گذشت

غزل نمبر ۱۲۔ (۱) اس کی پیچدار زلفوں کی خوشبو آئی تو شیخ حرم سے نکل آیا اور کافر صنم کو چھوڑ بیٹھا مطلب۔ تیرے حُسن کی بُو پاکر شیخ دگبر اپنی عبادت گاہوں کو چھوڑ کر تیرے عشق میں مبتلا ہو گئے (۲) اُٹھ اور خضر کے مٹی کے پیالے میں بقا کا صاف پانی پی لے۔ کیونکہ یہ آبِ حیات جام جمشید سے بڑھ گیا ہے۔ مطلب۔ بقا درویشی و فقر میں ہے (جام سفال میں، نہ کہ شاہی اور بزرگی میں (جامِ جمشید میں) (۳) دوسرا مصرعہ پہلے، میرے جیسے گوشہ نشین کے لئے جو دیر و حرم کو چھوڑ بیٹھا ہو دونو جہان کے تعلقات دامن کی گرد بھی نہیں بن سکتے مطلب۔ جب ہم نے دنیا ہی چھوڑ دی تو پھر ہمیں اس کی وابستگیوں سے کیا کام۔ (۴) میری نظروں میں عزت اور بے عزتی برابر ہو چکی ہے۔ کیونکہ جو اپنے آپ میں نہ رہا ہو۔ وہ شادی و غم سے گزر گیا مطلب۔ جو بندۂ عشق ہو اسے شادی و غم سے کیا کام؟ (۵) زندگی میں، سوائے سانس کی آمد و رفت کے اور کیا ہے۔ جو اس ایک دو سانسوں کو چھوڑ بیٹھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گیا مطلب زندگیِ دنیا ایک عارضی چیز ہے۔ البتہ اس کے بعد زندگیِ جاوید حاصل ہوتی ہے (۶) ہمارے رم کئے ہوئے دل کی برق طلب نہ کرو۔ کیونکہ یہ چمک (دلِ رمیدہ کی برق) عدم اور وجود کی سیاہی سے گذر چکی ہے مطلب۔ ہمارا دل عدم و وجود کی قیود سے آزاد ہو چکا ہے۔ (۷) نظیری ایک مست بلبل کی طرح نغمہ سرا ہے۔ وہ پھول اور کانٹے سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ اور مدح و ذم سے بالا۔ مطلب۔ نظیری کے سامنے مدح و ذم کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ وہ مستیٔ عشق میں سرشار ہے۔

فرحتے نیست کہ در پہلوئے آں صد غم نیست — روز مولود جہاں کم زشب ماتم نیست
ہمہ جا تیر کماں خانہ ابرو رفت ست — نیش ہر جا طلبی ہست ولے مرہم نیست
رنج ازاں ست کہ ایں فتنہ برانگیختہ اند — ذلت ما ز نزاعِ ملک و آدم نیست
عارفاں گوش کہ بر پردۂ ساز ازل اند — در پس پردہ شناسند کہ نامحرم نیست
بدم عیسوی و معجزِ روح اللّٰہی — خلق دانند کہ از اہلِ خطا مریم نیست
رسم ناموس جہاں زود ز سر برداریم — کیں علاقہ بہ پرِ افسرِ ما محکم نیست
ترک دیگر نفرائیم کہ پشمینہ فقر — جز باندازۂ فرق لبسر او ہم نیست
علمے چند زغیب دگراں بر دو زنم — کانقدر جامۂ رسوائی ما معلم نیست
نتواں حکم خطا کرد نظیری بقضا — حکم بر صورت امر لیست کہ آں مبہم نیست

غزل نمبر ۱۳۳ - (۱) دنیا کی کوئی خوشی ایسی نہیں جس کے پہلو میں ہزار قسم کے غم نہ ہوں۔ اس لئے دنیا میں پیدائش کا دن بھی ماتم کی رات سے کم نہیں ہے۔ مطلب۔ ؎

کدام بادِ بہاری وزید در آفاق + کہ باز در عقبش آفتِ خزانی نیست - (۲) ابرو کے کمان خانے کا تیر ہر جگہ پہنچ چکا ہے - اس لئے جہاں کہیں بھی تو طلب کرے زخم موجود ہے مگر مرہم نہیں ہے مطلب عشق تو ہر جگہ ہے مگر علاج درد دل کہیں میسر نہیں آتا ہے - (۳) دوسرا مصرعہ پہلے آدم اور فرشتوں کے جھگڑے سے تو ہماری کوئی ذلت نہیں ہورہی بلکہ رنج تو اس بات کا ہے کہ یہ فتنہ کھڑا کر دیا ہے - مطلب "نزاعِ ملک و آدم" سے مراد تخلیق انسانی کے وقت فرشتوں کا اعتراض ہے "کیا تو ایسی ہستی کو پیدا کرنے والا جو فساد اور خونریزیاں برپا کریگا" بلکہ یہ جو فتنہ حسن و عشق برپا کر دیا ہے - یہ ہمارے رنج کا باعث بنا ہے - (۴) وہ عارف جو پردۂ ازل کے ساز پر کان لگائے بیٹھے ہیں جلنتے ہیں کہ پردے کے پیچھے کوئی نامحرم نہیں ہے - مطلب - عارف ہی صرف رازِ پسِ پردہ سے واقف ہیں اس لئے وہ ساز ازل کا نغمہ سُن کر حقیقت کی تہ کو پہنچ جاتے ہیں - (۵) عیسیٰ کے دم سے اور "روح اللہ" کے معجزوں سے خلقت جاننے لگ گئی ہے - کہ حضرت مریم خطا کاروں میں سے نہیں ہے - مطلب - حضرت عیسیٰ چونکہ بغیر والد پیدا ہوئے اس لئے بعض لوگوں نے نعوذ باللہ حضرت مریم کی پاکبازی کو متہم کیا - اس کے جواب میں نظیری کہتا ہے کہ عیسیٰ کا دم مُردوں کو زندہ کرنے والا اور عیسیٰ کے معجزے اس بات پر صاد کرتے ہیں کہ حضرت مریم گنہگار نہ تھیں - (۶) جہان کی عزت کی رسم جلدی سر سے اُتار ڈالیں - کیونکہ ہمارے تاج کی کلغی پر یہ تعلق مضبوط معلوم نہیں ہوتا مطلب - علائق دنیا سے کنارہ کش

ہو جانا ہی بہتر ہے۔ (۷) ہم اور زیادہ ترکِ دنیا کی طرف مائل ہوں۔ کیونکہ فقر کا پشمینہ ادہم کے بیٹے (ابراہیم) کے سر کے اندازے کے سوا نہیں ہے۔ مطلب۔ فقر فی الحال تو حضرت ابراہیم بن ادہم پر ختم ہے ہم ان سے زیادہ بڑھیں۔ (۸) ہم کب تک دوسروں کے عیب نمایاں کرتے رہیں گے۔ کیا اس قدر ہماری رسوائی کا جامہ منقش نہیں ہے۔ مطلب "علم از عیب کسے دوختن" "دوسروں کی عیب جوئی کرنا" معلم "۔ منقش۔ بوٹے دار۔ ہم دوسروں کی عیب جوئی کیوں کریں۔ کیا ہمارا اپنا لباس تن عیب کے بوٹوں سے منقش نہیں۔ (۹) اے نظیری! خطا کا حکم قضا پر نہیں لگایا جاتا۔ کیونکہ حکم اس صورت پر لگایا جاتا ہے۔ جو صاف ہو (مبہم نہ ہو) مطلب۔ ہم قضا پر یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ اس نے غلطی کی ہے۔ (کیونکہ یہ مبہم ہے) اور حکم صرف اس امر کے متعلق لگایا جاتا ہے جو شکوک و شبہات سے پاک ہو۔

امروز آنچہ تاج سر ماست دست ماست ۔۔۔ سرمایۂ درستئ ما در شکست ماست
ناداں بر آبگینہ ما سنگ مے زند ۔۔۔ گر ہوشمندئ بکسے ہست مست ماست
سر میکنیم در سر پیمان خویشتن ۔۔۔ ایماں ما ہماں بہ ندائے الست ماست
اندیشہ از فراز ثریا گذشتہ است ۔۔۔ کوتاہئ کہ ہست ز تقدیر پست ماست
بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردۂ ۔۔۔ جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست
شاہانہ فرش مسند کرسی نہادہ اند ۔۔۔ ایں طارم خراب چہ جائے نشست ماست
ننگست اگر بجاتم جمشید بنگریم ۔۔۔ پیچاک زلفِ یار نظیری بشست ماست

غزل نمبر ۱۴۴۔ (۱) آج جو کچھ ہمارے سر کا تاج ہے وہ ہمارا ہاتھ ہی ہے۔ ہماری درستی کا سرمایہ ہماری شکست ہی میں ہے۔ مطلب۔ انتہائی حسرت و یاس کے عالم میں سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جایا کرتے ہیں۔ نظیری اپنی ایسی حالت بیان کر کے پھر یہ حوصلہ دیتا ہے کہ شکست فتح کا پیش خیمہ ہے۔ (۲) نادان ہمارے شیشہ دل پر پتھر مار رہا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی ہوشمند ہے تو ہمارا اپنا مست ہی تو ہے۔ مطلب مست پر لوگ پتھر پھینکا کرتے ہیں۔ نظیری کہتا ہے کہ دیوانگانِ عشق پر جو پتھر پھینکتا ہے وہ نادان ہے۔ کیونکہ یہ دیوانے تو نام کے ہوشمندوں سے کہیں زیادہ دانا ہیں۔ (۳) ہم اپنے بیان پر اپنا سر کٹاتے ہیں ہمارا ایمان تو اسی "ندائے الست" پر ہے۔ مطلب۔ روزِ ازل جو خدا تعالیٰ نے روحوں سے پوچھا تھا کہ (ع) "الستُ بربکمُ" "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا تھا "بلیٰ" "ہاں"۔ نظیری کہتا ہے ہم نے جو عہد روزِ ازل کر لیا تھا۔ اس کو ہاتھ سے نہیں دینگے سر دیدینگے۔ (۴) ہمارا خیال تو ثریا سے بھی بلند ہو چکا ہے اگر ہم میں کوتاہی ہے۔ تو ہماری تقدیر کی پستی سے ہے۔ مطلب۔ ہم عشق میں بہت بلند جا چکے ہیں۔ لیکن

سرمایہ الفاظ متکفل نہیں اس لئے کوتاہ معلوم ہوتے ہیں۔ تصوف "حال" ہے نہ کہ "قال"۔ (۵) اگر حقیقت کے چہرے پر پردہ رہ گیا ہے۔ تو یہ ہماری ظاہر پرست آنکھوں کا قصور ہے یمطلب۔ بصارت کا قصور ہے کہ وہ معشوقِ حقیقی کا جمال نہیں دیکھ سکتی چشمِ بصیرت ہو تو روئے حقیقت بالکل بے حجاب ہے (۶) ہمارے لئے تو شاہانہ فرش اور مسند و کرسی مہیا کئے گئے ہیں۔ یہ خراب سی چھت (آسمان) ہماری نشست کے لائق نہیں ہے۔ یمطلب۔ درجۂ عشاق بلند ہے۔ آسمان اس کے سامنے کوئی درجہ نہیں رکھتا۔ (۷) اگر ہم جمشید کی انگوٹھی کی طرف نگاہ کرتے ہیں۔ تو یہ ہماری بے عزتی ہے۔ کیونکہ اے نظیری یار کی زلفوں کے پیچ ہی ہماری کُنڈی میں پھنسے ہوئے ہیں یمطلب۔ خاتمِ جم جیسی بے حقیقت چیز "پیچاکِ زلفِ یار" کے مقابلے پر کیا ہے؟ ہم اگر اس کی طرف دیکھتے ہیں تو یہ انتہائی بے عزتی ہے ✣

چناں زخانہ بروں رفتنم بدل ننگست — کہ آستانہ بیابان و گام فرسنگ است
بجان در تنِ مفلوج گشتہ میمانم — کہ در بر آمدنم رنج و بودنم ننگ است
رگ و رواں بگذارد چو گریہ گرم شود — شرارہ در دلِ فولاد و قطرہ در سنگ است
بدامنِ دلِ پاکِ تو داغِ من نرسد — زلبس کہ لیتہ ام خون دیدہ بیرنگ است
ذلم زصورت کارم غریقِ اندوہ است — کہ عکسِ طلعتِ زنگی بر آئینہ زنگ است
بگردلش مہ و خورشید طعنہ ہا داریم — بہ بختِ خویش زیبا نگار بر سرِ جنگ است
غریب نقشِ خیالے بر آب زد دیدہ — بجز خدائے کہ داند کہ ایں چہ نیرنگ است
نوا بگوشت اگر مختلف رسد چہ عجب — کہ یک ترانۂ ما در ہزار آہنگ است
سخن بذوق بود در مذاق بنشیند — بصفحہ کلکِ نظیری چو زخمہ بر چنگست

غزل نمبر ۱۵ ۔ (۱) گھر سے اس طرح باہر نکلنا دل کے لئے باعثِ شرم ہے۔ کہ گھر بیابان اور قدم میل میل کے ہو جاتے ہیں یمطلب۔ خانہ سے مراد "محفلِ نازِ جاناں" ہے کہتا ہے کہ اس طرح معشوق کے گھر سے باہر نکل آنا میرے لئے انتہائی ذلّت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اُٹھ آنے سے مجھے اپنا گھر ویران معلوم ہوتا ہے۔ اور ایک ایک قدم فرسنگ نظر آتا ہے (۲) میں ایک فالج زدہ جسم میں جان کی طرح ہوں کہ باہر نکلتے ہوئے رنج ہوتا ہے۔ اور وہیں رہنے میں شرم محسوس ہوتی ہے یمطلب۔ فالج زدہ جسم میں جان نحیف و زار ہو کر رہنے کے برابر ہو جاتی ہے۔ نظیری اپنے آپ کو اس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے (۳) جب گریہ گرم ہو جاتا ہے تو رگ و ریشہ پگھلنے لگتا ہے۔ وہ گویا فولاد کے دل میں شرارہ اور پتھر کے دل میں قطرہ بن جاتا ہے یمطلب۔ فولاد کے دل سے شرارے کا نکلنا اور قطرے کا پتھر سے نکلنا سخت

مشکل ہے۔ یہی حالت شاعر بیان کرتا ہے کہ گریہ کا گرم ہونا میرے رگ ریشے کو پگھلا دیتا ہے (۴) میرا داغ تیرے پاک دل پر نہیں لگتا۔ کیونکہ میں بے حد رو چکا ہوں۔ اس لئے میری آنکھوں کا خون بھی بیرنگ ہو چکا ہے۔ مطلب۔ جب آنکھوں کے خون میں رنگ نہیں رہا۔ تو ظاہر ہے کہ دامن پر داغ کیا چھوڑیگا۔ (۵) میرا دل میرے کام کی صورت سے رنج و اندوہ میں غرق ہے۔ کیونکہ زنگی کی شکل کا عکس آئینہ کے لئے زنگ ہے۔ مطلب۔ میرا کام سخت خوفناک ہے۔ (کارِ عشق ہے) اس کا عکس دل پر پڑتا ہے۔ تو رنج و اندوہ میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آئینہ میں حبشی کا عکس۔ (۶) ہم چاند اور سورج کی گردشوں کو طعنہ دیتے ہیں۔ گویا، ایک زیاں کار اپنے نصیب سے لڑ رہا ہے۔ مطلب۔ ہم اپنی بدنصیبی کو چاند اور سورج کی گردشوں کے ساتھ وابستہ کر کے ان کو مطعون کرتے ہیں (۷) میری آنکھوں نے پانی پر عجیب خیالی نقش پیدا کئے ہیں۔ سوائے خدا کے کون جانتا ہے کہ یہ کیا نیرنگی ہے۔ مطلب "نقش بر آب" حالات میں سے ہے۔ آنکھوں نے "نقش بر آب" بنا کر یہ عجیب حالت پیدا کر دی ہے۔ شاعر تعجب سے کہتا ہے کہ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ کیا ہے۔ (۸) اگر تیرے کانوں میں آوازیں مختلف آتی ہیں۔ تو اس میں کیا تعجب ہے۔ کیونکہ ہمارا ایک ہی ترانہ ہزار سُروں میں ہے۔ مطلب تمام موجودات مظاہرِ خداوندی ہیں۔ مگر اشکال میں مختلف۔ اس کا جواب دیتا ہے کہ ایک ہی ہستی اپنی اپنی استعداد کے مطابق موجودات میں سے ہر ایک نے حاصل کر لی ہے۔ (۹) اگر بات ذوق کے مطابق ہو تو فوراً مذاق میں جگہ پالیتی ہے۔ صفحے پر نظیری کا قلم باجے پر مضراب کی چوٹ کی طرح ہے۔

حریف صافی و دردی نۂ خطا اینجاست — تمیز ناخوش و خوش میکنی بلا اینجاست
بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی ست — ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست
ز فرق تا قدمش ہر کجا کہ مے نگرم — کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست
خطا بمردم دیوانہ کس نمے گیرد — جنوں نداری و آشفتۂ خطا اینجاست
بدل ز دل گذرے ہست تا محبّت ہست — رہ چمن نتواں بست تا صبا اینجاست
بدی و نیکی ما شکر بر تو پنہاں نیست — ہزار دشمن دیرینہ آشنا اینجاست
سرشکِ دیدۂ دل بے تو بستہ نکشاید — اگرچہ یک گرہ و صد گرہ کشا اینجاست
بھر کجا روم اخلاص را خریدار لیست — متاعِ کاسد و بازار نارو اینجاست
زکوئے عجز نظیری سرِ نیاز مکش — زہے زہے کہ در آیند انتہا اینجاست

غزل نمبر ۱۶۔ (۱) تو صاف اور تلچھٹ کا حریف نہیں ہے۔ یہی تو خطا ہے اور مصیبت یہ ہے

کہ نیک و بد میں تمیز بھی کرتا ہے مطلب۔ عاشق کے لئے نیک و بد کی تمیز نہیں ہونی چاہئے۔ اور نہ ہی صاف اور تلچھٹ میں امتیاز۔ (۲) دل کے لغیر تمام نقش و نگار بے معنی ہیں۔ یہی ورق جو سیاہ ہو چکا ہے مطلب سے بھرا پڑا ہے مطلب۔ دل عکس دوست سے سیاہ ہے۔ اور یہی مدعا کی جان ہے۔ دل خوش ہے تو سب دنیا درست ہے۔ اور اگر دل پریشان ہے تو موجودات کی ہر چیز بدنما معلوم ہوتی ہے ؎ ہر چیز پُر شباب ہر اک شے پہ حسن تھا + دنیا جوان تھی مرے عہدِ شباب میں۔ دیباچہ

(۳) اس کے سر سے لے کر قدم تک جہاں کہیں بھی نگاہ ڈالتا ہوں۔ کرشمہ و ناز دامن کھینچتا ہے۔ کہ یہی جگہ ہے یہیں ٹھیر جاؤ) مطلب۔ سرتاپا حسن ہے ؎

اک ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی + اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی۔ (۴) دیوانہ لوگوں کی خطا کوئی نہیں پکڑتا۔ تو جنون نہیں رکھتا اور پھر آشفتہ ہو رہا ہے۔ یہی تو خطا ہے مطلب۔ دیوانوں کو بیگانۂ عقل سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے معشوق تو مجنوں نہیں۔ پھر اگر تو آشفتہ ہو تو اس آشفتگی کے لئے تجھے کس طرح قصوروار نہ ٹھیرایا جائے ؎

اب میری خطاؤں پر کہہ دیتے ہیں وہ ہنس کر + سودائی ہے سودائی دیوانہ ہے دیوانہ۔ (۵) جب تک محبت دو دلوں میں موجود ہے ایک دل دوسرے تک راہ رکھتا ہے۔ اس وقت تک چمن کا راستہ بند نہیں کیا جاسکتا جب تک صبا موجود ہے مطلب۔ صبا موجود ہے تو گلِ چمن" باہر نکلیگی۔ اسی طرح جب تک محبت ہے ایک کو دوسرے سے راہ ہے۔ (۶) شکر ہے! ہماری نیکی و بدی تجھ سے پنہاں نہیں ہے ورنہ ہمارے پُرانے آشنا دجواب، دشمن ہیں۔ یہاں موجود ہیں مطلب۔ اگر تجھ پر پہلے ہی بدی و نیکی ظاہر ہوتی۔ تو شاید میرے ان دیرینہ آشنا دشمنوں" کی لگائی بجھائی سے تو متاثر ہو جاتا۔ (۷) تیرے لغیر دل کی آنکھوں کے آنسو میری گرہ نہیں کھولتے۔ اگرچہ ایک گرہ ہے اور سو گرہ کشا ہیں مطلب۔ رونے سے "دل بستہ" کھل جایا کرتا ہے لیکن عشق میں معشوق کے لغیر" دلِ ناشگفتہ" کو کون کھلائے۔ (۸) جہاں کہیں بھی جاؤں اخلاص کے خریدار موجود ہیں۔ اگر کہیں اس متاع کی سرد بازاری ہے یا جہاں یہ رائج نہیں وہ یہی ہے مطلب۔ یہاں ہی صرف میں نے اخلاص کو بے رواج دیکھا۔ ہے ورنہ ہر جگہ اس کے خریدار مل جاتے ہیں ہ(۹) اے نظیری! عجز کے کوچے سے نیاز کا سر نہ اٹھا۔ کیونکہ جس راستے سے بھی آئیں سب کی انتہا یہی ہے مطلب۔ انتہائے انسان عجز و نیاز ہے۔ خاکِ نیستی میں پنہاں ہونا ہی انجام انسانیت ہے

شب از فسانہ ام زجنوں خانہ پرشدہ است وزگریہ ام دیار زویرانہ پرشدہ است

زاں طرہ کے شکایت آشفتگی رسد یارا کہ زلفِ او چو کفِ شانہ پرشدہ است

افگندہ پردہ از رُخ ساقی نسیم صبح — دیر و حرم ز نعرۂ مستانہ پُرشدہ است
بازم بکلبہ کیست نہ شمع و نہ آفتاب — بام و درم ز ذرّہ و پروانہ پرشدہ است
ترسم بلالہ و سمن او زیاں رسد — طرف چمن ز سبزۂ بیگانہ پرشدہ است
تنگ ست جائے بر نفس امشب بخلوتم — یک آشنا نیامدہ و خانہ پرشدہ است
ہرگز عطائے ساقی ما را کرانہ نیست — از تنگ ظرفیست کہ پیمانہ پرشدہ است
آں شاخ گل بچوں تو نظیری نمی رسد — دار الشفائے شہر ز دیوانہ پرشدہ است

غزل نمبر ۱۷ - (۱) رات میرے افسانوں کی وجہ سے جنون خانوں سے بھر گئی ہے - اور میرے رونے سے ولایت ویرانوں سے بھری پڑی ہے مطلب - میرا افسانہ خون انگیز ہے - اس لئے رات جب مجمع احباب میں وہ سنایا گیا تو سب مجنوں ہو گئے - گھر گھر ویرانے پیدا ہوئے - اور میری گریہ وزاری سے تمام آباد ولائتیں ویرانے بن گئیں - کیونکہ زیادہ رونا ویرانی کا باعث ہے - بقولِ غالب ؎

یونہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں + دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں - (۲) ہمارا ہاتھ اس کنگھی کی طرح پُر ہو چکا ہے جس میں اس کی زلفیں بھری ہوئی ہوں - پس اس کی زلفوں کی اُلجھن کی شکایت رفع کیسے ہوتی ہے مطلب - ہاتھ اور شانہ (کنگھی) میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے - (۳) صبح کی نسیم نے ساقی کے چہرے سے نقاب اُلٹ دی ہے - حرم و دیر مستانہ نعروں سے بھرے پڑے ہیں مطلب - جو معشوقِ حقیقی کا حال نمایاں ہو جائے - دیر و حرم جہاں اس کی تلاش کے لئے عبادتیں ہوتی تھیں "نعرہ مستانہ" سے بھر ہی جائیگا - (۴) آخر میری جھونپڑی میں کیا چیز ہے؟ نہ شمع ہے اور نہ آفتاب ہے (پھر بھی) میری چھت اور دروازہ ذرّوں اور پروانوں سے بھرا پڑا ہے مطلب - شمع پر پروانے اور آفتاب کے لئے ذرّے ہوتے ہیں - مگر معلوم نہیں میری جھونپڑی میں تو ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں - اور ان کے وابستگان کیوں موجود ہیں - (۵) میں ڈرتا ہوں کہ اس کے لالہ اور چنبیلی کو نقصان پہنچ جائیگا - کیونکہ باغ کی اطراف سبزۂ بیگانہ سے بھر گئی ہیں - مطلب "لالہ و سمن" سے مراد لب و رخسار ہیں معشوق کے چہرے پر خط آجانے سے اس کے حُسن میں کمی واقع ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کرتا ہے - (۶) آج سانس کے لئے بھی میری خلوت میں جگہ تنگ ہو رہی ہے - اور مزا یہ ہے کہ ایک آشنا ہی نہیں آیا اور گھر بھر گیا ہے - (۷) ہمارے ساقی کی بخشش تو ختم ہی نہیں ہو سکتی - یہ ہماری اپنی کم ظرفی ہے کہ پیمانہ بھر گیا ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا + ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے - (۸) اے نظیری! وہ شاخ گل (معشوق) تیرے جیسوں کو کیا ملے؟ شہر کا شفا خانہ تو اس کے دیوانوں سے بھرا پڑا ہے "یک انار و صد بیمار"

بیتو دوشم و درد رازی از شب یلدا گذشت　　آفتاب امروز چوں برق از سرائے ما گذشت
نیش خارے نیست کز خون شکاری سرخ نیست　　آفتے بود ایں شکار افگن کزیں صحرا گذشت
شوکتِ حسنش کسے را فرصت آہے نداد　　گرچہ ہر سُو دادخواہے بود او تنہا گذشت
جلوہ اش ننمود از بس محو رفتارش شدم　　نالہ ام نشنید از بس گرم استغنا گذشت
خواستی آشفتگی دستار بُردن از سرش　　بسکہ سرمست و بخود مغرور و بے پروا گذشت
باپریشاناں چگویم صولت ہجرش چہ کرد　　بادیا سے آمد و بر دفتر دلہا گذشت
باز امشب باسگِ کویش نظیری ہمرہ ست　　شوکتے دیدم کہ پنداری جم و دارا گذشت

غزل نمبر ۸۴۔ (۱) گذشتہ شب تیرے فراق میں سردیوں کی اندھیری رات سے بھی زیادہ طویل ہو کر گزری ہے۔ لیکن آج آفتاب تو بجلی کی طرح ہمارے مکان سے گذر گیا۔ مطلب۔ شبِ فراق کاٹے نہ کٹتی تھی۔ بے حد لمبی ہو گئی۔ مگر روزِ وصل اس قدر مختصر ہے کہ دن ڈھلنے کا پتہ بھی نہیں چلا ؎
مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت میں اُڑتے جاتے ہیں ٭ مگر گھڑیاں جدائی کی گذرتی ہیں مہینوں میں (اقبال)
وصل کا دن اور اتنا مختصر ٭ دن گنے جاتے ہیں اس دن کے لئے ۔ امیر۔ (۲) کوئی کانٹے کی نوک ایسی نہیں جو کسی شکار کے خون سے سرخ نہ ہو۔ یہ شکار گرانے والا ایک آفت تھا جو اس صحرا سے گذرا ہے۔ مطلب۔ تمام خار زار خون سے لالہ زار ہو رہا ہے۔ یہ شکار افگن قیامت تھا کہ اس قدر خونریزی کر گیا ہے۔ (۳) اس کے حُسن کی شوکت نے کسی کو آہ بھرنے کی بھی فرصت نہ دی۔ اگرچہ ہر طرف فریادی کھڑے تھے۔ مگر وہ اکیلا گذر گیا۔ مطلب۔ رعبِ حُسن نے کسی فریادی کو آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنے نہ دیا۔ (۴) میں اس کی رفتار دیکھنے میں اس قدر محو ہو گیا کہ اس کا دیدار بھی نہ دیکھ سکا۔ اس نے میرا نالہ بھی نہ سُنا وہ اس قدر بے پرواہ ہو کر گذر گیا۔ (۵) دیوانگی اس کی پگڑی اُتار لینا چاہتی تھی۔ مگر وہ سرمست اپنے آپ میں مغرور اور بالکل بے پروا گذر گیا۔ (۶) میں کیا بتاؤں کہ ہم پریشانوں کے ساتھ اس کے ہجر کے رعب نے کیا کیا (یہ سمجھ لو) کہ ایک مایوسی کی ہوا کا جھونکا آیا اور دل کے دفتر پر سے گذر گیا۔ مطلب۔ اس کے ہجر نے دلِ عشاق کو مایوس اور نااُمید بنا دیا۔ (۷) آج رات پھر نظیری اس کے کوچے کے کتے کے ہمراہ ہے میں نے اس کی وہ شوکت دیکھی گویا یہ سمجھ لو کہ جمشید اور دارا گذر رہے ہیں۔ مطلب۔ اس کے کوچے کے کتے کی ہمراہی پر بھی فخر و مباہات کرتا ہے۔ اور شعراء کا یہ عام خاصہ ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے ؎ نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم ٭ زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی ٭

درشہر ما بدولتِ عشق احتیاج نیست　　درہیچ گوشہ نیست کہ صد تخت و تاج نیست
چشم ترے بچین جبیں مے تواں فروخت　　کار وفا ہنوز چناں بے رواج نیست

خاطر بخندۂ گل و مل وا نمے شود | غیر از گریستن غم دل را علاج نیست
شہرے بشیشۂ دل ما سنگ مے زند | در ہیچ پائے نیشترے از رجاج نیست
کس زیر چرخ توسن آزادگی نتاخت | تاراج میکنند براہے کہ تاج نیست
ما خط رسانده ایم بمہر مسلمے | آفت رسیده را غم باج و خراج نیست
از نوش روزگار نظیری گدا ختیم | این باده راموافقتے یا مزاج نیست

غزل نمبر ۱۹۔ (۱) ہمارے شہر میں عشق کی بدولت کچھ کمی (حاجت) نہیں رہی (بلکہ) کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں سو تخت و تاج نہ ہوں یمطلب۔ دولتِ عشق سے سب مالا مال نظر آرہے ہیں (۲) روتی ہوئی آنکھوں کو پیشانی کے شکنوں کے بدلے بیچا جاسکتا ہے۔ ابھی وفا کا کام اتنا بے رواج نہیں ہؤا۔ مطلب۔ چشم تر کے معاوضے میں کسی شکنِ جبیں ہی حاصل ہو جانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی وفا کی قدر ہو جاتی ہے (۳) دل گلاب اور شراب کی ہنسی سے تو کھل نہیں سکتا۔ غمِ دل کا علاج تو رو دینے کے سوا اور کوئی ہے نہیں۔ (۴) ایک شہر ہمارے دل کے شیشے پر پتھر مار رہا ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کانچ کی کوئی نیشتر پڑی ہوئی نہ مل جائے یمطلب۔ رجاج:۔ کچا شیشہ یا کانچ ہوتا ہے۔ دل کو "شیشۂ دل" کہتے آئے ہیں۔ نظیری کہتا ہے۔ ہر شخص ہمارے "شیشۂ دل" کو چکنا چور کر رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کانچ کے ریزے ہر جگہ پڑے ہوئے ہیں۔ (۵) آسمان کے نیچے آزادی کا گھوڑا کس نے دوڑایا (ہمیشہ) اس راستے کو لوٹتے ہیں جہاں بادشاہ نہ ہو۔ (حکومت نہ ہو۔ بے آئین ہو) مطلب۔ دنیا میں کوئی آزاد نہ ہؤا۔ اور جس نے دعوٰئے آزادی کیا وہیں گرفتار ہو گیا ؂

دکھایا گو رسکندر نے بڑھ کے آئینہ ✣ جو سر اُٹھا کے کوئی زیرِ آسماں نکلا (یاس) (۶) ہم نے مصاحبہ مہر رنگوا کر فرمان حاصل کر لیا ہے۔ کہ ایک آفت زدہ کو خراج اور لگان کا غم نہیں یمطلب۔ ہم نے اپنی غربت و آفت رسیدگی پر مہرِ حکومت ثبت کرالی ہے۔ اس لئے ہمیں اب فکرِ باج و خراج نہیں۔ (۷) اے نظیری! ہم زمانے کے شہد کے ہاتھوں پگھل گئے ہیں (گھُل گئے ہیں) یہ شراب ہمارے مزاج کے موافق نہیں آتی یمطلب۔ راحت و آرام ہمیں موافق نہیں آسکتا۔ بلکہ غمِ عشق ہی طبیعت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے ✣

شور چمن ز نغمۂ آزادی من است | روئے شگفتۂ سحر از شادی من است
میخانه ام بروئے بہارم کشاده اند | ہر جا خرابی ست ز آبادی من است
بیہوشیم بجلوه گہ گلستان برد | من بلبلم کہ نگہتِ گل ہادی من است

بے ذوقِ عشق کار بساماں نمے رسد — شاگردِ عشق بودن از اُستادیِ من ست

عشقم نوید زندگیِ جاودان دہد — آں چشمہ کہ گم شدہ در وادیِ من ست

گردوں بعشق زائچۂ طالعم نوشت — نیک اخترے نشانۂ ہمزادیِ من ست

حسرت برم ہمیشہ نظیریؔ ز صیدگاہ — زیں خوئے رحم کآفتِ صیادیِ من ست

غزل نمبر ۲۔ (۱) چمن کا شور میری آزادی کے نغموں سے ہے جسم کا کھلتا ہوا چہرہ بھی میری خوشی کی وجہ سے ہے۔ مطلب دنیا میں جو خرّمی کا اظہار ہو رہا ہے یہ میری شادمانی کی بدولت ہے۔ (۲) میخانہ میرے لئے۔ میرے موسم بہار کی بُو کے لئے کھولا ہے۔ جہاں کہیں خرابی ہے۔ وہ میری آبادی کے لئے ہی تو ہے مطلب عشق میں ویرانی ہی آبادی ہوتی ہے۔ (۳) میری بیہوشی مجھے باغ کی جلوہ گاہ کی طرف لے جاتی ہے میں وہ بلبل ہوں کہ پھول کی خوشبو ہی میری رہنما ہے۔ (۴) عشق کے ذوق کے بغیر کوئی کام پورا نہیں ہوتا۔ عشق کا شاگرد ہونا بھی میری اُستادی ہے۔ مطلب عشق سے تمام کائنات کی تکمیل ہوتی ہے۔ میں اس کا شاگرد ہوں۔ (یعنی میں نے عشق اختیار کرکے گویا مرشد کامل کا دامن پکڑ لیا ہے)۔ اس لئے یہ چیز میری اُستادی کی دلیل ہے۔ (۵) عشق مجھے زندگیٔ دوام کی خوشخبری دیتا ہے۔ وہ چشمہ جو گمشدہ ہے (زندگی جاودان کا) وہ میری وادی میں ہے۔ مطلب سے سر بازِ عشق زندۂ جاوید ہو گئے ✤ آبحیات ہے مرے خنجر کی دھار میں (۶) آسمان نے عشق سے میرے نصیب کا زائچہ تیار کیا۔ اس لئے کوئی خوش نصیب ہی میری ہمزادی کا نشانہ ہو سکتا ہے۔ مطلب عشق میری گھٹی میں ڈالا گیا ہے۔ کوئی اور خوش نصیب ہی میرا ہم طالع ہو سکتا ہے۔ (۷) اے نظیریؔ! میں شکارگاہ سے ہمیشہ حسرت بھرا دل لے کر جاتا ہوں۔ یہ رحم کی خو تو میری صیادی کے لئے آفت بن گئی۔ مطلب میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ معشوق مجھے بھی مارے لیکن اسے ہمیشہ مجھ پر رحم آ جاتا ہے۔ اور میں اس کے ہاتھ سے قتل ہونے کی حسرت دل ہی میں لے جاتا ہوں۔ اس لئے معشوق کی خوئے رحم کو "آفت" قرار دیا ہے ✤

بحرفِ اہلِ غرض قرب و بُعد ما بند ست — دلِ شکستۂ ما را ہزار پیوند است

ازاں دمم کہ بحسرت فگندہ دیدن او — نگہ بگوشۂ چشمم ہنوز در بند است

نظر دلیر نشد تا مژہ بہ پیش آمد — حجاب اگر پر کاہ ست کوہ الوند است

دو چشم ساکنِ بیت الحزن بمن گرید — کہ من اسیر بمعشوقم او بفرزند است

ورانہ دستیٔ حسن کہ گل بجیبم ریخت — کہ تا بدامنم از جیب در شکرخند است

بکینہ جوئیٔ افلاک عشق مے بازیم — کہ ہر کہ دشمنِ ما شد بدوست مانند است

نہ عیب تست کہ بیگانہ وار مے گذری — کسیکہ زود گسل نیست دیر پیوند است
بیا کہ از مئے پارینہ تلخ کام تریم — اگر تو زہر چکانی بکام ما قند است
ہمہ ترانۂ آفاق راز بر دارم — بگوشم آنچہ نمے گردد آشنا پند است
نظیری از تو بجان کندنست لب بکشا — بایں قدر کہ بگوئی "بمیر" خورسند است

غزل نمبر ۱۲۔ (۱) خود غرض لوگوں کی باتوں پر ہمارا قرب و بُعد موقوف ہے۔ (حالانکہ) ہمارے ٹوٹے ہوئے دل کے لئے تو ہزار پیوند موجود ہیں۔ (۲) اس وقت سے جب حسرت بھری آنکھوں سے اس کا دیدار کیا ؛ نگاہ آنکھ کے گوشے میں رُک رہی ہے مطلب۔ مرتے وقت حسرتِ دیدار نے نگاہِ گوشۂ چشم میں روک رکھی ہے۔ (۳) جب تک پلکیں آگے آئی رہیں۔ نظر زیادہ تیز نہ ہو سکی۔ کیونکہ حجاب اگر گھاس کا تنکا بھی ہو تو کوہ الوند ہی معلوم ہوتا ہے۔ مطلب۔ آنکھوں کے آگے پلکوں کا ایک بال بھی آجائے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح راہِ معرفت میں معشوقِ حقیقی اور سالک کے درمیان اگر گھاس کے تنکے جتنی خودی بھی موجود ہو تو وہ کوہِ الوند بن کر وصل سے دُور رکھیگی ۔ (۴) "بیت الحزن" غم کا گھر (کا ساکن (یعقوب علیہ السلام) کی دونوں آنکھیں مجھ پر آنسو بہا رہی ہیں۔ کیونکہ وہ تو اپنے فرزند (یوسفؑ) کی محبت میں گرفتار تھے۔ اور مَیں معشوق کا اسیر ہوں یہ مطلب۔ اُن کی اُلفت فطری اور میری محبت اکتسابی ہے۔ (۵) یہ حُسن کی دراز دستی ہے۔ کہ اس نے پھول میرے گریبان میں بکھیر دیئے اور دامن سے گریبان تک سب مُسکرا رہے ہیں۔ (۶) ہم تو آسمان کی دشمنی (کرنے کی عادت) سے بھی عشق کرتے ہیں۔ کیونکہ جو بھی ہمارا دشمن ہُوا وہ ہمارے معشوق کے مشابہ ہو گیا۔ مطلب۔ ہمارا معشوق ہمارا دشمن ہے۔ اگر کوئی اور شخص ہمارے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے تو وہ دوست کی مانند ہُوا۔ اس لئے ہم اس سے بھی محبت کرتے ہیں (۷) یہ تیرا عیب نہیں کہ تو بیگانوں کی طرح گذر چلا ہے۔ (بلکہ ہُنر ہے) کیونکہ جو جلدی کھُلنے والا نہیں ہوتا وہ دیر سے پیوند ہوتا ہے مطلب۔ اگر تو جلدی ہی ہم سے مانوس نہیں ہو گیا تو یہ عیب نہیں کیونکہ دوستی دیرپا جبھی ہوتی ہے جب رفتہ رفتہ پیدا ہو۔ (۸) آ ! کہ اب ہم گذشتہ سال کی شراب سے بھی زیادہ تلخ کام ہو رہے ہیں (اس وقت) اگر تو زہر بھی ہمارے حلق میں ٹپکائے تو وہ ہمارے لئے قند بن جائیگی۔ مطلب۔ پرانی شراب زیادہ تیز ہو جانے کی وجہ سے تلخ بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (۹) میں زمانے کے ترانوں کو زبانی یاد رکھتا ہوں۔ مگر ایک چیز جو میرے کانوں کو آشنا معلوم نہیں ہوتی۔ وہ (لوگوں کی) نصیحت ہے۔ (۱۰) نظیری تیری وجہ سے اب نزع (کی حالت میں) مبتلا ہو چکا ہے۔ اے معشوق ! تو ذرا لب کھول اور صرف اتنا کہہ دے "مرجا" بس وہ خوشی خوشی (جان دیدیگا) مطلب۔ نظیری کی جان تیرے حکمِ مرگ کے لئے بیتاب ہے ۔

دل کہ جمعست غم از بے سروسامانی نیست | فکر جمعیت اگر نیست پریشانی نیست
بیضہ در چنگل شہباز نہد طائر ما | در فضائے کہ منم بال و پر افشانی نیست
گر کنم یاد ز بت خانہ مرا عیب مکن | ہر کرا مہر وطن نیست مسلمانی نیست
لاابالی شو و دریاب فراخئ نشاط | چند در تنگی مشرب کہ فراوانی نیست
نیست لذت ز نظر بازی بزمے کہ درو | خندۂ زیر لب و گریۂ پنہانی نیست
ترک ادبار بتاج سر جم دوختہ اند | ہیچ سر نیست کش این نیل بہ پیشانی نیست
بر در خلوت ما پرّ ہمائے بخشند | ہد ہدے را کہ لبستر تاج سلیمانی نیست
طبل درویشی ما بر در جاوید زدند | بر لب بام بجز نوبت سلطانی نیست
صحبت آئینہ طبعاں بدمے تیرہ شود | در چنیں بزمگہے جائے گرانجانی نیست
تو بمعموری مصری و من مجنوں را | نبرد شوق بر آں کوچہ کہ ویرانی نیست
از فسوں دانئ چشماں سیاہے کہ تراست | صد نظیری بنگہ داشتن ارزانی نیست

غزل نمبر ۲۲۔ (۱) جو دل جمع ہے اس کو بے سروسامانی کا بھی غم نہیں ہے۔ اگر جمعیت کی فکر نہ ہو تو کوئی پریشانی ہی نہیں ہوتی۔ مطلب۔ دلجمعی کی موجودگی میں کسی قسم کی دیگر ضروریات کی فکر ہی نہیں ہوتی۔ (۲) ہمارا پرندہ شہباز کے پنجہ میں انڈا دیتا ہے جس فضا میں میں ہوں۔ وہاں پر پُرزے جھاڑنا ہے ہی نہیں۔ مطلب۔ میرا مرتبہ بہ سببِ عشق بہت بلند ہے۔ اور اس میں خوفِ کمی و بیشی موجود نہیں۔ (۳) اگر میں بتخانہ یاد کروں تو مجھے طعنہ نہ دینا۔ کیونکہ جس کے دل میں وطن کی محبّت نہیں اس کی مسلمانی (مانی ہوئی) نہیں۔ مطلب۔ میں نے چونکہ بتخانہ میں پرورش پائی وہ میرا وطن ہوا۔ اب اگر خانہ کعبہ کی طرف آنے کے بعد بھی میں بُت خانے کی یاد کرتا ہوں تو یہ چیز قابلِ طعنہ نہیں کیونکہ "حُبُّ الوطن مِن الایمان" "حبِ وطن ایمان میں سے ہے" کے مضمون کے مطابق ایمان کی پختگی وطن کی محبّت پر مبنی ہے ؎

وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے مرے بتخانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو (غالبؔ) (۴) تو لاابالی ہو جا اور پھر نشاط کی فراخی حاصل کرلے۔ تو کب تک مذاہب کی قیود میں رہیگا۔ کیونکہ ان میں زیادتی نہیں ہے۔ مطلب۔ مذاہب کی قیود دینی نوع انسان میں تنگ نظری پیدا کرتی ہے۔ اسواسطے ان سے بے نیاز ہو کر نشاط کی فراخی حاصل ہوسکتی ہے۔ (۵) اس بزم کی نظر بازی میں لذت ہی نہیں ہے جس میں مسکراہٹ اور پوشیدہ رونا نہ ہو۔ مطلب۔ صرف اس محفل میں لذت ہے جس میں معشوق کی طرف سے "خندہ زیر لب" اور عاشق کی طرف سے "گریۂ پنہاں" ہو۔ (۶) زوال کی کلغی جمشید کے تاج کے ساتھ بھی سی دی ہے۔ کوئی سر ایسا

نہیں کہ اس کی پیشانی پہ یہ خط نہ ہو۔مطلب یہ ہر کمالے راز والے ہر زوالے راکمال۔“ سے دکھایا گورِ سکندر نے بڑھ کے آئینہ ✤ جو سر اُٹھاکے کوئی زیرِ آسماں نکلا۔ (۷) ہماری تنہائی کے دروازے پہ ہُما کے پر بخش دیتے ہیں۔ اس ہُدہُد کو جس کے سر پر سلیمان کا تاج نہ ہو۔مطلب۔ ہُدہُد کے سر کی کلغی تاج سلیمانی ہے۔جو اس کو اس خدمت کے صلے میں ملا تھا۔ کہ اس کی وساطت سے ملکۂ شہر سبا سے حضرت سلیمان کی شادی ہوئی تھی۔شاعر کا مطلب یہ ہے کہ عشاقانِ معشوقِ حقیقی کے دروازے پر بے کمالوں کو صاحبِ کمال بنادیا جاتا ہے۔(۸) ہماری درویشی کا نقارہ ہمیشگی کے دروازے پر بجاتے ہیں۔چھت پر سوائے بادشاہی نوبت کے اور کچھ نہیں بجاکرتا۔مطلب۔ عشق کی درویشی جاوید ہے نہ کہ عارضی۔ نوبت اس نقارے کو کہتے ہیں جو کہ بادشاہوں کے محل کے دروازے کی چھت پر بجاتے ہیں۔(۹) آئینہ جیسی طبیعت رکھنے والوں کی محفل ایک دم سے تاریک ہو جاتی ہے۔اس لئے ایسی محفل میں سرگرانی کا موقع نہیں ہے۔(۱۰) تو شہر کی آبادی کا شائق ہے اور مجھ مجنوں کو شوق ایسے کوچے میں لے جاتا نہیں جس میں ویرانی نہ ہو۔مطلب۔ عشق ویرانہ طلب ہوتا ہے اور عام لوگ رونق پسند (۱۱) تو جو سیاہ آنکھیں رکھتا ہے اس کے جادو سے سو نظیری بھی اپنی نگاہ میں رکھ لینا تیرے لئے مشکل نہیں ہے۔مطلب۔ تیری سیاہ آنکھوں میں اس قدر جادو ہے کہ ایک نظیری ہی نہیں۔ اس قسم کے سو عشاق ان کے ساتھ وابستہ ہو سکتے ہیں ✤

محبت تو بہر دل نشست کیں ننشست
دمے بہر کہ نشستی دگر غمیں ننشست

بمحفلے کہ تو دامن برنجش افشاندی
مگس ز تلخی عیشم بر انگبیں ننشست

ہمیشہ گرمی خوبیت در آتشم دارد
بخون نشستم و آں خوئے آتشیں ننشست

حجاب عشق غبارے میاں ما انگیخت
کہ از فشاندن دامانِ آستیں ننشست

گرہ بگوشۂ ابرو نگہ بجانب غیر
بہ پیشِ دشمن خود ہیچکس چنیں ننشست

تو میروی و من از اضطراب مے میرم
کسے بحال چنیں روز واپسیں ننشست

چناں گرانی خواہش از درت سبک بردم
کہ از سجود توام گرد بر جبیں ننشست

غمت ندیدہ رہِ خانہ نظیری را
کہ چوں بہانۂ خونیو درکمیں ننشست

غزل نمبر ۲۳۔ (۱) جس دل میں تیری محبت بیٹھ گئی وہاں کینہ سماتا ہی نہیں۔ ایک دم بھی تو جس کے پاس ہو بیٹھا پھر وہ کبھی غمگین نہیں ہوا۔مطلب۔ تیری محبت کے ہوتے ہوئے کینہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی (۲) جس محفل میں تو دامن رنجیدہ ہوکر جھٹک گیا۔ وہاں میرے عیش کی تلخی کی وجہ سے مکھی شہد پر بھی نہیں بیٹھتی ہے۔ مطلب۔ تیرے کبیدہ خاطر ہو جانے سے میرا عیش اس قدر تلخ ہو جاتا ہے کہ وہاں شہد پر مکھی بھی نہیں بیٹھتی۔

(۳) تیری خو کی گرمی مجھے ہمیشہ آگ لگائے رکھتی ہے۔ میں نے اسے خون سے دھو ڈالا۔ مگر وہ آتشین خو نہ بجھی۔ مطلب۔ تیری تیزیٔ طبع مجھے آگ لگا دیتی ہے۔ میں نے آنکھوں سے خون کے آنسو بہا کر اس آگ کو بجھانا چاہا۔ مگر وہ نہ بجھ سکی۔ (۴) عشق کے پردے نے ہمارے درمیان ایک ایسا غبار پیدا کر دیا کہ دامن اور آستین جھٹکنے سے بھی نہ بیٹھا۔ مطلب۔ غبار اُڑ رہا ہو تو آستین جھٹک کر اسے بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں (۵) ابرو کے گوشوں پر ایک گرہ ہے اور نگاہ غیر کی جانب ہے۔ اپنے دشمن کے سامنے بھی تو کبھی کوئی شخص اس طرح نہیں بیٹھتا۔ مطلب۔ ابروؤں پر شکن ہونا ناراضی کی علامت ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ نگاہ غیر کی طرف رکھی ہے عاشق کہتا ہے کہ اس طرح تو کوئی دشمن کے ساتھ بھی سلوک نہیں کرتا ہے

بھویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں + کسی سے آج بگڑی ہے کہ وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں۔ (داغ)

(۶) تو جا رہا ہے اور میں اضطراب سے مر رہا ہوں۔ اس حالت میں تو کوئی مرنے کے دن بھی نہیں بیٹھتا۔

سحر ہے شمع اب بجھتی ہے تارے جھلملاتے ہیں + وہ جاتے ہیں یہاں آنسو رواں ہیں چشم پُرفن سے۔ (شاد) (۷)

میں نے اپنا بوجھ تیرے دروازے سے اس طرح آسانی سے اٹھا لیا کہ تجھے سجدہ کرنے سے میری پیشانی پر گرد تک نہیں بیٹھتی۔ (۸) تیرے کسی ایسے غم نے نظیری کے گھر کا راستہ نہیں دیکھا کہ جو تیری خو کے بہانے کی طرح اس کی تاک میں نہ ہو بیٹھا ہو۔ مطلب۔ تیرا غم ہر وقت نظیری کی گھات میں ہے +

عشقست کہ علم دو جہاں مختصر اوست — مجموعۂ احوال دو عالم خبر اوست
صد راہزنم در صف اندیشہ نشستہ — حرز دل آگاہ نشین "" از نظر اوست
بیگانگیش بار دہد اشک ندامت — این تخم ہمانست کہ طوفاں ثمر اوست
یاد آوریش راہ نماید بوصالش — این خانہ ہمانست کہ امید در اوست
گر ناخوشت از جا ببرد جائے نگہدار — کاں دل کہ ز ناوک نہراسد سپر اوست
گر زمزمہ رہ زندت از پئے آں رو — کاں دل کہ ز جا رفت رہش بر گذر اوست
گریاں ز گلستاں جہاں رفت نظیری — ہر لالہ کہ از خاک دمد چشم تر اوست۔

غزل نمبر ۲۴۔ (۱) عشق ہی وہ چیز ہے کہ دونوں جہانوں کا علم اس کا خلاصہ ہے۔ دونوں عالموں کے حالات کا مجموعہ اس کی خبر ہے۔ مطلب عشق ایک وسیع علم ہے جس کا خلاصہ "علم دو جہاں" ہے۔ (۲) میرے اندیشے کے راستے میں سو راہزن بیٹھے ہوئے ہیں۔ آگاہی رکھنے والے دل کا تعویذ اس کی نظر توجہ ہے۔ مطلب۔ خدائے تعالےٰ کی معرفت کے راستے میں شکوک و شبہات کے بے حد رہزن موجود ہیں۔ مگر اس کی شانِ ایزدی کی رہنمائی ہی ان رہزنوں سے حفظ و امان میں رکھتی ہے۔ (۳) اس کی بیگانگی ندامت کے

آنسو پھل لاتی ہے۔ یہ وہی بیج ہے کہ اس کا پھل طوفان ہے۔ (۴) اس کی یاد آنے ری اس کے وصال کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یہ وہ گھر ہے کہ امید اس کا دروازہ ہے۔ (۵) اگر اس کی ناخوشی وہاں سے اُٹھا بھی دے تو پھر بھی وہاں بیٹھا رہ۔ کیونکہ وہ دل جو اس کے تیروں سے نہ ڈرے ڈھال بن جاتا ہے مطلب عشق میں جو قدم آگے بڑھے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے مستقل مزاجی ہی تمام خزانوں کی کلید ہے۔ (۶) اگر کوئی زمزمہ تیری راہزنی کرے تو اس کے پیچھے ہولے۔ کیونکہ جو دل سیدھے راستے سے ہٹ گیا۔ اس کا راستہ اس کی گذرگاہ پر ہے مطلب۔ زمزمۂ عشق جدھر لے جائے چلے جاؤ۔ کیونکہ یہ راہ معرفت پر گامزن ہوگا۔ (۷) نظیری جہاں کے گلستان سے روتا ہوا گیا۔ اس کے جو لالہ خاک سے اُگتا ہے اس کی روتی ہوئی آنکھ ہے۔ مطلب لالے کے پھول کو حدقۂ چشم سے مناسبت ہے۔ اس لئے یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ پھول نہیں بلکہ نظیری کی روتی ہوئی آنکھیں ہیں ۔؎ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں + خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

نشاط عید گدا عجب بادشاہ بشکست — شد از معانقہ چیں بر رخ قبا بشکست
چناں بیک دگر آمیختند شیخ و ندیم — کہ شیشہ مست در آغوش پارسا بشکست
رئیس و قاضی و مفتی برقص برجستند — نشاط نائے و دہل شرم روستا بشکست
مباد از پے جاں بود چشم قربانی — نگاہ تا نرود زاں بساط پا بشکست
دل شکستہ دراں کوئے میکنند درست — چنانکہ خود نشناسی کہ از کجا بشکست
بآب خضر سکندر نبرد ز آئینہ راہ — سفال میکدہ جام جہاں نما بشکست
بفطر روزہ مے داد پیر بادہ فروش — کہ ہم گدا از حسد کاسۂ گدا بشکست
زمانہ طفل طبیعت شد آنقدر کہ ادیب — کمر بہ بست پے شوخی و عصا بشکست
شکست توبۂ ہر کس بقدر حال امروز — نظیری از خم مے صوفی از ہوا بشکست

غزل نمبر ۲۵ ۔ گدا کی عید کی خوشی نے بادشاہ کا تکبر توڑ ڈالا۔ بادشاہ نے گلے ملنے سے قبا کے چہرے پر شکنیں ڈال لیں مطلب۔ عید کے دن گلے ملنے کی رسم ہے۔ اور اس میں امیر و غریب کا سوال ہی نہیں۔ گدا سے مل کر بادشاہ نے اپنی قبا پر شکنیں ڈال لیں۔ اس لئے اس کی خود بینی ٹوٹ گئی۔ (۲) شیخ اور ندیم اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے کہ مستی کی حالت میں شیشہ پارسا کی آغوش میں ٹوٹ گیا۔ مطلب۔ پارسا نے شیشہ بغل میں چھپایا ہوا تھا۔ مگر اثنائے مستی میں اور شیخ و ندیم کی باہمی آمیزش سے وہ چکنا چور ہوگیا۔ اور بھانڈا پھوٹ گیا۔ (۳) رئیس۔ قاضی اور مفتی سب ناچنے لگے۔ بانسری اور ڈھول کی آواز نے دہقانوں کی شرم توڑ ڈالی مطلب۔ دہقان بانسری اور ڈھول بجا کر ناچا کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ آج رئیس قاضی اور

مفتی سب اس طرح رقص میں مصروف ہیں جس طرح دہقانی۔ (۴) شاید قربانی کی آنکھ جان کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس لئے تاکہ نگاہ اس لبساط سے نہ جائے پاؤں توڑ ڈالے۔ مطلب۔ قربانی کے جانور کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ (۵) ٹوٹے ہوئے دلوں کو اس کے کوچے میں اس طرح درست کر دیتے ہیں۔ کہ تو خود نہیں پہچان سکتا کہ کہاں سے ٹوٹا تھا۔ مطلب۔ دل شکستہ کوچۂ معشوق میں درست کر دیا جاتا ہے۔ جو محض التفاتِ معشوق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ (۶) سکندر اپنے آئینہ سے آب حیات کا راستہ نہ پا سکا۔ میخانے کے مٹی کے برتن نے اس کے "جام جہاں نما" کو توڑ ڈالا۔ مطلب۔ عشق کا ادنیٰ سرمایہ بھی دنیا کی شوکت سے بہت زیادہ ہے۔ (۷) بادہ فروش بوڑھے نے روزہ افطار کرانے کے لئے وہ شراب دی کہ گدا نحس سے گدا کا پیالہ توڑ ڈالا۔ مطلب۔ روزہ کی افطاری کے لئے اگر شراب تقسیم کرائی گئی تو گداؤں نے اس کو حاصل کرنے کے لئے اتنا ہجوم کیا کہ آپس میں پیالے ٹکرا ٹکرا کر توڑ ڈالے۔ (۸) زمانے نے اس قدر بچپن کی سی عادت ڈال لی ہے کہ استاد نے خود شوخی پر کمر باندھ لی ہے۔ اور عصا توڑ ڈالا ہے۔ مطلب۔ ادیب کا کام عصا سے شوخ طبیعت بچوں کو درست کرنا ہے۔ مگر آج کل زمانہ خود اس قدر طفل ہو گیا ہے۔ کہ ادیب شوخی پر آمادہ ہیں۔ (۹) آج ہر شخص کے حال کے مطابق اس کی توبہ ٹوٹ گئی۔ نظیری نے شراب کے خُم سے اور صوفی نے خواہشات سے (توڑ ڈالی)۔

خمار مے بلبم قفل زد ایاغ کجاست — کلید میکدہ گم کردہ ام چراغ کجاست
نہ عندلیب غزلخواں نہ شاخ گلخنداں — دریں بہار کسے را دل و دماغ کجاست
شگوفہ را بہ نم ابر جامہ در گرو ست — برہنہ را سر و سامان عیش باغ کجاست
یکے بگرد گلستاں خویش سیری کن — ببیں کہ یک گل بے صد ہزار داغ کجاست
ہزار جنس مرادم بوقت در گرو ست — دمے کہ صاحب وقتے دہد سراغ کجاست
ز شغل کار خودم یک نفس رہائی نیست — مجلتے کہ دہد از خودم فراغ کجاست
بخون دیدہ نظیری لبساز و بادہ مخواہ — برائے راغ مئے ہمچو چشم زاغ کجاست

غزل نمبر ۲۶ - (۱) شراب کے خمار نے میرے لبوں پر قفل لگا دیا ہے (اس کو توڑنے کے لئے) پیالہ کہاں ہے؟ میں نے میکدہ کی چابی کھو دی ہے۔ (اس کو تلاش کرنے کے لئے) چراغ کہاں ہے۔ مطلب۔ خمار کا علاج شراب پینا ہے۔ اس لئے جام کی تلاش کرتا ہے۔ (۲) نہ کوئی عندلیب غزلخواں نظر آتی ہے۔ نہ کوئی پھول کی شاخ کھلی ہوئی ہے۔ اس بہار میں کسی کے دل اور دماغ کہاں ہیں؟ مطلب۔ جب خزاں آجائے تو پھر عشاق کے دل ہوتے ہیں اور نہ دماغ۔ یہ تو سب کچھ لوازماتِ بہار ہیں۔ (۳) شگوفہ کا لباس بادل کی نمی کے پاس گروی ہے۔ باغ کے عیش کی سیر کرنے کے لئے ایک ننگا کیا خیال پکائے۔ مطلب۔ بارش ہو گی تو شگوفے کھلیں گے (گویا اس کا لباس

بارش کا مرہونِ منت ہے۔ (۳) اب جبکہ شگوفہ کے پاس اس کا لباس (پتیاں) ہی نہیں تو برہنہ ہونے کی صورت میں باغ کی سیر وہ کیا کریں۔ (۴) اپنے گلستان کے گرد کبھی سیر بھی کیا کر۔ ذرا دیکھ تو ! ایک پھول بھی دو سو ہزار داغوں کے بغیر کہاں ہے۔ مطلب۔ زمانے میں ہر پھول میں داغ ہیں۔ پھول سے مراد شادیٔ روزگار ہے۔ اور داغ سے مراد غم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر راحت کے بعد ہزاروں غم ہیں۔ (۵) میری مراد کی ہزار جنسیں وقت کے پاس گروی ہیں۔ کوئی وقت کا مالک جو اس دم کا سراغ دے وہ کہاں ہے۔ مطلب۔ "کلّ امرٍ مرھونٍ لاوقاتھا" ہر کام اپنے وقت کا مرہون ہے۔" ع

تا در نرسد وعدۂ ہر کار کہ ہست * سودے ندہد یاریٔ ہر یار کہ ہست (ابوسعید ابوالخیرؒ) لیکن کونسا وقت کسی کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کا پتہ دینے والا کوئی نہیں۔ (۶) مجھے اپنے کام کے شغل سے ایک لحظہ کے لئے بھی رہائی نہیں۔ وہ محبت جو مجھے اپنے آپ سے فراغت دے کہاں ہے۔ مطلب۔ محبت سے وابستہ ہو کر ہر چیز فراموش کر دوں گا۔ حتٰی کہ اپنے آپ کو بھی بھول جاؤں گا۔ (۷) اے نظیری تو اپنے دل کے خون سے ساغرداری کر لے اور شراب کی خواہش نہ کر۔ کیونکہ باغ کے لئے کوّے کی آنکھ (سرخ) جیسی شراب کہاں ہے۔ مطلب۔ شراب موجود نہیں تو خونِ دل پی کر گذارہ کرو۔

گر شرر گر شعلہ ہر جا گشت پیدا آتش ست — چارۂ دل کن کہ با آتش مدار آتش ست
رشک مانع شوق غالب در تو یارب چوں رسم — راہِ عاشق بر میاں ہفت دریا آتش ست
چوں چراغ مردہ از صحبت وے آوردہ ام — از دم خلوت نشینانم تمنّا آتش ست
گر بظاہر کاہلم اما بباطن چابکم — تن اگر خاکست اما دل سراپا آتش ست
گر بکفرستاں بری ایں روئے آتشناک را — برہمن در رقص مے آید کہ حق با آتش ست
از نسیم صبح مے سوزد حریفاں را جمال — نازکاں را بر سراں کوئے سرہا آتش ست
در سلم رسمست ما را دین و دنیا باختن — ہر کرا در سر قماری ہست سودا آتش ست
عاشقی و حسن را در پردہ نتواں داشتن — شعلہ غمازی کند ناچار ہر جا آتش ست
گریۂ گرم نظیری ریگ در وادی گداخت — از سرشکش تا بزانو ورنہ پا آتش ست

غزل نمبر ۲۷۔ (۱) خواہ شرر ہو خواہ شعلہ جہاں کہیں آگ ہو تو اس سے دل کا علاج کر کیونکہ آگ کا علاج آگ سے ہی ہوتا ہے۔ مطلب۔ "علاج بالمثل" ایک طریق علاج ہے۔ خلاف "علاج بالضد" گرمی کا علاج سرد دواؤں سے کرنا مؤخر الذکر۔ اور گرمی کا علاج گرمی سے کرنا اوّل الذکر ہے۔ دل کو اکثر شعرا نے آگ قرار دیا ہے۔ ع "یک پارہ آتش الیست دلش نام کردہ اند"۔ اس کا علاج آتشِ عشق سے ہی ہو سکتا ہے۔ (۲) رشک مانع ہے۔

اور شوق غالب ہے۔ میں تجھ تک کس طرح پہنچ سکتا ہوں۔ عاشق کا راستہ آگ کے ہفت دریا میں ہے مطلب۔ "ہفت دریا" آگ کے سات سمندر راہ معرفت میں حائل ہیں۔ ے
رہرو راہِ محبت کا خدا حافظ ہے۔ اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں۔ (۳) بجھے ہوئے چراغ کی طرح محفل سے میں ایک دل لے کر آیا ہوں۔ اس لئے خلوت نشینوں کے دم سے مجھے آگ کی تمنا ہے (مطلب) میرا دل بجھا ہوا ہے۔ اس لئے خلوت نشینوں سے عشق کی آگ کا متمنی ہوں۔ (۴) اگرچہ بظاہر کاہل ہوں مگر باطن میں بے حد چالاک ہوں۔ میرا جسم خاک کا بھی ہو تو دل سرتاپا آگ ہے (گرمیٔ عشق کی وجہ سے) (۵) اگر تو اس آتشناک چہرے کو کفرستان میں لے جائے تو برہمن ناچنے لگ جائے کہ حق تو آگ کے ساتھ ہے۔ مطلب۔ تیرے آتشناک چہرے کو دیکھ کر آگ کی ربوبیت کا قائل ہو جائے۔ (۶) حریفوں کا جمال نسیم صبح سے بھی جلنے لگتا ہے نازکوں کو تو اس کوچے کی سردی میں بھی آگ محسوس ہوتی ہے۔ (۷) ہماری رسم دین و دنیا مفت ہار دینا ہے۔ جس کسی کے سر میں خمار ہے۔ اس کے سودا کرنا آگ ہے۔ مطلب۔ سوداگرانِ عشق سودا نہیں کرتے بلکہ دین و دنیا مفت دے دیتے ہیں۔ (۸) عاشقی و حسن کو پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ جہاں کہیں بھی آگ ہو شعلہ چغلی کھاتا ہے مطلب۔
عشق اور مشک چھپائے سے نہیں چھپتا۔ جیسے آگ لگیگی تو شعلے اس کا پتہ دیں گے۔ اسی طرح (ع)
چھپتی ہے کہیں چاہنے والے کی نظر بھی۔ (۹) نظیری کے گرم آنسوؤں نے وادی میں ریت بھی پگھلا دی۔ اس کے اشکوں سے پاؤں کے نیچے سے زانوؤں تک آگ ہی آگ ہے۔ مطلب۔ آتش دل رو رو کر آنسوؤں کے راستے بہا کر زانوؤں تک آگ ہی آگ ہو گئی۔

نشست پہلوئے من و ز رقیب جام گرفت ۔۔۔ گل تلافی من رنگ انتقام گرفت
بصد کمند نہ اِستاد غم چو مست شدیم ۔۔۔ در سرائے بہ بستیم راہِ بام گرفت
قضا سمندِ نشاط کرام پیش آورد ۔۔۔ قدر عنان مرا از کف لیام گرفت
معانداں بت پندار جملہ بشکستند ۔۔۔ کہ کار بُت شکنی رونق تمام گرفت
نیافت صبحدم آغوش دست از بر دوست ۔۔۔ تمتعے کہ لب از ذکر ایں پیام گرفت
بجنگ و عربدہ راضی شدم ز شرم برآ ۔۔۔ کہ تیغ غمزہ دگر زنگ در نیام گرفت
نظیری و مے و مطرب گدائے خواہد شد ۔۔۔ فقیہ شہر کہ او عادت کرام گرفت

غزل نمبر ۲۸ ۔ (۱) میرے پہلو میں بیٹھا اور جام رقیب کے ہاتھ سے لیا۔ میری تلافی کے پھول نے انتقام کا رنگ لے لیا۔ مطلب۔ ایسے موقع پر کسی شاعر نے کہا ہے ے
رنجیدن و ز بزم تو رفتن گناہ من + ساغر ز دستِ غیر گرفتن گناہ کیست۔ (۲) جب ہم مست ہو گئے۔ تو سو

کمندیں ڈالنے سے بھی غم نہ ٹھیرا۔ ہم نے سرائے کا دروازہ بند کر لیا تو اس نے چھت کا راستہ لیا۔ مطلب مستِ شرابِ عشق ہو جانے کے بعد غم کا بھلا کیا کام۔ (۳) قضا سختیوں کی خوشی کی سواری لے آئی اور قدرت نے میری باگ کنجوس آدمیوں کے ہاتھ سے لے لی۔ مطلب۔ مَیں شرمندۂ احسانِ "کرام" ہوں۔ اور آزاد "لیام"۔ (۴) دشمنوں نے خودی کے تمام بُت توڑ ڈالے ہیں۔ کیونکہ بُت شکنی کے کام نے پورے طور پر رونق پائی ہے مطلب۔ بُت شکنی کی گرم بازاری ہے۔ اس لئے خودی کا بُت بھی توڑ ڈالا گیا۔ (۵) صبح سویرے دوست نے دوست کی آغوش سے وہ فائدہ حاصل نہ کیا جو ہمارے لبوں نے اس پیام کے ذکر سے حاصل کر لیا۔ مطلب۔ پیامِ یار نے صبح سویرے خوب لذّت دی۔ (۶) ہم تیرے ساتھ جنگ اور پیکار کرنے کے لئے راضی ہو گئے ہیں۔ اس لئے شرم چھوڑ دے۔ کیونکہ غمزہ کی تلوار کو نیام میں زنگ لگ گیا ہے۔ مطلب ہم تیرے غمزہ و ناز کے خواہاں ہیں۔ (۷) نظیری شراب اور گویا موجود ہیں۔ اس لئے شہر کا فقیہہ تو بالکل گدا ہو جائیگا۔ کیونکہ اس نے سخیوں کی سی عادت پیدا کر لی ہے ؛

آں دہد در گریہ پند ما کہ با ما دشمن ست ۔۔۔ ہر کہ میگیرد شناور را بدریا دشمن است

ہر کرا دل از دروں شاد ست با بیروں چکار ۔۔۔ شمع را خلوت نگہبانست و صحرا دشمن است

خود مگر از در درائی ورنہ از ما تا بہ تو ۔۔۔ صد بیابانست و در ہر گام صد جا دشمن است

دل ازاں آزردہ تر داریم کا زارش کنند ۔۔۔ خصمیٔ خود مے کند ہر کس کہ با ما دشمن است

خوں ز چشم کاروانے ریختند در بازارِ مصر ۔۔۔ ہر کرا یوسف بود کالا بسودا دشمن است

تا غمم گردید مونس کلفتم با کس نماند ۔۔۔ دوست چوں ہمخوابہ گردد مُو بر اعضا دشمن است

ہائے ہائے گریہ باید کہ دل خالی کند ۔۔۔ ورنہ چوں در دل گرہ باشد مداد دشمن است

گر بہار آید نظیری در خزاں با من مگو ۔۔۔ خاطرِ مشغول عاشق را تماشا دشمن ست

غزل نمبر ۲۹ ۔ (۱) جب ہم روتے ہیں تو ہمیں نصیحت وہی کرتا ہے جو ہمارا دشمن ہے۔ کیونکہ جو شخص تیراک کو دریا میں پکڑتا ہے وہ اس کا دشمن ہی ہوتا ہے۔ مطلب۔ تیراک کو تیرتے ہوئے پکڑنا اس کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ اسی طرح ہمیں بوقت گریہ نصیحت کرنے والے ہمارے دشمن ہیں۔ (۲) جس کا دل اندرونی طور پر شاد ہے اسے باہر سے کیا کام۔ کیونکہ تنہائی شمع کی نگہبان ہے۔ مگر صحرا اس کا دشمن ہے مطلب۔ شمع گوشۂ خلوت خلوت میں جلتی رہتی ہے۔ لیکن صحرا میں جل ہی نہیں سکتی۔ ہوا کی وجہ سے بجھ جاتی ہے۔ اسی طرح جب سچی خوشی حاصل ہے بیرونی خورمی سے کیا کام؟ (۳) تو شاید خود اندر آ جائے تو خیر ورنہ ہم سے لے کر تجھ تک سو بیابان ہیں اور ہر قدم پر دشمن ہے۔ مطلب۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے خود رہنمائی ہو تو معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ ورنہ بیابان معرفت

بہت وسیع ہے اور قدم قدم پر شکوک داوہام کے رہزن نظر آتے ہیں۔ (۴) ہم تو پہلے ہی آزردہ دل رکھتے ہیں۔ کہ ستانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اس لئے جو ہمارا دشمن بنا ہے وہ اپنا ہی دشمن ہے (۵) مصر کے بازار میں قافلے کی آنکھوں سے خون بہ نکلا۔ دواقعی جس کا سامان سوداگری یوسف ہوتا ہے۔ نفع حاصل کرنا اسکا دشمن ہے مطلب۔ یوسف کو کاروان نے مصر میں بیچا تو سہی مگر روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ۔ حالانکہ عام طور پر تو اچھی قیمت پر سودا ہو جانے سے خوشی ہوتی ہے۔ (۶) جب سے غم میرا مونس بنا ہے مجھے کسی سے کلفت نہیں رہی۔ جب دوست ساتھ سویا ہو تو بدن کے بال بھی دشمن معلوم ہوتے ہیں۔ مطلب۔ انتہائے وصل کے لئے ذرا سا حجاب بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ (۶) حجاب اگر بر کاہست کوہ الوند است (نظیری) (۷) بے حد رونا چاہیے تاکہ دل ہلکا ہو جائے۔ ورنہ جب دل میں گرد پیدا ہو گئی تو اس کا علاج ناممکن ہے مطلب۔ آنسو پی پی کر دل میں گرد بندھ جائیگی تو پھر علاج دل ناممکن ہو جائیگا۔ (۸) اے نظیری! خواہ بہار آئے خواہ خزاں مجھے نہ کہو۔ کیونکہ عاشق کے مصروف دل کے لئے نظارہ دشمن ہے ÷

جز محبت ہر چہ بردم سود در محشر نداشت	دین و دانش عرض کردم کس بچیزے بر نداشت
ہر عمل را اجر سنجیدند در میزان حشر	قیمت چشم پر آبم چشمۂ کوثر نداشت
در دلم از عشق سوزے ماند و ز جاں شعلۂ	ہیزمے را کاتش ما سوخت خاکستر نداشت
در دل او درد ما از نالہ تاثیرے نکرد	برد مرغے نامۂ ما را کہ بال و پر نداشت
شکر کز غم مردم و پیشت نگشتم شرمسار	حال خود ہر چند میگفتم دلت باور نداشت
کاتب اعمال چوں اجر فراقم را نوشت	جز رقم بر وصل دادن چارۂ دیگر نداشت
از دل پر درد جانم را نظیری ریش کرد	کم ز و چارم شد کہ چشمے تا بدامن تر نداشت

غزل نمبر ۳۔ (۱) محبت کے سوا میں جو چیز بھی محشر میں لے کر گیا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ میں نے دین اور عقل پیش کی۔ لیکن اس کو بھی کسی چیز کے بدلے اُس نے نہ اُٹھایا۔ مطلب۔ محبت کے مقابلے پر دین و دانش کی بھی محشر میں قدر نہیں۔ (۲) حشر کے ترازو میں ہر عمل کا بدلہ تول دیا گیا۔ لیکن میری روتی ہوئی آنکھ کی قیمت چشمۂ کوثر بھی نہ دے سکا۔ مطلب۔ عشق میں چشم پرنم بے بہا چیز ہے۔ (۳) میرے دل میں عشق کا نور باقی رہا اور جان سے شعلہ۔ جس ہیزم کو ہماری آگ نے جلایا اس کی راکھ ہی نہیں تھی۔ مطلب۔ عشق کی آگ میں جلنے کے بعد دل و جان کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ (۴) اس کے دل میں ہمارے درد نے گریہ وزاری سے کوئی پیدا نہ کیا ہمارا خط وہ پرندہ لے کر گیا جس کے بال و پر ہی نہ تھے۔ مطلب۔ ہمارے نالہ و بکا میں اثر ہی نہیں اس لئے وہ ایسے ہیں جیسے مرغ نامہ بر جس کے پر ہی نہ ہوں۔ (۵) شکر ہے! میں غم میں مر گیا لیکن تیرے سامنے شرمندہ

تو نہ ہوا۔ دکیونکہ میں تو اپنا حال ہر چند بیان کرتا تھا۔ تو نے باور ہی نہ کیا۔ مطلب۔ اگر تو باور کرتا تو میرے لئے شرمندگی ہوتی۔ (۶) اعمال کے رقم کرنے والا جب اس فراق کا اجر لکھنے لگا۔ تو اس نے سوائے وصل کا فرمان تحریر کرنے کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا۔ مطلب۔ میرے فراق کا بدلہ لذت وصل کے سوا اور کچھ نہیں۔ (۷) نظیری نے اپنے درد بھرے دل کے ساتھ میری جان زخمی کر ڈالی کیونکہ میں اسے داس حالت میں، نہیں ملا کہ اس کی آنکھیں دامنوں تک تر نہ ہوں۔ مطلب۔ میں نے نظیری کو ہمیشہ وقفِ گریہ پایا اس لئے میرے دل میں اثر پیدا ہوا +

بازدل جائے گل دیوانگی بو کردہ است
دیدہ ام از گریہ آبے تازہ در جو کردہ است

خاطرے وارم چناں کز نو بہار دوستی
صد گلستانم پدید از ہر بن مو کردہ است

اے توئی دمساز و حرف ماست چندیں دلپذیر
عشق را نازم کہ موم از آہن و رو کردہ است

از چراغ وصل دل را نور دہ کاینجائے تست
ورنہ با تاریکی ہجراں نظر خو کردہ است

ہر کہ جز خود دید با من آشنا بیگانہ ساخت
عشق تو با دشمن و با دوست یکرو کردہ است

دست و دل بشکن کہ اینجا عاجزی آید بکار
ایں کماں را چاشنی کے زور بازو کردہ است

در مرادِ ما نظیری یاریت کارے نکرد
برہمن زیں بہ دعا در کارِ ہندو کردہ است

غزل نمبر ۱۳۱ ۔ (۱) دل نے پھر کسی جگہ دیوانہ پن کا پھول سونگھ لیا ہے۔ اور میری آنکھوں نے پانی نہر میں واپس لے لیا ہے۔ مطلب۔ محاورہ ہے "آب رفتہ در جوئے نمی آید" گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ نظیری کہتا ہے کہ عشق میں دیوانگی پھر بڑھ گئی ہے۔ اور آنکھیں جو کہ رو رو کر سوکھ گئی تھیں اُن میں آنسو پھر اُمنڈ آئے ہیں۔ (۲) میرا دل ایسا ہے کہ دوستی کی نو بہار سے اس نے ہر بال کی جڑ سے سو گلستان پیدا کر لئے ہیں۔ (۳) ادھر تو میرے موافق ہے اور میری باتیں اس قدر دلپذیر ہیں؟ میں اپنے عشق پر ناز کرتا ہوں جس نے لوہے اور کانسی کو موم کر دیا ہے۔ مطلب۔ عاشق معشوق کو محو التفات دیکھتا ہے اور اپنی باتوں کا اثر ملاحظہ کرتا ہے تو بے اختیار اپنے عشق کی داد دیتا ہے۔ کہ اس نے سنگدل معشوق کو موم بنا دیا۔ (۴) تو اپنے وصل کے چراغ سے دل کو منور کر کیونکہ یہ تیری قیام گاہ ہے۔ ورنہ (اپنی تو یہ حالت ہے) کہ نظر نے ہجر کی تاریکی میں رہنے کی، عادت ڈال لی ہے۔ مطلب۔ دل میں نور اس لئے چاہتا ہوں کہ یہ تیری قیام گاہ ہے۔ ورنہ میرے لئے تو تاریکی اور نور یکساں ہے۔ (۵) عشق نے میرے سوائے جس کو بھی دیکھا اس کو آشنا سے بیگانہ بنا دیا۔ گویا مجھے دشمن اور دوست کے ساتھ یکساں کر دیا۔ مطلب۔ تیرے عشق نے مجھے دشمنی و دوستی سے بے نیاز کر دیا۔ (۶) دل اور ہاتھ توڑ ڈالا۔ کیونکہ یہاں عاجزی کام آتی ہے۔ اس

کمان کو چلتے چڑھانا زورِ بازو سے کب ممکن ہوا ہے یمطلب عشق میں عجز کام آتا ہے نہ کہ غرور و تمکنت ؟ (۸) اے نظیری! تیری دوستی ہماری مراد بر لانے میں تو کوئی کام نہ آئی۔ اس سے بہتر تو برہمن نے ہندو کے لئے دعا کی ہے یمطلب۔ برہمن اپنے پیرو ہندوؤں کے لئے ایسی دعا کر دیتا ہے جو زیادہ کار آمد ہو۔ لیکن نظیری کی دوستی نے ہمارے لئے تو کچھ بھی نہ کیا *

آنچہ رحم از دل برد تاثیر فریادِ من ست وآنچہ نسیاں آورد خاصیّت یادِ من ست
ساختن ممنون دیدار و بحسرت سوختن از تصرف ہائے حرمان خدادادِ من ست
حرف عاشق بیزبانی شکوۂ دل عاجزیست آنچہ ہرگز آشنا بالب نشد دادِ من ست
نیست در عالم تمنّا ئے کہ از قیدم نجست ہر کجا بینی ہوائے صید آزادِ من ست
مضطرب دارم چرا دل در رہ آوارگی پشتِ توفیق و توکّل خستہ زادِ من ست
آں شکارم من کہ لائق ہم بکشتن نیستم شرم مے آید مرا زاں کس کہ صیّادِ من ست
خشم مرد و شکوہ رفت اکنوں زشستِ عشق تو آرزو غلطاں بخوں در محنت آبادِ من ست
کارِ دشوارِ نظیری گریہ مے آرد کہ او شاد از تدبیر ہائے سست بنیادِ من ست

غزل نمبر ۳۲۔ (۱) جو چیز دل سے رحم نکال لیتی ہے۔ وہ میری فریاد ہے اور جو چیز نسیان لاتی ہے وہ میری یاد کی خصوصیت ہے یمطلب۔ میری فریاد دل سے رحم نکالتی ہے اور میری یاد نسیان لاتی ہے۔ (۲) دیدار کا ممنون بنانا اور پھر حسرت سے جلانا یہ میرے خداداد فراق کے کاموں میں سے ہے۔ مطلب۔ اُمید دلا دلا کر مارنا یہ میرے فراق کا کام ہے۔ (۳) عاشق کی باتیں "خاموشی" ہیں۔ اور اس کے دل کا شکوہ عاجزی ہے۔ جو چیز کبھی لبوں سے آشنا نہ ہوئی وہ میری داد تو ہے ؎ خموشی کا کہا سب حال اشکوں نے زباں ہو کر * مری آنکھوں سے حسرت پھوٹ نکلی داستاں ہو کر (۴) زمانے میں کوئی ایسی تمنا نہیں جو میری قید سے نکلی نہ ہو۔ تو جہاں کہیں بھی کوئی آرزو دیکھے اس کو میرا آزاد کیا ہوا شکار سمجھ لے یمطلب۔ تمام آرزوئیں اور تمنائیں کبھی ہم رکھتے تھے لیکن پوری نہ ہونے کی وجہ سے اب آزاد ہو چکی ہیں (۵) میں آوارگی میں اپنے دل کو کیوں پریشان رکھوں۔ توکل اور توفیق کی پیٹھ تو میرے توشے سے تھک چکی ہے۔ مطلب۔ توفیق و توکل پر ایک مدت سے تکیہ کئے ہوں۔ (۶) میں وہ شکار ہوں جو مارے جانے کے لائق بھی نہیں ہوں۔ مجھے اس شخص سے شرم آ رہی ہے جو میرا شکاری بنا ہے۔ مطلب۔ اپنی بے مائیگی پر افسوس کرتا ہے (۷) غصہ مر چکا۔ شکایت نکل چکی۔ اب آرزو میرے محنت آباد دل میں تیرے عشق کے نشان سے تڑپ رہی ہے۔ مطلب۔ میری آرزو شہید عشق ہے۔ (۸) نظیری کا مشکل کام ہمیں رُلاتا ہے۔ کیونکہ وہ میری سست بنیاد تدبیروں پر ہی خوش ہے *

شهر ویراں شدهٔ گریهٔ مستانهٔ ماست — هر کجا هست غمے در بدر از خانهٔ ماست
از همه سوره بیغولهٔ صحرا بستند — هر کرا مے نگری در پے دیوانهٔ ماست
بال و پر سوخته هر یک بکنارے رفتند — آنکه ناید بدر از بزم تو پروانهٔ ماست
بتماشائے جهاں باز نمانیم از تو — آنچه دام دگراں ساختهٔ دانهٔ ماست
بسر باده فروشاں که بمسجد نرویم — تا بمیخانه نمے در تهِ پیمانهٔ ماست
ما که خورشید پرستیم به محفل چه کنیم — آفتاب از همه جا روئے بویرانهٔ ماست
خواب ما را بصد افسوں و نگه مے بندند — جادواں را همه جا گوش بر افسانهٔ ماست
تا کے از موعظتِ خلوتیاں مے شنویم — هوش ما محو تماشا گهِ جانانهٔ ماست
صحن و دیوار و در و بام نظیری امشب — همه در وجد و سماع اند که در خانهٔ ماست

غزل نمبر ۳۳۔ (۱) شہر ہمارے مستانہ گریہ کی وجہ سے ویران ہو چکا ہے۔ جہاں کہیں بھی غم ہے۔ یہ ہمارے ہی گھر سے نکلا ہؤا ہے۔ مطلب مسلسل رونے سے شہر ویران ہو چکا ہے۔ (۲) ہر طرف سے صحرا کی پگڈنڈی کا ناکہ بند کیا ہؤا ہے۔ جس کو بھی دیکھو ہمارے دیوانہ کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہے۔ مطلب۔ دیوانۂ عشق صحرا کو نکلا ہے۔ تو ہر شخص اس کے پیچھے ہو لیا۔ اور ادھر کا راستہ بند کر کے کھڑے ہو گئے

گھر سے جنگل کی طرف جب تیرا دیوانہ چلا + ساتھ میں روتا ہؤا ہر اپنا بیگانہ چلا۔ (حشر کاشمیری) (۳) ہر پروانہ اپنے بال و پر جلا کر ایک طرف ہو گیا۔ لیکن جو ہرگز ہرگز تیری محفل سے باہر نہیں آتا وہ ہمارا پروانہ ہے مطلب۔ ہم عشق میں پختہ ہیں۔ (۴) ہم جہان کے تماشہ میں تجھ سے الگ نہیں ہو گئے۔ جو تو نے دوسروں کے لئے جال بنایا ہے۔ وہ ہمارے لئے دانہ ہے مطلب۔ لوگ موجودات کے تماشا میں محو ہو کر خلاقِ عالم کو بھول جاتے ہیں مگر ہم ایسے نہیں۔ (۵) شراب فروشوں کے سر کی قسم! میں ہرگز اس وقت تک مسجد کی طرف نہیں جاؤنگا جب تک میخانے میں ہمارے پیمانے کے نیچے ذراسی نم بھی باقی ہے مطلب۔ جب تک شراب موجود ہے مسجد سے کیا کام؟ (۶) ہم تو "خورشید پرست" ہیں ہمیں محفل سے کیا واسطہ؟ آفتاب ہر طرف سے ہمارے ویرانے کا رخ کئے ہے۔ (۷) جادوگر ہر جگہ ہمارا افسانہ سنتے ہیں۔ تو ہزار قسم کے جادوؤں اور نگاہوں سے ہماری خواب بندی کرتے ہیں۔ (۸) ہم کب تک خلوت پسندوں کے وعظ سنتے رہیں۔ ہمارا ہوش تو معشوق کی تماشہ گاہ میں محو ہے مطلب۔ بندۂ عشق کو نصائح سے کیا کام؟ (۹) اے نظیری! آج ہمارے گھر میں کون ہے۔ کہ صحن۔ دیوار اور چھت سب آج رات وجد و سماع میں مشغول ہیں +

پیش مشتاق تو ویرانه و آباد یکے ست — هر طرف راه فتد کوفه و بغداد یکیست

بحریم دل شیریں نبود صفِ نعال　　　عشق چوں بار دہد خسرو و فرہاد یکیست
ماکہ تسلیم بشمشیر ارادت شدہ ایم　　　پیش ما بیمددے کردن و امداد یکیست
در براغیار مبندید کہ در گلشنِ ما　　　شانۂ باد و سر طرہ شمشاد یکیست
پابگل ماندہ اگر گلبن اگر خاربن است　　　باغ را سرو خرامندہ و شمشاد یکیست
بتو زاری و توانائیِ ما در نگرفت　　　موم در پنجۂ عشق تو و فولاد یکیست
نیم بسمل شدہ ماندیم نظیریؔ افسوس　　　صید بر یکدگر افتادہ و صیاد یکیست

غزل نمبر ۴۳ - (۱) تیرے مشتاق کے سامنے تو آبادی اور ویرانہ ایک ہے جس طرف بھی راستہ نکلے اس کے لئے کوفہ و بغداد ایک ہے مطلب۔ کوفہ ویران ہے اور بغداد آباد ہے۔ اور مشتاقانِ عشق کے لئے دونوں برابر ہیں۔ ؎ وہ تو دیوانہ ہے بستی ہیں رہے یا نہ رہے + یہ ضروری ہے حجابِ رُخِ جاناں نہ رہے۔ (۲) شیریں کے دل کی چاردیواری میں جوتیوں کی صف (آخری صف) ہوتی ہی نہیں۔ جب عشق پھل لاتا ہے خسرو اور فرہاد ایک ہوجاتا ہے مطلب عشق ہیں فراق مراتب نہیں۔ خسرو دولتمند عاشق، اور فرہاد غریب ودولہ عاشق، دونوں شیریں کے لئے برابر ہیں۔ (۳) ہم جو کہ ارادت کی شمشیر کا شکار ہوچکے ہیں۔ ہمارے لئے امداد کرنا یا نہ کرنا مساوی ہے مطلب۔ ہم نے معشوق حقیقی کے سامنے سر تسلیم خم کردیا ہے۔ (۴) اغیار پر دروازہ بند نہ کرو کیونکہ ہمارے گلشن ہیں ہوا کی کنگھی اور شمشاد کی زلفیں ایک ہی ہیں مطلب۔ ہمارے گلشن میں دوست و دشمن سب کو آنے کی اجازت ہے۔ (ہوا دشمنِ گلشن ہے۔ کیونکہ طرۂ شمشاد کھول ڈالتی ہے (۵) خواہ گلزار ہو یا کانٹے پابگل ہیں۔ باغ کے لئے ٹہلنے والا سرو اور شمشاد ایک ہیں۔ (۶) ہماری عاجزی اور توانائی تجھ پر کوئی بھی کارگر نہ ہوئی۔ تیرے عشق کے پنجے میں فولاد اور موم سب برابر ہیں۔ (۷) اے نظیری ہم آدھ موئے ہوکر رہ گئے۔ شکار تو ایک ایک پر گرا پڑتا ہے۔ مگر شکاری ایک ہی ہے مطلب۔ معشوق کے چاہنے والے بےحد ہیں۔ وہ کس کس کو مارے۔ اس لئے نیم بسمل پڑے ہیں۔ ؎

گلہ کیسے ہے کہ قاتل نے نیم جاں چھوڑا　　　تڑپ تڑپ کے نکالوں گا حوصلہ دل کا

درخون دیدہ گشتہ تنم بسملِ تو نیست　　　زیں مرحمت ملاف کہ کار دل تو نیست
از آبگینہ حوصلۂ ما تنک تر است　　　صبر از دلے طلب کہ در منزل تو نیست
گویا دواندہ ریشہ نہال محبتم　　　مے بینم از تو آنچہ در آب و گل تو نیست
زیں پیش شیشۂ دل ما ہم ز سنگ بود　　　بے نسبت آشنا دل ما با دل تو نیست
بے یار ماندہ روئے تو از بیم خوئے تو　　　ورنہ کدام کس کہ دلش مائل تو نیست

پروانۂ نسوختہ در محفل تو نیست | بس جانگداز میگذرد سر گذشت شمع
این بس کہ دعوئی از طرفِ قاتل تو نیست | خون ترا چہ قدر نظیری خموش باش

غزل نمبر ۳۵ ۔ (۱) میرا جسم جو آنکھوں کے خون میں لت پت پڑا ہے نیم البسمل کیا ہوا نہیں ہے۔ تو اس رحم پر لاف زنی نہ کر۔ کہ رحم کرنا تیرے دل کا کام ہے ہی نہیں۔ (۲) شیشے سے بھی زیادہ ہمارا حوصلہ کم ہے تو صبر اُس دل سے طلب کر جس میں تیری منزل نہ ہو۔ (۳) شاید میری محبت کے نہال نے جڑیں پھیلا دی ہیں۔ کیونکہ میں تجھ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تیری فطرت میں نہیں ہے۔ مطلب۔ معشوق ذرا محبت و پیار کا اظہار کرنے لگا ہے۔ تو خیال یہ پیدا ہوا ہے کہ شاید میری محبت کا اثر ہونے لگا ہے

یہ گریۂ پس دیوار کا اثر دیکھو ٭ کہ اس کی بزم سے روتے ہوئے عدو آئے۔ (۴) اس سے قبل ہمارا شیشہ دل بھی پتھر کا تھا۔ ہمارا دل تیرے دل کے ساتھ بغیر نسبت کے آشنا نہیں۔ مطلب۔ عاشق ہونے سے قبل ہم بھی سنگدل تھے۔ مگر عشق نے بل نکال دیئے ہیں۔ اب تو سنگدل ہے تو ہمارا دل اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ۔ (ع) کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ یہ اس سے فطری نسبت رکھتا ہے۔ (۵) تیرا چہرہ تیری خوئے (بد) کی وجہ سے بے یار رہ گیا ہے۔ ورنہ کون سا ایسا دل ہے جو تجھ پر مائل نہ ہو۔ مطلب۔ تیرا حُسن تو اس قابل ہے کہ ہر شخص اس پر فریفتہ ہو مگر تیری سنگدلی نے سب کو برگشتہ کر دیا ہے۔ (۶) شمع کی سر گذشت بے حد جانگداز ہے۔ اسے سن کر کوئی پروانہ تیری محفل میں ایسا نہیں جو جل نہ گیا ہو (۷) اے نظیری تیرے خون کی قدر و قیمت ہو ہی کیا سکتی ہے۔ تو خاموش ہو جا۔ یہی غنیمت سمجھ کہ تیرے قاتل کی طرف سے تجھ پر دعوئی نہیں ہوا۔

سطرے از غیر نیامد کہ کتابے ننوشت | آنکہ صد نامۂ ما خواند و جوابے ننوشت
گر بما نامہ رواں گرد عتابے ننوشت | شمع بے شعلہ بہ پروانہ فرستاد آں دست
دم آبے نگرفتم کہ شتابے ننوشت | ہمہ جا شوق تو لب تشنہ بر آہیم آورد
کہ فریب سر خارش لب سرابے ننوشت | کف پائے برہِ بادیہ ام ریش نشد
در رہ عشق کہ گنجے بخرابے ننوشت | قدمے ننادہم از منزل سامان بیروں
حرز حسن تو بہر مشک وگلابے ننوشت | آشنا آہ از درِ این مدرسہ بردم کہ ادیب
قصۂ بر سرِ منقار عقابے ننوشت | سینہ ریش ازیں راز نگر دید کہ عشق
ہیچکس نظم تو بر طرفِ نقابے ننوشت | عقدہ ور چند نظیری بہوس نظم کنی

غزل نمبر ۳۶ ۔ وہ جس نے ہمارے سو خطوط پڑھ ڈالے۔ اور ایک کا بھی جواب نہ لکھا ہم یہ خط

اس کی طرف لکھ رہے ہیں) اور جسے غیر کی طرف سے ایک سطر بھی ایسی نہیں آئی جس کے جواب میں اس نے کتاب نہ لکھ ڈالی ہو۔ مطلب۔ وہ معشوق جو غیروں پر نوازش کرتا ہے۔ اور ہمیں خط کا جواب ہی نہیں دیتا۔ (۲) اس دوست نے ایک بے شعلہ شمع پروانے کی طرف بھیجی۔ اگر ہمیں خط بھیجا اور اس میں عتاب آمیز باتیں نہ لکھی ہوں۔ مطلب۔ اس کا عتاب نامہ ہمارے لئے اچھا ہے۔ اور اس کے بغیر جو خط بھی ہے وہ پروانے کے لئے شمع بے شعلہ کی مانند ہے۔ (۳) ہر جگہ تیرا شوق مجھے پیاسا ہی راستے پر لئے چلا گیا۔ میں نے ایک گھونٹ بھی نہ پیا کہ (تیری طرف سے) جلدی کا حکم نہ آگیا ہو۔ (۴) میرے بیابان کے راستے میں کوئی کف پا ایسی زخمی نہ ہؤا کہ کسی کانٹے کی نوک کے فریب نے اسے سراب کی طرف نہ رقم کیا ہو۔ (۵) میں سامان کی منزل سے ایک قدم بھی باہر نہ نکال سکا۔ (کیونکہ) عشق کے راستے میں کونسا ایسا خزانہ ہے۔ جو ویرانے میں نہ ہو۔ (۶) میں اس مدرسے سے آنسو اور آہیں لے گیا ہوں۔ کیونکہ ہمارے اُستاد نے میرے حُسن کا تعویذ ہر مشک وگلاب سے نہیں لکھا۔ مطلب۔ تعویذ مشک وگلاب سے لکھا جاتا ہے عاشق کہتا ہے کہ اس معشوق کا حرزِ حُسن عام مشک وگلاب سے نہیں بلکہ میرے آنسوؤں کے گلاب اور آہوں کی مشک سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ (۷) سینہ کسی ایسے راز سے مجروح نہیں ہؤا کہ عشق نے اس کا قصہ عقاب کی چونچ پر نہ لکھا ہو۔ مطلب۔ سینہ ایسے راز سے مجروح ہؤا ہے جس کا قصہ بہت بلند ہے۔ (عقاب بلند پروازی کے لئے مشہور ہے) (۸) اے نظیری! تو کب تک موتیوں کی لڑیاں ہوس میں پروتا رہیگا۔ کسی نے تیری نظم کو نقاب کے گوشے پر بھی نہیں لکھا۔ مطلب۔ تیرا کلام تو کسی نے پسند ہی نہیں کیا۔

یک آہِ گرم صیقل زنگارِ عالم است
موقوفِ لب کشودن ما کارِ عالم است

مشاطۂ فراقِ تو بر چہرہ ام سرشت
خونابۂ کہ گونۂ رخسارِ عالم است

خود رائی خیالِ تو از دیدہ ام رماند
آں معنئ کہ قبلۂ گفتارِ عالم است

برمن شبِ فراق شد از جرمِ ناکسے
صبحے کہ طالع از در و دیوارِ عالم است

صیادئ کرشمۂ تو دانہ نفگند
در دامِ ہر نگہ کہ نہ پرکارِ عالم است

ایں عیب و عارِ عشق و ہنر را کجا برم
کانم نمے خرد کہ خریدارِ عالم است

حور و کنار کوثر و رضوان و صحنِ خلد
ماۂ جمالِ یار کہ گلزارِ عالم است

تا یک دلت پسند کند قرب او مجوے
سرمایۂ قبول در انکارِ عالم است

گر پیر سالکی خبر از طفلِ راہ پرس
شرم از طلب مدار کہ زنارِ عالم است

دانائی فریب تو معنی نپرورد — درضمن نکتۂ کہ نہ اسرار عالم است
قانون شکوہ چند نظیری نوا کنی — ایں نغمۂ تو باعثِ آزاد عالم است

غزل نمبر ۳۷ - (۱) ایک گرم آہ دنیا کے زنگار دور کرنے کے لئے صیقل ہے - گویا عالم کا کام ہمارے لب کھولنے پر موقوف ہے - مطلب - ادھر ہم نے ایک آہ کھینچی ادھر دنیا منور ہوئی - (۲) تیرے فراق کی مشاطہ نے میرے چہرے پر وہ خون مل دیا جو دنیا کے رخسار کے لئے غازہ ہے - (۳) تیرے خیال کی خودسری نے میری آنکھوں سے وہ معنی اڑا دیئے جو کہ عالم کی گفتار کے لئے قبلہ ہیں - مطلب - تمام مطالب میرے دماغ میں سے نکل گئے - (۴) وہ صبح جو کہ عالم کے در و دیوار سے طلوع کر رہی ہے - میری کمبختی کی وجہ سے شب فراق بن گئی - (۵) تیرے کرشموں کی صیادی نے ہر ایسی نگاہ کے جال میں دانہ نہیں پھینکا جو عالم کی پرکار نہ ہو - مطلب - صرف ایسی نگاہ کو متوجہ کیا - جو عالم کو احاطہ کئے ہوئے ہے - (پرکار کے دائرے کی طرح) (۶) اپنے عشق اور ہنر کے عیب اور شرم کو کہاں لے جاؤں - کیونکہ اسے تو وہ بھی نہیں خریدتا جو ایک عالم کا خریدار ہے - (۷) حوریں ہیں اور کوثر کا کنارہ - رضوان اور خلد کا صحن بھی (موجود ہے) (مگر پھر بھی ہم ہیں اور یار کا جمال کہ یہی (ہمارے لئے) عالم کا گلزار ہے - ع

سارے جہاں کے خوبرو تیری قسم ترے سوا + کھبتے نہیں نگاہ میں اپنی نظر کو کیا کہوں - (۸) جب تک تجھے ایک دل بھی (دنیا کا کوئی انسان بھی) پسند کرتا ہے - اس کا قرب تلاش نہ کر - کیونکہ اس کے قبول کا سرمایہ عالم کے انکار میں ہے - مطلب - اگر تمام دنیا تجھے ٹھکرا دے تو تو معشوق حقیقی کی قبولیت کا شرف پائیگا -

(۹) اگر تو بڑھا سالار بھی ہے تو راستہ چلنے والے بچے سے پتہ پوچھ لے - تو طلب میں شرم نہ کر - کیونکہ یہ زمانے میں ذرہ کی طرح ہے مطلب - راہِ معرفت میں تجربہ کار ہونے کے باوجود دوسروں سے (خواہ وہ بچے ہی کیوں نہ ہوں) راستہ دریافت کر لینے میں کوئی ہرج نہیں " یہ نہ دیکھو کہ کون کہتا ہے - یہ دیکھو کہ کیا کہتا ہے" (۱۰) تیرے فریب کی دانائی کسی ایسے نکتے میں معنی پیدا ہی نہیں کرتی جو عالم کے رازوں میں سے نہ ہو - (۱۱) اے نظیری - تو کب تک شکووں کا قانون کھولے رہیگا - تیرا یہ نغمہ تو زمانے کے لئے تکلیف کا باعث ہے - مطلب - تیرے گلے شکوے زمانے کے لئے تکلیف کا باعث ہیں +

زہے نسخۂ آفرینش جمالت — نکت یاب مجموعۂ گل خیالت
بفطرت زبونی نگاہد زبونت — زظلمت بروں نہ باشد زوالت
ہمیشہ حق از قول درایتو روشن — بپوشیدہ موج حوادث نوالت
بحد خرد وہست پرواز ہرتن — تو روحی خرد پرد از پر و بالت

همه وجد با صوفیاں راز قولت | همه حالها قدسیاں راز حالت
باعجاز قولت که ایماں نیارد | حلالت بود خون منکر حلالت
بباطن ترا دیده آدم مقدم | زصدر جناں شد بصف نعالت
به پیر امنت سایه ظاهر نگردد | که خور گشته طالع فراز نهالت
بحسن تو نقاش نقشے نیارد | که صنعت گری ختم شد بر کمالت
تواں گفت لیس کمثله بشانت | که در غیب نبود مثال مثالت
نظیری چناں ساز صافی سخن را | که روح نبی خوش شود از مقالت

غزل نمبر ۳۰۸ - (۱) مبارک ہے آپ کا جمال! جو موجودات (کی پیدائش) کا مجموعہ ہے - آپ کا خیال کل کے مجموعے کے نکات سمجھنے والا ہے - مطلب - اوّل ما خلق اللہ نوری - خدائے تعالےٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا - اُس پاک نور سے پھر تمام دنیا پیدا ہوئی - (۲) آپ فطرت میں زیادہ ہیں اور آپ کا نور کبھی کم نہیں ہوتا - آپ ظلمت سے الگ ہیں - اس لئے آپ کو زوال ہی نہیں ہو سکتا - (۳) آپ کے قول اور رائے سے حق ہمیشہ روشن ہے - آپ کے صاف پانی نے حوادث کی موج کو چھپا لیا ہے (۴) ہر شخص کی پرواز عقل کی حد تک ہے - مگر تو روح ہے - اس لئے عقل تیرے پر و بال سے اُڑتی ہے - مطلب - تو عقل سے بھی زیادہ بلند ہے - (۵) صوفیوں کا وجد آپ کے قول ہی سے ہے - اور فرشتوں کا حال بھی آپ ہی کی حالت سے ہے - مطلب - صوفیاء اور فرشتے سب آپ کے قول و حال سے مستفید ہو چکے ہیں - (۶) آپ کے قول پر کون ایمان نہیں لاتا - آپ کے منکر کا خون (بہانا) حلال ہے - (۷) آدم نے باطن میں تجھے اپنے آپ سے مقدم دیکھ لیا - اس لئے وہ جنت کے صدر مقام سے جوتیوں کی صف میں ہو بیٹھا - مطلب - جب آدم نے یہ معلوم کیا کہ پہلے آپ کا نور بنایا گیا ہے - تو وہ آخری صف میں ہو بیٹھے - (۸) آپ کے جسم کا سایہ ظاہر ہی نہیں ہوتا کیونکہ سورج (آفتاب نبوت) آپ کے قد کے عین اوپر چمک رہا تھا - مطلب - یہ مسلمہ امر ہے - کہ آپ کے قد مبارک کا سایہ ہی نہیں تھا - بعض اس کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ چونکہ آپ سرتاپا نور تھے اور نور کا سایہ ہو ہی نہیں سکتا - نظیری کہتا ہے - کہ چونکہ آفتاب نبوت آپ کے عین سر پر چمکتا تھا - اس لئے سایہ ظاہر نہیں ہوتا تھا - (۹) آپ کے حسن کی مانند نقاش کوئی نقش پیدا ہی نہیں کرتا - کیونکہ صنعت گری آپ کے کمال پر ختم ہو چکی ہے - (۱۰) آپ کی شان میں کہا جا سکتا ہے کہ "اس کی طرح اور کوئی نہیں" - اور غیب میں بھی آپ کی مانند کوئی نہ تھا - (۱۱) اے نظیری تو اپنے اشعار کو اس طرح صاف بنائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تیری باتوں سے خوش ہو +

گر کند گیتی وفائے با وفاداراں خوش است　　زندگانی با عزیزاں عیش با یاراں خوش است

محنتِ شب گیر با شوق حرم دشوار نیست　　گر بیادت بگذرد شبہائے بیداراں خوش است

نرگس شوخ تو مست از نالۂ شب خیز ماست　　میفروشاں را سر از غوغائے میخواراں خوش است

مال و عصمت از زلیخا بد دریں سودا نباخت　　ماہ کنعان بردن از خیل خریداراں خوش است

فرجہ نگذاشت گردوں تا ازاں بیروں روم　　پیر کودک دل چہ با قید گرفتاراں خوش است

ذوق با مرغان پراند مرغ نو پرواز را　　کہ بکوئے دوست رفتن با ہواداراں خوش است

حیرتم نیکو ز استیلائے عشق آزاد ساخت　　چوں مرض طغیاں نماید خواب بیداراں خوش است

ساقی گلرنگ باید ساغرِ گل رنگ را　　مے پرستاراں را نظر بر لالہ رخساراں خوش است

غرق طوفاں شد نظیری ہر کہ دل دریاں بست　　رخت بیروں دہ کہ کشتی سبکساراں خوش است

غزل نمبر ۳۹ ۔ (۱) اگر زمانہ وفاداروں کے ساتھ وفا کرے تو اچھا ہے۔ زندگی دوستوں کے ساتھ اور عیش یاروں کے ساتھ ہی اچھے ہوتے ہیں۔ (۲) راتوں کی محنت حرم کے شوق کی موجودگی میں مشکل نہیں ہوتی۔ اگر تیری یاد میں گذریں تو راتوں کو جاگنے والوں کی راتیں اچھی ہیں۔ مطلب۔ بیداری اسی وقت اچھی ہوتی ہے جبکہ خدا تعالیٰ کی یاد میں ہو۔ (۳) تیری شوخ نرگس (آنکھ) ہمارے راتوں کو اُٹھنے والے نالوں ہی سے مست ہے۔ مے فروشوں کے لئے شراب خوروں کا شور و غوغا ہی اچھا ہے۔ (۴) زلیخا نے اپنا مال اور عصمت اس سودے میں بُرا نہیں ہارا۔ کیونکہ خریداروں کے گروہ سے یوسف ؑ کو خرید لے جانا ہی بہتر ہے۔ مطلب۔ یوسف ؑ کو خریدنے کے لئے تو تمام شہر اُمنڈ کر آ گیا تھا۔ اگر زلیخا نے مال دے کر ان کو خرید لیا اور پھر عشق و محبت کرنے لگی تو یہ سودا کوئی گھاٹے کا نہ تھا۔ (۵) آسمان نے کوئی سوراخ نہیں چھوڑا کہ میں اُس میں باہر نکل سکوں یہ بچوں کی سی طبیعت والا بوڑھا گرفتاروں کی قید پر کس قدر خوش ہے۔ مطلب۔ آسمان نے ہمیں گرفتار کر رکھا ہے اور رہائی کی کوئی صورت ہی نہیں۔ (۶) نو پرواز پرندے کو شوق دوسرے پرندوں کے ساتھ اُڑاتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی دوسرے عشاق کے ساتھ دوست کے کوچے میں جانا اچھا ہے۔ (۷) حیرت نے مجھے عشق کے غلبہ سے خوب رہائی دلا دی۔ (یہاں) جب مرض زور پکڑتی ہے۔ تو بیماروں کا سونا ہی اچھا ہے مطلب۔ مرض کی زیادتی میں مریض کا سونا کمی مرض کا باعث ہے۔ اسی طرح عشق میں حیرت نے بڑھ کر مجھے غلبۂ عشق کے احساس سے رہائی دلائی۔ (۸) گل رنگ پیالے کے لئے ساقی بھی گل رنگ ہی چاہیے کیونکہ شراب پینے والوں کی نظر میں لالہ رنگ معشوق کے چہرے پر ہی اچھی ہیں۔ مطلب۔ شراب پلانے کے لئے ساقی بھی خوبصورت درکار ہیں۔ اور اس کا لطف کچھ اہل ذوق ہی سمجھتے ہیں۔ (۹) جس نے بھی مال میں دل لگایا وہ طوفان میں غرق ہو گیا

اس لئے اے نظیری تو اپنا اسباب باہر پھینک دے۔ کیونکہ کشتی ہلکی ہی تو اچھی ہے۔ مطلب۔ مال و جاہ دنیوی حرص و آز کے طوفان میں غرق کر دیتے ہیں۔ اس لئے آخرت کے لئے کشتی اس بوجھ سے پاک ہی تو اچھی ہے

جزائے حسن عمل در شریعت عربیست　　بعرف عفو نکردن گناہ بے ادبی ست
سود دل ز مے سال خوردہ روشن کن　　کہ عینک بصرش ز آبگینۂ حلبی ست
قبول بے ہنراں ز التفات معشوق ست　　عنایت ازلی را نشانہ بے سببی است
جمال حال شود ترجمان استحقاق　　دلیل آب جگر تفتگی و تشنہ لبی است
ز من مشاطۂ لبستاں صداق مے طلبد　　ہنوز دختر رز در سراچۂ عنبی است
مگو کہ رفتم و قسمت نبود دریابم　　کہ نا رسیدن سالک نشان بے طلبی است
ز دست روی مگرداں و تن لبفرمان دہ　　کہ ہر کہ صاحب ایں حال شد ولی وہبی است
خلاف رسم دریں عہد خرق عادت داں　　کہ کارہائے چنیں از شمار بو العجبی است
شب سیاہ صباح سفید مے آرد　　چراغ مطلب از دودمان بولہبی است
بہ تیغ قطع ارادت نمے شود مارا　　خلوص بندگی ما شرافت نسبی است
مگو ز دوست ملالت بود نظیری را　　کہ مستی سحری از نیاز نیم شبی است

غزل نمبر ۴۸۔ (۱) اچھے عمل کی جزاء عربی شریعت ہی میں نظر آتی ہے (خوب ملتی ہے) (اس میں) عام طور پر کسی کا گناہ معاف نہ کرنا ہی بے ادبی ہے۔ مطلب۔ شریعت اسلامی ہی جزائے حسن عمل دیتی ہے۔ اس میں مسلمہ ہے کہ گناہ سے تائب ایسا ہو گویا اس نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ (۲) دل سیاہ نشان کو پرانی شراب سے روشن کر۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کے لئے حلب کے شیشے ہی سے عینک بن سکتی ہے۔ مطلب۔ دل کی روشنی کے لئے شراب عشق کی ضرورت ہے۔ (یہ یاد رہے کہ حلب کا شیشہ مشہور ہے اسی لئے تمثیل پیدا کی ہے) + (۳) بے ہنروں کو (عشق میں) قبول کر لینا معشوق کی خاص مہربانی ہے۔ کیونکہ بے سبب ہونا ہی ازلی عنایت (حاصل کرنے) کا باعث ہے۔ مطلب۔ خدا تعالےٰ رحم کرنے پر آتا ہے۔ تو کسی کی شفاعت نہیں چاہتا۔ بلکہ ایسے شخص پر اسے خاص رحم آتا ہے۔ جو بے یار و مددگار ہو۔ (۴) حال کی صورت ہی حقدار ہونے کی ترجمانی کرتی ہے۔ کیونکہ پیاس اور لبوں کی خشکی ہی جگر کے لئے پانی (کی ضرورت) پر دال ہے۔ مطلب۔ عشاق کی حالت ان کے استحقاق معرفت پر دال ہے۔ (۵) مجھ سے باغ کی مشاطہ حق مہر مانگتی ہے۔ (حالانکہ) ابھی انگور کی بیٹی (شراب) انگور کے پردے ہی میں ہے۔ مطلب شراب کو "دخت رز" (فارسی) یا "بنت عنب" (عربی) کہتے ہیں ؎

اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر + خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا۔ شاعر کہتا ہے کہ "دختر" گھر میں آجاتی تو "حق مہر" حاصل کرتی۔ مگر یہ عجیب بات ہے۔ کہ انگور کی بیٹی تو ابھی انگور کے پردوں ہی میں ہے۔ ہمیں بازو دعوے دلوایا بھی نہیں گیا۔ اور "مشاطہ بنناں"، "صداق" طلب کرتی ہے۔ (۶) یہ نہ کہو کہ میں گیا اور قیمت نہ تھی کہ اسے پا لیتے۔ کیونکہ سالک کا منزلِ مقصود پر نہ پہنچنا اس کی بے طلبی کی دلیل ہے۔ مطلب۔ جو سالک راہِ معرفت میں کامیاب و بامراد نہ ہو۔ یہ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ طلب صادق نہ تھی۔ اس لئے تائیدِ ایزدی حاصل نہ ہوئی۔ (۷) دوست سے روگردانی نہ کر۔ اور اس کے ہر فرمان کی تعمیل کر۔ کیونکہ جو اس حال کا مالک ہو گیا وہ سچا ولی ہے۔ مطلب۔ (۸) "سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" یہی عاشقانِ ایزدی کا شعار ہے لیکن سرمد اس میں بھی خوبی پیدا کرتا ہے ؎ سرمد گلہ اختصار می باید کرد + یک کار ازیں دو کار می باید کرد یا تن برضائے دوست می باید داد + یا قطعِ نظر زیار می باید کرد۔ (۸) اس زمانے میں رسم و رواج کے خلاف ہونا "معجزہ" خیال کرو۔ کیونکہ اس قسم کے کام عجیب شعبدوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مطلب۔ راہ و رسمِ دنیا کو خیرباد کہہ کر جدت طرازی پر آمادہ ہونا معجزہ ہے۔ (۹) سیاہ رات سفید صبح لے کر آتی ہے۔ (اسی طرح حضرت مُطلب کا چراغ ابولہب کے خاندان سے ہے۔ مطلب۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چراغِ مُطلب" ہیں۔ (عبدالمطلب آپ کے دادا تھے) اور آپ ابولہب جیسے کافر (جو آپ کے چچا تھے) کے خاندان سے ہیں۔ یعنی ایک کافر خاندان میں توحید و رسالت کا علمبردار پیدا ہو گیا۔ یہ ایسے ہے جیسے شبِ سیاہ ہی صباحِ سفید لے کر آتی ہے۔ ؎ اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے + کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا (اقبال)
شبِ غم کو بسر کر صبحِ راحت کی امیدوں میں + بلاؤں سے نہ ڈر خاموش رہ کس پر نہیں آتیں (میر) (۱۰) تلوار سے بھی ہماری عقیدت تو ختم نہیں ہو سکتی کیونکہ ہماری غلامی کا خلوص ہماری خاندانی شرافت کی وجہ سے ہے۔ (اس لئے مرنے کے بعد بھی وفا کے بندے وفاہی کریں گے)۔ (۱۱) یہ نہ کہو کہ نظیری کو دوست سے رنج پہنچا۔ بلکہ صبح کی مستی تو نصف شب کے ناز و نیاز کا نتیجہ ہے +

ترا بکعبہ مرا کار بادل افتادہ است — بکعبہ بتکدۂ من مقابل افتادہ است
صدائے بے جرس از بشنوی غریب مدال — کہ روح ماست بدنبال محمل افتادہ است
سپندِ طالع اگر حرص اِن یکاد کنند — صلیبِ زلف بتانم حمائل افتادہ است
بعزمِ کعبہ کنید اتفاق خلوتیاں — کہ پیرِ صومعہ را بار در گل افتادہ است
نہ کج ز مستی مے کردہ قبلہ بادہ فروش — دلش بگوشۂ مے خانہ مائل افتادہ است
شکستہ بر ورقِ جبہۂ تو خامہ حکیم — کہ ابروان ترا عقدہ مشکل افتادہ است

حریف بین چہ براحت بساط مے چیند | زنیزہ بازی افلاک غافل افتادہ است
حریم خاک چہ قربان گہ منا دیدم | کہ ہر طرف نگری صید بسمل افتادہ است
بکے بگور عزیزان شہر سیرے کن | ببین کہ نقش املہا چہ باطل افتادہ است
مجرداں سبک سیر از جہاں رفتند | گہر بقعر یم و خس بساحل افتادہ است
گدائے پیر مغاں شو کہ بادشاہ و فقیر | برآستانۂ مے خانہ ساحل افتادہ است
ضرر بمال نظیری پیش بیں نرسد | کہ ادبوادی درخشش بمنزل افتادہ است

غزل نمبر ۱۴۱ ۔ (۱) تجھے کعبے سے اور مجھے دل سے پالا پڑا ہے ۔ تیرے کعبہ کے مقابلے میں میرا بتکدہ (دل) آکھڑا ہؤا ہے ۔ ؎ دل بدست آور کہ حج اکبر است + از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل آذر ست + دل گذرگاہ جلیل اکبر است ۔ (۲) اگر کوئی آواز گھنٹیوں کے بغیر ہی سُن لے تو اس پر تعجب نہ کر ۔ کیونکہ یہ ہماری رُوح ہے ۔ جو دیار کے محمل کے پیچھے ہولی ہے مطلب ۔ روح نظر نہیں آتی ۔ مگر اس کی صدا آسکتی ہے ۔ (۳) نصیب کی ہر مل اگر "ان یکاد" کی حرص کرے تو میرے معشوق کے زلفوں کی صلیب (اس کی گردن کے گرد) حمائل ہو جاتی ہے ۔ (۴) اے گوشہ نشینوں کعبے کا ارادہ کرنے میں متفق ہو جاؤ ۔ کیونکہ حجرے کے بزرگ کا بوجھ تو کیچڑ میں پھنسا پڑا ہے ۔ مطلب ۔ حجرہ نشینوں کے مرشد بھی عاجز آگئے ہیں اِس لئے اب حج کعبہ پر متفق ہو کر نکلنا چاہیئے ۔ (۵) شراب فروش نے شراب کی مستی سے قبلہ کج نہیں کر رکھا ۔ بلکہ اس کا دل ہی مے خانے کے گوشے کی طرف مائل ہو رہا ہے ۔ (۶) حکیم نے تیری پیشانی کے ورق پر قلم توڑ ڈالا ہے ۔ کیونکہ تیرے ابروؤں کی گرہ میں مشکل آپڑی ہے مطلب تیری پیشانی اس قدر حسین ہے کہ اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتی ۔ ایک اور شاعر ابروؤں کے متعلق کہتا ہے ۔ ؎ کاتب قدرت دو مسطر ابرویت را کج نگاشت + یا ز حیرت دست او لرزید یا مسطر نداشت (۷) ذرا حریف کو دیکھو ! کس قدر آرام سے بساط بچھائے ہے ۔ آسمانوں کی نیزہ بازی سے بالکل ہی غافل ہے مطلب ۔ حریف یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ "افلاک نیزہ باز" کی کوئی چوٹ اس تک نہ پہنچیگی ۔ اس لئے وہ آرام سے بیٹھا ہے ۔ حالانکہ اسے معلوم ہونا چاہیئے (ع) عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا ۔ (۸) "منا" کی قربان گاہ کی طرح ہم نے خاک کی چاردیواری دیکھی ہے ۔ کہ جس طرف بھی نظر پڑے کوئی شکار بسمل پڑا ہے مطلب ۔ "منا" کعبہ کے پاس اس مقام کا نام ہے جہاں حج کے موقعہ پر قربانی دی جاتی ہے ۔ شاعر کہتا ہے کہ معشوق نے "حریم خاک" کو مقام منا کی مانند بنا دیا ہے ۔ (۹) کبھی اپنے شہر کے عزیزوں کی قبروں کی طرف نکلو ۔ اور دیکھو ! کہ امیدوں کے نقش کس طرح باطل ہوئے پڑے ہیں ۔ مطلب ۔ بڑی بڑی امیدوں

اور آرزوؤں کے پُتلے قبروں میں مدفون ہیں۔ کئی کیکاؤس اور کئی دارا قبروں کے تنگ و تاریک گوشوں میں پڑے ہیں (۱۰) عالمِ تجربہ کے ہلکے پھُلکے راہرو توجہان سے چلے گئے (واقعی) موتی تو سمندر کی تہ میں جا پہنچتے ہیں۔ اور خس و خاشاک ساحل پر آپڑے ہیں۔ مطلب۔ موتی سمندر کی تہ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح دو مجردانِ سبک "سیر" جہان سے (وانہ ہو کر) تہ زمین میں چلے گئے۔ اور ہم جو کہ والستۂ دنیا ہیں خس و خاشاک کی طرح زمین کی سطح پر پھر رہے ہیں۔ ے یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا + ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے (غالب) (۱۱) تو بھی پیرِ مغاں کا گدا ہو جا کہ تمام بادشاہ و فقیر مے خانے کی دہلیز پر سوالی ہیں۔ مطلب "میخانۂ عشق" کے دروازے پر شاہ و گدا سائل ہیں۔ (۱۲) دور اندیش نظیری کے مال کو نقصان پہنچ ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ تو ابھی وادی میں ہے لیکن اس کا اسباب منزل پر پہنچ چکا ہے۔ مطلب۔ اس نے اپنا سرمایۂ اعمال آخرت میں اپنے جانے سے پیشتر بھیج دیا ہے +

فخرِ والا نسبتاں از بند اوست	آنچہ ہرگز نگسلد پیوند اوست
گردنِ شمشاد را زلفش نخست	سرو از آزادگانِ بند اوست
گرچہ شکلِ نیستی دارد دہانش	ہستی جانباز شکر خند اوست
نقصِ زلفش دایہ بر عہدش شکست	گر شکستے ہست در سوگند اوست
طرہ اش راہست پیوندی بصلح	چین ابرو گرچہ خویشاوند اوست
ہر شبم ہمخواست مے آید بخواب	بسترم مشک و عبیر آگند اوست
مشربش صفرائے بیماراں شکست	نوش مے خوش از ترنج و قند اوست
زود آمیزش بمردم مے کند	مشک را بو اندکے مانند اوست
حُسنِ گُل برباد حرماں زود رفت	ہر کہ تمکینی ندارد پندِ اوست
کینہ کش از دوستاں مہر جئے	طبعِ مغرور خرد خرسندِ اوست
بارِ تکلیفش ز دوشش انداختم	گو بکش ہر کس کہ حاجتمند اوست
ظلمِ اخواں بر نظیری مے کنند	معنیٔ او بہتر از فرزند اوست

غزل نمبر ۲۴۳ - (۱) بڑی اعلیٰ نسبت رکھنے والوں کا فخر اس کے ساتھ والستہ ہے جو پیوند ٹوٹتا ہی نہیں وہ اس کا پیوند ہے۔ (۲) اس کی زلفوں سے شمشاد کی گردن نہ نکل سکی۔ سرو بھی اس کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہے۔ مطلب "طرۂ شمشاد" اور "سرو آزاد" مشہور ہے۔ شاعر نے ان دونوں کو والستۂ معشوق قرار دیا ہے۔ (۳) اگرچہ اس کا منہ نیستی کی شکل رکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی (عاشقانِ جانباز

کی ہستی اس کے تبسم پر موقوف ہے ۔مطلب۔ منہ چھوٹا ہونا ایران میں خوبصورتی قرار دیا گیا ہے ۔اس لئے شعراء نے منہ کی تعریف کرتے ہوئے اسے بالکل غائب کر دیا ۔ (ع)، دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد ۔نظیری نے بھی اسی لئے "گرچہ شکل نیستی دارد دہاں" لکھا ہے ۔ (۴)، دایہ نے اس کی زلفوں کے بیچ اس کے عہد پر توڑ ڈالے ۔اگر کوئی شکست ہے تو اس کی قسم میں ہے ۔ (۵)، اس کی زلفوں کو تو صلح سے کچھ مناسبت ہے ۔ اگرچہ ابرو کے شکن بھی اس کے عزیزوں میں سے ہیں ۔مطلب ۔ زلفیں آمادۂ صلح ہیں ۔لیکن چین ابرو کے اس کے خلاف ہیں ۔ (۶)، ہر رات بغیر خواہش وہ خواب میں آجاتا ہے ۔اور میرا بستر اس کے مشک و عنبر سے بھر جاتا ہے ۔ے شبو گیرم خیالت را در آغوش ✤ سحر از بسترم بوئے گُل آیو (باباطاہر) (۷)، اس کی شراب سے بیماروں کے صفرا ٹوٹ گئے ۔شراب کا نوش بھی تو اس کے ترنج اور قند سے اچھا ہے ۔مطلب۔ صفرا کا علاج تُرشی ہے (۸)، وہ بہت جلد لوگوں سے مل جاتا ہے ۔مشک کی بُو بھی کچھ اس سے ملتی جُلتی ہے ۔ مطلب ۔ وہ لوگوں سے بہت جلد آمادہ دوستی ہے ۔جس طرح مشک کی بُو ہر شخص کو مل جاتی ہے (۹)، پھول کا حُسن بہت جلد بدنصیبی میں برباد ہو گیا ۔یہ اس کے لئے نصیحت ہے ۔جو تمکنت نہیں رکھتا ۔ مطلب ۔ پھول ہر شخص کو حسن دکھاتا پھرتا ہے ۔ اس لئے بہت جلد برباد ہو جاتا ہے ۔ یہ اُن لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو تمکنت نہیں رکھتے ۔ (۱۰)، وہ محبت طلب دوستوں سے دشمنی کرنے والا ہے ۔اس کی طبیعت مغرور اور عقل خوش ہے ۔ میں نے اس کی تکلیف کا بوجھ کندھے سے اُتار پھینکا ۔ جاؤ کہدو کہ ہر وہ شخص اُٹھا لے جو اس کا حاجتمند ہے ۔مطلب ۔ ہم تو عشق کا بوجھ اُٹھانے سے عاجز آگئے ہیں ۔ اس لئے سبکدوش ہوتے ہیں ۔ اب جس کا جی چاہے اُسے اُٹھا لے ۔ (۱۲)، نظیری پر اس کے بھائی (یوسف کے بھائیوں کی طرح) ظلم کرتے ہیں ۔کیونکہ اس کے معنی اس کے فرزند سے کہیں بہتر ہیں ✤

معشوقۂ من قبلہ نما قبلہ نظر گشت ✤ تا گشت نظر بار رخ چوں آئینہ برگشت
غرق کرم حیلہ گرانم کہ دراں کوئے ✤ سفتم سشبہ دیدہ و ہم سلک گہر گشت
ز و خندۂ شیریں نمکے بر دل ریشم ✤ اشکم بحلاوت شد و آہم باثر گشت
اوراق گل اندر بغل غنچہ نگنجید ✤ تا عطر دمم ہم نفس باد سحر گشت
پیداست دل آمیزیم از گونۂ گفتار ✤ چوں رنگ ثمر گشت بلے طعم ثمر گشت
شاید شوم انگشت نما ہمچو مہ نو ✤ نعلم کہ در آتش زرخش بود قمر گشت
زاں کلکم از و عطر فشانست کہ دستم ✤ باسنبل خوشبوش براں طرف کمر گشت
تا بوسہ گہ خیرہ مذاقاں نکنند دست ✤ دنداں ز دوم آں ساعد چوں شاخ شکر گشت

در ہر خم آں زلف کمیں گاہ بلائیست — با ایں ہمہ زاں رُوے نخواہم بخطر گشت
عقلے کہ کلید در گنجینہ ام آں بود — تا عشق در آمد بمیا حلقۂ در گشت
با ایں دل پُر عربدہ شرمندۂ عشقم — ہر جا کہ غمے تیغ بر آورد سپر گشت
ہر نسخۂ شعرے کہ بر آورد نظیری — از غیرت آں نافۂ چیں خون جگر گشت

غزل نمبر ۳۴ ۔ (۱) میری معشوقہ قبلہ نما ہے ۔ اور نظر میرا قبلہ ہے ۔ اس لئے جب نظر اس آئینہ جیسے چہرے سے پھر گئی تو وہ لوٹ گئی ۔ (۲) مَیں حیلہ گروں کے احسان میں غرق ہوں ۔ کہ اس کوچے میں میں نے آنکھوں کے سیاہ دانوں میں سوراخ کر دیا ۔ تو وہ بھی موتیوں کی لڑی بن گئے ۔ مطلب ۔ شبہ کالا دانہ یا جھوٹا موتی کہلاتا ہے ۔ ریا کاری کے آنسو "شبہ" ہیں اور اشکِ ندامت "گوہر" ہیں ۔ شاعر کہتا ہے کہ میں نے تو ریا کاری کے آنسو بہائے ۔ لیکن حیلہ گروں (رحمتِ حق بہانہ مے جوید) کا کرم دیکھئے کہ ان کو موتیوں کی لڑی بنا کر لے لیا ۔ موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے ✦ قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے (اقبال) (۳) اس کی شیریں ہنسی نے میرے زخمی دل پر نمک چھڑکا ۔ نتیجہ یہ ہوا ، کہ میرے آنسوؤں میں حلاوت اور آہوں میں اثر پیدا ہو گیا ۔ مطلب ۔ اس کی ہنسی سے عشق میں گرمی پیدا ہو گئی ۔ (۴) غنچہ کی بغل میں پھول کے ورق سما نہ سکے ۔ جب سے میرے دموں کا عطر بادِ صبا کے ساتھ ہو لیا ۔ مطلب ۔ ہمارے نفسِ گرم بادِ صبا نے ساتھ لئے تو یہ اثر ہوا کہ غنچے کھل گئے ۔ (۵) میری دل آمیزی گفتار کے رنگ سے ظاہر ہے (قاعدہ ہے، کہ جب پھل کا رنگ بدل جاتا ہے تو ذائقے میں بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے ۔ مطلب ۔ پھل کچّا ہو اس کا رنگ سبز ہوتا ہے ۔ ذائقہ ترش ہوتا ہے ۔ جب زرد ہو جائے ذائقہ میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح میری گفتار سے عشق کی پختگی کا پتہ چلتا ہے ۔ (۶) شاید میں بھی ہلال کی طرح انگشت نما ہو جاؤں ۔ کیونکہ اس کے چہرے کی وجہ سے میری نعل جو آگ میں تھی اب قمر بن گئی ہے ۔ مطلب ۔ اس کے عشق کے صدموں سے بوڑھا ہو گیا ہوں کبڑا ہونے کی وجہ سے "ہلال" کی مانند ہوں ۔ شاید لوگ اسی طرح مجھ پر انگشت نمائی کرنے لگیں جس طرح "ہلال" پر کرتے ہیں ۔ (۷) میرا قلم اس لئے عطر برساتا ہے ۔ کہ میرا ہاتھ اس کی خوشبودار سنبل کے ساتھ اس کی کمر کے گوشے میں حمائل ہو گیا تھا ۔ (۸) تاکہ وہ اپنا ہاتھ کمینہ مذاق لوگوں کی بوسہ گاہ نہ بنا دے مَیں نے اس کی کلائی کو دانتوں سے کاٹ کھایا ۔ جب وہ شکر کی شاخ بن گئی ۔ مطلب ۔ میں نے اس لئے اس کی شیریں کلائی کو کاٹ کھایا ۔ تاکہ "ذخیرہ مذاق" لوگ اس کو بوسہ دینے پر آمادہ ہی نہ ہوں ۔ (۹) اس کی زلفوں کے ہر خم میں بلا کی گھات ہے ۔ باوجود ان باتوں کے میں اس خطرے منہ نہیں پھیر سکتا ۔ (۱۰) وہ عقل جو میرے خزانے کی کنجی تھی ۔ جب عشق آ گیا تو وہی دروازے کی زنجیر بن گئی ۔ مطلب عشق سے قبل عقل عقدے کھولا

کرتی تھی ۔ مگر اب وہی دروازے کا حلقہ بن گئی گویا رازوں کا دروازہ اس سے بند ہو گیا۔ (۱۱) میں اس جنگجو دل کے ساتھ عشق کے ہاتھوں شرمندہ ہوں۔ کیونکہ جہاں بھی کسی غم نے تلوار اٹھائی یہ ڈھال بن گیا۔ مطلب ۔ میرا دل غموں کا مقابلہ کرتا ہے ۔ اور عشق میں ایسا دل باعثِ ننگ ہے ۔ اس لئے میں شرمندہ ہوں۔ (۱۲) نظیری نے جو شعر بھی نکالا ۔ اس کی غیرت سے چین کے مشک نافہ کا بھی جگر خون ہو گیا۔ مطلب ۔ نظیری کا ہر شعر مشک نافۂ تتار سے زیادہ معطر ہے ✦

نظر بظاہر و صیّاد در قفا خفت ست — اجل رسیدہ چہ داند بلا کجا خفت است
کجا ز عشوۂ آں چشم نیم باز رہیم — کہ فتنہ ساختہ از خواب و پائے ما خفت است
کسے بقلب شمم ترکتاز مے آرد — کہ در فراش قصب پائے در حنا خفت است
شمیم مہر ز باغ وفا نمے آید — بہر چمن کہ تو بشگفتۂ صبا خفت است
طبیبِ عشق ببرد طمع ز بیمارے — کہ شب براحت ازیں دردِ بیدوا خفت است
کس از معانقۂ روز وصل یابد ذوق — کہ چند شب ز ہم آغوش خود جدا خفت است
بگیر کامِ دل اے کعبتین مردم چشم — کہ نرد تو آمدہ نقش در خفا خفت است
شب امید بہ از صبح عید میگذرد — کہ آشنا بتمنائے آشنا خفت است
فسانہ صرف نظیری مکن کہ خواب کند — شکستۂ کہ بصد درد مبتلا خفت است

غزل نمبر ۴۴ ۔ (۱) نظر ظاہر میں اور صیاد پوشیدگی میں سویا پڑا ہے ۔ اجل رسیدہ بیچارہ کیا جانتا ہے کہ بلا کہاں سوئی پڑی ہے ۔ (۲) ہم اس کی نیم باز آنکھوں کے کرشمے سے کس طرح رہائی حاصل کریں۔ کیونکہ فتنہ خاک بیدار ہے ۔ اور ہمارے قدم پھول گئے ہیں ۔ مطلب ۔ اس فتنے سے کہیں بچ سکتے ۔ ورنہ پائے رفتن نہ جائے ماندن"۔ (۳) وہ آدھی رات کے وقت میرے دل پر حملہ آور ہوتا ہے ۔ جو ریشم کے بستر پر پاؤں میں مہندی لگائے محوِ خواب ہے ۔ مطلب ۔ وہ تو گھر آرام سے استراحت کر رہا ہے اور ہمیں اس کی یاد ستا رہی ہے ۔ (۴) وفا کے باغ سے محبت کی ہوا ہی نہیں آتی جس چمن میں تو کھلا ہے وہاں صبا سوئی پڑی ہے ۔ مطلب ۔ "وفا" عشاق کا شیوہ ہے ۔ اور معشوق اس سے واقف ہی نہیں ؎ ہم کو ان سے وفا کی ہے اُمید + جو نہیں جانتے وفا کیا ہے ۔ (غالب) (۵) عشق کا طبیب اس بیمار سے اپنی حرص منقطع کر لیتا ہے جو اس "دردِ بے مداوا" میں رات کو آرام سے سو جائے ۔ مطلب ۔ مریض کا آرام سے سو جانا صحت کی علامت ہے ۔ عشق "دردِ بے مداوا" ہے ۔ جو شخص اس میں مبتلا ہونے کے باوجود استراحت کرے ۔ وہ عشق سے صحت پا گیا ۔ تو عشق کے طبیب کا وہاں کیا کام ؟ (۶) وصل کے دن کے معانقے سے

لذّت وہی شخص حاصل کرتا ہے۔ جو چند راتیں اپنے "ہم آغوش" سے جدا سویا ہو۔ مطلب۔ فراق کے بعد وصال کا لطف ہوتا ہے۔ (۷) اے آنکھ کی پتلیوں کے ٹھہرو! اپنی مراد حاصل کرو۔ کہ نرد موافق آئی ہے۔ اور نقش پیچھے محوِ خواب ہے۔ (۸) اُمید کی رات عید کی صبح سے بھی زیادہ اچھی گذرتی ہے۔ کیونکہ ایک آشنا آشنا سے ملنے کی تمنّا میں سو گیا ہے۔ (۹) نظیرؔی پر فسانہ صرف نہ کرو کہ وہ آرام کرے۔ کیونکہ وہ شکستہ بیچارہ تو سو دردوں میں مبتلا ہو کر سو گیا ہے۔ مطلب۔ فسانہ خواب لانے کے لئے کہا جاتا ہے۔ جب نظیری "وقفِ صد درد" ہو کر سو گیا ہے۔ تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے +

خوئے شہ عربدہ جو افتادست — کُشتہ بر ہر سر کو افتادست
بادب زی کہ سرِ مستان را — نہ کمندے بہ گلو افتاد است
آنکہ افتاد بریں در راہش — قدمش از تگ و پو افتاد است
در خرابات مغاں مستاں را — کاسہ بشکستہ سبُو افتاد است
خوشیٔ ما ز گل و بستاں نیست — صحبتِ یار نکو افتاد است
خوش عبیرے بہم آمیختہ عشق — خونجو بوئے بہ بو افتاد است
عشق از سنبل و گل واچیدم — رہ براں گلشن کو افتاد است
جائے دل خوردۂ مینا چینم — دہ کہ بارم بگلو افتاد است
دلبرم را سر رسوائی نیست — کار جیبم بہ رفو افتاد است
باخودم دشمن جاں باید بود — چکنم دوست عدو افتاد است
ہر نفس ولق نظیری رنگے ست — عشق را چشم برو افتادست

غزل نمبر ۵۴ - (۱) بادشاہ کی خو جنگجو واقع ہوئی ہے۔ اس لئے ہر کوچے کے سرے پر لاشیں پڑی ہیں۔ (۲) بڑے ادب سے زندگی بسر کرو۔ کیونکہ مستوں کے گلے میں ایک سخت کمند پڑی ہے۔ مطلب۔ عشق کی کمند سے مُراد ہے۔ (۳) جو اس دروازے پر آگرے۔ اس کے قدم راستے پر چلنے کے لئے دوڑ دھوپ سے رہ جاتے ہیں۔ (۴) پیرِ مغاں کے شراب خانے میں مستوں کے پیالے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اور مٹکے گرے پڑے ہیں۔ مطلب۔ انتہائے شراب نوشی کی حالت کا اظہار ہے۔ (۵) پھول اور باغ سے ہماری خوشی نہیں ہے معشوق کی محبت ہمیں پسند آئی ہے۔ مطلب۔ ہماری خوشی معشوق کی وجہ سے ہے نہ کہ بہار گل سے۔ (۶) عشق نے خوب خوشبو تیار کی ہے۔ خوئے خوئے سے بُو بُو سے اُلجھ رہی ہے۔ یہ معرکہ بازی عشق کی وجہ سے ہے۔ (۷) میں نے سنبل اور پھول سے عشق اُٹھالیا ہے۔ کیونکہ اس کے

کوچے کے گلشن کی طرف راستہ مل گیا ہے۔ مطلب۔ سنبل اور پھول کی محبت سے کیا کام؟ جبکہ اس معشوق کے کوچے کا راستہ مل گیا ہے۔ (۸) میں دل کی جگہ شیشے کے ٹکڑے چُن رہا ہوں۔ افسوس! کہ میرا بوجھ ہجومِ عام میں گر پڑا ہے۔ مطلب۔ شیشۂ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہجومِ عام میں گر پڑا ہے اسے سنبھال رہا ہوں (۹) میرا معشوق رسوا ہونا نہیں چاہتا۔ اس لئے میرے گریبان کو رفو سے کام آ پڑا ہے (۱۰) اپنے آپ کا جانی دشمن ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارا دشمن ہی دوست اپنا ہے مطلب معشوق دشمن خصلت ہے اس سے محبت ہو جانے سے اپنا دشمن بننا پڑیگا۔ (۱۱) ہر لحظہ نظیری کی گدڑی نئے رنگ کی ہے عشق کی نگاہ اس پر آ پڑی ہے۔ مطلب۔ عاشق ہونے کے بعد نظیری کی گدڑی لحظہ بہ لحظہ رنگ بدلتی ہے +

جمال ساقی ما در ضمیر لالہ گذشت — کہ لالہ را مئے لعل از سر پیالہ گذشت
دراں شمائل موزوں نگر کہ ہر کس دید — بحسن معنی صد دفتر و رسالہ گذشت
بقصد ضبط نگہ چیں برابرواں انداخت — ولے نشد کہ کمند از سر غزالہ گذشت
دلم ز حرص سوال از لبش جواب نیافت — چو آں گدائے سراسیمہ کز نوالہ گذشت
سپہر ہر چہ کند روزیت بخشم مرد — کہ روز تخم ازاں کشت گر حوالہ گذشت
دو سالہ دُرد کش دیر بودہ ام عجبست — کہ شصت سالہ تواں از مئے دو سالہ گذشت
سرے ز قلقل مینا بر دل نیاوردم — اگرچہ عمر بتحقیق ایں مقالہ گذشت
بطعنہ از بر ما غافلاں فارغ دل — چناں گذشت کہ بر دشت لالہ ژالہ گذشت
جفا نماند ز پندار خود چہ دار ستم — بیا کہ کار نظیری ز آہ و نالہ گذشت

غزل نمبر ۹۴ ۔ (۱) ہمارے ساقی کے جمال کا خیال لالہ کی ضمیر میں آیا۔ اور لالہ کی سُرخ شراب پیالے سے جھلک پڑی۔ مطلب۔ لالہ کی سرخیٔ رنگ کو "شرابِ لعل" قرار دیا۔ اور "خیال جمالِ معشوق" قرار دی۔ (۲) اُن موزوں خصلتوں کو دیکھو! کہ جس نے انہیں دیکھا۔ سو کتابوں اور رسالوں کی معنوی خوبیوں سے دستبردار ہو بیٹھا۔ (۳) اس نے نگاہ ضبط کرنے کے ارادے سے اپنے ابروؤں پر شکن ڈال لئے۔ مگر اس میں کامیاب نہ ہؤا۔ کیونکہ کمند ہرنی کے سر سے (اُوپر ہی اوپر) گذر گئی۔ مطلب۔ نگاہ ہرنی کی طرح رم کر گئی۔ اور اس کے شکنوں کی کمندیں کام نہ آ سکیں۔ (۴) میرے دل نے سوال کی حرص میں اس کے لبوں سے جواب نہ پایا۔ اس پریشان گدا کی طرح جو ایک نوالہ (حاصل کرنے سے بھی) عاجز آ گیا ہو۔ (۵) آسمان جو تیری روزی منقرر کر دے۔ تو غصہ کا اظہار نہ کر۔ کیونکہ بیج بونے کے دن سے ابراسی مزارع کے ہاتھ میں ہے۔ مطلب۔ قسمت کے نشیب و فراز پر طعنہ زن نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ روز ازل سے جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

(۶) میں دو سال سے بُت خانے میں تلچھٹ پی رہا ہوں۔ یہ ایک عجیب بات ہوگی کہ ایک ۶۰ سال کا شخص دو سالہ شراب کو چھوڑ دے۔ (۷) میں نے مینا کی قلقل سے سر نہیں اُٹھایا۔ اگرچہ اس قول کی تحقیق ہی میں عمر بسر ہو گئی۔ (۸) ہم فارغ البال غافلوں پر طعنہ سے وہی کچھ گذری جو جنگل میں لالے کے پھول پر اولوں کے ہاتھ سے افتاد پڑی۔ مطلب۔ طعنہ نے ہمیں تباہ و برباد کر دیا۔ (۹) جب مَیں اپنی خودی سے رہائی پا گیا تو جفا کا احساس ہی نہ رہا۔ اب تو آ جا کہ نظیری کا کام آہ و نالہ سے گذر چکا ہے مطلب۔ اب نظیری آہ و نالہ نہیں کرتا۔ کیونکہ خودی سے رہائی پانے کے بعد جفا کا احساس ہی باقی نہیں ۔

هجراں نمکے سُود و بداغ دل ما ریخت
سودائے تو آتش ز دماغ دل ما ریخت

ہر روغن صافی کہ بہ بیہودہ فلک سوخت
غم دروئے آنرا بچراغ دل ما ریخت

رفتیم لبسر زود دریں محفل مستاں
ساقی مے تندی بایاغ دل ما ریخت

مارا بہ نشاط و طرب آساں نگذارند
غم خون جہانے لبسراغ دل ما ریخت

ہر نخل امیدے کہ نشاندیم دریں باغ
برگ و برش از لائے ایاغ دل ما ریخت

کلفت زکجا آمد و رنجش زکجا خاست
بدکرد ملالے لبفراغ دل ما ریخت

بر عشرت ما زود ملالست نظیری
تا صبح نفس زد گل باغ دل ما ریخت

غزل نمبر ۷۴ - (۱) فراق نے نمک پیس کر ہمارے دل کے داغ میں ڈال دیا۔ اور تیرے عشق نے ہمارے دل کے دماغ میں آگ لگا دی۔ مطلب۔ ہجر میں داغ دل اور زیادہ نمایاں ہؤا۔ اور عشق کی آگ بھڑک اُٹھی۔ (۲) ہر وہ صاف روغن جو آسمان نے فضول جلایا۔ غم نے اس کی تلچھٹ ہمارے دل کے چراغ میں ڈال دی۔ (۳) ہم مستوں کی اس محفل میں بہت جلد بے خود ہو گئے۔ ساقی نے کوئی تند و تیز شراب ہمارے دل کے پیالے میں ڈال دی تھی۔ (۴) ہمیں نشاط و خوشی کی طرف بآسانی مائل نہیں ہونے دیتے۔ غم نے ایک جہان کا خون ہمارے دل کے سراغ میں لا ڈالا ہے۔ مطلب۔ ہمیں خوشی میسر ہی نہیں آ سکتی۔ کیونکہ جہان کے خون کا غم ہمارے ہی دل میں ہے۔ ؎ خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر ۔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے (امیر) (۵) ہم نے اُمید کا جو پودا اس باغ میں لگایا۔ اس کے برگ و بر ہمارے دل کے پیالے کی تلچھٹ سے جھڑ گئے۔ مطلب۔ حسرت و یاس نے اُمید کے درخت کو بھی سُکھا دیا ہے۔ ؎

آرزو میری بھی گویا نخل ماتم کی تھی شاخ ۔ جو کلی کمبخت میں آئی سو مرجھائی ہوئی ۔ (۶) کلفت کہاں سے آ گئی اور رنجیدگی کس طرح پیدا ہوئی۔ اس نے ملال کی ایک بدترین خاک ہماری فراغت میں لا ڈالی۔ (۷) اے نظیری! ہماری عشرت کے فوراً ہی بعد ملال ہوتا ہے۔ چنانچہ جونہی صبح پھوٹی ہمارے دل کے باغ

کے پھول گر پڑے۔ مطلب۔ خوشی بالکل عارضی ہوتی ہے ۔

کنارِ سبزہ وگل خواستم کہ مے نوشم	بہ شیشہ تا بقدح ریختم بہار گذشت (حافظ)
گل بید از دستہ بستۂ اوست	مہرِ درد دل خسک شکستۂ اوست
ہمہ جا ناخن تصرف بند	ہر کرا سینہ الیست خستۂ اوست
ایں کہ گم گشتہ عہد و شرط وفا	ریو و رنگ ز یاد جستۂ اوست
بُرد اندیشۂ بتاں ز دلم	کعبۂ دل صنم شکستۂ اوست
خس لبستاں و خار دیوارش	قید مرغِ رسن گسستۂ اوست
سروِ بالا و عبہر نظرش	دست پرور دو خانہ رستہ اوست
تا بر آید برنگ رخسارش	بادہ در خونِ دل نشستہ اوست
موجۂ بادہ برگل مہتاب	رخ از آب بادہ شُستۂ اوست
عشق ہردم بتازہ سودائش	عقل کہنہ فروش رستۂ اوست
لبسبوئے مغاں خطا نرسد	کہ بدستِ کریم دستۂ اوست
نزل روح الامیں نظیری را	نامۂ پیک پے خجستۂ اوست

غزل نمبر ۸۴ ۔ (۱) ظلم کے پھول کے گلدستے اس کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہیں۔ محبت اس کا دل میں ٹوٹا ہوا کانٹا ہے۔ (۲) ہر جگہ تصرف کا ناخن چُبھا ہے۔ اور جس کا سینہ ہے اُسی سے زخمی ہے۔ (۳) یہ جو کہ عہد اور وفا کی شرط مفقود ہے۔ یہ گویا رنگ و بو ہے۔ (مکر و فریب ہے) جو اس کی یاد سے اُڑ گئی ہیں۔ (۴) اس نے ہمارے دل سے معشوق کا خیال نکال دیا۔ گویا دل کے کعبے کے بُت اسی نے توڑے ہیں (۵) باغ کے خس و خاشاک اور اس کی دیوار کے کانٹے اس کے رسی توڑے ہوئے پرندے کے لئے قید ہیں۔ مطلب۔ آزاد عشق لوگوں کے لئے ہوا و ہوس دنیوی قید ہیں۔ (۶) اس کے قد کا سرو اور نظر کی نرگس دونو اس کے ہاتھوں کے پالے ہوئے اور خانہ زاد ہیں۔ (۷) شراب کی موجیں چاندنی کے پھول پر ایسی ہیں۔ گویا اس کا چہرہ شراب کے پانی سے دھویا ہوا ہے۔ (۸) عشق ہردم اس کے سودا میں مبتلا ہے اور عقل اس کی پیداوار کی کہنہ فروش۔ مطلب۔ عقل و عشق سب اس کے دست نگر ہیں۔ (۹) پیرِ مغاں کے مٹکے میں نقص واقع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا دستہ سخی کے ہاتھ میں ہے مطلب۔ شرابِ عشق یا انوار ایزدی ختم ہی نہیں ہو سکتے۔ (۱۰) نظیری کے لئے جبرئیل کا اُترنا اس کے مبارک قدم قاصد کا خط ہے۔

دلے دارم کہ طاقت کار او نیست ‎ ‎ تحمل غیر عیب و عار او نیست
دلے دارم کہ قلزمہائے امواج ‎ ‎ حریف آہ آتش بار او نیست
دل سختم براحت مے ستیزد ‎ ‎ فلک را دست بر آزار او نیست
نشاطِ عندلیب از بو و رنگ ست ‎ ‎ نوائے ماز موسیقار او نیست
کجا باشد بہ بند و قید دستار ‎ ‎ تن مجنوں کہ جز سر بار او نیست
مریضِ عشق را مردن علاج ست ‎ ‎ دوائے درد در بازار او نیست
سرِ مرغے نپرد از کمیں گاہ ‎ ‎ کہ آب و دانہ در منقار او نیست
زباں بازی کند سوسن از آنست ‎ ‎ کہ آب شرم در رخسار او نیست
بایں شد کعبہ از کوئے تو ممتاز ‎ ‎ کہ رشکے بر در و دیوار او نیست
کجا کنعان کجا بغداد مستان ‎ ‎ انا الحق گو سرے بردار او نیست
نظیری ایں عبیر از عشق سازد ‎ ‎ کدامیں عطر کز گلزار او نیست

غزل نمبر ۴۹ - (۱) میرا دل ایسا ہے کہ طاقت اس کی مجال سے باہر ہے تحمل اس کے لئے شرم اور عیب کے سوا نہیں - (۲) میرا دل ایسا ہے کہ موجوں کے سمندر بھی اس کی آگ برسانے والی آہوں کے حریف نہیں ہو سکے - سے ہماری آہوں نے اُلٹے ہیں تخت شاہونکے + یہ تیر وہ ہے کہ جس سے فرار مشکل ہے (۳) میرا سخت دل آرام سے برسرِ پیکار ہے - آسمان اس کو تنگ کرنے کے لئے قدرت ہی نہیں رکھتے - مطلب - ہمارا دل خود آرام سے گریزاں ہے - ورنہ آسمان کی کیا مجال کہ اسے تنگ کرے - (۴) بلبل کی خوشی بو و رنگ سے ہے - لیکن ہماری آواز اس کے موسیقار میں سے نہیں ہے - مطلب - بلبل ظاہر پسند ہے ہم اس سے گریزاں ہیں - (۵) مجنوں کا جسم جس پر سر کے سوا اور کوئی بوجھ نہیں وہ بھلا دستار کی بندھنوں میں کس طرح رہے - مطلب - عاشق کے لئے تو سر بھی وبالِ دوش ہے - وہ بھلا قیود ظاہری سے کس طرح آزاد ہو - (۶) عشق کے مریض کا علاج موت ہے - اس کے درد کی دوا بازار میں نہیں ہے سے
میں نے بلبل سے جو پوچھا درد فرقت کا علاج + شاخِ گل سے گر پڑی تڑپی تڑپ کر مر گئی - (۷) گھات سے کوئی پرندہ ایسا نہیں اُڑتا کہ اس کی چونچ میں آب و دانہ نہ ہو مطلب - پیدا ہونے سے پیشتر ہر انسان کا رزق مقرر ہو جاتا ہے - (۸) سوسن اس سے زبان درازی کرتی ہے - کہ اس کے رخسار میں شرم کا نشان ہی نہیں - مطلب یہ سوسن زبان دراز "سوسن ہزار زبان" اس کی پنکھڑیوں کی ساخت کی وجہ سے کہتے ہیں - (۹) کعبہ تیرے کوچے سے صرف اس لئے ممتاز ہو گیا ہے - کہ اس کے در و دیوار پر رشک نہیں ہوتا.

مطلب - کعبے میں رشکِ رقیباں نہیں - اس لئے تیرے کوچے پر فضیلت رکھتا ہے - (۱۰) کہاں کنعان! اور کہاں مستوں کا بغداد ؟ یہاں کسی انا الحق کہنے والے کا سر صلیب پر نہیں چڑھا جاتا - (۱۱) نظیری یہ خوشبو عشق سے بناتا ہے - کونسا عطر ہے جو اس کے گلزار میں موجود نہیں +

بختم ایں لبس کہ مشتری شدہ بست — ہر چہ خلقم بہا نہند نکوست
بشکنم رنگ رُخ چو مستسقی — آب ہر کس بقدر ظرف سبوست
در براز باب ذوق کم بندند — اثر قبض و لبسط در ابروست
قطع دُنیا نمے شود چکنم — قوت مور و جستن از سرِ جوست
نیست ممکن بزندگی آرام — تا نفس باقی است وزنگ و پوست
شاہدانِ چمن تہیدست اند — جامۂ سرو تا سرِ زانوست
باش عریاں بدن کہ جامۂ گل — کم وہد بو کہ حلہ تو برِ توست
بوئے گل حیا شنیٔ مل دارد — آں شکر خندہ را چہ بوئے وچہ خوست
آب تلخے بعطر پرورند — نام کردند کیں گل خوشبوست
خط قرآں نگار او کوفی — چشم محراب گرد او ہندوست
خط فریبندہ کس چنیں ننوشت — یارب ایں معجز است یا جادوست
بر نظیری ست گوش خلق امروز — میر مجلس ندیم شیریں گوست

غزل نمبر ۵۰ - میرا نصیب اتنا ہی کافی ہے - کہ دوست میرا خریدار بنا ہے - خلقت جو بھی میری قیمت ڈالے گی وہی بہتر ہے - (۲) مرضِ استسقا کے مریض کی طرح میرے چہرے کا رنگ فق ہو جاتا ہے ہر شخص کا پانی اس کے مٹکے کی گنجائش کے مطابق ہے - مطلب " استسقا " ایک بیماری کا نام ہے جس میں مریض کو بے حد پیاس محسوس ہوتی ہے - پانی پی پی کر پیٹ پھول جاتا ہے - رنگ زرد پڑ جاتا ہے (۳) صاحبانِ ذوق پر دروازہ بند نہیں کرتے - اس کے ابروؤں کے ہاتھ لوگوں کی قسمت کی بیشی و کمی ہے - (۴) دنیا سے تعلقات قطع کرنا میرے لئے ممکن نہیں - کیا کروں - چیونٹی کا حوصلہ اور نہر پر سے کودنا ہے مطلب چیونٹی میں طاقت نہیں ہوتی کہ نہر یا دریا کو عبور کر جائے - اس طرح نظیری اپنی کم حوصلگی کا رونا روتا ہے - (۵) زندگی بھر آرام ممکن ہی نہیں جب تک سانس ہیں دوڑ دھوپ باقی ہے ؎

قسم اس موت کی اٹھتی جوانی میں جو آتی ہے — عروسِ نو کو بیوہ ماں کو دیوانہ بناتی ہے -
کہ یہ دنیا سراسر خواب اور خواب پریشاں ہے — خوشی آتی نہیں سینے میں جب تک سانس آتی ہے -

(۶) باغ کے معشوق خالی ہاتھ ہیں۔ چنانچہ سرو کا لباس بھی صرف زانوؤں تک ہے مطلب۔ دنیا کے افلاس کی طرف اشارہ ہے۔ (۷) تو عریاں جسم ہو جا کیونکہ کلی اس وقت تک خوشبو نہیں دیتی جب تک اس کا لباس تہ بہ تہ ہوتا ہے مطلب۔ صاف دل ہونے سے انسان کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ (۸) پھول کی خوشبو شراب کی سی چاشنی رکھتی ہے۔ تو پھر اس کے تبسم کی کیا بُو اور کیا خُو ہو گی؟ مطلب۔ جب پھول کی خوشبو سے شراب کی چاشنی ٹپکتی ہے۔ تو پھر معشوق کے تبسم سے کیا کچھ نہ ہو گی۔ (۹) کڑوے پانی کو عطر میں بسا دیا۔ اور نام رکھ دیا کہ یہ خوشبودار پھول ہے مطلب۔ پھول کا ذائقہ سخت کڑوا ہوتا ہے لیکن خوشبو خوب ہوتی ہے۔ (۱۰) اس کا قرآن رقم خط کوفی ہے۔ اور اس کی آنکھیں محراب ہیں۔ اور ان کے گرد سیاہ خال ہیں۔ مطلب۔ خط کوفی ایک قسم کا رسم الخط ہے جو سیدھی لکیروں کی مانند ہوتا ہے معشوق کے خط کو اس سے تشبیہہ دی ہے (۱۱) ایسا فریفتہ کرنے والا خط تو کبھی کسی نے نہیں لکھا۔ یارب! یہ معجزہ ہے یا جادو ہے؟ مطلب خط معشوق بے حد دلفریب ہے۔ اس پر تعجب کا اظہار کرتا ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

کاتب قدرت دو سطر ابرو بیت را کج نگاشت + یا ز حیرت دست او لرزید یا مسطر نداشت۔ (۱۲) آج خلقت کے کان نظیری (کی آواز) پر لگے ہوئے ہیں۔ یہ مجلس کا صدر اور خوشگو دوست ہے +

هر که نوشید مئے شوق تو نسیانش نیست
وانکه محو تو شد اندیشهٔ حرمانش نیست

دل بحسن تو مقید شد و جاوید بماند
که ز فکر تو برو آمدن آسانش نیست

تا یکے فکر تواں کرد سخن تازہ نوشت
قصهٔ شوق حدیثے ست که پایانش نیست

هیچکس نامهٔ سر بستهٔ ما فهم نکرد
نه همیں خاتمه اش نیست که عنوانش نیست

سبب از عقل مپرسید که غم نامهٔ ما
درس عشق است که از علم دلیستانش نیست

از دلم راه دلت عشق نمود است خوشم
که بآں خانه درے هست که دربانش نیست

راه دیگر بسوئے کعبه اعرابی هست
که غم از سرزنش خار مغیلانش نیست

خاطر غیب نمائے تو مگر جام جم است
که رخ حال من از آئینه پنهانش نیست

سایهٔ نامهٔ تو بال هما مے داند
هدهد ما که بسر تاج سلیمانش نیست

مرد تاجر که ز غربت بوطن مے آید
تحفهٔ خوبتر از نامهٔ اخوانش نیست

چوں قلم گریهٔ شادی کنم از نامهٔ دوست
که بجز از دل خندان مژه گریانش نیست

بسکه از وقت فهم تو نظیری بگداخت
نکتهٔ نیست که آمیخته با جانش نیست

غزل نمبر ۱۵۔

(۱) جس نے تیرے شوق کی شراب پی۔ اس کے لئے نسیان نہیں ہوتا۔ اور جو تجھ

میں محو ہو گیا۔ اسے فراق کا غم ہی نہیں رہتا۔ مطلب۔ تیرے شوق اور محویت میں دنیا کی کسی چیز کا خیال ہی نہیں رہتا۔ (۲) دل تیرے حُسن میں مقید ہو گیا۔ اور ہمیشہ کی زندگی پا گیا۔ کیونکہ تیرے فکر سے بچ نکلنا اس کے لئے آسان نہیں۔ مطلب۔ ایک دفعہ عشق میں گرفتار ہو کر رہائی ممکن نہیں۔ (۳) کب تک سوچ سوچ کر نئی نئی باتیں لکھی جائیں۔ شوق کا قصہ وہ حکایت ہے جو ختم ہی نہیں ہوتی۔ مطلب۔ شوقِ عشق کی کہانی دراز ہے۔ ختم ہونے میں نہیں آتی۔ (۴) ہمارے بند خط کو کسی نے بھی نہ سمجھا۔ نہ یہ کہ اس کا خاتمہ نہیں بلکہ عنوان ہی نہیں ہے۔ مطلب۔ خطِ عشق کا آغاز و انجام دونو مفقود ہیں۔ (۵) عقل سے اس کا سبب نہ پوچھو کہ ہمارا غمنامہ عشق کا سبق ہے۔ اور یہ مدرسے کے علموں میں سے نہیں ہے۔ مطلب۔ عشق میں عقل کیا کر سکتی ہے۔ اس لئے اس کی رہنمائی حاصل نہ کرو۔ عقل مدرسوں کی تعلیم سے آ جاتی ہے مگر عشق تو مکتبوں سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔ ؎ بیخطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق * عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی۔

(۶) میرے دل نے تیرے دل کا راستہ عشق کی بدولت پا لیا ہے۔ اس لئے میں خوش ہوں کہ اُس مکان کے دروازے پر کوئی دربان نہیں ہے۔ مطلب۔ معشوقوں کے دروازوں پر دربان ہوتے ہیں جو عشاق کو اندر جانے ہی نہیں دیتے۔ مگر جو دروازہ عشق نے نکال لیا ہے وہاں تو دربان بھی نہیں ؎

میانِ عاشق و معشوق رمز لیست * کراماً کاتبین را ہم خبر نیست۔ (۷) اعرابی کے کعبے کی طرف ایک اور راستہ ہے۔ جس میں کیکر کے کانٹوں کی چُبھن کا خوف بھی نہیں۔ مطلب۔ وہ دل کا راستہ ہے جس میں عقل کے راستے کی طرح کانٹے نہیں بچھے ہوتے۔ (۸) تیرا غیب نما دل شاید جمشید کا جام ہے۔ کہ میرے حال کا چہرہ تیرے آئینہ دل سے پوشیدہ نہیں۔ مطلب۔ میرا حال تجھے صاف نظر آ رہا ہے اور یہ مجھے خیال پیدا کرتا ہے۔ کہ شاید تیرا دل "جامِ جم" ہے۔ کیونکہ اس سے دنیاوی حالات نمایاں ہوتے ہیں۔ (۹) ہمارا ہد ہد جس کے سر پر شاہی کا تاج نہیں ہے۔ وہ تیرے خط کے سائے کو ہُما کا پر سمجھتا ہے۔ مطلب۔ ہمارا قاصد تیرے خط کے سائے کو متبرک و مبارک خیال کرتا ہے۔ (۱۰) وہ تاجر آدمی جو کہ مسافرت سے وطن میں آتا ہے۔ اس کے لئے بھائیوں کے خط سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہوتا۔ (۱۱) دوست کا خط پا کر میں قلم کی طرح خوشی کے آنسو بہاتا ہوں۔ کہ سوائے دل کی ہنسی کے اور کسی وجہ سے اس کی پلکیں روتی نہیں۔ مطلب۔ قلم کی آواز کو "خندہ" اور سیاہی بکھیرنے کو "رونا" قرار دیا ہے۔ (۱۲) تیری دقتِ نظری کی وجہ سے "نظیری" پگھل گیا ہے۔ کوئی نکتہ ایسا نہیں جو اس کی جان کے ساتھ نہ ملا ہوا ہو *

قرعہ بر وصل زندہ دیدہ و سامانش نیست ۔۔۔ کیں خیالست ازاں چشم کہ حیرانش نیست

نرگس از گردش چشمت بشراب افتادہ است ۔۔۔ مے پرستے ست کہ مخمور بدورانش نیست

شد ز شرم قلمت خضر نہاں در ظلمات ... کہ بجاں بخشئ آں چشمۂ حیوانش نیست

در جواب تو فرو ماندہ ترم طفلے ... کہ بسفتن شکند گوہر و تاوانش نیست

دل ز اندیشۂ وصل تو بجا باز نگشت ... کہ جدائی ز ملاقات تو آسانش نیست

عشق ما واقعۂ نیست کہ آخر گردد ... ہر چہ آغاز ندارد غم پایانش نیست

شادم از دل کہ مے عشق تو مدہوشش کرد ... خبر از رشک وصال و غم ہجرانش نیست

چرخ را کاسۂ پرخون شفق گردانست ... لالہ را سنگ بہ پیمانہ کہ پیمانش نیست

دولتِ عشق ندارد خطر از عین کمال ... کیں سعادت بکمالیست کہ نقصانش نیست

ما بایمان قوی عہد تو محکم داریم ... آنکہ پیماں شکند قوت ایمانش نیست

ہر جراحت کہ دلم داشت بمرہم بہ شد ... داغ دور لیست کہ جز وصل تو درمانش نیست

گر نظیری بفلک بر شدہ باشد چو مسیح ... بیت معمور بہ از کلبۂ ویرانش نیست

غزل نمبر ۵۲ — (۱) آنکھیں وصل کی فال نکالتی ہیں۔ لیکن اس کا سامان نظر نہیں آتا۔ کیونکہ اس آنکھ کا خیال ہے جو حیران نہیں ہے مطلب۔ آنکھ کا پھڑکنا مبارک فال ہے۔ مگر بظاہر کوئی صورتِ وصال نظر نہیں آتی۔ (۲) نرگس تیری آنکھ کی گردش کی وجہ سے مست پڑی ہے۔ وہ ایک ایسی مے پرست ہے۔ کہ اس کے زمانے میں کوئی شخص بھی مخمور نہیں ہے۔ (۳) خضر تیرے قلم کی شرم سے ظلمات میں پوشیدہ ہو گیا۔ کیونکہ اس کی جان بخشی کے مقابلہ پر چشمۂ آب حیات کچھ بھی نہیں مطلب۔ تیرا قلم جو جان بخشی کر سکتا ہے آب حیات اس کے مقابلے میں کیا کرے گا۔ (۴) تیرے جواب میں میں اُس بچے سے زیادہ عاجز آیا ہوا ہوں کہ سوراخ کرتے ہوئے موتی توڑ ڈالے۔ اور کوئی تاوان نہ لیں مطلب۔ اگر مجھ سے قصور بھی ہو تو بے قصور ہوں کیونکہ یہ قابلِ گرفت نہیں۔ (۵) دل تیرے وصل کے اندیشے سے جان کی طرف نہ لوٹا۔ کیونکہ تیری ملاقات سے الگ ہونا اس کے لئے آسان نہیں۔ (۶) ہمارا عشق ایسا واقعہ نہیں ہے۔ کہ اس کا خاتمہ ہو سکے۔ کیونکہ جس کا آغاز نہیں ہوتا اس کا انجام بھی نہیں ہوتا مطلب عشق بے پایاں ہے۔ ایک سمندر ہے انتہاہ۔ (۷) میں اپنے دل سے خوش ہوں کہ اسے تیرے عشق کی شراب نے مدہوش کر دیا۔ اور اسے وصال کے رشک اور ہجر کے غم کا پتہ ہی نہیں۔ مطلب۔ دل شراب عشق سے مدہوش ہو چکا اور جب یہ حالت ہو تو سہ مرے حسابوں تو عاشق نہیں حریص ہے وہ ٭ فراق و وصل میں کچھ بھی جو امتیاز کرے۔

(۸) آسمان پر شفق کا خون بھرا جام چل رہا ہے۔ لالہ کا عیش درہم برہم ہو جائے کیونکہ اس کا پیمان باقی نہیں رہتا (۹) عشق کی دولت عین کمال پر پہنچنے کے بعد زوال کا خطرہ نہیں رکھتی۔ کیونکہ یہ سعادت وہ کمال رکھتی ہے جس کو

زوال ہی نہیں ۔ مطلب ۔ دنیا میں انتہائی عروج کے بعد زوال ہے ۔ لیکن دولتِ عشق اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے ۔ (۱۰) ہم مضبوط ایمان کے ساتھ تیرا عہد قوی رکھتے ہیں ۔ کیونکہ جو عہد شکن ہوتا ہے اس کے پاس قوتِ ایمانی نہیں ہوتی ۔ (۱۱) میرے دل پر جو زخم تھے مرہم سے اچھے ہو گئے مگر ایک ہجر کا داغ ایسا ہے کہ تیرے وصل کے بغیر اس کا علاج ہی نہیں ہو سکتا ۔ (۱۲) اگر نظیری مسیح کی طرح آسمان پر پہنچ جائے پھر بھی اس کے لئے بیت معمور ایک جھونپڑی سے زیادہ وسعت نہیں رکھیگی ۔ مطلب ۔ بیت معمور وہ مسجد ہے جو بیت المقدس کے تین اوپر آسمانوں میں واقع ہے ۔ یعنی نظیری کے لئے عشق اختیار کرنے کے بعد انتہائی عروج بھی معمولی معلوم ہوگا ۔

عشق عصیاں ست اگر مستور نیست ــــ کشتۂ جرمِ زباں مغفور نیست
عشق در صنعت تصرف میکند ــــ در میاں فرہاد جز مزدور نیست
برتر از عشقست عالم پایۂ ــــ راہ از من تا جنوں پُر دور نیست
آنکہ منصور ست بر دارش کنید ــــ ایں انا الحق گوئے خود منصور نیست
حُسنت از سر ہوش بیروں میبرد ــــ بیش ازیں گنجائش مقدور نیست
مایۂ صد ماہ کنعانی بحُسن ــــ مصر در خوبی چنیں معمور نیست
کے بشر استغفر اللہ گویمت ــــ راست مے گفتم و لے دستور نیست
دلفریبی ہائے دشمن دیدہ ــــ جانفِ پاریہائے ما منظور نیست
عشرتِ و عیش نظیری کوتہ است ــــ در سرائے تنگ دستاں سور نیست

غزل نمبر ۵۳ ۔ (۱) عشق اگر پوشیدہ نہیں ہے تو گناہ ہے ۔ کیونکہ زبان کے جرم کا مارا ہوا کبھی بخشا نہیں جاتا ۔ مطلب ۔ عشق میں راز چھپانے کی ضرورت ہے نہ کہ ہر جگہ ڈھنڈورہ پیٹنے کی ۔ جنہوں کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں ۔ لبوں پر مہرِ خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں (۲) عشق خود صنعت میں کارفرما ہے ورنہ دراصل تو فرہاد ایک مزدور کے سوا کچھ نہیں ۔ مطلب ۔ فرہاد معمولی مزدور تھا ۔ اگر پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر نکال لی تو عشق کی کارفرمائی تھی نہ کہ فرہاد کی ۔ (۳) اس وقت عشق کے سبب سے میرا درجہ بلند ہے ۔ اب مجھ سے لے کر جنوں تک زیادہ فاصلہ نہیں ہے ۔ مطلب ۔ ہم جنونِ حقیقی کے پاس پہنچ چکے ہیں ۔ (۴) جو منصور ہے اسے دار پر چڑھاؤ ۔ یہ انا الحق کہنے والا تو منصور نہیں ہے ۔ مطلب ۔ منصور نے "انا الحق" کہا لیکن اس وقت جبکہ بقول ابو سعید ابو الخیرؒ ــــ روزیکہ انا الحق بزبان می آورد ۔ منصور کجا بود خدا بود خدا ۔ منصور نہیں بلکہ خدا رہ گیا تھا ۔ تو پھر پھانسی کس کو دے رہے تھے ۔ (۵) تیرا حُسن سر سے ہوش نکال رہا ہے ۔ اس سے زیادہ مقدر میں گنجائش ہی نہیں ۔ (۶) تو حُسن میں سو کنعانی چاندوں (یوسف علیہ السلام) کا سرمایہ

ہے۔ مصر بھی خوبی میں اس طرح بھرپور نہیں ہے۔ مطلب۔ تیرا حسن یوسف سے بھی بڑھ کر ہے۔ (۷) توبہ! توبہ! میں تجھے بشر کس طرح کہہ سکتا ہوں۔ میں سچ کہہ دیتا مگر اس کا دستور نہیں ہے۔ مطلب۔ واقفِ عشق کا درجہ بہت بلند ہے۔ انسانیت سے کہیں بڑھ کر۔ میں یہ راز افشا کرتا مگر دستور کے خلاف ہے۔ (۸) تو نے دشمن کی دلفریبیاں دیکھی ہیں۔ لیکن ہماری جانبازیاں منظور نہیں۔ (۹) نظیری کا عیش وعشرت بالکل کم ہے۔ مفلسوں کے مکان میں خوشی نہیں رہا کرتی ✤

این نخل کہ از چشمۂ جاں رستہ کہ کشت ست — وین خط کہ دہد یاد ز معجز کہ نوشت است
ما فتنہ ز مشاطۂ حسنیم نہ از عشق — زنار مغاں رشتہ خط و زلف کہ رشت است
جز از اثرِ دہشتِ تو وحشتِ ما نیست — با پردہ بگو پردۂ رخسار کہ ہشت است
زین لختِ دل و پارۂ جاں چاشنی گیر — بر گریۂ تلخ و نمک خندہ برشت است
ذوق غمم از طینت خاکی نرود ہیچ — ہر چند بشادی گل آدم نسرشت است
گو روئے تو نظارہ کن و خوئے تو بنگر — گوید کس اگر آدمئی را کہ فرشت است
سر تا سر صحرائے رخت لالہ دلش نیست — صد رنگ دگر گل کہ نداند کہ کشت است
گل جامہ زبر بس سبک از نازکی انداخت — عریانی گلزار ز کوتاہی زشت است
درحیرتم از ترک فنائے تو نظیری — کس غیر اجل فرش ال نہ نوشت است

غزل نمبر ۵۴ - (۱) یہ پودا کہ جان کے چشمے سے اُگا ہے اسے کس نے لگایا تھا۔ یہ خط کہ جو معجزہ یاد دلاتا ہے یہ کس نے لکھا تھا۔ مطلب۔ حسنِ معشوق پر اظہارِ تعجب ہے۔ (۲) ہم حُسن کی مشاطہ کے ہاتھوں فتنہ میں مبتلا ہیں۔ نہ کہ عشق کے سبب سے۔ زنار تو پیرِ مغاں نے گوندھی ہے۔ مگر یہ خط و زلف کس نے بنائے ہیں۔ مطلب۔ حُسن نے ہمیں وقفِ فتنہ کر رکھا ہے۔ جو فطری چیز ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو عشق بھی نہ ہوتا۔ (۳) سوائے تیری وحشت کے اثر سے (اور کسی سبب سے) ہماری دہشت نہیں ہے۔ تو ذرا پوشیدہ طور پر کہنا کہ تیرے چہرول پر پردہ کس نے ڈال رکھا ہے۔ دل کے ان ٹکڑوں اور جان کے ان پاروں سے چاشنی حاصل کر۔ یہ تلخ رونے اور ہنسی کے نمک سے بھُونے گئے ہیں معشوق کی ہنسی اور عاشق کے گریہ سے دل و جگر کے ٹکڑے بھُونے گئے ہیں۔ (۵) میرے غم کا ذوق تو اس خاکی طبیعت سے کسی طرح جا ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ انسان کی مٹی شادی سے گوندھی ہی نہیں گئی۔ مطلب۔ انسان کے خمیر میں غم رکھا گیا ہے۔ اس لئے یہ جا نہیں سکتا (۶) اگر کوئی کسی آدمی کو فرشتہ کہے تو اسے کہدے کہ تیری شکل کا نظارہ کرے۔ اور تیری خو کو دیکھے۔ مطلب۔ فرشتوں جیسی شکل وصورت اور عادت وخصلت تجھ میں موجود ہے۔ (۷) تیرے چہرے

کے صحرا پر لالہ اور نسترن اُگی ہوئی ہے۔ سو قسم کے اور پھول کہ کوئی نہیں جانتا کس نے بوئے ہیں مطلب۔ عشوہ و ناز سے مُراد ہے تجاہلِ عارفانہ کا اظہار کرتا ہے ؂

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست ✤ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست۔ (۸) پھول نے نہایت آرام سے اپنا لباس اُتار پھینکا۔ باغ کی عُریانی اس کی بُرائیوں کی کمی کے سبب ہے۔ مطلب۔ جس میں بُرائی نہیں وہ پوشیدہ نہیں رہتا۔ (۹) اے نظیریؔ میں تیرے ترکِ دنیا اور فنا پر حیران ہوں۔ کیونکہ کسی نے بغیر مرگ امیدوں کا بستر تہ نہیں کیا۔ مطلب۔ تو نے ترک دنیا کس طرح کر دیا ہے۔ حالانکہ لوگ تو مر کر ہی دُنیا کو چھوڑتے ہیں۔ **نوٹ:۔** نظیریؔ آخری عمر میں گوشہ نشین ہو گیا تھا ✤

نالۂ ما نغمۂ اہل نوا را گرم ساخت ... شوق ما ہنگامۂ ایں ماجرا را گرم ساخت
ز آتش وادی بیفگندیم نعلیں از قدم ... موسیٰ ما گرم رو گردید و ما را گرم ساخت
در گرفت از بہر خاطر گرمیٔ پروانہ سوخت ... شمع مجلس شد کہ در کاشانہ جا را گرم ساخت
گرمیٔ ہنگامۂ گلشن پے آشوب ماست ... گل شگفت از نعرۂ بلبل کہ ما را گرم ساخت
مایۂ مہر و محبت از رواج افتادہ بود ... صحبتِ ما روز بازار وفا را گرم ساخت
کین خسرو گر نبودے ساختے فرہاد کار ... طعنۂ ناموس خوئے بادشا را گرم ساخت
ہر بن مژگاں بچشم خلق قربان کردہ است ... گریۂ من داستانِ کربلا را گرم ساخت
اعتمادے بر شمیم حُلّۂ یوسف نداشت ... سرمۂ خاکسترم بادِ صبا را گرم ساخت
شد ز غربت قدر من معلوم بر اہل وطن ... گرمیٔ ہنگامۂ مہر آشنا را گرم ساخت
دیدم اشفاق رخت محروم گشتم از لبت ... وسعتِ احساں در استغنا گدا را گرم ساخت
از غلوئے رقتم معلوم شد حُسنِ قبول ... چوں مرادِ دل اجابت شد دعا را گرم ساخت
رشحۂ ابر ست ایں نظیریؔ یا صبا یا عطرِ گل ... بلبل از شعرِ ترت صوتِ نوا را گرم ساخت

غزل نمبر ۵۵ ۔ (۱) ہمارے نالے نے اہلِ نوا کے نغمے کو گرما دیا۔ اور ہمارے شوق نے اس ماجرے کے ہنگامے کو گرم کر دیا۔ (۲) وادی کی آگ میں ہم نے اپنے پاؤں سے جُوتا اُتار ڈالا۔ ہمارا موسیٰ تیز رو ہوا اور ہم کو بھی گرما یا۔ مطلب۔ تیزیٔ رفتار کے لئے پاؤں سے نعلیں اُتار ہی دیا کرتے ہیں۔ جب رہبر تیز ہو جاتے تو مقتدی خود بخود گرم رَو ہو جاتے ہیں۔ (۳) دوست نے اپنے دل کی گرمی کے لئے پروانے کی آگ حاصل کی۔ پھر شمعِ محفل بنا۔ اور کاشانہ میں جگہ گرمائی۔ (۴) گلشن کے ہنگامے کی گرمی ہماری پریشانی کے لئے ہے۔ پھول بلبل کے نعرے سے کِھلا۔ اور ہمیں بھی گرما دیا۔ مطلب: جگر سوختہ اور چاک دل صاحبان نے

ہمیں بھی گرما دیا۔ (۵) مہر و محبت کا سرمایہ بے رواج ہو چکا تھا۔ لیکن ہماری محفل نے مہر و وفا کی گرم بازاری کردی۔ (۶) اگر بادشاہ کا کینہ نہ ہوتا تو فرہاد کامیاب ہو گیا تھا۔ ناموس کے طعنے نے بادشاہ کی خو کو گرما دیا۔ مطلب۔ فرہاد محض مزدور تھا۔ اس سے بچنے کے لئے ایک شرط عائد کی گئی کہ وہ پہاڑ کھود کر نہر نکالے تو اسے شیریں کی شادی سے شادکام کر دیا جائیگا۔ مگر جب وہ اس امتحان میں بھی پورا اُترتا نظر آیا۔ تو "ناموس کے طعنے" نے بادشاہ کو پیمان شکنی پر مجبور کر دیا۔ اور فرہاد کو شیریں کی موت کی غلط خبر دی گئی۔ چنانچہ اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ (۷) پلکوں کا ہر بال اس نے خلقت کی آنکھوں پر قربان کر دیا ہے۔ میرے گریہ نے کربلا کی داستان کو بھی گرما دیا۔ مطلب۔ داستانِ کربلا بجائے خود ایک خون رُلانے والی حکایت ہے لیکن عاشق کی گریہ وزاری نے اسے اور دردناک بنا دیا۔ (۸) اس نے یوسف کے لباس کی خوشبو پر اعتماد نہ کیا۔ لیکن میری خاکستر کے سُرمے نے بادِ صبا کو بھی گرم کر دیا۔ مطلب۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے کُرتے کی خوشبو آ گئی تھی۔ مگر وہ حیرت میں تھے۔ (۹) میرے سفر سے اہل وطن کو میری قدر معلوم ہوئی۔ محبت کے ہنگامہ کی تیزی نے آشنا کو گرما دیا۔ مطلب۔ ظاہر ہے کہ نعمت "بعد زوال" (۱۰) مَیں نے تیرے چہرے کی شفقت تو دیکھی مگر تیرے لبوں سے محروم ہو گیا۔ احسان کی وسعت نے بے پروائی میں گدا کو گرما دیا۔ مطلب۔ جب احسان وسیع ہو تو گدا استغنا کا اظہار کرتا ہے۔ (۱۱) رقت کے حد سے بڑھ جانے سے "حسنِ قبول" ظاہر ہو گیا۔ جب دل کی مراد منظور ہوئی تو دعا میں گرمی پیدا ہو گئی۔ مطلب۔ جب دعا مانگتے وقت رقت طاری ہو جائے تو عام طور پر دعا قبول ہو جاتی ہے "غلو" مبالغے کا انتہائی پہلو ہے۔ یہاں زیادتی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ (۱۲) اے نظیری یہ ابر کے قطرے ہیں بادِ صبا ہے یا پھول کا عطر ہے۔ (کیا ہے؟) کہ بلبل نے تر و تازہ اشعار سے اپنی آواز اور نغموں کو گرما لیا ہے۔ مطلب۔ ابر۔ بادِ صبا یا پھول یہ چیزیں بلبل کو گرماتی ہیں۔ مگر بلبل تیرے شعروں ہی سے گرم نغمہ ہے۔ "تجاہلِ عارفانہ" استعمال کرتے ہوئے یہ سوال کرتا ہے +

گل صلائے عام زد مرغ از سحر خوانی نشست — روز شد پروانہ از بال و پر افشانی نشست

خانہ زیں گشت جولانگاہِ ماہ خرگہے — بر سر بازار شور ماہ کنعانی نشست

دیدہ پا انداز رخشش تحفۂ لائق ندید — در مقام پا ہمہ جا فرش پیشانی نشست

مردم چشم از فروغش بست آئیں خانہ را — بادشاہ در کلبۂ مسکیں بمہمانی نشست

تشنہ لب ماندیم از چوں زآب کوثر دوزخی — جنتے از خویشتن کرد و برضوانی نشست

خندہ زد بر طرح مجلس دل زغم آزاد گشت — نکتہ را نعرہ از درج لب عقل از پریشانی نشست

جانفشانی عذر بے سامانیٔ غمخانہ گفت — تا پشیماں رفت اگرچہ با پشیمانی نشست
تا بہ تعظیم از شکوہ طلعتش برخاستم — آنچناں محوم کہ نتوانم ز حیرانی نشست
پیشتر چندانکہ رفتم بیشتر شد سرگشتگی — چوں تواند ذرہ با خورشید نورانی نشست
سردارِ احرار عبداللہ خاں گنج بخش — کز خود و از ہر چہ در ملک جہانفانی نشست
در چمن با خار و گل در کوہ با خارا و لعل — قطرۂ باران التعامش بعمانی نشست
تختِ شاہانِ دکن بیشک اقامتگاہ اوست — ہیں ز صدر سلطنت بر مسندِ عالی نشست
شاہ را شغل جہانگیری مسلم شد ولے — بادل وارستہ بر تختِ جہانبانی نشست
اینکہ گویند اسم اعظم داشت جم افسانہ ایست — ہمت او داشت بر تختِ سلیمانی نشست
ہمت از وے جو کہ ایں ہمت اگر دستت دہد — جذبۂ گیر دگریبانت کہ نتوانی نشست
رشکِ ملک شیرواں امروز شادرواں اوست — کو بہ از خاقاں نظیری بہ ز خاقانی نشست
ما و عیش و عشرت و ایم کہ دولت بر سر بر — مہرباں تر باد وے از معشوقِ پنہانی نشست

غزل نمبر ۵۶ ۔ (۱) پھول نے دعوتِ عام دے دی اور پرندہ "سحر خوانی" میں مشغول ہوا ۔ دن نمودار ہوا ۔ اور پروانہ بال و پر افشانی سے رُک گیا ۔ (۲) زین کا گھر ایک پردہ نشین معشوق کی جولانگاہ بن گیا ہے ۔ اور بازار میں کنعان کا چاند (یوسف) کا شور تھم گیا ۔ مطلب ۔ اس معشوق کے مقابلے میں حضرت یوسف کے حُسن کی شہرت بھی ختم ہو گئی ۔ (۳) آنکھوں نے اس کے گھوڑے کے قدموں میں بچھانے کے لئے اور کوئی مناسب تحفہ نہ دیکھا ۔ تو اس نے قدموں کے نیچے ہر جگہ پیشانیوں کا فرش بچھا دیا ۔ مطلب "پا انداز" وہ کپڑا ہوتا ہے جو صاحبانِ دَول کے قدموں میں بچھایا جاتا ہے ۔ معشوق کے قدموں میں "جبینِ عشاق" سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے ۔ (۴) آنکھوں کی پتلیوں نے اس کے فروغ سے آراستگی کا سامان پیدا کر لیا ۔ (کیونکہ) بادشاہ ایک مسکین کی جھونپڑی میں مہمان ہو کر آ گیا ہے ۔ مطلب ۔ عاشق معشوق کو آنکھوں ہی میں جگہ دے سکتا ہے (۵) ہم اس سے اس طرح پیاسے رہے ہیں جس طرح کوثر کے پانی سے دوزخی ۔ اس نے اپنے آپ کو جنت بنا لیا اور پھر آپ اپنی دربانی کرنے لگا ۔ مطلب ۔ اس کا حسن "زہد شکن" ہوا مگر ہم اس سے متمتع نہ ہو سکے ۔ (۶) اس نے مجلس کے طرز کی ہنسی اُڑائی اور میرے دل کو غموں سے آزاد کر لیا ۔ اس نے اپنے لبوں کی ڈبیہ سے نکتہ نکالا اور عقل پریشانی سے نجات پا گئی ۔ مطلب ۔ اس کی ہنسی نے دل کو غموں سے اور نکتۂ لب نے عقل کو پریشانی سے نجات دلا دی ۔ (۷) میری جانبازیوں نے اپنے غم خانے کی بے سر و سامانی کا عذر پیش کیا ۔ اس لئے وہ اگرچہ سخت پشیمان ہو کر بیٹھا تھا مگر پشیمانی سے آزاد ہو کر گیا ۔ (۸) اس کی صورت کے

رعب کی تعظیم کے لئے نہیں اٹھا۔ لیکن اس قدر محو ہوا کہ حیرانی میں پھر بیٹھا ہی نہ گیا۔ مطلب۔ محوِ حسنِ یار ہو کر کھڑے کا کھڑا ہی رہ گیا۔ (۹) جتنا آگے بڑھا پریشانی بڑھتی چلی گئی۔ (واقعی)، ایک ذرہ منور خورشید کے ساتھ کس طرح بیٹھ سکتا ہے۔ مطلب۔ ذرہ خورشید کے سامنے سرگشتہ ہے۔ یہی حالت راہِ عشق کے راہرو کی ہے عشق سے قربِ حیرانی دیدار می آرد" (۱۰)، احرار کا سردار۔ خزانے بخشنے والا عبداللہ خاں جو اپنی خودی اور فانی جہان کی ہر چیز چھوڑ بیٹھا ہے۔ (۱۱) باغ میں کانٹے اور پھول کے ساتھ اور پہاڑ میں پتھر اور لعلوں کے ہمراہ اس کے انعام کی بارش کا قطرۂ دریائے عمان" کے کام میں محو ہو گیا۔ مطلب "بحر عمان" گہر خیز ہے۔ ممدوحِ نظیری عبداللہ خاں کا بھی یہی شیوہ ہے۔ دکن کے بادشاہوں کا تخت واقعی اس کی اقامت گاہ ہے۔ اب وہ سلطنت کے صدر مقام سے شاہانہ مسند پر جا بیٹھا۔ (۱۳) بادشاہ کو جہانگیری کا شغل اس سے حاصل ہوا۔ وہ ایک رہا شدہ دل کے ساتھ بادشاہت کے تخت پر ہو بیٹھا۔ (۱۴) یہ جو کہتے ہیں کہ جمشید کے پاس "اسم اعظم" تھا۔ یہ ایک افسانہ ہے۔ اصل میں (جمشید) اس (عبداللہ خان جیسی ہمت نہ رکھتا تھا اور اس سے سلیمان کے تخت پر ہو بیٹھا۔ مطلب "جمشید" ایرانی شہنشاہ با حشمت تھا لیکن اس کو حضرت سلیمان ہی قرار دیتے ہیں۔ اگر جمشید کے ساتھ "خاتم" آئے تو "سلیمان" اور اگر "جام" آئے تو "جمشید شاہ ایران" مراد لینا چاہئے۔ یہاں اول الذکر مراد ہے۔ (۱۵) تو اس سے ہمت حاصل کر۔ کہ اگر تجھے یہ ہمت میسر آجائے تو پھر ایک ایسا جذبہ تیرا گریبان گیر ہو جائے کہ خود کام سے) آرام ہی نہ کرے۔ (۱۶) آج اس کی خیمہ گاہ نوشیرواں کی سلطنت کے لئے بھی باعثِ رشک ہے۔ کیونکہ وہ خاقان سے بہتر اور نظیری خاقانی سے بہتر ہو بیٹھے ہیں۔ مطلب۔ شاہ خاقان کا مداح خاقانی تھا۔ جب خاقان کے لئے باعثِ رشک عبداللہ خاں کو قرار دیا۔ تو اپنے آپ کو خاقانی سے بہتر قرار دینا ہی تھا۔ (۱۷) ہم ہیں اور ہمیشہ کا عیش و عشرت۔ کیونکہ دولت اس کے تخت پر دلی معشوق سے زیادہ مہربان ہو کر بیٹھی ہے

بشرحِ حالتِ من نامہ اور اطراف است — ہزار قافلہ در زیرِ بارِ اوصاف است
بمہربانیِ او اعتماد نتواں کرد — کہ تازہ عاشقم و خاطرش بمن صاف است
بنالہ اشک فشانم کہ تازہ دولت را — عطائے نیم درم دستگاہ صد لاف است
بعشوہ کرد تبسم بخندہ جان وادم — خلاف دوست نمودن خلاف انصاف است
بہشت روزئے نابالغ محبت نیست — کسے کہ طفل بمیرد مقامش اعراف است
بتلخی از لب ایں شاہدان شاہ شناس — اگر شویم مکرم کمال الطاف است
ہزار مصر شکر صرف منعماں سازند — نوالۂ بفقیر ار دہند اسراف است

زعالمے کہ کسے دوستی لبسر نرساند | وفا مجوئے کہ عنقا ہنوز در قاف است
اگر ز راز دلت آگہم عجیب مداں | کہ علم کشف نہ از قسم علم کشاف است
بیک تبسم دز دیدہ ام فراہم ساز | کہ چوں رُخ تو پریشانیم ز اطراف است
نظیری از رہ سنجیدگی شنو غالب | دغل مسار کہ میزان بدست صراف است

غزل نمبر ۵۷ - (۱) میری حالت کی شرح میں ہر طرف شہرت ہے۔ ہزار قافلے اس تعریف کے بوجھ کے نیچے دلدے ہوئے روانہ ہیں۔ (۲) اس کی مہربانی پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ابھی میں اس کا نیا نیا عاشق ہوں۔ اور اس کا دل میری طرف سے صاف ہے۔ مطلب۔ کُل جدیدٌ لذیذٌ (ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے) اس لئے ع۔ ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا + آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ (۳) مَیں نالوں کے ساتھ آنسو بہاتا ہوں کہ ایک تازہ امیر کے لئے ایک درم کی بخشش بھی لافوں کا باعث بنتی ہے۔ مطلب۔ نیا امیر کسی کو ایک درم عطا کرے تو سو جگہ اس کا ذکر کرتا ہے۔ مگر خاندانی امیر کے لئے زیادہ سے زیادہ بخشش بھی باعث لاف نہیں۔ یہی حالت ایک نئے عاشق کی ہے جو رونا بھی ہے تو نالوں کے ساتھ۔ ورنہ پختہ کار عشاق تو آواز گریہ بھی پیدا نہیں کرتے۔ (۴) اس نے بڑے ناز سے تبسم کیا اور میں نے ہنسی ہنسی جان دے دی۔ کیونکہ دوست کے خلاف جانا انصاف سے بعید ہے۔ مطلب۔ اس کے تبسم کے جواب جان دینا ہی ٹھیک ہے۔ (۵) بہشت محبت کے نابالغ (ناتجربہ کار) کا حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ جو بچپن میں فوت ہو جاتا ہے وہ مقام اعراف حاصل کرتا ہے۔ مطلب۔ اعراف بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک مقام ہے جہاں بچوں کی روحیں رہتی ہیں۔ (۶) ان بادشاہ شناس معشوقوں کے لبوں سے اگر ہم گالیوں سے بھی مکرم ہوں تو یہ بھی ان کی کمال مہربانی ہے۔ مطلب۔ اگر یہ گالیاں بھی دیں تو غنیمت ہے ورنہ اگر بالکل التفات ہی نہ کریں تو ہم کیا کرینگے۔ (۷) یہ لوگ، لشکر کے ہزار شہر مصر امیروں پر صرف کر دینگے لیکن اگر ایک فقیر کو نوالہ دینا پڑے تو اسراف قرار دیں گے۔ مطلب۔ اُمراء اپنے جیسوں پر تو ہزاروں صرف کر دیتے ہیں لیکن حقداروں کو دینا اسراف سمجھتے ہیں۔ (۸) ایسی دنیا سے جہاں کسی نے دوستی کامل نہیں کی وفا تلاش نہ کر۔ کیونکہ عنقا ابھی تک قاف میں ہے۔ مطلب۔ عنقا کا نام ہی نام ہے موجود نہیں۔ دنیا میں محبت کا نشان بھی باقی نہیں نام ضرور موجود ہے۔ (۹) اگر میں تیرے دل کے راز سے آگاہ ہوں تو اس پر تعجب نہ کر۔ کیونکہ کشف کا علم "کتاب کشاف" کے علوم میں سے نہیں۔ مطلب۔ عاشق اور معشوق کے دل ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ دونوں کے دلوں میں راستہ ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں اس تعلق کی وجہ سے تیرے راز دل سے واقف ہوں۔ تو اس پر تعجب کرتا ہے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ راز علوم کتابی نہیں

کھول سکے۔ (۱۰) تو ایک زرد دیدہ تبسم سے مجھے ہوش میں لے آ! کیونکہ تیرے چہرے کی طرح میری پریشانی بھی اطراف سے ہے۔ (۱۱) نظیری اپنی سنجیدگی کی وجہ سے غالب آتا ہے۔ تو کھوٹ نہ ملا دہو کہ نہ دے) کہ ترازو صراف کے ہاتھ میں ہے۔ مطلب۔ نظیری کا ممدوح صاحبِ فہم ہے اس لئے وہ نظیری کے اشعار کی سنجیدگی سے واقف ہے +

ہیں قدح شمع شبستاں ایں است	مونس خلوت مستاں ایں است
پر نرگ وہ کہ بذوقے برسم	مرکبم تا بگلستاں ایں است
باش تا سجدۂ مے خانہ کنم	کعبۂ بادہ پرستاں ایں است
غافل از طوف صراحی مگذر	دست زن عروۂ مستاں ایں است
یک بت سادہ و یک خم بادہ	برگ و سامان زمستاں ایں است
مئے و خمار و خرابات مغاں	درس استاد و دبستاں ایں است
گردن تاک ببازی نبرند	سرو سر فتنۂ بستاں ایں است
کہربا رنگ تہمتن زور ست	زال یا رستم دستاں ایں است
مے فردوس نظیری جستی	بمیاں آمدہ بستاں ایں است

غزل نمبر ۵۸ - (۱) ادھر آؤ! شبستاں کی شمع کا پیالہ یہی تو ہے مستوں کی تنہائی کا رفیق یہی تو ہے مطلب۔ شراب ہی مستوں کی رفیق خلوت ہے۔ (۲) خدا اور بھر کر دے کہ میں ذوقِ عشق پا لوں۔ کیونکہ گلستاں تک دلیجانے والی میری سواری یہی تو ہے۔ (۳) ذرا ٹھیرو! کہ میں میخانے کو سجدہ کر لوں۔ کیونکہ شراب نوشوں کا کعبہ تو یہی ہے۔ (۴) صراحی کی طرف سے غافل ہو کر نہ گذرو۔ اسے حاصل کرو۔ کیونکہ مستوں کا "عروہ" (ایمان) یہی ہے۔ مطلب۔ کعبہ کے لوازمات کا تذکرہ میخانہ کی نسبت سے پورا کر دیا ہے۔ طوف۔ عروہ۔ سجدہ سب کعبہ کی رعایت سے لایا ہے۔ (۵) ایک سادہ سا معشوق اور ایک شراب کا مٹکا (ہمارے لئے) موسمِ سرما کا ساز و سامان یہی کافی ہے۔ مطلب۔ عشاق کا موسم سرما بعیش و عشرت بسر کرنے کے لئے معشوق ہو اور شراب کا خم۔ بس، اور کس چیز کی ضرورت ہے۔ (۶) شراب۔ شراب فروش اور پیر مغاں کا میخانہ۔ سبق۔ اُستاد اور مکتب یہی کافی ہے۔ مطلب۔ لف و نشر مرتب ہے عشق میں شراب۔ سبق۔ شراب فروش اُستاد اور مے خانہ پیرِ مغاں مکتب ہے۔ (۷) انگور کی بیل کی گردن یونہی کھیل کے لئے نہیں کاٹتے۔ باغ کے فتنے کی جڑ یہی تو ہے۔ مطلب۔ فتنہ گلستاں "تاک رز" ہے جس سے شراب کھنچتی ہے۔ (۸) اس کا رنگ (تو کہربا جیسا ہے (زرد ہے) مگر زور میں رستم تہمتن کی مانند ہے۔ یہ زال ہے یا داستانی رستم؟ مطلب۔ زال

رُستم کے باپ کا نام ہے۔ شراب دیکھنے میں زرد لیکن زور میں لاجواب ہے۔ (۹) اے نظیری تونے فردوس کی شراب طلب کی تھی۔ یہ آگئی ہے! لے لو! یہ پڑی ہے۔

دل بقرب و بُعد او مہجور نیست ۔ از نظر دور ست از دل دُور نیست
گرچہ زاں نور ست روشن دیدہ ہا ۔ دیدہ ہا را طاقتِ آں نور نیست
شمع مجلس تیغ غیرت آختہ است ۔ نیست یک پروانہ کو رنجور نیست
عجز وا صل شد چو عُجب از سر نہاد ۔ کبر جز از سرکشی مہجور نیست
اجتہاد عقل نفی شاہد ست ۔ بس بزرگ ست ایں خطا معذور نیست
بہ نمے گردد بمرہم زخم ما ۔ عشق غیر از علتِ ناسور نیست
تا بفرمان بت پرستی مے کنند ۔ بندہ در افعال جز مجبور نیست
سرورا زاں گل ہوائے در سر ست ۔ غیر شورے در سرِ مخمور نیست
بس نظیری زیں فغان جان خراش ۔ نالۂ دل نغمۂ طنبور نیست

غزل نمبر ۵۹ ۔ (۱) دل اس کے قرب اور دُوری سے ہجر زدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ (وہ) نظروں سے دُور ہے تو دل سے تو دور نہیں ہے یہ مانا کہ ہم سے چھپا کیجئے گا ۔ نگاہِ تصوّر کو کیا کیجئے گا ۔ بیا دل کے آئینے میں ہے تصویر یار ۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی ۔ (۲) اگرچہ اس نور سے آنکھیں روشن ہیں۔ لیکن آنکھوں کو بھی اس کے نور دیکھنے کی طاقت نہیں ہے۔ مطلب ۔ وہ معشوق ہماری آنکھوں کی روشنی ہے۔ لیکن ہم اس کا جمال دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے ۔ (۳) مجلس کی شمع نے غیرت کی تلوار کھینچی ہوئی ہے (اس) لئے کوئی پروانہ ایسا نہیں جو زخمی نہ ہو۔ مطلب ۔ شمع سے تمام پروانے جل جل کر گر رہے ہیں ۔ (۴) جب سر سے خود بینی نکال دی تو عجز حاصل ہوا ۔ تکبر محض سرکشی کی وجہ سے دُور رکھا گیا ہے۔ مطلب ۔ خود بینی وصالِ معشوق میں حائل ہے ۔ انسان خودی کو فراموش کر دے تو منزلِ مقصود پہ پہنچ جائے ۔ (۵) عقل کا اجتہاد معشوق کی نفی ہے ۔ یہ خطا بہت بڑی ہے۔ معاف نہیں کی جا سکتی ۔ مطلب ۔ عقل کی کوششوں سے معرفت خداوندی حاصل نہیں ہو سکتی ۔ یہ خطا (عقل کا استعمال) سخت گناہ ہے جو ناقابلِ معافی ہے (۶) ہمارا زخم مرہم سے اچھا نہیں ہوتا۔ عشق ناسور کی بیماری کے سوا اور کچھ نہیں ۔ مطلب ۔ عام زخم مرہم سے اچھا ہوتا ہے نہ کہ "زخمِ عشق" ، یہ تو ناسور ہے اچھا کیسے ہو؟ اگر بندہ اپنے افعال میں مجبور ہے تو پھر اس کے فرمان کے ماتحت بُت پرستی کرتے ہیں۔ مطلب "جبر و اختیار" کا مسئلہ مدت مدید تک مسلمانوں میں بحث و تمحیص کا باعث بنا رہا ہے ۔ اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اگر انسان اپنے فعل میں مختار نہیں مجبور

ہے۔ تو پھر بت پرستی بھی تو اسی کے حکم سے ہے۔ انسان کا کیا قصور۔ امام جعفر صادقؒ نے اس کا فیصلہ یوں فرمایا تھا۔ لا جبر و لا تفویض بل امر بین ذالک۔ نہ جبر ہے اور نہ اختیار بلکہ دونوں کے درمیان۔ (۸) سرو کے دماغ میں اس پھول کی خواہش ہے۔ اور اس کے خمار زدہ سر میں اس کے شور کے سوا اور کچھ نہیں۔ (۹) اے نظیری اس جانخراش فریاد کو بند کر دے۔ دل کا نالہ کوئی طنبوری نغمہ تو نہیں (کہ سن کر طبیعت بہلتی اور مزید فرمائش ہوتی)۔

کس نمود جرعۂ کز جگرم گزک نخواست
بے نمکی نگفت کس کز سخنم نمک نخواست

ہر کہ زیادہ دادمش بیشترے بمن نمود
پُر تر کش نساختم کاسہ کہ پر ترک نخواست

آمدہ نقش بازیم ورنہ فراز دیدہ ام
کس ننشست کز حسد جائے دو شش دو یک نخواست

من ہمہ عجز و ہمگناں میل نزاع میکنند
ہر کہ حریر باف شد عاقل از و خسک نخواست

رنگ رخ سخن نشاں میدہد از عیار مرد
صاحب فہم خوردہ بیں ناصرہ را محک نخواست

گفت و شنود دوستاں مایۂ عیش میشود
آنکہ شمردہ زد نفس ہمدمے ملک نخواست

عالم و یک مسیح دم دیر مغاں و یک صنم
ہر چہ نخواست لائے من اختر نہ فلک نخواست

مصرع نظم بے غلط صیغۂ نثر بے سقط
نسخۂ نظم و نثر من نقطۂ سہو و شک نخواست

طبع نظیری از ازل معجزہ خیز آمدہ
کز لک جا بلے مکش نسخۂ صنع حک نخواست

غزل نمبر ۶۰ - (۱) کسی نے مجھے ایک گھونٹ نہیں پلایا جس کے بدلے مجھ سے گزک طلب نہ کی ہو اور کسی نے پھیکی باتیں مجھ سے نہیں کیں جس نے میری باتوں سے نمک نہ چاہا ہو۔ مطلب "گزک" شراب کے لوازمات میں سے ہے۔ مطلب شاعر کا یہ ہے کہ ایک معمولی سا احسان کر کے لوگ اس سے کئی حصے زیادہ مجھ سے طلب کرتے ہیں۔ (۲) جس کو میں نے زیادہ دیا۔ اس نے مجھے اور زیادہ دکھایا۔ میں نے اس کا پیالہ اور زیادہ نہیں بھرا جس نے کہ زیادہ بھرنے کی خواہش نہیں کی۔ (۳) میری کھیل کا نقش آ پہنچا ہے۔ ورنہ (حالت یہ ہے) کہ کوئی شخص میری آنکھوں پر نہیں بیٹھا جس نے حسد سے میرے لئے بجائے دو چھ (پو بارہ) کے دو ایک (تین کانے) نہ چاہے ہوں۔ مطلب جس شخص کو میں نے آنکھوں پر جگہ دی۔ اس نے میرے نقصان کی خواہش ہی کی ہے۔ (۴) میں تو بالکل عاجزی اختیار کئے ہوں اور تمام لوگ جھگڑے کی رغبت کرتے ہیں۔ جو شخص ریشم بٹنے والا ہو عقلمند اس سے گوکھرو (کانٹا) طلب نہیں کرتا۔ مطلب۔ جو عجز کا پتلا ہو اس سے الجھنا ایسا ہے جیسے "حریر باف" سے "خسک" طلب کرنا۔ (۵) باتوں کے چہرے کا رنگ ہی انسان کے کھوٹ کا پتہ دیتا ہے۔ جو گہری نظر رکھنے والا دانا ہوتا ہے وہ کھوٹے کو پہچاننے کے لئے کسوٹی

کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔ مطلب سخن فہم کے لئے معیار کی ضرورت نہیں۔ اس کا مذاق سلیم ہی فوراً تہ تک پہنچ جاتا ہے۔ (۶) دوستوں کی گفتگو میرے لئے نقصان کا سرمایہ ہے جس نے گن گن کر سانس لئے اس نے کسی فرشتے کی دوستی کی بھی خواہش نہیں کی۔ مطلب۔ جو احتیاط کا دامن تھامے ہے۔ وہ دوستوں کی گفت و شنید تو ایک طرف فرشتوں کی ہمدمی کا بھی خواہاں نہیں + (۷) ادھر تمام دنیا ہے اور حضرت مسیح جیسا دم رکھنے والا ایک ہی ہے۔ پیر مغاں کا مے خانہ ہے۔ اور بُت ایک ہی ہے۔ (ایسی حالت میں) جو میری رائے کی خواہش ہے وہ نو آسمانوں کے ستاروں نے بھی نہ چاہا۔ (۸) نظم کا ہر مصرعہ غلطیوں سے پاک ہے۔ نثر کا صیغہ نقص سے مبرّا ہے۔ میرے نظم و نثر کا نسخہ بھول اور رشک کا نقطہ ہی نہیں رکھتا۔ مطلب۔ فخریہ ہے۔ میرا کلام نقائص سے پاک اور غلطیوں سے مبرّا ہے۔ (۹) نظیریؔ کی طبیعت تو روزِ ازل سے معجزہ پیدا کرنے والی آئی ہے۔ تو (خواہ مخواہ) اپنی جہالت کا چاقو نہ نکال کیونکہ صنعت کے بہترین نسخہ میں غلطی چھیلنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ مطلب۔ نظیریؔ کے کلام پر اعتراض کرنا جہالت کا ثبوت دینا ہے۔

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

جمالِ مغبچہ دیدی شرابِ مغبچہ نوش
مگوئے عذر کہ در کیش ما مدارا نیست

ز پائے تا بسرش ناز و عشوہ صف بستہ
ہزار معرکہ و رخصت تماشا نیست

بخاکِ مے نخری کاکلے کہ دل نبرد
کہ خارِ خشک بہ از سنبلے کہ بویا نیست

بحکمِ عقل در طریقِ عشق مکن
کہ راہ دور کند راہبرے کہ دانا نیست

فلک سراسر بازارِ دہر غم چید است
نشاط نیست کہ یکجائے ہست و یکجا نیست

نشاط رفتہ ز دوراں بصبر بستانم
کہ بد معاملہ آزردہ از تقاضا نیست

بپائے خویش کجا میتواں رسید کجا
کہ طیّ راہِ فنا جز بہ بالِ عنقا نیست

ہوائے وصل کسے میکند کہ بوالہوس ست
دراں دلے کہ محبّت بود تمنّا نیست

نظیری ہست بجائے ز غمزہ خونیں تر
لبِ شکوہ تا دلت آزردہ است گویا نیست

غزل نمبر ۱۶۱ - (۱) ہماری صف سے صرف وہ شخص بھاگتا ہے جو "مردِ غوغا" (جوانمردِ عشق) نہیں۔ کیونکہ جو مارا نہ جائے وہ ہمارے قبیلے ہی سے نہیں۔ مطلب عشق میں مرگ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اور ہر شخص جوانمردی کا ثبوت نہیں دیتا۔ لیکن بھاگتا صرف وہی ہے جو جوانمردِ عشق نہ ہو ہوس پرست ہو۔ (۲) تو نے مغبچے کا جمال تو دیکھا۔ اب مغبچہ کی شراب بھی تو پی لے۔ عذر نہ کرنا کیونکہ ہمارے مذہب میں خوشامد نہیں۔ مطلب۔ شراب پینے میں عذر کرو گے تو اصرار کوئی نہیں کریگا۔ جمال معشوق کے ساتھ شراب بھی تو لوازمات میں شامل ہے۔

(۳) اس کے پاؤں سے سر تک ناز اور عشوہ صفیں باندھے کھڑے ہیں۔ معرکے تو ہزاروں ہیں۔ لیکن دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ مطلب۔ معشوق سرتاپا حُسن ہے۔ لیکن افسوس ہے نظارہ کی اجازت نہیں رُعبِ حسن کی انتہا ہے۔ (۴) ایسی زلف کو جو دل نہ لے سکے خاک کے بدلے بھی نہ خریدنا۔ کیونکہ خشک کانٹے اس سنبل سے کہیں بہتر ہیں جو خوشبودار نہ ہوں۔ مطلب۔ وہ زلف ہی کیا جو عشاق کے دل نہ لے سکے وہ سنبل ہی کیسی جس میں خوشبو نہ ہو۔ (۵) عقل کے فیصلے کے مطابق عشق کے راستے میں عمل نہ کر۔ کیونکہ وہ رہبر جو دانا نہیں ہوتا وہ راستہ لمبا کر دیتا ہے۔ مطلب۔ عشق کے راستے میں عقل کو رہنما بنانا ایسا ہی ہے جیسے کسی نادان کو رہبر بنانا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ راستے کو لمبا کر دیتا ہے۔ (۶) آسمان نے زمانے کے بازار میں سراسر غم چُن دیا ہے۔ یہ کوئی نشاط نہیں کہ کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ مطلب۔ غم ہر جگہ دستیاب ہو جاتا ہے۔ مگر نشاط کمیاب ہے۔ کہیں ملتی ہے اور کہیں نہیں ملتی۔ (۷) گذری ہوئی خوشی زمانے سے بڑے صبر کے بعد حاصل کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ بدمعاملہ شخص تقاضوں سے آزردہ نہیں ہوتا۔ مطلب۔ "عیش رفتہ" کا حاصل ایسا ہی مشکل ہے جس طرح کسی بدمعاملہ سے مراد حاصل کرنا۔ (۸) اپنے قدموں سے کہاں پہنچا جا سکتا ہے۔ کیونکہ فنا کے راستے کو طے کرنے کے لئے عنقا کے پروں کی ضرورت ہے۔ مطلب۔ ان قدموں سے منزلِ عشق پر نہیں پہنچ سکتے۔ فنا کے راستے کے لئے عنقا کے سے بال و پر درکار ہیں۔ (۹) وصل کی خواہش تو وہ کرتا ہے جو بوالہوس ہوتا ہے۔ کیونکہ جس دل میں محبت ہوتی ہے تمنا نہیں سماتی۔ مطلب۔ عشاق کے لئے تو وصل و فراق یکساں ہیں۔ وصل کا خواہاں عاشق نہیں ہوس پرست ہوتا ہے۔ ؎

مرے حساب سے تو عاشق نہیں حریص ہے وہ + فراق و وصل میں کچھ بھی جو امتیاز کرے۔

(۱۰) نظیری تیرے غمزے کے ہاتھوں ایک سخت آزردہ حالت میں ہے۔ جب سے اس کے شکووں سے تیرا دل رنجیدہ ہو گیا ہے وہ بولتا ہی نہیں۔ مطلب۔ تیری ناراضی کے خوف سے اب بالکل سکوت اختیار کر لیا ہے۔

عشق مرا زباں حکایت برید نیست   مکتوب سر بمہر دلم ناشنید نیست
رازیکہ در دلست ز دل بایدم نہفت   گلہائے ناشگفتہ ایں باغ چید نیست
جلد و بیاض و دفترم از راز دل پُرست   چشمم بہر چہ مے فتد از ہم درید نیست
در سینہ تا بچند بر آرم فرو برم   ایں نیم قطرہ خون کہ ز مژگاں چکید نیست
خصم آں حریف نیست کہ دل کیں کشد ازو   زیں تیر نیم کش پر و پیکاں کشید نیست
گفتم اگر بمنزل مقصود پے برم   یکبار چند گام بہر سو دوید نیست
چوں یافت دل کہ بر سر راہے رسیدہ ام   ننشست از طلب کہ بآں کو رسید نیست

رفتیم درہ بکنہ جمالش نیافتیم — قانع بگشت دل برسیدن کہ دید نیست
دیدیم و دیدنش زخودی بے خودی نداد — ایں زہر اگر بحوصلہ گنجد چشید نیست
زیں عشق صد بلاست نظیری فسانہ چند — افسونِ خامشی بلب و دل دمید نیست

غزل نمبر ۶۲ - (۱) میرا عشق حکایت کی زبان کاٹنے والا ہے - میرے دل کا سر بمہر خط نہ سننے کے قابل ہے - مطلب - داستانِ عشق سننے کی تاب کسی کو نہ ہوگی ؎

بہتر کہ از حکایت مادر کشی نفس ٭ دل خوں شود زغصۂ کارِ مہیب ما - (نظیری) (۲) جو راز دل میں ہے وہ دل سے بھی چھپانا چاہئے - اس باغ کے ناشگفتہ پھول چننے کے قابل ہیں - مطلب - عشق میں دل بھی غماز ہوتا ہے اس لئے رازِ عشق کو چھپانا ہی سخت مشکل ہے - (۳) کتاب - بیاض اور دفتر سب دل کے رازوں سے بھرے پڑے ہیں - میری آنکھ جس چیز پر پڑے پھاڑ دینے والی ہے - (۴) خون کا یہ قطرہ جو پلکوں سے ٹپک جانے والا ہے - میں کب تک اپنے سینے سے باہر نکالوں اور پھر ضبط کروں - (آخر کار یہ آنکھوں سے ٹپک پڑیگا) (۵) دشمن وہ حریف نہیں ہے کہ ہمارا دل اس سے کینہ اختیار کرے - یہ نیم کش تیر سپر پرزے نکالنے والا ہے (۶، ۷، ۸، ۹) میں نے کہا کہ اگر منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤں تو اچانک چند قدم ہر طرف دوڑنے پڑیں گے - جب دل نے دیکھا کہ ایک درست راستے پر آ پہنچا ہوں - تو پھر بھی اس نے طلب نہ چھوڑی - کہ آخر اس کوچے پر پہنچنا ہے - آخر وہاں بھی گئے - مگر اس کے جمال کی حقیقت نہ پا سکے - اس لئے دل نے قناعت اختیار نہ کی - اب (جمال) دیکھنا چاہئے - آخر دیکھا - اور اس کے دیدار نے مجھے خودی سے بیخود نہ بنایا - تو یہ زہر اگر حوصلے میں سما سکے تو چکھنے ہی کے قابل ہے (۱۰) اے نظیری اس عشق میں سو بلائیں ہیں کب تک فسانوں میں مبتلا ہے - آخر خاموشی کا منتر لب اور دل پر پھونکنا ہی پڑیگا - مطلب - یہ غزل تصوف کے مقامات کے متعلق لطیف اشارات پر مبنی ہے - اور شاعر نے جتایا ہے کہ کس طرح راہِ معرفت میں قدم قدم پر مشکلات ہیں - اور پھر اگر یہ کڑوا گھونٹ پی بھی لیا جائے تو کس قدر مصائب کا سامنا ہے ٭

بیا کہ مردم و بر راہِ چشم جاں باز است — بگفتگوئے تو زخم مرا دہاں باز ست
بخوں ما اگرت میل ہست مانع نیست — مے مغانہ سبیل و درِ مغاں باز ست
چہ یوسفی تو کہ در مصرِ حسن چوں تو کسے — بروں نیامدہ تا راہ کارواں باز ست
در آرزوئے نثارِ قدوم تو ہمہ شب — گہر فروش دو چشم مراد کاں باز ست
نمے رود چو گرسنہ ولے چہ سود ازیں — کہ خوانِ وصل پُر و دست میہماں باز ست
چو بلبل قفسم من ازیں چہ ذوق مرا — کہ گل شگفتہ و درہائے بوستاں باز ست

صمد بجائے صنم بر زبانم آمدہ ست — بتم فتادہ و زنارم از میاں باز ست
دعا کنید بوقتِ شہادتم او را — کہ آں دمیست کہ درہائے آسمان باز ست
مکن شتاب نظیری بکار جانبازی — کہ چشم کار شناسانِ کاروان باز ست

غزل نمبر ۶۳ - (۱) آ! کہ میں مرگیا اور آنکھوں کے راستے پر جان لگی ہوئی ہے۔ تیرے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے میرے زخموں کا منہ کھلا ہے۔ (۲) اگر تو ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے تو کوئی رکاوٹ نہیں۔ پیرِ مغاں کی شراب وقف ہے۔ اور اس کا دروازہ سب پر کھلا ہے۔ مطلب۔ ہماری جان وقفِ عشق ہے۔ اگر قتل منظور ہے الحمدللہ۔ (۳) تو کیسا یوسف ہے کہ قافلوں کے لئے راستے تو کھلے ہیں لیکن تیرے حسن کے مصر میں کوئی تیرے جیسا آیا ہی نہیں۔ (۴) تیرے قدموں پر نثار کرنے کی آرزو میں تمام رات میری دونوں آنکھوں کے موتی بیچنے والوں کی دکان کھلی ہے۔ (۵) میں ہر وقت گریہ وزاری میں مبتلا ہوں۔ اور آنسوؤں کے موتی تیرے قدموں پر نثار کرتا ہوں۔ (۶) اگر میری طبیعت کی بھوک رفع نہیں ہوتی تو وصل کا دستر خوان بچھا ہوا اور مہمان کا ہاتھ کھلا ہوا ہونے سے بھی کیا فائدہ ہے۔ مطلب۔ طبیعت اگر وصل سے سیر نہیں ہوتی تو پھر اجازت عام سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ (۷) جب میں بلبلِ قفس ہوں تو پھر مجھے اس سے کیا لذت کہ پھول کھلے ہوئے ہیں اور باغ کا دروازہ کھلا ہے۔ مطلب۔ جب میں مقیدِ قفس ہوں تو مجھے موسم بہار کی آمد اور باغ میں اجازت عام ہونے سے کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ (۸) "صنم" کی بجائے اب میری زبان پر "صمد" آنے لگا ہے۔ بت ہاتھ سے گر چکا ہے اور زنار میری کمر سے کھل گئی ہے مطلب۔ عشقِ مجازی رخصت ہو گیا ہے اور عشقِ حقیقی کا غلبہ ہے (۹) میری شہادت کے وقت اس کے حق میں دعا کرو۔ کیونکہ یہ وہ ساعت ہے جبکہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں۔ اس لئے یہ دعا جو اس کے حق میں کی جائیگی قبولیت کا شرف پائیگی، مطلب۔ عاشق مرتے ہوئے بھی معشوق کی بہتری کا طالب ہے۔ (۱۰) اے نظیری! جانبازی کے کام میں جلدی نہ کرو۔ کیونکہ قافلے کے تجربہ کاروں کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔

زبان طعنہ ما کوتہ از بریدن نیست — علاج شکوہ عاشق بجز شنیدن نیست
ازبسکہ گشتہ ام از درد انتظار ضعیف — نگاہ را برخت قوتِ رسیدن نیست
چنانکہ خانہ زندانیاں فرود آید — شکستہ جان قفس جرات پریدن نیست
زبے تعلقی خویشتن بایں شادم — کہ جاں سپردن اگر ہست دل طپیدن نیست
بہ ہجر و وصل و ملال و نشاط گریہ کنم — دراں دلے کہ طلب ہست آرمیدن نیست

زنار زلف تو زنار برمیاں دارم — بیا کہ مصلحت پیرہن دریدن نیست
گرفتہ طبع نظیری سوال از و مکنید — درخت گل نشگفت ست وقت چیدن نیست

غزل نمبر ۶۴۔ (۱) ہماری طعنہ زن زبان کاٹنے سے کم نہیں ہو جائیگی۔ عاشق کے شکوے کا جواب سن لینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ مطلب۔ "زبانِ طعنہ ما" بند نہیں ہوگی۔ اس لئے بہتر ہے کہ شکوۂ دِل سُن لو۔ (۲) چونکہ میں دردِ انتظار میں بے حد کمزور ہو گیا ہوں۔ (اب یہ حالت ہے) کہ نگاہ تیرے چہرے پر پہنچنے کی قوت ہی نہیں رکھتی۔ (۳) جس طرح کہ قیدیوں کا مکان گر پڑتا ہے تو وہ بیچارے کہیں بھاگ بھی نہیں سکتے۔ اسی طرح جان نے پنجرا تو توڑ ڈالا ہے۔ مگر اُڑنے کی جرأت نہیں ہے۔ (۴) میں اپنے آپ سے بے تعلق ہو جانے پر اس لئے خوش ہوں کہ اگر جان سپرد کرنا ہی ہے۔ تو دل کی بے قراری تو نہیں ہے۔ مطلب۔ اپنے مرنے پر بھی خوش ہوں کہ بے قراریٔ دل تو ختم ہو گئی۔ (۵) میں ہجر اور وصال یا خوشی و رنج میں (ہر حالت میں) روتا ہوں۔ کیونکہ جس دل میں طلب ہوتی ہے وہ آرام نہیں کرتا۔ مطلب۔ طلب صادق ہو تو بیقراری دل برقرار رہتی ہے۔ (۶) تیری زلفوں کے تار سے میں اپنی کمر پر زنار رکھتا ہوں۔ تو آجا! کہ اب کپڑے پھاڑنے میں مصلحت نہیں۔ مطلب۔ وصالِ دوام میسر ہے۔ اس لباس کا تار تار کرنا بے سُود ہے۔ (۷) نظیری کی طبیعت سخت گرفتہ ہے۔ اس لئے اس سے کچھ نہ پوچھو۔ پھولوں کا درخت کھلا ہی نہیں۔ اس لئے پھول چُننے کا وقت بھی نہیں۔ مطلب۔ طبیعت شگفتہ ہو تو بات میں لطف آتا ہے ورنہ کیا خاک لطف آئے +

ایں پیش خیل کجکلہاں از سپاہ کیست — وین قبلۂ کہ کج شدہ طرف کلاہ کیست
دامن کشاں چو ابر بگلزار میرود — تاآب نرگس کہ و برق گیاہ کیست
پائم بہ پیش از سر ایں کو نمیرود — یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست
آں ابروئے کشیدہ کماں از چہ خانہ خاست — وین غمزۂ گرفتہ کمیں در پناہ کیست
گیرم تبسمت کند انکار کشتنم — آں غمزۂ حریص سیاست گواہ کیست
گرد سر تو گشتن و مردن گناہ من — دیدن ہلاک و رحم نکردن گناہ کیست
برباد دادہ طرہ ز رخسار یار گر — لختِ جگر بجیب کہ گل در نگاہ کیست
مے بینمد بخوان و نمے آردم بباد — کایں گریہائے تلخ ز زہر نگاہ کیست
از کف بعذر دامن و دستت نمیدہم — دانستہ ام کہ گوشۂ چشمت براہ کیست
کف میکشد بزلف و نمے گویدش کسے — کاں زلف درہم از اثر دود آہ کیست

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بحشر   حلقے فغاں کنند کہ ایں دادخواہ کیست

غزل نمبر ۶۵ - (۱) یہ شاہوں کا سردار کس سنپاہ سے ہے۔ اور یہ ٹیڑھا قبلہ کس کی کلاہ کا گوشہ ہے مطلب "کجکلاہ" ایران کے بادشاہ کا لقب بھی۔ مگر معشوقوں کے لئے بھی مستعمل ہے۔ کیونکہ وہ کمال بے اعتنائی سے ٹوپی ٹیڑھی رکھا کرتے ہیں۔ (۲) وہ ایک طرف دامن جھٹکتا ہوا باغ کی طرف جارہا ہے۔ وہ کس کی نرگس کی آب اور کس کی گیاہ کے لئے برق ہے۔ مطلب۔ وہ معشوق نہایت شان سے جارہا ہے معلوم نہیں کس کے دل پر بجلی گرائیگا اور کس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیگا۔ (۳) اس کوچے سے آگے میرا پاؤں کبھی نہیں اُٹھتا اے دوستو! بتاؤ تو یہ کس کی جلوہ گاہ ہے ؎

دیوانہ میگذشت وصالی بکوئے دوست * آنجا رسید و سُستیِ پارا بہانہ ساخت۔ (۴) وہ ابرو جو کمان کھینچے ہوئے ہیں کس خانہ سے اُٹھے ہیں۔ اور وہ غمزہ جو گھات میں بیٹھا ہے یہ کس کی پناہ میں ہے؟ (۵) میں نے مانا کہ تیرا تبسم میرے قتل سے منکر ہے۔ لیکن وہ سزا دینے کا حریص غمزہ کس کا گواہ ہے مطلب اگر تیرے تبسم نے عشاق کا قتل نہیں کیا تو یہ تو بتاؤ یہ غمزہ جو سزا دینے کا شائق معلوم ہوتا ہے کیا ظاہر کر رہا ہے؟ (۶) تیرے سر کے گرد پھرنا تجھ پر صدقے و قربان ہونا، تو میرا گناہ ہے لیکن مجھے مرتے ہوئے دیکھنا اور رحم نہ کرنا یہ کس کا گناہ ہے؟ غالب کیا خوب کہتا ہے ؎

بیخود بوقتِ ذبح طپیدن گناہِ من * دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہِ کیست۔ ایک اور شاعر:۔

رنجیدن از بزمِ تو رفتن گناہِ من * ساغر ز دستِ غیر گرفتن گناہِ کیست (۷) اپنے رخسار سے زلفیں ہٹا دی ہیں۔ اور گریبان میں دل کے ٹکڑے آبیٹھے ہیں۔ کہ پھول کس کی نگاہ میں ہے (۸) وہ مجھے خون میں لتھڑا ہُوا دیکھتا ہے۔ اور یاد نہیں کرتا۔ کہ یہ تلخ رونا کس کی نگاہ کا زہر ہے مطلب۔ اپنے عشق میں بسمل دیکھ کر بھی رحم نہیں کرتا۔ حالانکہ اس کی نگاہ کا اثر ہے۔ میں زخموں سے گریہ میں مبتلا ہوں۔ (۹) کسی عذر ریہی میں اب تو اپنے ہاتھ سے تیرا دامن اور ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ میں نے پہچان لیا کہ تیری آنکھ کا گوشہ کس طرف ہے۔ مطلب۔ میں نے تیری پھری ہوئی نظروں سے پہچان لیا ہے۔ کہ تو قبول کی طرف جارہا ہے۔ اس لئے تو لاکھ عذر کر۔ میں تجھے چھوڑنے کا نہیں۔ (۱۰) وہ زلفوں میں ہاتھ سے کنگھی کر رہا ہے۔ اور کوئی اسے نہیں پوچھتا۔ کہ یہ پریشان زلفیں کس کے دُودِ آہ سے ہیں مطلب۔ زلفوں کی پریشانی ہماری آہوں کے دھوئیں سے ہے۔ وہ بیچارہ اس کو درست کرتا ہے اور کوئی اس سے اس کا باعث نہیں پوچھتا۔ (۱۱) جب خونی کفن پہنے ہوئے نظیری حشر میں جائیگا۔ تو تمام خلقت فریاد کریگی کہ کس کا دادخواہ ہے مطلب جس شان سے نظیری سرخ کفن حشر میں جائیگا لوگ حیران ہو کر دیکھینگے اور قاتل کا پتہ دریافت کرینگے

خواہم ایں بستان پرغم را بشورے درشکست / ایں قفس تنگست بر مرغ تو بال و پر شکست
روزگار از خاطرم چوں نیل از رخسار شست / آسماں بر آتشم چوں عود در مجمر شکست
پائے از پیش آمد و کارم ز پس دامن گرفت / دست در اندیشۂ بارم بزیر سر شکست
طعم شکر داد عشق از در گلو کافور ریخت / تلخیٔ میداد غم در شیرم از شکر شکست
دیدنش بر حسرت من حسرت دیگر فزود / خواستم پیکاں بر آرم در جگر نشتر شکست
دوستاں ہرگز نہ بیند از محبت عیب دوست / خاطرم خوش شد اگر مے ریخت گر ساغر شکست
در رخش آہے کشیدم خاطرم آزادہ شد / باد بر بستاں وزید و شاخ نازک تر شکست
میکشم حرماں مے بے ظرف در بزم وصال / شوق دل پیمانہ ام را بر لب کوثر شکست
در برونِ در نظیریؔ شد ہلاک از انتظار / مژدہ بخشید مسکیں را کہ مجلس بر شکست

غزل نمبر ۶۶ - (۱) میں یہ چاہتا ہوں کہ اس غم بھرے باغ کو ایک شور سے تباہ کر دوں۔ یہ قفس تیرے پرندے پر تنگ ہو رہا ہے۔ اور اس کے بال و پر ٹوٹ گئے ہیں۔ مطلب۔ جسم چونکہ روح پر تنگ ہو رہا ہے آہِ پرسوز سے جلا دینا چاہتا ہوں۔ (۲) زمانے نے اپنے دل سے رخسار کی سیاہی کی طرح مجھے دھو ڈالا اور آسمان نے مجھے آگ پر اس طرح جلایا جس طرح انگیٹھی میں عُود۔ مطلب۔ زمانے نے مجھے بالکل فراموش کر دیا۔ اور آسمان نے مجھے حسرتوں میں جلایا۔ (۳) میں نے قدم آگے اُٹھایا اور میرے کام نے دامن پکڑ لیا۔ میرے ہاتھ بوجھ کے خیال میں سر کے نیچے ٹوٹ گئے۔ مطلب۔ بخت بد ترقی میں رُکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ (۴) عشق نے اگر گلے میں کافور بھی اُتارا تو اس نے شکر کا مزا دیا۔ اور غم نے اگر میرے دُودھ میں شکر بھی ڈالی تو اس نے شراب کی سی تلخی دی۔ مطلب۔ عشق میں تکلیف راحت اور غم میں آرام مصیبت بن جاتا ہے۔ (۵) اس کے دیکھنے نے میری حسرت پر ایک اور حسرت کا اضافہ کر دیا۔ میں نے تو چاہا تھا کہ تیر نکالوں مگر جگر میں نشتر ہی ٹوٹ گیا۔ "تیر نگاہ" نکال رہا تھا کہ زخم میں نشتر ہی ٹوٹ گیا۔ اس لئے "حسرت بر حسرت فزود" (۶) دوست محبت سے اپنے دوست کا عیب نہیں دیکھتے۔ اس لئے اگر اس نے شراب گرا دی یا پیمانہ توڑ ڈالا تو میرا دل خوش ہو گیا۔ مطلب ؎ ان کو آتا ہے پیار پر غصہ ÷ ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے (۷) میں نے اس کی موجودگی میں آہ بھری تو اس کا دل رنجیدہ ہو گیا۔ باغ میں ہوا چلی اور نازک شاخ ٹوٹ گئی۔ مطلب۔ اس کا دل شاخ نازک کی مانند ہے۔ آہ کی ہوا سے ٹوٹ جاتا ہے۔ (۸) میں اس کی وصال کی محفل میں شراب کا فراق کھینچ رہا ہوں۔ میرے دل کے شوق نے میرا پیمانہ کوثر کے کنارے توڑ ڈالا۔ مطلب۔ محفل وصال یار میں شراب عام ہے لیکن افسوس ہے مجھے میسر نہیں۔ (۹) نظیریؔ دروازے کے باہر

انتظار ہی میں مر گیا۔ کوئی اس مسکین کے پاس خوشخبری لے جائے کہ مجلس اب ختم ہو گئی ہے۔

داند اخلاص مرا و ز حال من آگاہ نیست
در دلش رہ دارم و بر آستانم راہ نیست

بخت با ما سرکش ست و مدعا با ما بجنگ
کہربائے شوق ما را جذبۂ یک کاہ نیست

فصلہا شد از تباہی بسر نیامد عمر ما
کشتیٔ ما را سفر از سیر سال و ماہ نیست

شست دل صد رہ کشودم بر ہدف کارے نکرد
گوئیاں بیکان و پر با این خدنگ آہ نیست

خاطر دوراں ز کین دوستاں در عہد تو
آنچناں پُر شد کہ دلہا را بدلہا راہ نیست

عرض حال جملہ رہ دارد بخلوت گاہ قرب
جز دعائے من کہ آں مقبول ایں درگاہ نیست

پیش ازیں در جانسپاریہا ازاں لب قسمتم
حرف تلخی بود اکنوں گاہ ہست و گاہ نیست

جستجوئے وصل با ایں زندگی بیطاقتی است
ذوقے از پرواز با ایں رشتۂ کوتاہ نیست

گر نظیری شکوہ از بے مہریت دارد مرنج
عیب صاحب را کہ پوشد بندہ دولتخواہ نیست

غزل نمبر ۶۱ :۔ وہ میرے اخلاص سے واقف ہے۔ مگر میرے حال سے آگاہ نہیں۔ میں اس کے دل میں جا سکتا ہوں۔ مگر اس کے آستان پر نہیں جا سکتا۔ مطلب "دل بدل رہیست" اس لئے اس کے دل میں میری یاد تو آتی ہے۔ لیکن اس کے مکان پر مجھے کوئی جانے نہیں دیتا۔ گویا دل میں تو راستہ پا لیتا ہوں۔ آستان پر جانے کی اجازت نہیں۔ (۲) نصیب ہم سے باغی ہو چکا ہے۔ اور مدعا بر سرِ پیکار ہے ہمارے شوق کے کہربا کو ایک گھاس کا تنکا کھینچ لینے کا جذبہ نہیں ہے۔ مطلب "کہربا" گھاس کھینچ لیتا ہے۔ جس طرح مقناطیس لوہے کو۔ مگر میری قسمتِ بد اتنا جذبہ بھی نہیں رکھتی۔ (۳) تباہی میں کئی فصلیں گذر گئیں لیکن ہماری عمر پوری نہ ہوئی۔ گویا ہماری کشتی کے سفر کے لئے مہینے اور سال نہیں ہیں یعنی مطلب۔ ہماری کشتی کے لئے کنارہ نہیں۔ انجام مقرر نہیں کہ عمر ختم ہو اور مصائب سے نجات ملے۔ (۴) میں نے دل کے نشانہ کو کئی سو جگہ سے کھول ڈالا۔ دل نشان نمایاں کیا، مگر پھر بھی وہ ہدف پر نہ لگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آہ کے تیر کے پر و بال ہی نہیں یعنی مطلب۔ تیر آہ ٹھیک نشانے پر نہیں بیٹھتا باوجودیکہ ہم بے حد کوشش کرتے ہیں۔ (۵) تیرے زمانے میں زمانے کا دل دوستوں کے کینے کی وجہ سے اس طرح بھر گیا ہے۔ کہ اب دل کو دل سے راہ نہیں رہی۔ (۶) اس کے قرب کی تنہائی میں ہر شخص کا حال پیش ہو سکتا ہے۔ مگر میری دعا ہی ایسی ہے جو اس درگاہ میں قبولیت کا شرف نہیں پاتی۔ مطلب۔ عوام کا حال شرفِ قبولیت پا لیتا ہے مگر میری دعا کے لئے راستہ ہی بند ہے۔ (۷) اس سے پہلے تو اس کے لبوں سے میری جانبازیوں کے جواب میں میری قسمت میں گالیاں ہی ہوتی

تھیں مگر اب وہ بھی کبھی ملتی ہیں اور کبھی نہیں ۔ مطلب ۔ پہلے اتنا تو تھا وہ گالیاں دیا کرتے تھے ۔ لیکن اب تو وہ بھی نہیں بالکل فراموش کر دیا ۔ غالبؔ ؎

وارستہ اس سے ہوں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو ۔ کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو ۔۔۔

داغؔ : ۔ بلا سے مجھ کو کوسیں گالیاں دیں ۔ مگر وہ نام لیں ہر بار میرا (۸) اس زندگی کے ساتھ وصل کی خواہش کرنا کمزوری ہے ۔ اس چھوٹے سے دھاگے کی موجودگی میں پرواز کا ذوق کیا ہو ۔ مطلب زندگی مختصر ہیں وصل کی خواہش کیا کی جائے ۔ (۹) اگر نظیریؔ تیری بے مہری کا شکوہ کرتا ہے ۔ تو رنجیدہ نہ ہونا ۔ کیونکہ مالک کے عیب پوشیدہ کرنے والا غلام خیر خواہ نہیں ہوتا ۔

ہر کس شہید آں مژہائے دراز نیست	در شرع بر جنازۂ آنکس نماز نیست
محمود را اگرچہ جہاں زیر خاتم ست	جائے بہش زگوشۂ چشم ایاز نیست
شہ را چو پردہ از رخ شاہد برافگند	چشمش سوئے خراج خطا و طراز نیست
معذورم ار ضعیف و جگر خستہ ماندہ ام	در عرصۂ پرم کہ بجز شاہباز نیست
عاشق وفا نماید و معشوق سرکشی	حسن از حجاب خالی و عشق از نیاز نیست
دائم کماں کشے بکمیں گہ نشستہ است	آں طاق ابرو از گرہ فتنہ باز نیست
کو غمزۂ خشمگیں شود کو ناز کینہ ورز	یک شیوہ بے کرشمۂ عاشق نواز نیست
ما را چہ اعتبار و اثر باوجود دوست	جائے کہ جلوہ کرد حقیقت مجاز نیست
یار از غرور مست و نظیری بخود اسیر	بیچارہ دل کہ ہیچکسش چارہ ساز نیست

غزل نمبر ۶۸ ۔ (۱) جو شخص ان لمبی پلکوں کا شہید نہیں ۔ شریعت میں اس کے جنازے پر نماز ہی جائز نہیں ۔ مطلب ۔ جو بندۂ عشق نہیں اس کی نماز جنازہ حرام ہے ۔ (۲) اگرچہ محمود کے زیر نگیں ایک جہان ہے ۔ لیکن اس کے بہترین جگہ ایاز کے گوشۂ چشم میں ہے ۔ مطلب ۔ محمود حکمران تھا ۔ مگر اپنے معشوق ایاز کا منظور نظر ہونا اس کے لئے باعث فخر تھا ۔ (۳) جب معشوق کے چہرے سے بادشاہ کے سامنے پردہ اُلٹ دیں ۔ تو پھر اس کی توجہ خطا اور طراز کے خراج کی طرف نہیں رہتی ۔ مطلب حُسن دیکھ کر بادشاہ انتظام سلطنت فراموش کر بیٹھتا ہے ۔ (۴) میں بالکل معذور ہوں اگر کمزور وضعیف رہ گیا ہوں کیونکہ میں اس میدان میں اُڑتا رہا ہوں کہ جہاں سوائے شہباز کے اور کوئی نہیں ہوتا ۔ مطلب ۔ میں بلند پرواز تھا ۔ اس لئے اب جگر خستہ اور ضعیف" رہ گیا ہوں ۔ (۵) عاشق وفا کرتا ہے اور معشوق سرکش رہتا ہے ۔ حُسن حجاب سے اور عشق نیاز سے خالی نہیں ہوتا ۔ (۶) ہمیشہ کوئی کمان کش

گھات میں بیٹھا رہتا ہے۔ ابروؤں کا وہ طاق فتنوں کی گمرہوں کے لئے بند نہیں ہے مطلب۔ کوئی نہ کوئی فتنہ اس کے طاق ابرو سے برپا رہتا ہے۔ (۷) اگر اس کا غمزہ ناراض ہوتا ہے۔ یا ناز کینہ اختیار کرتا ہے تو ہمیں کیا؟ اتنا ضرور ہے کہ اس کا کوئی شیوہ عاشق نوازی سے خالی نہیں ہوتا (۸) دوست کے ہوتے ہوئے ہمارا اعتبار اور اثر کیا ہے۔ کیونکہ جہاں حقیقت جلوہ کرتی ہے مجاز نہیں رہتا۔ مطلب۔ جب حقیقت نمایاں ہو گئی تو وہم۔ گمان یا مجاز کا کیا کام؟ (۹) یار تو غرور سے مست ہے اور نظیری اپنے آپ میں مقید ہے۔ رہا بے چارہ دل! سو اس کا کوئی چارہ ساز ہی نہیں۔ مطلب۔ نہ معشوق دل کی خبر لیتا ہے۔ اور نہ عاشق اس بے چارے کا خیال کرتا ہے ❖

عشق را کام بعہد دل خود کام تو نیست
صبح امید و شب وصل در ایام تو نیست

دیدہ ام دفتر پیماں و فا حرف بحرف
نام خوباں ہمہ ثبت ست ہمیں نام تو نیست

من دل شیفتہ آزار نمیدانم چیست
کہ ز خویشم خبر از لذتِ دشنام تو نیست

آب حیواں نخورد صید تو از لذت تیغ
جاں بحسرت دہد آں مرغ کہ در دام تو نیست

آتشم در سرو سامان بچہ تدبیر زدی
یکسر مو چو مرا نیست کہ از رام تو نیست

آخرائے دُرِّ گرامی ز کدام آب و گلی
ہیچ دل نیست کہ پروردہ اکرام تو نیست

بہ برازندگی قامت موزوں نازم
یک قبا نیست کہ شائستہ اندام تو نیست

باش در دہستی از خویش نظیری نومید
کہ نہ آغاز تو پایندہ تر انجام تو نیست

غزل نمبر ۶۹ - (۱) تیرے خود غرض زمانے میں عشق کی مراد حاصل نہیں۔ تیرے عہد میں امید کی صبح اور وصل کی شام ہی نہیں۔ مطلب۔ تو ایسا ستم پرور معشوق ہے کہ تیری حکومت میں عشاق ناکام و نامراد ہیں۔ (۲) میں نے وفا کے پیمان کی کتاب حرف بہ حرف دیکھی ہے۔ تمام معشوقوں کے نام وہاں دیکھے ہیں۔ صرف تیرا ہی نام نہیں ہے مطلب۔ تمام معشوقوں میں کچھ نہ کچھ وفا ہے۔ مگر تم اس سے بالکل خالی ہو۔ (۳) میں کہ عاشق دل ہوں تکلیف جانتا ہی نہیں۔ مجھے تو اپنے آپ میں تیری دشنام کی لذت کا بھی علم نہیں مطلب۔ میں تو محوِ عشق ہوں جانتا ہی نہیں تو تلخ فروشی کرتا ہے یا شکر فروشی؟ (۴) تیرا شکار تیری تلوار کی لذت سے آشنا ہو کر، آب حیات نہیں پیتا۔ بلکہ وہ پرندہ جو تیرے جال میں پھنسا نہیں ہوتا وہ اسی حسرت میں جان دیتا ہے مطلب۔ تیرے ہاتھوں مرنے میں عشاق لذت پاتے ہیں۔ اور جو یہ فخر حاصل نہیں کرتے وہ بیچارے حسرت ہی میں مرتے ہیں۔ (۵) تو میرے ساز و سامان میں کیوں آگ لگا رہا ہے۔ حالانکہ میرے جسم میں بال برابر بھی جگہ ایسی نہیں جو تجھ سے وابستہ نہ ہو مطلب۔ میرا

رواں رواں تجھ پر عاشق ہے۔ تو اس آگ میں مجھے کیوں جلا رہا ہے۔ (۶) اے قابل عزت موتی بتا تو سہی تو کون سے خمیر میں سے ہے۔ کیونکہ کوئی دل ایسا نہیں جو تیرے کرموں کا پالا ہوا نہ ہو۔ (۷) میں تیرے موزوں قد کی پھبن پر ناز کرتا ہوں۔ کیونکہ کوئی قبا ایسی نہیں ہے جو تیرے جسم پر پوری نہ اُترتی ہو۔ مطلب۔ معشوق کا قد موزوں ہے۔ اور موزونیت کا یہ عالم ہے کہ ہر لباس اس کو زیب دیتا ہے۔ اس پر خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ سے جامہ زیبوں کو کفن نے بھی زیادہ جوبن بڑھ کر سب نے کلیجے سے لگانا چاہا۔ یاس عظیم آبادی (۸) اے نظیری تو اس دوستی میں اپنے آپ سے نا اُمید ہو جا۔ کیونکہ تیرے آغاز سے انجام زیادہ پائدار نظر آتا نہیں آتا۔ مطلب۔ تو اس محبت میں کامیاب نہ ہوگا تیری زندگی خطرے میں دیکھتا ہوں +

ہر کرا معنی نمے خیزد ز دل گفتار نیست	نیست یک عارف کہ خود ساقی و خود خمار نیست
خار خار کوئے یارے ہست ہر کس را دلیست	نشگفد ہر گل کہ در پائے دلش این خار نیست
سحر چشم بُت بکار ست و دعائے برہمن	گر بہر تارے کہ بندد بر میاں زنار نیست
توبہ ہشیار مے گویند مے گردد قبول	تا ننوشم مے مرا یارائے استغفار نیست
مستی و شاہد پرستی ہرزہ خندی و نشاط	کار کار میگسارانست و دیگر کار نیست
پیش پائے گرم و سرد روزگار افتادہ ایم	سایہ در ویرانہ ام از پستیٔ دیوار نیست
اند کے اے نالہ امشب بے اثر مے بایدت	آنکہ ہر شب مے شنید امشب مگر بیدار نیست
مردم از شرمندگی تا چند باہر ناکسے	مردمست از دور بنمایند و گویم یار نیست
مجلس آخر شد نظیری حال خود با او بگو	ہر نفس بزمے و ہر دم صحبتے در کار نیست

غزل نمبر ۷۰ ۔ (۱) جس کے دل سے معنی پیدا نہیں ہوتے اس کے لئے گفتار نہیں۔ ایک عارف ایسا نہیں کہ خود ساقی اور خود مے فروش نہ ہو۔ مطلب۔ عارف وہی کہلاتا ہے جو خدا سے والبستہ ہو جائے بلکہ حالت یہ ہو کہ "وہ خدا کو بلائے تو خود جواب دے اپنے آپ کو بلائے تو خدا لبیک کہے۔" یہاں تک کہ عارف و معروف ایک ہو جائیں۔ یہی انسانی کمال کی انتہا ہے۔ (۲) جس کے پاس دل ہے وہ یار کے کوچے کی خلش رکھتا ہے۔ کوئی پھول ایسا نہیں کھلتا جس کے دل میں یہ کانٹا چبھا ہوا ہو۔ مطلب معرفت کی خلش ہر شخص کے دل میں ہے۔ (۳) بُت کی آنکھوں کا جادو اور برہمن کی دعا مجھے درکار ہیں۔ کیونکہ ہر وہ تار جو آتش پرست کمر پر باندھتا ہے زنار نہیں ہوتی۔ مطلب۔ صداقت عشق و وفا کا نشان اور ہے۔ اور ظاہری تار ہیں اور (۴) کہتے ہیں ہشیار کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ مگر میری یہ حالت ہے جب تک شراب نہ پیوں توبہ ہی نہیں کر سکتا۔ مطلب۔ توبہ کے لئے قائمیٔ ہوش و حواس درکار ہیں مگر میں شراب پی کر ہی توبہ کر

سکتا ہوں۔ (۵) مستی معشوق پرستی۔ فضول ہنسی اور خوشی یہ سب کچھ شراب نوشوں ہی کا کام ہے اور ان کا کوئی کام نہیں مطلب۔ یہ چیزیں شراب نوشوں کے حصے میں ہیں۔ (۶) ہم زمانے کے سرد و گرم کے سامنے پڑے ہیں۔ ہمارے ویرانے میں دیوار کی پستی کی وجہ سے کوئی سایہ بھی نہیں ہے۔ مطلب۔ دیوار ہوتی تو سردی و گرمی سے کچھ نجات مل جاتی۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے میدان عشق میں کچھ بھی نہیں حوادثات زمانہ کے سامنے پڑے ہیں۔ (۷) اے نالہ! آج میں نہیں کچھ بے اثر پا رہا ہوں کیا وہ ہنسی جو ہر رات سنا کرتی تھی آج رات جاگتی نہیں مطلب۔ آج رات میرے نالوں میں اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ شاید در قبول بند ہے۔ (۸) میں شرم سے گڑ گیا۔ آخر کب تک تو ہر کمینے کے ساتھ جاتا رہیگا۔ لوگ تمہیں دور سے مجھے دکھائیں گے اور میں کہتا رہوں گا۔ نہیں یہ وہ یار نہیں ہے۔ مطلب۔ تو ہر کس و ناکس کے ساتھ روانہ ہوتا ہے لوگ طعنہ سے مجھے دکھاتے ہیں وہ دیکھو تمہارا معشوق جا رہا ہے اور میں "تجاہل عارفانہ" کے طور پر کہہ دیتا ہوں "یہ وہ میرا دوست تو نہیں ہے۔" (۹) اے نظیری محفل ختم ہوگئی۔ اب اپنا حال اس کے سامنے بیان کر دے۔ ہر روز محفل اور ہر دم گفتگو کا موقع نہیں ملا کرتا۔ مطلب۔ آج موقعہ مل گیا ہے بیان کر دے ممکن ہے پھر یہ صحبت میسر نہ آئے ؎

وقت را مغتنم شمر کا مسال + می نیابی نشاط پارت را "ابن یمین"

داغِ دل در عشق افسردن نمیداند کہ چیست — لالہ ایں باغ پژمردن نمیداند کہ چیست
خندہ بر حالم مزن کیں گریہ ہر کس را گرفت — دامن از خونِ دل افشردن نمیداند کہ چیست
باغبان دہر نخل عمر را آبے نداد — کاشتن دانست پروردن نمیداند کہ چیست
عشق از یک تاختن بنگاہ دل تاراج کرد — صبر بیدل حملہ آوردن نمیداند کہ چیست
زخم پیکانم بآب زندگی شوید دہن — ہر کہ تیرا و خورد مردن نمیداند کہ چیست
ترکِ خصمی کن کہ دارد خوئے افعی رہ نگار — نیست تا آزردہ آزردن نمیداند کہ چیست
غنج و افسونِ زلیخا کار در یوسف نکرد — ہر کہ دل در باخت دل بردن نمیداند کہ چیست
عشرتِ تنگِ دل مانوس ہر گلشن سست — غنچہ برگِ عیش گستردن نمیداند کہ چیست
از حجاب امشب نظیری بادہ بر سجادہ ریخت — پارسا آداب مے خوردن نمیداند کہ چیست

غزل نمبر ۱۷۔

(۱) داغ دل عشق میں افسردہ ہونا جانتا ہی نہیں۔ اس باغ کا لالہ مرجھانے سے واقف ہی نہیں۔ کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ مطلب۔ عشق میں داغ دل مندمل ہونے کے قریب آتا ہی نہیں (۲) تو میرے حال پر نہ ہنس۔ کیونکہ میرا دونا جس کے نصیب میں ہوا وہ دل کے خون سے دامن نچوڑنا جانتا

ہی نہیں۔ مطلب جس پر عشق کا غلبہ ہؤا اور محوِ گریہ ہوگیا۔ پھر اسے اتنی بھی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ دامن سے خون نچوڑے۔ اس لئے لوگوں سے کہتا ہے کہ میرے حال پر نہ ہنسو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی یہ کیفیت طاری ہو جائے۔ (۳) زمانے کے باغبان نے میرے عمر کے پودے کو پانی ہی نہیں دیا۔ وہ بونا تو جانتا ہے لیکن اس کی پرورش کرنا جانتا ہی نہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ مطلب۔ زمانے میں انسان پیدا تو ہو جاتا ہے لیکن لوازمات عمر سے شادکام نہیں ہوتا۔ (۴) عشق نے ایک ہی حملے میں میرے دل کی منزل لوٹ لی۔ بیچارہ صبر جانتا ہی نہیں کہ حملہ کیا ہوتا ہے۔ مطلب۔ عشق نے ایک حملہ کرکے دل پر قبضہ کر لیا۔ اب صبر کی ضرورت ہے۔ مگر صبر بیچارہ حملہ کرنے سے واقف نہیں (صبر کی تاب ہی نہیں ہے) (۵) تیرے تیر کا زخم (جو مجھے لگا ہے) آبِ حیات سے منہ دھوتا ہے۔ جو اس کا تیر کھاتا ہے مرنا جانتا ہی نہیں ہے۔ مطلب۔ اس کے تیرِ عشق کا مجروح زندۂ جاوید ہو جاتا ہے۔ اور عشق کا چرکا ہمیشہ دل پر رہتا ہے ؎

سر بازِ عشق زندۂ جاوید ہو گئے + آبِ حیات ہے ترے خنجر کی دھار میں۔ (۶) اس دشمنی کو چھوڑ دے کیونکہ زمانہ اژدہا کی سی خو رکھتا ہے۔ تاوقتیکہ اس کو ستایا نہ جائے یہ جانتا ہی نہیں کہ ستانا کیا ہوتا ہے۔ مطلب۔ اژدہا اس وقت حملہ کرتا ہے جب کوئی اسے تنگ کرے (چور کی بھی یہی حالت ہے) زمانہ بھی صرف اس سے برسرِ کیں ہوتا ہے جو خود کینہ اختیار کرے۔ (۷) زلیخا کے ناز و غمزے نے یوسف پر کوئی اثر نہ کیا۔ جو دل ہار چکا ہے وہ دل لینا جانتا ہی نہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ مطلب۔ زلیخا خود حسین تھی مگر جب دامِ عشقِ یوسف میں گرفتار ہوئی تو بے حد کوشش کے باوجود ان کو مائل نہ کر سکی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کشتۂ عشق ہو کر "دل ربودن" کے تمام طریقے فراموش ہو جاتے ہیں۔ (۸) ہمارے دل کی عشرت کی تنگی ہر گلزار کے غنچہ کی طرح ہے۔ اور غنچہ تو عیش کے پتے پھیلانا ہی نہیں جانتا۔ مطلب۔ غنچہ "دل گرفتہ" رہتا ہے۔ اور ہمارا دل تنگ بھی اسی طرح ہے۔ (۹) نظیری نے شرم میں آج رات شراب بو دیئے پر گرادی۔ (یہاں سچ ہے کہ) پارسا شراب پینے کے آداب نہیں جانتا کہ کیا ہوتے ہیں +

گشت دوزخ شررے ز آتش سودائش ریخت ‎ ‎ شد قیامت قدرے فتنہ ز بالائش ریخت
ہر کرا زلف جوئے مشک بہ پیمانہ فگند ‎ ‎ خندہ مشکے نمکِ سود بصہبائش ریخت
حسن در پردہ نہاں بود کہ نقد دو جہاں ‎ ‎ عشق از گریہ بدل گرمیٔ سودائش ریخت
کام از آں یافت زلیخا کہ چو یوسف را دید ‎ ‎ اول اسباب تعلق ہمہ در پائش ریخت
از پئے تربیتم خضر دہد آب حیات ‎ ‎ عشق تا بر گل من تخم تمنائش ریخت
سرمہ در چشم بلا غمزۂ بیباکش کرد ‎ ‎ بادہ در جامِ حیا نرگسِ شہلائش ریخت

نخل پیوند تو ہر چند نظیری برکند　　در نفس نخم تو ی عشق تو بہ جائش بہ یخت

غزل نمبر ۲۷ — (۱) اس کے سودا کی آگ سے ایک چنگاری زمین پر گری تو وہ دوزخ بن گئی اور اس کے قد سے کچھ حصہ گر پڑا جس کا نام قیامت ہو گیا۔ مطلب۔ آتش سودا کو دوزخ سے افضل اور قامت معشوق کو قیامت سے بہتر قرار دیا ہے ؎ جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم ـ میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا۔ (۲) اس کی زلفوں نے جس کسی کے پیمانے میں تھوڑی سی مشک ڈال دی۔ اس کی ہنسی نے اس میں پسے ہوئے نمک کی مشک اس شراب میں ملا دی۔ مطلب۔ مشک سے نشۂ شراب تیز اور نمک سے کم ہوتا ہے۔ اس کی زلفیں عشق کا نشہ بڑھاتی ہیں۔ مگر خندہ کمی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور معاملہ برابر رہ جاتا ہے۔ (۳) حسن ابھی پردے میں پوشیدہ تھا کہ عشق نے رو کر دونو جہانوں کی نقدی بڑی تیزی سے اس کے سودا کے لئے لا رکھی۔ مطلب۔ حسن کا ظہور بھی نہ ہوا کہ عشق اپنا دین و دل نثار کرنے کے لئے مہیّا ہو بیٹھا۔ (۴)۔ زلیخا اس واسطے بامراد ہوئی کہ جب اس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو پہلے تمام رشتے اس کے قدموں میں ڈال دیئے۔ مطلب۔ عشق میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو تعلقاتِ دنیوی سے کنارہ کش ہو جائے۔ (۵) میری تربیت کے لئے خضر آب حیات دے رہا ہے۔ جب سے عشق نے میری مٹی میں تمنّا کا بیج بو دیا ہے۔ مطلب۔ تمنائیں اور آرزوئیں جب سے پیدا ہوئی ہیں۔ ان کی نشوونما کے لئے آب حیات جڑوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ دعشق میں زندگیٔ دوام حاصل ہوتی ہے (۶) اس کے بیباک غمزے نے بلا کی آنکھوں میں سرمہ ڈال دیا۔ اور اس کی نرگس شہلا نے حیا کے جام میں شراب ڈالی۔ مطلب۔ غمزے نے ہماری جان کے لئے بلائے عشق کی نگاہ تیز کی اور آنکھوں نے حیا کو شراب پلا کر مست کیا تا کہ حجاب اُٹھ جائے۔ (۷) تیرے پیوند کا پودا نظیری نے ہر چند اکھاڑ ڈالا لیکن تیرے عشق نے اس کی جگہ پر ایک نیا بیج میری جان میں گرا دیا۔ مطلب۔ تیرے عشق سے کسی طرح رہائی ممکن نہیں +

رفتی بہ بزم غیر نکو نامی تو رفت　　ناموس صد قبیلہ زیک خامیٔ تو رفت

اکنوں اگر فرشتہ نکو گویدت چہ سود　　در شہر صد حکایت بدنامیٔ تو رفت

ہمصحبت رقیب شدی از غرور حسن　　نام خوش تو در سر خود کامیٔ تو رفت

یارانِ متفق ہمہ انکار مے کنند　　ہر جا حدیث نیک سرانجامیٔ تو رفت

رندے کہ مے فروش زراد لیش و روئے　　مشہور خاص و عام بہمجامیٔ تو رفت

برو از رُخ تو رنگ حیا بادۂ ہوس　　شرمے کہ بود در ہمہ جا حامیٔ تو رفت

باکاو کاو غمزہ نظیری اثر نماند　　فارغ نشیں کہ خون دل آشامیٔ تو رفت

غزل نمبر۷۳ ۔ (۱) تو غیر کی محفل میں چلا گیا۔ تو تیرا نیک نام بھی جاتا رہا۔ تیری اس ایک غلطی سے سارے خاندان کی عزت برباد ہوگئی۔ (۲) اب اگر فرشتہ بھی تجھے نیک کہے تو اس سے کیا فائدہ۔ شہر میں تیری بدنامی کی سوحکائتیں پھیل گئی ہیں مطلب۔ جب تو بدنام ہو چکا ہے تو اب فرشتہ بھی تیری نیکی کی شہادت دے تو کوئی مانیگا نہیں۔ (۳) تو حُسن کے غرور میں مبتلا ہو کر رقیب کی محفل میں چلا گیا۔ اس لئے تیرا اچھا نام تیری خود غرضی کے ہاتھوں جاتا رہا۔ (۴) جہاں کہیں تیرے نیک انجام کی بات ہوتی ہے تمام دوست متفق ہو کر انکار کر دیتے ہیں۔ (۵) وہ رند جسے مے فروش شراب کی مَیل (تلچھٹ) بھی نہ دیتا تھا وہ تیرا حریف بنے ہونے کی وجہ سے خاص و عام میں مشہور ہو گیا۔ (۶) تیرے چہرے سے ہوس کی شراب نے حیا کا رنگ اُڑا دیا وہ شرم جو ہر جگہ تیری حامی ہوا کرتی تھی جاتی رہی مطلب۔ تیری ہوس پرستی نے تمام کام بگاڑ دیا اور تیری پاکیزگی کا رنگ اُڑا دیا۔ (۷) اے نظیری غمزے کی خلش کا کوئی اثر نہ رہا۔ اب تو فارغ ہو کر بیٹھ جا کہ تیرے دل کا خون پینا ختم ہو گیا۔ مطلب۔ اب اس کے غمزوں کی خلش باقی نہیں رہی اس لئے خونِ دل کھانا بھی نہ رہا۔

ہیچ راز از دیدۂ صاحب تمیزاں دور نیست ۔ تا بصدر از لب خبر دارم ولے دستور نیست
ہر کہ از معشوق غافل گشت لذت دنیا فت ۔ دیدۂ بے معرفت را درد و دُنیا نور نیست
گل گریبان چاک و نرگس مست رفتند از چمن ۔ سر و را غیر از ہوائے در سر مخمور نیست۔
بر در پیر مغاں ہرگز نمے میرد کسے ۔ در مقامے کآب حیوانست غیر از سور نیست
چوں سرائے کاروانگاہست دُنیا برگذر ۔ شب نمے آید کہ صد مسکین د رو رنجور نیست
سینہ دارم کہ از مرہم جراحت مے شود ۔ زخمے از نیش محبت نیست کاں ناسور نیست
بندہ گر بیباکی کرد از خداوندی بہ بخش ۔ گرچہ مغرورست اما جز بتو مغرور نیست
پُر بجا گر عشق اینجا لاف رفعت میزند ۔ جلوہ ہا در بطن عاشق ہست کاندر طور نیست
کوہکن را خود بناخن سنگ میباید برید ۔ جوئے شیر و نقش شیریں کار ہر مزدور نیست
عشق یوسف را دریں سودا بدینارے فروخت ۔ بندگی خواہد پیمبر زادگی منظور نیست
گر ثریٰ گر عرش اینجا لاف رفعت میزند ۔ جلوہ ہا در بطن ماہی ہست کاندر طور نیست
عافیت خواہی نظیری بستۂ خوباں مشو ۔ از نتاج حُسن اگر حور از ملک مستور نیست

غزل نمبر۷۴ ۔ (۱) کوئی راز صاحبان تمیز کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ میں سینہ سے لے کر لبوں تک کی خبر رکھتا ہوں۔ مگر (بتانے کا) دستور نہیں۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست
مَن عَرَفَ ربہٗ فقد کلّ لِسانہٗ: جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی۔
(۲) جو معشوق سے غافل ہؤا اس نے لذت نہ پائی۔ بے معرفت آنکھوں کو دونوں جہانوں میں نور نہیں
ملتا۔ مطلب معشوق سے غافل ہونا بے بصر ہونے کے مترادف ہے جس نے خدا کو پہچانا نہیں وہ
محض اندھا ہے۔ (۳) پھول گریبان پھاڑے ہوئے اور نرگس مست ہو کر چمن سے باہر نکلی۔ سرو
کے دماغ میں سوائے خواہشات کے اور کوئی خمار نہیں۔ مطلب۔ ہر چیز اس کے عشق میں مدہوش
ہے (۴) پیرِ مغاں کے دروازے پر ہرگز کوئی شخص نہیں مرتا۔ کیونکہ جس مقام میں آبِ حیات ہوتا ہے
وہاں سوائے خوشی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ مطلب۔ پیرِ مغاں کے پاس تو زندگیٔ دوام کا نسخہ ہے
وہاں کوئی کیسے مرے۔ (۵) دنیا تو ایک کارواں سرائے کی مانند ایک گذرگاہ ہے۔ کوئی رات ایسی
نہیں آتی کہ اس میں سو بیمار نہ پڑے ہوں۔ مطلب۔ دنیا کا کارواں سرائے ہونا مسلّم ہے۔ آلام
و مصائبِ دنیوی میں ہزاروں آدمی روزانہ مبتلا ہوتے ہیں۔ (۶) میں ایسا سینہ رکھتا ہوں جو مرہم سے
اس میں زخم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ محبت کا کوئی زخم ایسا نہیں ہوتا جو ناسور نہ ہو۔ مطلب۔ زخمِ محبت
ناسور کی مانند ہے جو مرہم سے اچھا نہیں ہوتا۔ (۷) اس غلام نے اگر بیباکی کا اظہار کیا ہے تو اپنی بزرگی
کی طفیل بخش دے۔ کیونکہ یہ اگرچہ مغرور ہے مگر سوائے تیرے اور کسی پر تو اس کا غرور نہیں۔ مطلب۔
ہم نے تیری رحمت کا احساس کرتے ہوئے غرور تمکنت دکھائی اور بیباکی کا اظہار کیا۔ کسی اور پر تو
تکیہ نہیں کیا۔ (۸) اگر عشق یہاں بلندی کی ڈینگیں مارتا ہے تو یہ بالکل بجا ہے۔ کیونکہ عاشق کے
بطن میں وہ جلوے ہیں جو طور میں بھی نہیں۔ مطلب۔ درجۂ عشاق طور سے زیادہ بلند ہے۔ (۹)
کوہکن کو خود ناخنوں سے پتھر کاٹنا چاہیئے۔ دودھ کی نہر اور شیریں کے نقش نکالنا ہر مزدور کا کام
نہیں۔ مطلب۔ کوہکن نے نہایت کاوش سے یہ مشکل کام سر انجام دیا تھا اور یہ عشق کی بدولت تھا
ہر ایک کا یہ کام نہیں۔ (۱۰) عشق نے اس سودے میں یوسفؑ کو ایک دینار کے بدلے بکوایا۔ یہ
غلامی کا طالب ہے۔ اسے پیرزادگی سے سروکار نہیں۔ مطلب ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نصب کن جامیؔ + کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست۔ (۱۱) خواہ
تحت الثریٰ (اتھاہ) کی پستی ہو اور خواہ آسمان۔ یہاں رفعت کی لافیں مارتے ہیں۔ کیونکہ مچھلی کے
پیٹ میں وہ جلوے ہیں جو طور میں نہیں۔ مطلب عشق میں پستی و بلندی کا خیال نہیں یہاں سب
کا مقام رفیع ہے۔ (۱۲) اے نظیریؔ اگر تو عافیت کا طالب ہے تو معشوقوں کے ساتھ وابستہ

نہ ہو۔ حُسن نتیجے میں خواہ فرشتہ ہو یا حور پوشیدہ نہیں۔ مطلب حسین خواہ فرشتہ اور خواہ حُور سب کے جور و ستم کی عادت پوشیدہ نہیں +

ردیف الثاء

عطاش را نہ ثواب است و نے خطا باعث — بس است بہر کرم نالۂ گدا باعث
اگرچہ رزق گدا باز پس نمے گردد — مقدر است کہ میگرددش دعا باعث
خزاں درو دو سحاب آب (۱) داد دہقاں گشت — ببیں کہ بردو کہ پرورد و شد چہا باعث
جنون عشق بتقدیر بود من چکنم — ببوئے گل کہ شدم مست شد صبا باعث
بر آستانۂ پیر مغاں رہے خواہم — تو گر سبب نشوی مے شود خدا باعث
خراب و مست چنیں میز بیم نمیدانم — در آفریدن من شد چہ مدعا باعث
لئیم را مے و معشوق اگر کریم نگردد — سخاش را نشود گنج و کیمیا باعث
عجب ز ہمت درویش اگر قبول کند — سعادتے کہ شود سایۂ ہما باعث
ریاض دیر بمسجد برد نظیری را — کہ فقر بادہ کش و گبر پارسا باعث

غزل نمبر ۱ - (۱) اس کی بخشش کے لئے نہ ثواب کی ضرورت ہے اور نہ خطا کی۔ اس کے کرم کے لئے تو صرف گدا کا نالہ ہی کافی ہے۔ مطلب۔ ثواب و خطا پر بخشش خدا منحصر نہیں بلکہ صدق دل سے توبہ و گریہ ہی بخشش کے لئے کافی ہیں ○

تڑپ کے شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ — کہا جو سر کو جھکا کر گنہگار ہوں میں — امیر
پھر اسکی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے — گناہگار یہ کہدے گنہگار ہوں میں — اقبال

(۲) اگرچہ گدا کا رزق واپس نہیں لے لیتے لیکن اس کے مقدر کے لئے دعا کی ضرورت ہے مطلب ع نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں - (۳) خزاں نے ہل چلایا - بادل نے پانی دیا - اور دہقان نے بیج بویا - ذرا دیکھو تو کس نے ہل چلایا - کس نے پرورش کی اور اس کا باعث کیا ہوا مطلب۔ دیکھو رزق کس کس وسیلے سے تم تک پہنچتا ہے - (۴) عشق کا جنون میری قسمت میں لکھا تھا - میں کیا کروں جیسے پھول کی خوشبو سے میں مست ہوا - اس کا باعث صبا تھی مطلب۔ عشق مقدر تھا - اس سے انحراف ممکن نہ تھا - (۵) میں پیر مغاں کے آستانے کا راستہ تلاش کرتا ہوں - تو اگر اس کا باعث نہیں بنتا (تو نہ سہی) خدا خود اس کا باعث بنے گا مطلب۔ طلبِ صادق ہے

تو منزلِ مقصود پر خود تائیدِ ایزدی لے جائیگی ۔ (۶) میں تو شراب اور مست اسی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں اور یہ نہیں جانتا کہ میری پیدائش کا مدعا کیا تھا ۔ (۷) بخیل کو اگر شراب اور معشوق نے بھی سخی نہیں بنایا تو اس میں ان کا کیا قصور، کیونکہ سخاوت کے لئے کیمیا کے خزانے کی ضرورت نہیں۔ مطلب ۔ خزانہ ہونا سخاوت کا باعث نہیں ہوتا ۔ ہمّت دل سخاوت کے لئے ضروری ہے۔ (۸) تعجب ہوگا اگر درویش کی ہمت وہ سعادت قبول کرلے جو ہما کے سائے کا باعث ہو۔ مطلب ۔ درویش وسیلہ نہیں چاہتا ۔ وہ اس نیک بختی کو بھی قبول نہیں کرتا جو ہما کے سائے کا نتیجہ ہو۔ ؎ رفتن بپائمردیٔ ہمسایہ در بہشت + حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابرست ۔
(۹) ریاکاری مسجد سے نظیری کو بت خانے کی طرف لئے جارہی ہے ۔ کیونکہ فقر شراب نوش اور آتش پرست ہو رہا ہے ۔ مطلب ۔ ریاکاری سے جانبِ مسجد چلا ہے +

بر طبع سادہ زود شود خوشگوار بحث ۔۔۔ درد برائے طفل شکر در کنار بحث
پر خشمگیں مباش چناں کز پے نزاع ۔۔۔ بر ہر غبار خاستہ سازی سوار بحث
از ہر غمے بخاطر ماکیں سبک ترست ۔۔۔ ایں راح مابروح کند در عیار بحث
آنم کہ حال مستیٔ و مخموریم یکیست ۔۔۔ ہرگز نکردہ ام بکسے در خمار بحث
ریزم گل نیاز و تضرع در اضطراب ۔۔۔ زاں بر ستیزہ ام نگرفتہ است بار بحث
خطّ مسلّمے بکفِ صدق دادہ اند ۔۔۔ ہرگز ز راستی نشود شرمسار بحث
مطلب گریزد از تو نظیری جفا مکش ۔۔۔ جز در ضمیر کند نگیرد قرار بحث

غزل نمبر ۲ ۔ (۱) سادہ طبیعت پر بحث بہت جلد خوشگوار ہو جاتی ہے ۔ گویا بحث بچے کے لئے اپنے پاس شکر رکھتی ہے ۔ مطلب ۔ سادہ طبیعت بہت رغبت سے بحثوں میں اُلجھ جاتے ہیں ۔ (۲) اس قدر زیادہ غضب ناک نہ ہو جا کہ ہر اُڑتے ہوئے غبار پر بحث کو سوار کرکے نزاع پیدا کرے ۔ مطلب ۔ غضب و نزاع کا عادی نہ ہو جا ۔ (۳) ہر غم سے ہماری طبیعت پر کینہ زیادہ سبک ہے ۔ ہماری یہ شراب رُوح سے بر سرِ بحث ہے ۔ مطلب ۔ جس طرح غم ہماری طبیعت پر زیادہ اثر انداز ہے ۔ اسی طرح کینہ بھی بہت جلد قابو پالیتا ہے (۴) میں وہ ہوں کہ میری مستی اور مخموری کا حال ایک ہے ۔ میں نے کبھی کسی سے خمار کی حالت میں تو بحث ہی نہیں کی ۔ مطلب ۔ ہر حالت میں ایک ہی کیفیت ہم پر طاری رہتی ہے ۔ (۵) میں اضطراب میں عاجزی اور گریہ وزاری کا پھول برساتا ہوں ۔ اسی لئے لڑائی میں بحث کا بوجھ اُٹھاتا ہی

نہیں۔ مطلب - لوگ برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو مَیں عاجزی اختیار کر کے بحث سے کنارہ کش ہو جاتا ہوں - (۶)، ایک مسلمہ فرمان سچائی کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ اس لئے اگر بحث سچائی پر ہو تو شرمندگی نہیں ہوتی - (۷)، اے نظیری جفا برداشت نہ کر۔ کیونکہ اس طرح تیرا مطلب قرار اختیار کرتا ہے - سوائے کُنجِ ضمیر میں اور کہیں بحث قرار ہی نہیں پا سکتی۔ مطلب - بحث اُن طبیعتوں کا وطیرہ ہے جو غبی ہیں نہ کہ معنی پروروں کا شیوہ +

ردیف الجیم

فسونِ خطِّ تو پیغام بعثت شب داج — نگاہ بر رُخ تو مصطفےٰ ست بر معراج
ظہورِ حُسن تو امنیّتے بدوران داد — کہ بادشہ ز رعیت نمے ستاند باج
چہ صلح بود کہ حسن تو با وفا انگیخت — کز آب و آتش ما برد اختلاف مزاج
میان زخم و خدنگ تو الفتے پیوست — کہ از دکان مسیحا نمے خرند علاج
حشو دِ مہرۂ دل قلب کردہ غافل ازیں — کہ کعبتینِ دغا خانہ مے دہد تاراج
سرشک زرق در انگور وا نمے گردد — بنود سیم دغل را ہیچ جائے رواج
نماند شوکتِ شاہان کسے نمے داند — دراز دستیٔ حسنے کہ میر باید تاج
سوارِ معرکۂ آخر الزماں ایرج — کہ طالعش بظفر کردہ اند استخراج
چناں بعربدہ قلب عدو بہم شکند — کہ شیر پنجہ کشائد بر بساط زجاج
مثال نسبت اعقاب جدّ ادا نیست — کہ آنقدر کہ گہر بیش بیش قیمت تاج
قبول تربیت اُستاد میکند شاگرد — ہوائے معرکہ شہباز میکند دراج
بیانِ قصۂ رزمش نکو نمیدانم — وگرنہ نظم کنم بود مے ہم آنجا کاج
غنیمتے کہ من از گنج فقر یافتہ ام — خراج ملک و ہند و نمے دہم بخراج
سرِ نظیری و خاکِ سرائے پیر مغاں — ز آستانِ کریماں کجا رود محتاج

غزل نمبر ا - (۱)، تیرے خط کے جادو نے رات کی آمد کا پیغام دے دیا۔ تیرے چہرے پر ہماری نگاہ ایسی ہے جیسے مصطفےٰ معراج پر تشریف لے گئے ہوں۔ مطلب ۔ معشوق کے حسنِ جاں پرور پر ہماری نگاہ پڑنا انتہائی عروج پر پہنچنا ہے۔ (۲)، تیرے حُسن کے ظہور نے زمانے کو امن دے دیا۔ کہ بادشاہ رعیّت سے کبھی خراج نہیں لیتا۔ مطلب ۔ تیرے حُسن نے بادشاہوں کو اس قابل چھوڑا ہی

نہیں کہ رعایا کی طرف متوجہ ہو کر باج و گذار وصول کریں۔ (۳) یہ کیسی صلح تھی کہ اس نے تیرے حُسن کو ہماری وفا کے ساتھ مِلا دیا۔ کہ ہمارے آب و آتش سے اختلاف مزاج رفع ہو گیا۔ مطلب۔ تیری صلح جوئی نے لوگوں سے اختلاف مزاج رفع کر دیا ہے۔ (۴) تیرے تیر اور ہمارے زخم کے درمیان ایک اُلفت پیدا ہو گئی ہے۔ جبھی تو زخم مسیحا کی دکان سے بھی علاج نہیں (دوا) نہیں خریدتے۔ مطلب۔ تیرے تیر نگاہ کے شہید علاج نہیں چاہتے۔ (۵) حاسد نے دل کا مہر بدلا ہوا ہے۔ اور وہ اس سے غافل بیٹھا ہے۔ کہ فریب کی گوٹیں گھر برباد کرنے والی ہیں۔ مطلب۔ حاسد نے اپنے دل میں منافقت پیدا کر رکھی ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ یہ مکر و فریب باعث بربادی ہے۔ (۶) فریب کے آنسو اُس کوچے میں رواج نہیں پا سکتے۔ کیونکہ کھوٹے سکے کسی جگہ بھی نہیں چلتے۔ مطلب۔ ریاکاری کا رونا معشوق کے ہاں وقعت نہیں پا سکتا۔ صدق دل سے جو آنسو نکلیں وہ دعا کو بالائے آسمان لے جا سکتے ہیں۔ (۷) کسی کے ہاں شوکت شاہانہ باقی نہیں رہی۔ اور ابھی کوئی نہیں جانتا کہ حُسن کی دراز دستی کس کس سے خراج وصول کرتی ہے۔ مطلب۔ ابھی ابھی کس شاہ کو وہ شاہِ حسن اپنا فریفتہ کرتا ہے۔ (۸) آخرالزّمان معرکے کا سردار شاہ عباس ہے جس کا طالع ظفر کے ساتھ اکٹھا طلوع ہوا ہے۔ مطلب۔ شاہ عباس کا طالع فتح کے ساتھ ہمعصر ہے۔ (۹) وہ جنگجوئی سے دشمن کے "قلب لشکر" کو اس طرح شکست دیتا ہے جس طرح شیر کانچ کی بساط پر پنجہ رکھتا ہے۔ مطلب۔ شیر کانچ کی بساط پر پنجہ رکھیگا تو وہ چُور چُور ہو جائیگا۔ اسی طرح دشمن کے لشکر کا قلب وہ ممدوح توڑ دیتا ہے (۱۰) اس کے بعد میں آنے والوں کی نسبت بزرگوں سے ایسی ہے۔ کہ جس قدر موتی زیادہ ہوں گے تاج کی قیمت زیادہ ہو گی۔ (۱۱) تربیت قبول کر لینا شاگرد کو اُستاد بنا دیتا ہے۔ معرکے کی خواہش تیتر کو بھی شہباز بنا لیتی ہے۔ مطلب۔ اگر دراج شہباز کی شاگردی اختیار کرے تو وہ بھی شہباز بن جاتا ہے۔ (۱۲) مَیں اس کی لڑائی کے قصے کا بیان اچھی طرح نہیں جانتا۔ میں اس کو نظم میں لکھتا۔ کاش میں وہاں موجود ہوتا۔ مطلب۔ چونکہ اس کا معرکہ مَیں نے دیکھا نہیں اس لئے مفصّل نظم نہیں کر سکتا۔ کاش مَیں خود وہاں ہوتا۔ (۱۳) وہ مال غنیمت جو کہ میں نے فقر کے خزانے سے پا لیا ہے۔ لوگ ملک کا خراج مجھے دیتے ہیں۔ مَیں پھر بھی اپنے فقر کا خزانہ خراج میں نہیں دیتا۔ مطلب۔ میں اپنے فقر کے خزانے پر قانع ہوں اور خراج ملک کے بدلے بھی اسے دینے کے لئے تیار نہیں۔ (۱۴) نظیریؔ کا سر ہے۔ اور پیرِ مغاں کے مکان کی خاک ہے۔ بھلا سخیوں کی دہلیز سے ایک محتاج کہاں جائے۔ مطلب۔ ہم تو پیر مغاں کے دروازے پر بیٹھیں گے اور کہیں جا ہی نہیں سکتے۔

ردیف الجیم فارسی

اے کعبہ کہ گردت ننشیند بصفا ہیچ
جائیکہ عطائے تو بود کفر و خطا ہیچ

نرخ نظرِ حسنِ قبول تو بلند ست
ریزیم دل ار بر سرِ دل تا بسما ہیچ

گر بہرۂ از خلق و سرشت تو ندارد
خاک پے روح القدس و آب بقا ہیچ

با قہر تو علت نہ و با مہر بہانہ
آنرا کہ مرادِ تو بلا خواست دعا ہیچ

عشقِ تو مرا از بت و زنار بر آورد
آنرا کہ تو کردی طلب اعراض و رضا ہیچ

با آنکہ زپے چشمِ عزیزاں نگراں بود
رفتیم و نکردیم نگاہے بقفا ہیچ

کو نیز چکار آیدم ار با تو نباشم
بے دولتِ وصلِ تو نعیم دوسرا ہیچ

کم حوصلگی از طرفِ ماست وگرنہ
از بحرِ نوالت نشود کم بعطا ہیچ

از تست کہ ایں زمزمہ با طبع نظیری ست
بانگے کہ نباشد نکند کوہ صدا ہیچ

غزل نمبر ا۔ (۱) اے کعبہ! کہ تیری صفا پر کسی قسم کی گرد (کدورت) نہیں بیٹھتی۔ جہاں تیری بخشش ہے وہاں کفر و خطا کی وقعت ہی نہیں مطلب۔ تیری بخشش کے مقابلے پر کفر و خطا ہیچ ہیں۔ (۲) تیری قبولیت کی خوبی کا نرخ نظر بے حد بلند ہے۔ اگرچہ دل سے لے کر آسمان تک ہر چیز ہیچ ہے۔ لیکن ہم تیرے راستے میں دل گرا دیتے ہیں۔ (۳) اگر جبرئیل کے پاؤں کی خاک اور آبحیات تیرے خلق اور سرشت سے کچھ حصہ نہیں رکھتیں۔ تو دونوں ہیچ ہیں۔ مطلب۔ جبرئیل کے پاؤں کی خاک تن بے جان میں جان ڈالتی ہے۔ اور آب حیات زندگی دوام بخشتا ہے۔ مگر شاعر کہتا ہے اگر تیرے خلق و سرشت کی آمیزش ان دونوں اشیاء میں نہیں تو ہیچ ہیں۔ (۴) تیرے غضب کے لئے کوئی سبب نہیں اور تیری محبت کے لئے کوئی بہانہ نہیں۔ تیری مراد نے جن کے لئے آزمایش کا فیصلہ کیا وہاں دعا بیکار ہے۔ مطلب۔ تیری خواہش پر قہر و مہر کی بنیاد ہے۔ اس میں کسی سبب اور بہانے کو دخل نہیں "افعال خداوندی معلّل با اغراض نہیں"۔ (۵) یہ عشق مجھے زنّار اور بت سے نکال لایا۔ جن کو تو نے طلب کیا۔ ان کے لئے ماننا یا ٹالنا یکساں ہے مطلب۔ تیری مرضی کے خلاف کوئی جا ہی نہیں سکتا۔ (۶) باوجود اس بات کے کہ عزیزوں کی آنکھیں ہمارے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ ہم چلے گئے اور پیچھے مڑ کر ایک نظر بھی نہ ڈالی۔ مطلب۔ دنیا کو خیر باد کہہ دینے پر ہم نے کسی عزیز کی پروا نہ کی۔ اگرچہ وہ وابستہ کرنے کے لئے طرح طرح

کی کوششیں کرتے رہے۔ (۷) اگر میں تیرے ساتھ نہ ہوں تو میرے لئے دونوں جہان کس کام کے۔ تیرے وصل کے بغیر دونوں جہان کی نعمتیں فضول ہیں۔ مطلب۔ "بغیر دل ہمہ نقش و نگار بے معنی است۔" ؎ ہوا ہے ابر ہے ساقی ہے عالم ہے گلستاں پر + الٰہی وہ بھی آجائیں جنہیں ہم یاد کرتے ہیں (۸) ہمارا اپنا حوصلہ پست ہے ورنہ تیری بخشش کے سمندر سے تو بخشش سے کچھ کم نہیں ہو جاتا مطلب ؎ تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا + ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے (اقبالؔ) (۹) یہ زمزمہ جو نظیریؔ کی طبیعت میں پیدا ہے۔ خدا تعالیٰ یہ تجھ سے ہے۔ ورنہ اگر کوئی صدا پیدا نہ ہو تو پہاڑ سے بھی صدائے بازگشت نہیں آتی۔ مطلب۔ نعرہ لگائیں تو پہاڑ سے صدائے بازگشت سُنیں۔ اگر آواز ہی نہ نکالیں تو کیا سُنیں گے؟

ردیف الحاء

دُہل و نائے دریدیم بآوازۂ صبح بانگ فتحے نشنیدیم ز دروازۂ صبح
دیر گشتیم ز فیض سحر آگاہ دریغ جامۂ پارہ نکردیم باندازۂ صبح
مئے و معشوق باندازہ ما مے باید رطل خورشید کند خارہ خمیازۂ صبح
کم خراشست دمِ مرغ سحر برخیزید جگرے تازہ کنیم از نمک تازہ صبح
مغفرِ جام بیارا برش مے درزیں کش تا بیک حملہ کنم غارتِ جمازہ صبح
سپہ شب بشبیخون دعا بشکستم عَلَم روز زنم بر درِ دروازۂ صبح
رفتہ اوراق شب و روز بہم بر چینم بخیۂ ثابت و سیارۂ شیرازہ صبح
دست در گردن عذرائے جہاں اندازم حُلّۂ روز بہم و بر زنم و غازۂ صبح
سرو و شمشاد لبِ جداند نظیریؔ وقتست بسرِ شاخ سرائیم سرِ آوازۂ صبح

غزل نمبر ۱۔ (۱) ہم نے صبح کے شور سے ڈھول اور بانسری پھاڑ ڈالی۔ مگر پھر بھی صبح کے دروازے کے کھلنے کی آواز نہ سُنی۔ مطلب۔ صبح سویرے بہت شور و شر برپا کیا مگر پھر بھی صبح ہمارے لئے پیغام "فتح" نہ لائی۔ (۲) افسوس ہے ہم بہت دیر سے صبح کے فیض سے واقف ہوئے (اس لئے) صبح کے اندازے کے مطابق لباس نہ پھاڑ سکے۔ مطلب۔ ؎ سونیوالوں پہ نہ چمکا کبھی نور سحری + جاگنے والوں کے چہرے پہ صباحت دیکھی۔ (۳) شراب اور معشوق ہمارے اندازے کے مطابق ہونی چاہئے۔ خورشید کا پیالہ صبح کی جمائیوں کا علاج کرتا ہے مطلب۔

(۳)، دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر۔ اس لئے آسمان نے میرے لئے "خورشید" کے جام میں شراب مقرر کی ہے۔ تاکہ خمیازۂ صبح کا علاج ہو سکے۔ (۴)، مرغ سحر کی آواز جگر خراش نہیں ہے اس لئے اُٹھو! کہ صبح تازہ نمک سے نیا زخم جگر پیدا کریں۔ مطلب۔ مرغ اگر دلخراش نغمہ نہیں نکالتا تو نمک چھڑک کر ہم خود زخم میں خراش پیدا کریں۔ (۵)، جام کا خود لاؤ اور شراب کے گھوڑے پر زین ڈال دو تاکہ ایک ہی حملہ میں صبح کے خمار کو لُوٹ لیں۔ مطلب۔ شراب کا دَور چلاؤ تاکہ خمار شکنی ظاہر ہو۔ (۶)، میں نے دعا کے شبخون کے رات کی سپاہ کو شکست دے دی اور اب صبح کے دروازے پر دن کا پھریرا لہراتا ہوں۔ مطلب۔ دعاؤں سے رات کو ختم کر کے صبح لایا ہوں۔ (۷)، رات اور دن کے ورق تو جاتے رہے۔ اب اپنے برقرار بخت اور صبح کا شیرازہ اکٹھا کر رہا ہوں۔ (۸)، میں جہان کی معشوقہ کے گلے میں ہاتھ تو حمائل کرتا ہوں۔ میں دن کا لباس مہیا کرتا ہوں اور صبح کا غازہ۔ (۹)، اے نظیری سرو و شمشاد دونوں وجد میں ہیں۔ اس لئے یہ موقع ہے کہ ہم شاخ صبح کا نعرہ لگائیں۔ مطلب۔ جب باغ کا پتہ پتہ مست ہے تو میں کیوں نہ نغمہ نکالوں +

گوش گل میدرد از مژدۂ پیغام صبوح | زنده دارد نفس باد صبا نام صبوح
تا تو مُرغ فلکی رام گلستان شدۂ | خواب مرغ سحری رفتہ و آرام صبوح
نوگل از مرغ سحرگاه گرفتار تری | دم نزند صبح حریفاں کہ نشد دام صبوح
در چناں بزم کہ مستانِ سحر مے نوشند | صاف خورشید بود دُردِ تہِ جام صبوح
دست و پا گر نزند دل نفسم مے گیرد | در گورِ روز فتادم ز لبِ بام صبوح
غم مطلوب سر از دامن دلبر نگرفت | لائۂ نیم شبی کردم و ابرام صبوح
حق دیدار نظیری نرسانی بتمام | در شب وصل او اگر نکنی دام صبوح

غزل نمبر ۲۔ (۱)، صبح کی شراب کے پیغام سے پھول کے کان پھٹ رہے ہیں۔ اور باد صبا کی جان یہی صبح زندہ رکھتی ہے۔ (۲)، جب سے تو آسمانی پرند گلستاں میں رام ہو گیا ہے۔ تو مرغ سحر کی نیند اور صبح کا آرام دونوں غائب ہو گئے ہیں۔ (۳)، نیا کھلا ہوا پھول مرغ سحر سے بڑھ کر تیرا گرفتار ہے۔ حریفوں کی کوئی صبح نہیں ہوتی۔ کہ صبوحی کے جال میں نہ پھنسے ہوں۔ مطلب۔ حریف صبح ہونے سے پیشتر ہی وقفِ صبوح ہو جاتے ہیں۔ (۴)، ایسی محفل میں جس میں صبح کے مست شراب پیتے ہیں وہاں خورشید کی صاف شراب صبوحی کے جام کی تلچھٹ بن جاتی ہے۔ مطلب۔ صبح کے مستوں کی محفل شراب کے مقابلے میں خورشید کی شراب بے حقیقت ہے۔ (۵)، میں دن کے گڑھے

میں صبح کی چھت سے گر پڑا ہوں۔ اب اگر دل ہاتھ پاؤں نہ مارے تو میرا دم رُکتا ہے۔ (۶) معشوق کے غم نے دل کے دامن سے ہاتھ نہ اُٹھایا۔ اگرچہ میں نے آدھی رات کے وقت خوشامدگی اور صبح کے وقت تلخیاں کیں مطلب "غمِ معشوق" باوجود عجز و گریہ کے دامنِ دل نہیں چھوڑتا (۷)، اے نظیری تو دیدار کا حق پورا نہیں کریگا۔ اگر تو صبح کا فرض وصل کی شب ادا نہ کرے مطلب "دیدار کا حق" یعنی "جان"۔ تو نے کیوں نہ وصل میں اپنی جان معشوق کے قدموں پر نثار کردی۔

ماندہ ام با دلے از ہجر عزیزان مجروح
دیدہ ام شد غرقۂ طوفان چو جگر گوشۂ نوح

در رہِ دوست ہلاکِ زن و فرزند بجاست
بر درِ وصل وداع کس • پیوند فتوح

صد بہانہ کہ یکے بر نزند بر تقصیر
صد کنایت کہ یکے را نبود رنگ صبوح

گاہم از باد ہوا سنگ ببارد ظاہر
گاہم از کلکِ قضا جرم بزاید مشروح

بردل و سینۂ من داغ جفا گردد مہر
در رگ و ریشۂ من قوت بلا گردد روح

نہ بخود حامل پیمان محبت گشتم
عشوۂ دیدم و خوش بود سر از جام صبوح

صالح و طالع اگر جملہ چو من واجویند
توبہ در توبہ ز زشتی بگریزد چو نصوح

سوئے رحمان علے العرش توجہ کردم
بانگ زد عرش کہ پاکی زمکان یا سبوح

در صحبت ہمہ بر روے نظیری بستند
بخود اے فاتح ابواب درے کن مفتوح

غزل نمبر ۳ - (۱) میں عزیزوں کے ہجر میں ایک زخمی دل لئے رہ گیا ہوں۔ میری آنکھیں طوفان میں نوح کے فرزند کی طرح غرق ہو چکی ہیں۔ (نوٹ) کنعان حضرت نوح کا فرزند تھا جو آپ پر ایمان نہیں لایا تھا اور طوفان کی نذر ہو گیا تھا۔ (۲) دوست کے راستے میں زن و فرزند کی قربانی بھی جائز ہے کیونکہ وصل کے دروازے پر کسی کی رخصت، دروازے کے کھلنے کا باعث بنتی ہے مطلب۔ راہِ عشق میں کسی کا خیال نہیں ہونا چاہئے۔ یہاں کمالِ فراق نشانِ وصل ہے۔ (۳) تو سو بہانے کر رہا ہے) جن میں سے ایک بھی میری تقصیر پر صاد نہیں کرتا اور سو گالیاں دیتا ہے کہ اُن میں سے ایک بھی شراب کی لذت نہیں رکھتی۔ (۴) کبھی میری خواہشات کی ہوا سے ظاہر طور پر پتھر برستے ہیں۔ اور کبھی قضا کے قلم سے میرے جرم مفصل پیدا ہوتے ہیں۔ (۵) میرے سینہ و دل پر جفا کے داغ کی مُہر لگ جاتی ہے اور میرے رگ و ریشہ کے لئے رُوح بلا کی خوراک بن جاتی ہے۔ مطلب۔ میری جان آفت و مصیبت کی نذر ہو جاتی ہے۔ (۶) میں خود بخود تو وفا کے عہد کا حامل نہیں ہوا۔ میں نے ایک کرشمہ دیکھا اور صبوحی کے جام کو پسند کیا۔ مطلب۔ جام صبوح نے مجھے مست کر رکھا تھا کہ تیرا عشوہ دیکھا اور

محبت میں گرفتار ہوگیا۔ (۷) تمام نیک و بد اگر سب لوگ میری طرح توبہ کی تلاش کرنے لگیں تو توبھی برائی سے نصوح کی طرح توبہ کے پیچھے بھاگتی پھرے۔ مطلب۔ ہم توبہ کے طلبگار ہوں تو بیچاری توبہ بھی پناہ مانگے اور وہ بھی اور توبہ کی محتاج ہو۔ ع، ہست استغفار ما محتاجِ استغفارِ ما (۸) میں نے خدا کے عرش کی طرف توجہ کی تو عرش نے صدا دی کہ تو مکان کی قید سے پاک تسبیح بیان کر۔ مطلب۔ خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ کی تو جواب ملا کہ وہ "لامکان" ہے۔ اس کی پاکیزگی بیان کر۔ (۹) نظیری محفل کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ اب دروازے کھولنے والے تو کوئی دروازہ میرے لئے کھول مطلب۔ اگر تمام دنیا نظیری پر نامہربان ہے تو خیر۔ خدا تعالیٰ تو خاص کرم فرما ہے +

ردیف الخاء

چگونہ نام تو آریم بر زباں گستاخ — کہ یادِ تو نتواں کرد در نہاں گستاخ
اگر بگلبن تو بلبلے پناہ آرد — کسے نمیزندش گل بر آشیاں گستاخ
ہزار حمد کہ در راہ تو شہید شود — ہما نمیکندش قصد استخواں گستاخ
بآب خنجر جلاد دہ طہارت ما — کہ پیش تو نتوانیم داد جاں گستاخ
اگر سوالے ازاں لب کنیم خیرہ بنجش — بمیز بانِ کریمست میہماں گستاخ
بکعبہ سجدۂ عارف نمے کنند قبول — اگر بدیر نہد پا بر آستاں گستاخ
محرمات حرمگاہ ہائے معبود اند — بمقتضائے طبیعت مدہ عیاں گستاخ
عجب کہ جاں لبسلامت برند مغروراں — ستارگاں قدر انداز و آسماں گستاخ
چگونہ حرمت درویش پارسا ماند — سوال زشت و غنی سخت دل زماں گستاخ
مباد صاعقۂ بے نیازی بجہد — چنیں مجوئے نظیری از و نشاں گستاخ

غزل نمبر ۱۔ (۱) ہم کس طرح تیرا نام اپنی زبان پر بیباکانہ لے آئیں۔ کیونکہ تیری یاد تو پوشیدگی میں بھی بیباکانہ نہیں کی جا سکتی۔ مطلب ~
عشق عصیاں ست اگر مستور نیست + کشتۂ جرمِ زباں مغفور نیست۔ (۲) اگر تیرے باغ میں بلبل پناہ مانگے تو بھی کوئی پھول بھی اس کے آشیانے پر گستاخانہ نہ مارے۔ مطلب تیری پناہ میں جو آئیگا وہ حریم امن میں پناہ پالیگا۔ (۳) ہر وہ نیک بخت جو تیرے راستے میں شہید ہو اس کی ہڈیوں کی طرف ہما بھی بیباکانہ رخ نہیں کرتا۔ مطلب۔ شہید عشق پر کوئی دست درازی نہیں کرتا۔ (۴) ہمیں جلاد کے

خنجر کی آب سے پاک کر۔ کیونکہ تیرے سامنے بیباکانہ جان نہیں دی جا سکتی۔ مطلب۔ "آب اور طہارت دان" رعایت رکھی ہے۔ (۵) اگر میں بے باک ہو کر لبوں سے سوال کر بیٹھوں تو مجھے بخش دینا۔ کیونکہ سخی میزبان کے سامنے گدا گستاخ ہوتا ہے۔ مطلب۔ (ع) کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔ (۶) کعبے میں اُس عارف کا سجدہ قبول ہی نہیں کرتے جو بت خانے کے آستان پر گستاخانہ قدم رکھتا ہے۔ مطلب۔ جو بت خانے کے ادب نہیں جانتا اسے کعبہ میں بھی قبولیت نہیں ملتی۔ (۷) یہ سب معبود کے حرمگاہ کے مقدس ہیں۔ مگر اپنی طبیعت کے تقاضے سے اس کو گستاخانہ ظاہر نہ کر۔ مطلب۔ یہاں غالباً سب عبادت گاہوں کی طرف اشارہ ہے یا آرزوؤں کی طرف۔ (۸) ستارے تیر چلا رہے ہیں اور آسمان بے باک ہے۔ پھر تعجب ہوگا اگر (عشق کے) مغرور زندہ بچ نکلیں (۹) سوال بڑا ہے۔ توانگر سنگدل ہے۔ زبان گستاخ ہے تو بیچارہ درویش اپنی عزت کس طرح بچائیگا۔ مطلب۔ درویش کا سوال قابل اظہار نہیں اور پھر بیباکانہ الفاظ میں ادا کر دیا ہے۔ مگر توانگر سخت دل ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو درویش بے عزتی کرا بیٹھے۔ (۱۰) کہیں ایسا نہ ہو اس کی بے نیازی کی بجلی چمکے۔ اس لئے اے نظیری تو اس کا نشان بیباکانہ طلب نہ کر۔ مطلب۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے خدائے تعالےٰ کا جمال دیکھنے کے لئے خواہش کی تھی تو ایک صاعقہ شعلہ بار نظر آئی اور سب بیہوش ہو گئے تھے۔ اس لئے نظیری کہتا ہے کہیں ایسا نہ ہو تیری خواہش طلب کا بھی یہی انجام ہو +

چو نیست حد کہ بیالیں نہم سرے گستاخ — چہ سود از حرمِ امن و خوابگاہ فراخ
ہزار جائے زبروں مے زند طبل رحیل — ہنوز رخت ز ایواں کسے نبردہ بکاخ
نشستہ نغمہ سرایاں بہم چہ دانستیم — کہ سنگ تفرقہ ماں مے پراند از سر شاخ
ز دام و دانہ صیاد مُرغ مے نالد — خبر نداشت کہ بر سیخ میکشد طباخ
غبارِ لشکرِ یاجوج غم جہان گرفت — کہ گفت سدّ سکندر نمے شود سوراخ
بہیچ حیلہ ز پیشِ اجل خلاصی نیست — زگرگ اگر بجہی پوست میکنند سلاخ
چناں رسید جراحت بدل کہ دیدہ ندید — ز زخم حادثہ زد ناگہاں نظیریِ آخ

غزل نمبر ۲ ۔ (۱) جبکہ یہ اجازت نہیں کہ میں تکیہ پر آزادانہ سر رکھدوں تو پھر امن کے حرم اور فراخ خوابگاہ سے کیا فائدہ۔ مطلب۔ اگر رحمت عام ہے تو کیا فائدہ؟ اگر اس سے مستفید ہونے کی اجازت نہ ہو۔ (۲) ابھی کوئی شخص محل سے دوسرے محل تک اپنا اسباب نہیں لے گیا کہ ہزاروں کانٹے کوچ کا نقارہ بجا رہے ہیں (۳) ہم تو شاخ پر بیٹھے ہوئے نغمہ پیرا تھے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ ایک

تفرقہ کا پتھر آ کر ہم سب کو اُڑا دیگا۔ مطلب۔ زمانے کی دستبرد کے ہاتھوں محفوظ سمجھ کر ہم تو شاخ پر نغمہ سرا تھے اور "سنگ تفرقہ" سے غافل۔ (۴) صیاد کے جال اور دانے سے پرند چیختا ہے۔ اسے یہ پتہ نہیں کہ باورچی سیخ (کباب) بھی بنا دیتا ہے۔ مطلب۔ ایک ہی مصیبت کا خیال کرتا ہے اور مستقبل سے بے خبر ہے۔ (۵) غم کے یاجوج کے لشکر نے جہان فتح کر لیا۔ کون کہتا ہے کہ "سدِ سکندر" میں سوراخ نہیں ہوتا۔ مطلب۔ "یاجوج اور ماجوج" دو ظالم اور سفاک قومیں جن پر سکندر ذو القرنین نے ایک روئین کی دیوار بنا کر دنیا کا راستہ بند کر دیا ہے۔ اس دیوار "سدِ سکندر" کہتے ہیں۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ غم دنیا کی خوشی پر غالب آتا ہے۔ (۶) کسی حیلے سے بھی اجل سے خلاصی ممکن نہیں۔ اگر تو بھیڑیے سے بچ بھی جائے تو قصاب کھال اُتار لیگا۔ مطلب۔ موت سے رستگاری ممکن نہیں۔ ایک آفت سے بچے اور دوسری تیار ہے۔ (نوٹ) بعض نسخوں میں "ساماخ" ہے۔ اس کے معنی "مگرمچھ" کے ہیں۔ میرے خیال میں "سلاخ" زیادہ موزوں ہے۔ (۷) دل پر زخم اس طرح آ لگا ہے کہ آنکھ نے دیکھا ہی نہیں اور نظیری نے اس حادثہ کے زخم سے اچانک "ہائے" کہہ دیا۔ مطلب۔ دل گشتۂ غمزہ بالکل چپکے سے ہو گیا +

ردیف الدال

پردہ بر داشتہ ام از غم پنہانی چند
بنہ یاں میرود امروز گریبانی چند

زاں ضعیفاں کہ وفا داشت دریں شہر اسیر
قفسے چند بجا ماندہ و زندانی چند

سرو سامانِ سخن کردن ایں جمعم نیست
پہلوئے من بنشانید پریشانی چند

بس خرابی کہ زیکدیگر ماں نشناسد
ماندہ ایم از دہ غارت زدہ ویرانی چند

کشتہ از بسکہ فتادند کفن نتواں کرد
فکر خورشید قیامت کن و عریانی چند

ہیچ دل را ستم حادثہ مجروح نکرد
کہ نہ لعلِ تو براں ریخت نمکدانی چند

ہیچکس را سر پائے نزد ایام کہ ما
پشت دستے نگزیدیم بدندانی چند

بر عشرت طلبی لخت دل آرم بیروں
چیدہ ام از گل ایں بادیہ دامانی چند

چشم بر فیض نظیری ہمہ خوباں دارند
کاسہ در پیش گدا داشتہ سلطانی چند

غزل نمبر ۱۔ (۱) میں نے اپنے چند پنہاں غموں سے پردہ اُٹھا دیا ہے۔ اس لئے آج چند گریبان ضائع ہو رہے ہیں۔ مطلب۔ میری داستانِ غم سُن کر لوگ گریبان چاک ہیں۔ (۲) اُن ضعیفوں کے

جنھیں وفا نے اس شہر میں مقید کر رکھا تھا۔ چند قفس اور چند قید خانے باقی رہ گئے ہیں۔ مطلب۔ اسیرانِ وفا نذرِ غمِ عشق ہو گئے۔ اب باقی قید خانے ہی ان کی یادگار ہیں۔ (۳) اس گروہ کی باتوں کا سرد سامان کرنے کی مجھے ہمت نہیں ہے۔ اس لئے میرے پہلو میں چند پریشان حال آدمی بٹھا دو۔ مطلب۔ پریشان لوگوں سے میرا دل بہلے گا نہ کہ دل جمعی رکھنے والوں سے (۴) ان ویرانوں کی طرح جو چند لٹے ہوئے گاؤں سے باقی رہتے ہیں۔ ہم چند خراب حال موجود ہیں (اور حالت یہ ہے) کہ ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہیں۔ مطلب۔ کشتگانِ عشق کی ہم یادگار ہیں۔ (۵) چونکہ کشتوں کے پُشتے لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کو کفن نہیں پہنایا جا سکتا۔ اب قیامت کے خورشید اور عریانوں کی فکر کر۔ مطلب۔ خورشید قیامت کی ضیا ان برہنہ لاشوں کو چھپا سکتی ہے ورنہ معشوق کے پاس تو قدرت نہیں کہ وہ ان کو کفن دے سکے۔ (۶) کوئی دل ایسا نہیں جسے حادثے کے ستم نے زخمی نہ کر دیا ہو۔ اور تو نے اپنے لعلِ لب سے اس پر نمکدان نہ چھڑکا ہو۔ مطلب۔ زمانے نے جس کو زخمی کیا ہے تیرے سُرخ لبوں نے اس پر نمک چھڑکا اور زیادہ تکلیف دی ہے۔ (۷) جس کسی کو زمانے نے ٹھکرا دیا ہم نے اس کے لئے اپنا ہاتھ کاٹا (افسوس کا اظہار کیا)، مطلب "دست گزیدن" کفِ افسوس ملنا ہوتا ہے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر۔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔ (۸) اگر تو عشرت کا پھل چاہتا ہے تو میں اپنے دل کا ٹکڑا پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے اس بیابان (دل) سے چند پھول چُنے ہیں۔ مطلب۔ ہمارا عیش دل کے ٹکڑوں پر ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو تیرے لئے بھی حاضر ہیں۔ (۹)

(۹) تمام معشوق نظیری کے فیض پر آنکھیں لگائے ہیں۔ گویا چند سلطانوں نے ایک گدا کے سامنے پیالہ پھیلایا ہوا ہے۔ مطلب۔ نظیری کے فیض عشق کے معشوق بھی طالب ہیں۔ یعنی شاہ ایک گدا کے دست نگر ہیں ◆

شمع را زندہ دلی در شبِ تار آخر شد ‌ ‌ روزِ عشرت ہمہ در خواب و خمار آخر شد

شاخ سرکش شد و دستِ ہمہ کوتاہ بماند ‌ ‌ جورِ گل چیں و نزاعِ سرِ خار آخر شد

عندلیب از نسراید بقفس معذور ست ‌ ‌ گل بہ بازار نبردند بہار آخر شد

خلعتِ دہر باندازۂ حال اکنوں نیست ‌ ‌ چرخ را رشتہ بہم رفت و مدار آخر شد

ہیچو دینار کہ در پائے کریماں اُفتد ‌ ‌ کس نگفت از چہ شماریم و شمار آخر شد

کمتر از رنگ حنا بود بما لطف جہاں ‌ ‌ سرو ستے نفشاندیم و نگار آخر شد

فکر نا آمدہ انیست کہ امسال گذشت ‌ ‌ غم آئندہ ہماں بود کہ پار آخر شد

نقش رخسار تو بر صفحۂ جاں گشت رقم — پردہ بر یک طرف انداز کہ کار آخر شد
شاہدان گوشہ چشمے بنظیری دارند — ہر چہ دل صید ہمیکرد و شکار آخر شد

غزل نمبر ۳ - (۱) شمع کی زندہ دلی اندھیری رات میں ختم ہوگئی - اور عشرت کا دن نیند اور خمار ہی میں ختم ہوگیا - مطلب - ہماری عشرت کا خواب و خمار میں ختم ہونا ہی ایسا ہی ہے - جیسے شمع کا اندھیری رات میں بجھ جانا - (۲) شاخ سرکش ہوگئی اور سب کے ہاتھ کوتاہ رہ گئے - اس لئے اب گلچین کا ظلم اور کانٹے کا جھگڑا ختم ہوگیا - مطلب - جب مقصد بلند ہؤا تو تمام لوگ اس تک پہنچنے میں عاجز آگئے - اس لئے گلچین اور خار کے ظلم کا قصہ ہی پاک ہوگیا - (۳) عندلیب اگر قفس میں (آکر) نہیں گاتی تو معذور ہے - کیونکہ پھول ابھی بازار میں بھی بے جائے نہیں گئے تھے کہ بہار کا انجام ہوگیا ہے - مطلب - جب بہار اس قدر جلد ختم ہوگئی تو بے چارہ بلبل کس طرح گائے - (۴) زمانے کی خلعت اب حال کے اندازے کے مطابق نہیں رہی کیونکہ آسمان کا دھاگا ہٹ گیا ہے - اور اس کا مرکز ختم ہوگیا ہے - مطلب - زمانہ آگے نکل گیا ہے اور مرکز سے ہٹ چکا ہے - (۵) اس دینار کی طرح جو سخیوں کے پاؤں میں گر پڑا ہو - (ہماری حالت ہے کہ) شمار ختم ہوگیا اور ہمیں کسی شمار میں نہ لایا گیا - مطلب - وہ دینار جو کریموں کے پاؤں میں گر پڑے کوئی نہیں اٹھاتا - اس کی وقعت کسی کے دل میں نہیں ہوتی - اسی طرح ہم بے وقعت ہیں - ہم کسی گنتی میں نہیں ہیں - (۶) ہم پر جہان کا لطف مہندی کے رنگ سے بھی کم عرصے کے لئے رہا - ہم نے ہتھیلی جھٹکی نہ تھی کہ رنگ حنا جاتا رہا - مطلب - زمانہ بہت کم مدت کے لئے ہم پر مہربان ہؤا - (۷) جو فکر ہمیں لاحق نہیں ہؤا وہ یہ ہے کہ یہ سال" گذر گیا اور پہلے یہ غم ہؤا کرتا تھا کہ گذشتہ سال گزر گیا - مطلب - ہم حال کی فکر نہیں کرتے ہر وقت ماضی پر کف افسوس ملتے ہیں - (۸) تیرے رخساروں کا نقش میری جان کے صفحے پر لکھا گیا - تو پردہ ایک طرف کر دے کہ اب کام تمام ہؤا جا رہا ہے - مطلب - اب مزید انتظار کی مجال نہیں اس لئے ؎

پردہ چہرے سے اٹھا انجمن آرائی کر ٭ چشم مہر و مہ و اختر کو تماشائی کر - (۹) معشوق اپنی نظروں کے گوشے نظیری پر ڈال رہے ہیں - جو دلوں کا شکار کیا کرتے تھے - آخر کار شکار ہو گئے - مطلب - ہم عشق میں کامل ہو گئے - تو معشوق ہماری طرف متوجہ ہونے لگے ہیں - گویا وہ اب ہمارے شکار ہیں -

ذوقے زمے نژاد کہ صد شور و شر نشد — بیباکے از مذاق خم مے بدر نشد
ابن رسمہائے تازہ ز حرماں عہد ماست — عنقا بروزگار کسے نامہ بر نشد

باز ایں چہ آفت ست درخت امید را | امسال ہم شگوفہ فشاند و ثمر نشد
بیہودہ بر گذر گہ آفت نشستہ ایم | شد کارواں و مرد رہے جلوہ گر نشد
رسوا منم و گرنہ تو صد بار در دلم | رفتی و آمدی کہ کسے را خبر نشد
دستار مارِ گنج گرہ در گلو شود | خم را کہ خشت میکدہ تاج سر نشد
شب زندہ دار باش کہ تا پیر بت تراش | بیدار بود بتکدہ زیر و زبر نشد
در صدر چوں حضور بنود آستاں گزید | ہرگز گدائے کوئے مغاں معتبر نشد
بس نغمہا بگوش نظیری ہوس کشید | دراز دروں بہ لبست و بہ بیروں در نشد

غزل نمبر ۳ - (۱) شراب سے کوئی ذوق ایسا پیدا نہیں ہؤا۔ کہ اس نے سو شور و شر برپا نہ کیا ہو۔ شراب کے مٹکے کے خم سے بے باکی نہ نکل سکی۔ مطلب۔ شراب بیباک ہے چھپ نہیں سکتی۔ اس لئے جو اسے استعمال کرتا ہے۔ شور و شر میں مصروف ہو جاتا ہے۔ (۲) یہ ہمارے زمانے کی نارسائیوں کی نئی رسم ہے ورنہ زمانے میں عنقا بھی کسی کا نامہ بر ہؤا ہے۔ مطلب عشق میں ہم نے عنقا کو اپنا نامہ بر بنایا ہے۔ جو کہیں دستیاب ہی نہیں ہوتا۔ گویا یہ ایک نئی رعایت نکالی ہے۔ عشاق کے قاصد بنانے کے لئے صبا اور کبوتر تو تلاش کرتے ہیں مگر حسرت کہتا ہے ؎
برگِ حنا پہ جا کے لکھوں دردِ دل کی بات ٭ شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دلربا کے ہات (۲) آخر یہ کیا آفت ہے۔ کہ اس سال پھر میری امید کے درخت کو پھل نہیں لگا اور شگوفے ہی جھڑ گئے ہیں۔ مطلب۔ میری آرزوئیں حسرتوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ (۴) ہم آفت کے راستے میں بالکل بیہودہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ قافلہ گذر گیا اور کسی مرد راہ نے جلوہ نہیں دکھایا۔ مطلب۔ ہم دنیا میں بے سود بیٹھے ہوئے ہیں۔ جہاں کوئی رہنمائے کامل ملتا ہی نہیں۔ (۵) میں ہی بدنام ہوں ورنہ تو تو سو دفعہ دل میں آیا۔ اور چلا گیا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ مطلب۔ مَیں رازِ عشق نہ رکھ سکا ورنہ تو یہ افسانہ نہ بنتا دل ابھی کچا ہے۔ اور جمال ایزدی دیکھ کر مجذوبانہ حالت اختیار کر لیتا ہے۔ (۶) اس مٹکے کے گلے میں جس کے سر کا تاج میکدے کی اینٹ نہ ہوئی۔ خزانے کے سانپ کی دستار گرہ بن جائے مطلب جس مٹکے میں شراب نہیں اور ڈھکا ہؤا نہیں خدا کرے اس کے گلے میں "مارِ گنج" (وہ سانپ جو خزانے پر آٹے کا بنا کر بٹھا دیتے ہیں۔ مگر امتداد زمانہ سے اس میں جان پڑ جاتی ہے) لپٹ جائے۔ (۷) تو راتوں کو جاگ (عبادت کر) کیونکہ جب تک بوڑھا بت تراش (آذر) جاگتا رہا اس کا بتکدہ زیر و زبر نہ ہؤا (وہ سونے کے لئے گیا تھا تو بت توڑ دیئے گئے تھے۔) (۸) چونکہ مقام صدر پر جگہ نہ تھی

اس لئے وہ دہلیز پر ہو بیٹھا۔ پیر مغاں کے کوچے کا گدا تو ہرگز معتبر نہ ہو سکا۔ مطلب۔ طلب صادق میں "جلائے صدر" اور "صفت نعلین" برابر ہے۔ (۹) ہوس نے نظیری کے کانوں میں بہت سے نغمے ڈال دیئے ہیں۔ اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور دروازے کے باہر نہ نکلا۔ مطلب۔ ہوس نے بے اختیار کر دیا ٭

قاصد دلے آزردہ تر از آبلہ دارد — مے آید ازاں کوئے و از رفتن گلہ دارد
کس خیمہ نیفراخت لبِ چشمۂ حیواں — گاہے گذرے خضر بریں مرحلہ دارد
شاید کہ شود جلوہ گر از غیب جمالے — چشمے ہمہ کس بر رہ ایں قافلہ دارد
معشوق جمیل ست و غیور ارنہ بگویم — مجنوں نسب از لیلی ایں سلسلہ دارد
ہوئے بفراغت نکند در ہمہ صحرا — دیوانہ کہ آہوئے رماں در گلہ دارد
دریاش ہمے باید و در ظرف نگنجد — صد گونہ الم طائرِ کم حوصلہ دارد
فارغ نشوم یک نفس از بندگی عشق — شکرانۂ فرضے کہ کنم نافلہ دارد
بے بادہ کنم مستی و بے نغمہ زنم ذوق — اینک مے و نے ہر کہ سرِ مشغلہ دارد
چوں گفتہ و ناگفتہ بسنجیدن بخت است — شعرے کہ نگفتست نظیری صلہ دارد

غزل نمبر ۴۔ (۱) قاصد آبلے سے بھی زیادہ آزردہ دل رکھتا ہے۔ وہ اس (معشوق) کے کوچے سے واپس آرہا ہے۔ اور اب جانے کا گلہ کر رہا ہے۔ (کیونکہ وہاں گیا تھا) مطلب۔ گلوں اور شکووں کا بھاری انبار کوئے معشوق سے واپس آیا ہے۔ (۲) کسی نے بھی آب حیات کے چشمے پر خیمہ بلند نہیں کیا۔ (البتہ) کبھی کبھی خضر کا گذر اس منزل پر ہوتا ہے۔ (۳) شاید عقب سے کوئی جمال جلوہ گر ہو تمام لوگوں کی آنکھیں اس قافلہ کے راستے پر لگی ہوئی ہیں۔ مطلب۔ تائید ایزدی کے خیال میں سب لوگ بیٹھے ہیں۔ (۴) ہمارا معشوق خوبصورت بھی ہے۔ اور غیرتمند بھی۔ ورنہ میں یہ کہہ سکتا کہ یہ مجنوں اس خاندان کی لیلے سے نسبت رکھتا ہے۔ مطلب۔ عاشق تو مجنوں سے ملتا جلتا ہے مگر میں اپنی معشوقہ کو لیلے نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ لیلیٰ نہ حسین تھی اور نہ غیور (میری معشوقہ اس سے افضل ہے) (۵) وہ دیوانہ جو رم کرنے والے ہرن اپنے گلّے میں رکھتا ہے۔ وہ تمام جنگل میں پوری فراغت سے نعرہ نہیں لگاتا۔ مطلب۔ اگر وہ بفراغت نعرہ لگائے تو ہرن رم کر جائینگے۔ (۶) ہمارا کم حوصلہ پرندہ سو قسم کے الم رکھتا ہے۔ اس کو دریا کی ضرورت ہے۔ اور وہ برتن میں نہیں سماتا۔ مطلب۔ عاشق کی خواہشات دریا کی مانند ہیں۔ اور ظرف اتنا نہیں رکھتا۔ کہ سب اس میں سما سکیں۔ (۷)

ہیں عشق کی غلامی سے ایک لحظہ فارغ دل نہیں بیٹھتا۔ اگر فرض کا شکرانہ ادا کر لیتا ہوں۔ تو باقی پھر نفل رہ جاتے ہیں۔ مطلب۔ عشق کی کوئی نہ کوئی عبادت باقی رہتی ہے۔ (۸) بغیر شراب مست رہتا ہوں اور بغیر نغمہ ذوق کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ ہے بانسری اور شراب! جو کوئی اس شغل کا خیال رکھتے ہیں آئیں (اس میں شریک ہوں) مطلب۔ (ع) صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے۔ (۹) چونکہ کہے ہوئے اور نہ کہے ہوئے کا قیمت پانا نصیب پر منحصر ہے۔ اس لئے نظیری نے وہ اشعار جو نہیں کہے ان کا بھی صلہ پا لیا ہے۔ مطلب۔ صلہ شعروں پر ہی منحصر نہیں کسی حیلے بہانے مل ہی جاتا ہے۔

کمالِ عاشقی حیرانیٔ دیدار مے آرد
چو آتش دیر میماند سمندر بار مے آرد

نہ رشکِ خود فروشاں میکشد نے نازِ کم سنجاں
فریب حسن غوغا از سرِ بازار مے آرد

تو در خواہ از قضا چندانکہ فیروزی شود روزے
بہ بخت ار در ببندی اختر از دیوار مے آرد

بہندِ خط جمالِ یار سودائے عجب دارد
ہمہ اقرار و ایماں بُردہ و انکار مے آرد

مُسلماں عاشقِ رخسار و ہندو والۂ زلفش
موحّد بیں کہ باہم مصحف و زنار مے آرد

مُبارک فال صبح دولت دیدار میخواراں
کہ دست و پائے بخت خفتہ را در کار مے آید

زخود بیناں چہ میگوئی بہ بزم بیخوداں منشیں
کہ آبِ خضر اگر حاجت شود خمار مے آرد

نظیری از نوا زشہائے رود و دست ز رد و قم
کہ چوں چنگم بضربت بر سرِ اسرار مے آرد

غزل نمبر ۵ ۔ (۱) عاشقی کا کمال دیدار میں حیرت پیدا کرنا ہے جس طرح کہ آگ کا زیادہ مدت تک جلنا "سمندر" پیدا کرتا ہے۔ (نوٹ۔ سمندر وہ کیڑا ہوتا ہے جو آگ کے متواتر جلنے کی وجہ سے اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ حیرت عشق کا آخری درجہ ہے۔ اس کے متعلق فرمایا گیا ہے:۔

اللّٰھُمَّ زِدْنِی فِیکَ حیرتً۔ اللہ تعالےٰ اپنے عشق میں میری حیرت زیادہ کر۔ (۲) نہ مجھے متکبر لوگوں کا رشک مارتا ہے اور نہ کم فہموں کا ناز۔ بلکہ حسن کا فریب ہی بازار کا شور و شر پیدا کرتا ہے مطلب۔ فریب حسن میری رسوائی کا باعث ہے اور کچھ نہیں۔ (۳) جتنی روزی تیرے نصیب میں لکھ دی گئی اس قدر طلب کرلے۔ کیونکہ اگر نصیب پر تو دروازہ بند بھی کر دے تو اختر بخت دیوار پھاند کر آجاتا ہے مطلب۔ روزی کفیل بہر صورت تجھے مل جائیگی اور بس۔ (۴) یار کے خط و خال کا شہید ایک عجیب سودا میں مبتلا ہے۔ تمام اقرار و ایمان (خط چہرۂ معشوق) لے گیا ہے۔ اور اب انکار لا رہا ہے (کافر بنا رہا ہے) مطلب۔ رخ معشوق سرمایۂ اقرار و ایمان تھا۔ اب خط سیاہ اس پر ایسا آیا ہے۔ اس نے جذبات کفر پیدا کر دیئے ہیں۔ (۵) مسلمان اس کے رخسار کے عاشق ہیں اور ہندو اسکی زلفوں

کے ۔ ذرا اس توحید پرست کو دیکھنا جو مصحف اور زنار اکٹھی لا رہا ہے ۔ مطلب ۔ چہرے کو مصحف سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ اس لئے مسلمان اس پر عاشق ہیں ۔ زلف سیاہ ناگ کی مانند ہے اس لئے ہندو اس کے شیدا ہیں ۔ وہ معشوق مجموعہ اضداد ہے ۔ سرمایہ کفر و اسلام دونوں اس کے پاس موجود ہیں ۔ (۶) میخواروں کے لئے صبح دیدار کی دولت (میسر آ رہی ہے) یہ مبارک ہے ۔ دیکھیں تو! کون ہے جو اپنے بخت خفتہ کے دست و پا کام میں لاتا ہے ؟ مطلب ۔ جب دیدار عام کا وقت آیا تو دیکھیں کون خوش نصیب اپنے بخت خفتہ کو بروئے کار لاتا ہے ۔ (۷) تو ان متکبروں کی کیا کہتا ہے ۔ بے خودوں کی محفل میں بیٹھ ۔ یہاں اگر آبحیات کی ضرورت پڑے تو وہ بھی مے فروش لے آتا ہے یہ مطلب بیخودوں کی محفل میں زندگی جاوِدان بھی موجود ہے ۔ (۸) اے نظیری میں تو دوست کے درد کی نوازشوں کے ہاتھوں مستفید ہو رہا ہوں ۔ کیونکہ وہ باجے کی طرح ایک ضرب سے ہی راز افشا کرتا ہے ۔

چوں ابر بہاری بسرم سایہ فگن شد — بر ہر بر و بوم کہ نظر کرد چمن شد
چوں شمع کہ شد رہبر پروانہ ز تابش — دلسوزی او باعثِ جاں بازی من شد
میخواست شود قابل نظمم ببلاغت — صد پایہ نشیب آمد و بر اوج سخن شد
بے جام ہمہ میکش و بے بادہ ہمہ مست — از نظم من آئین مغاں رسم کہن شد
شک نیست کہ از نیم نظر کار بر آید — آنرا کہ دلیل آصفِ اعجاز سخن شد
ہمسایگیش را اثر ابر بہار ست — ہم خانہ گلستاں شد و ہم خار سمن شد
از یار و دیار ار نکنم یاد عجب نیست — از رشکِ من امسال غریبی بوطن شد
بر خاک درش جائے شہیداں ندہد کس — لطفیست کہ کافور تن و عطر کفن شد
مہمان بہشتی مخور اندوہ نظیری — نزہتگہ حورانِ چمن بیت حزن شد

غزل نمبر ۶ ۔ (۱) جب ابر بہاری میرے سر پر سایہ فگن ہوا ۔ تو پھر (اس ابر بہار نے) نے سر زمین پر نگاہ ڈالی وہ چمن بن گیا ۔ مطلب ۔ فیض ابر نے ہر جگہ گلزار کھلا دیا ۔ (۲) جس طرح شمع اپنی روشنی سے پروانے کی رہبر ہوتی ہے ۔ اس معشوق کی دلسوزی میری جانبازی کا باعث ہو جاتی ہے مطلب ۔ شمع جلتی ہے تو پروانہ اس کی طرف کھنچا آتا ہے ۔ وہ معشوق میرے ساتھ دلسوزی سے پیش آتا ہے ۔ تو میں اس پر جاں نثار کرتا ہوں ۔ (۳) اشعار چاہتے تھے کہ بلاغت میں میری نظم کے قابل ہوں ۔ اس لئے وہ میری بلاغت سے سو درجے نیچے آئے پھر کہیں جا کر سخن کی بلندیوں پر پہنچے ۔ (۴) بغیر جام سب لوگ شرابخور ہیں ۔ اور بغیر شراب مست ہیں ۔ میری نظم سے پیر مغاں کا طریقہ پرانی رسم بن گیا ۔ مطلب ۔

لوگ میرے شعروں سے مست ہونے لگے۔ اس لئے شراب نوشی ایک رسم دیرینہ ہو گئی۔ (۵) جس کا رہنما معجزہ جیسے کلام رکھنے والا آصف ہو گیا۔ تو ذرا شک نہیں کہ صرف نیم نگاہ سے اس کا کام بنا دے۔ مطلب۔ آصف خاں اپنے ممدوح کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۶) اس کی ہمسائیگی میں بھی ابرِ بہار کا اثر ہے۔ اس لئے ہمارا گھر گلستان ہو گیا۔ اور کانٹے چنبیلی کے پھول بن گئے۔ مطلب۔ آصف خاں کی ہمسائیگی اکرامِ گوناگوں کا باعث ہے۔ (۷) اگر میں اپنے دوست اور وطن کی یاد نہ کروں تو یہ کوئی عجب نہیں۔ کیونکہ میرے رشک سے اس سال میری مسافرت وطن بن گئی ہے۔ مطلب۔ ہم وطن رشکِ ترقی کی وجہ سے میرے پاس مسافرت میں آ رہے ہیں تو مجھے وطن کی یاد کیا ضرور ہے۔ (نوٹ) شاید نظیری اپنے ہمعصروں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس کے وطن سے ہندوستان کا رُخ کر رہے تھے۔ (۸) اس کے دروازے کی خاک میں شہیدوں کو جگہ نہیں ملتی یہ بھی اس کی مہربانی ہوگی۔ اگر وہ خاک شہیدوں کے بدن کا کافور اور کفن کا عطر ہی بنا دیں۔ (۹) اے نظیری! تو بہشت کا مہمان ہے۔ اس لئے غم نہ کھا۔ تیرا بیت حزن (غمکدہ) تو حوروں کا تازہ گلشن بنا ہوا ہے۔

بگوشم از پریدن ہائے چشم آواز مے آید | کہ از غربت دریں نزدی عزیزے باز مے آید
مبارک پے ہوائے کز دیار دوستے خیزد | کہ بے بال و پر آنجا مرغ در پرواز مے آید
بغل بکشائے پر کن از غنیمت ہائے ایمانے | کہ از تاراج حُسنِ مملکت پرواز مے آید
بساط جادوئے برہم خورد جادو نگاہاں را | کہ لب با حجت و رخسار با اعجاز مے آید
محال ست اینکہ بردامِ نگاہِ من گذر افتد | غزالے را کہ از پے صد کمند انداز مے آید
سپہ را روح در پرواز و شہ را بخت در ناز ست | کہ از بالا ہما در چنگ آں شہباز مے آید
بترتیب صبوحے صبحدم دیدم کہ دولت را | کمر مے لبست نوراں خانخاناں باز مے آید
سعادت ہائے گوناگونست نوراں کہ حسن او | بہ انجام فصلے بر سرِ آغاز مے آید
نباشد محرم آہنگ دولت قدر ہر سمعے | نوا نازک بروں زیں پردہ ہائے راز مے آید
چو شد تسخیرِ دل مشتاق را درماں شکیبائیست | کہ دل بیناز و دلبر ز روئے ناز مے آید
نظیری دوستاں را راز دل ناگفتہ کے ماند | تحمل کن کہ او خود بر سرِ ایں راز مے آید

غزل نمبر ۷ ۔ (۱) میرے کانوں میں آنکھ پھڑکنے کی آواز آتی ہے۔ کیونکہ سفر سے ایک عزیز اس قدر جلدی واپس آ رہا ہے۔ مطلب۔ عزیز سے مراد عبدالرحیم خانخاناں مخدوم نظیری ہے۔ (۲) وہ ہوا جو

دوست کی ولایت سے پیدا ہوتی ہے۔ کس قدر مبارک قدم ہے۔ کہ پرندہ وہاں بغیر بال و پر کے پرواز میں آجاتا ہے۔ (۳) تو بھی گریبان کھول اور ایمان کی غنیمت سے بھر لے۔ کیونکہ وہ مملکت کا حُسن لوٹنے کے بعد واپس آرہا ہے۔ (۴) بڑے بڑے جادو نگاہ معشوقوں کی جادو کی بساط اُلٹ دیتا ہے۔ کیونکہ لبوں میں دلیل اور رخساروں میں معجزہ لے کر آرہا ہے مطلب۔ جب معجزہ لے کر آرہا ہے تو جادو کا کیا ٹھکانا؟ (۵) وہ ہرن جس کے پیچھے سو کمندوں والے چلے آتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ میری نگاہ کے جال میں پھنس جائیگا مطلب۔ جس ممدوح یا معشوق کے ہزاروں عشاق و خادماں چلے آتے ہیں۔ وہ ہماری طرف کب متوجہ ہوتا ہے۔ (۶) سپاہ کی روح پرواز کر رہی ہے۔ اور بادشاہ کا بخت ناز دکھا رہا ہے۔ کیونکہ نہایت بلندی سے وہ شہباز ہما کو پنجے میں لے کر آیا ہے۔ مطلب۔ عبدالرحیم خانخاناں نے حسین مرزا گجراتی کو گرفتار کیا تھا۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ (۷) میں نے صبح سویرے دیکھا۔ کہ زمانہ صبوحی کے ترتیب دینے کے لئے کمر باندھ رہا تھا۔ کیونکہ خانخاناں واپس آرہا ہے۔ (۸) زمانے کے لئے قسم قسم کی سعادتیں ہیں۔ کیونکہ اس کا حُسن ہر فصل کے اختتام پر آغاز میں آتا ہے۔ مطلب۔ ہر سال نئی نئی فتوحات سے شادکام ہوتا ہے۔ (۹) ہر کان سلطنت کے باجے کی آواز کا محرم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان راز کے پردوں سے نہایت نازک آواز نکلتی ہے۔ (۱۰) جب دل کسی کے عشق میں مسخر ہو گیا۔ تو اس کا علاج صبر ہے۔ کیونکہ دل بھی نازاں ہوتا ہے۔ اور معشوق بھی ناز سے پیش آتا ہے۔ مطلب۔ عشق میں صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں مگر مزا یہ ہے کہ یہ بھی قریباً قریباً ناممکن ہے۔ (۱۱) اے نظیری دوستوں پر دل کے راز ناگفتہ کیسے رہ سکتے ہیں۔ تجھے تحمل کرنا چاہئے کیونکہ وہ خود اس راز سے واقف ہوا جا رہا ہے۔ مطلب۔ رازِ عشق بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوست پر خود بخود ہویدا ہو جائیگا۔ حُسن طلب ہے۔ اپنی ضروریات کا اظہار ایک لطیف پیرائے میں کر رکھا ہے ٭

بہوش سیرِ چمن کن کہ شاہداں مستند ۔۔ قرابہ بر سرِ ابرِ بہار بشکستند
چمن پیالہ کش است و صبا قدح پیمائے ۔۔ معاشرانِ صبوحے ز خواب برجستند
بزیرِ خرقہ نہاں بادہ مے خورد صوفی ۔۔ حکیم و عارف و زاہد ہمہ ازیں دستند
جہاں و عیش جہاں حرفِ قاف و سیمرغ است ۔۔ درحریم فشانزن کہ نیستاں ہستند
تو نخلِ خوش ثمرِ کیستی کہ باغ و چمن ۔۔ ہمہ ز خویش بُریدند و در تو پیوستند
بضربتِ تو چناں تشنہ ام کہ صبرم نیست ۔۔ بقدرِ فرصت آں ماہیاں کہ در شستند

زبیقراری افلاک داغہا دارم | کہ ناز شوق تو برخاستند نشستند
نوا فزون ست ز اندازۂ بریشم عود | غزل بزمزمہ خوانم کہ پردہا پستند
بر فرنکتہ ادا میکنم کہ خلوتیاں | سر سبو بکشادند و در فرو بستند
تو نخل میوہ فشاں باش در حدیقۂ دہر | کہ کم درخت قوی خشک شد کہ نشکستند
زکاہلی تو نظیری خزاں این چمنی | گہے بباغ شدی کز نشاط وارستند

غزل نمبر ۸ ۔ (۱) بڑے ہوش سے چمن کی سیر کرو۔ کیونکہ دباغ کے) معشوق مست ہوئے ہیں۔ انہوں نے شیشۂ مے ابرِ بہار کے سر پر توڑ دیا ہے ۔ مطلب ۔ ابرِ بہار کا دَور دورہ ہے۔ پھولوں نے ابرِ بہاری دیکھ کر شراب کا شیشہ کھولا۔ اور اب مست ہو چکے ہیں۔ (۲) باغ شراب پینے والا ہے۔ اور صبا پلانے والی۔ صبوحی کے حریف نیند سے اُچھل پڑے ہیں۔ (۳) صوفی اپنی گُدڑی میں چُھپ کر شراب پی رہا ہے۔ حکیم، عارف اور زاہد سب ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے ہیں۔ مطلب۔ ہر شخص عابد و زاہد و فلاسفر سب آج شراب میں مست ہیں۔ (۴) جہان اور جہان کا عیش قاف اور سیمرغ کی باتیں ہیں۔ تو فنا کی چار دیواری کا دروازہ کھٹکا۔ کیونکہ نیست ہونے والے ہی ہستی دوام پاتے ہیں (نوٹ) سیمرغ فرضی پرندہ ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ کوہ قاف پر رہتا ہے۔ تصوّف میں اس سے مراد معشوقِ حقیقی ہوتا ہے لیکن یہاں نایاب کے معنوں میں مستعمل ہے۔ مطلب۔ جہان کا عیش نایاب ہے تو فنا فی اللہ ہو کر مرتبہ بقا باللہ حاصل کر۔ (۵) تو کس کا اچھا ثمردار درخت ہے۔ کہ تمام باغ اور گلزار اپنے آپ سے الگ ہو کر تیرے ساتھ پیوست ہو گئے ہیں۔ (۶) تیری چوٹ کے لئے اس قدر پیاسا ہوں کہ اُن مچھلیوں جتنا صبر بھی نہیں ہے۔ جو کُنڈی میں پھنسی ہوئی ہوں۔ مطلب۔ کنڈی میں پھنسی ہوئی مچھلیاں بالکل بے تاب و بے قرار ہوتی ہیں۔ کہتا ہے میں بے حد بے صبر ہو چکا ہوں (۷) میں آسمانوں کی بے قراری سے بھی داغ رکھتا ہوں۔ کہ (بیچارے) جب سے تیرے شوق میں نکلے ہیں پھر بیٹھے ہی نہیں۔ مطلب۔ آسمان تیری معرفت کے لئے گردش کناں ہے۔ اور پھر اُٹھے ہی نہیں (۸) دف کے پردے سے میری آواز زیادہ ہے۔ اس لئے اب غزل گنگناتا ہوں کہ پردے پست ہیں۔ مطلب لوگ نغمۂ الست سننے کی تاب نہیں رکھتے۔ (۹) میں اشارے ہی میں نکتہ ادا کر جاتا ہوں۔ کیونکہ صاحبانِ خلوت نے مٹکے کا منہ کھول کر دروازہ بند کر دیا ہے۔ مطلب۔ راہ معرفت کھلا ہے لیکن کامیابی مشکل ہے۔ یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ اس لئے میں بھی رمز ہی میں نکتۂ حقیقت بیان کر جاتا ہوں (۱۰) تو زمانے کے باغ میں میوہ دار درخت بن جا۔ کیونکہ کوئی مضبوط درخت ایسا نہیں جو خشک ہوا تو

کاٹ نہ ڈالا گیا ہو مطلب - ثمردار درخت ہی کاٹے نہیں جاتے ورنہ قوی سے قوی درخت بھی خشک ہونے پر کٹ جاتے ہیں - فائدہ پہنچانے والے لوگوں کو بقا حاصل ہے دوسروں کو نہیں - (۱۱) اے نظیری تو اپنی سستی کی وجہ سے اس چمن کی خزاں ہے - جب تو باغ میں جاتا ہے تو لوگ خوشی چھوڑ بیٹھتے ہیں مطلب - اے نظیری تیری ذات لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث ہے - (ع)

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

اینجا نہ بہر سنگِ سیہ نور فروشند ۔۔۔ ایں پایۂ بینش نہ بہر کور فروشند
فریاد کہ ہر کس باسیری فتد او را ۔۔۔ شرط است کہ از خویش و وطن دور فروشند
غیرت نگذارد کہ بچشم و دل منکر ۔۔۔ یک ذرہ ز خاکسترِ منصور فروشند
زیبندہ بود دعوئ مستوری خوباں ۔۔۔ ہر چند کہ جولاں بسر طور فروشند
سرد است چناں خانقہ و دیر ز آتش ۔۔۔ در وادئ دوری شب دیجور فروشند
آں دردکشانے کہ شناسائے عیارند ۔۔۔ فردوس بیک خوشۂ انگور فروشند
اخراج مغل خواہم و تاراج قزلباش ۔۔۔ کز ہند بر ندم بہ نشاپور فروشند
در عشق تو با قدر و بہایم کہ عزیز است ۔۔۔ ویرانہ کہ در کشور معمور فروشند
قربان شدگان تو بقصاب سر کوئے ۔۔۔ یک سینہ بصد ضربت ساطور فروشند
بالیش دل و سینۂ ناسور نظیری ۔۔۔ خوش باش کہ کم بندۂ رنجور فروشند

غزل نمبر ۹ - (۱) یہاں ہر سیاہ پتھر کے بدلے نور نہیں بیچتے - یہ دانائی کا مرتبہ ہر اندھے کو عطا نہیں کرتے - مطلب عشق ہر شخص کے نصیب میں نہیں - (۲) فریاد ہے! کہ وہ شخص جو اس کی قید میں پھنستا ہے - اس پر شرط یہ لگاتے ہیں کہ اپنوں اور وطن سے اسے دور پھینکتے ہیں مطلب عشق میں اپنوں سے دور پھینکنا معشوق کا شیوۂ دیرینہ ہے - (۳) غیرت اس بات کی اجازت نہیں دیتی - کہ منکر چشم و دل کے پاس منصور کی خاکستر کا ایک ذرہ بھی بیچ ڈالیں - مطلب - جو عشق کا منکر ہے اسے اس دولت سے ذرہ بھر حصہ نہیں مل سکتا - (۴) معشوقوں کے پردہ نشین ہونے کا دعویٰ خوب ہوتا ہے - اگر طور پر جولانیاں دکھاتے پھریں مطلب - اگرچہ خدائے تعالےٰ کا جلوہ طور پر نمودار ہوا - اور وہ ذرے ذرے میں ظاہر ہے - لیکن پھر اس کی مستوری مسلمہ ہے - (۵) خانقاہ اور بت خانے اس طرح سرد ہو چکے ہیں کہ اب آگ اندھیری رات کی دور وادی میں روشن کرتے ہیں مطلب عشق کی آگ سے کعبہ و بت خانہ خالی ہے - اس لئے شب دیجور کی وادی میں آتش شوق فروزاں ہے

(۶) وہ تلچھٹ پینے والے جو خالص (شراب) کو پہچاننے والے ہیں۔ وہ فردوس کو انگور کے ایک خوشے کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں۔ مطلب۔ شراب عشق کے لذت آشنا فردوس کو کیا حیثیت دیتے ہیں۔
(۷) میں مغلوں کا اخراج اور قزلباشوں کی بربادی چاہوں گا۔ اگر مجھے ہندوستان سے لے جائیں اور نیشاپور (وطن) میں ظاہر کریں۔ مطلب۔ اگر میرے وطن میں مجھے واپس لے جائیں تو میں مغلوں اور قزلباشوں کی بربادی کا خواہاں ہونگا۔ (۸) میں تیرے عشق میں قدر و قیمت پا رہا ہوں کیونکہ وہ ویرانہ جو آبادی میں نایاب ہوتا ہے۔ (۹) تجھ پر قربان ہونے والے تیرے کوچے کے قصاب کی چھری کی ایک چوٹ کے بدلے سو سینے بیچ دیتے ہیں۔ مطلب۔ فدائیانِ عشق موت کے بدلے ہر چیز کے لئے تیار و آمادہ ہیں۔
(۱۰) اے نظیری تو اپنے زخم اور ناسور بھرے سینے کے ساتھ شاد رہ۔ کیونکہ بیمار غلام کو بیچا نہیں کرتے۔ مطلب۔ تو مریضِ عشق ہے۔ اس لئے وہ تجھے تیری مرض کا احساس کرتے ہوئے ہاتھ سے نہیں دینگے۔

مابید بوستانیم مارا ثمر نباشد — هرود دوستانیم از ما بتر نباشد
از لب بروں نیاید آواز عشقبازاں — پرواز مرغ بسمل جز زیر پر نباشد
تاراج دیدگاں اند آوارگان معشوق — راہے نمیرود عشق کانجا خطر نباشد
صد در اگر کشانید بر خلق گاہ دیدار — آنرا کہ چشم بستند راہش بدر نباشد
اوّل نشان مردی اخفائے کار خوبست — بہتر ازیں کہ گفتی دیگر ہنر نباشد
فیروزئے ضعیفاں در عجز و انکسارست — تا نشکند صف ما ما را ظفر نباشد
تا دل بجائے خویشست دارد عناں دیدہ — عاشق کہ شد پریشاں صاحب نظر نباشد
از تیغ کے ہراسم دیلار مزد قتلست — خونے کہ عشق ریزد ہرگز بدر نباشد
در گوشۂ نقابت سیر گل ست و نسرین — زیں خوبتر نظر را ہرگز سفر نباشد
ہر جا رود مسافر حرف تو ارمغان ست — یک خانہ نیست کز تو پُر از شکر نباشد
قاصد کہ میفرستی رطل گرانش در دہ — کز ما خبر نیاید تا بے خبر نباشد
از شاخ لہو برگے حاصل نشد نظیری — لب تشنہ باد کشتی کز گریہ تر نباشد

غزل نمبر ۱۰۔ ہم باغ کے بید مجنوں ہیں۔ اس لئے ہمیں پھل نہیں لگتا۔ ہمیں دوستوں نے رد کیا ہوا ہے۔ اس لئے ہم سے بدتر اور کوئی نہیں مطلب۔ بید مجنوں بے ثمر درخت ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ ہمارے دوست ہماری مغلوک الحالی دیکھ کر کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ (۲) عاشقوں کی آواز لبوں سے باہر نہیں نکلتی۔ اور بسمل پرندے کی اڑان پروں ہی میں محدود رہتی ہے۔ مطلب۔ عشاق نالہ کشی سے

کام نہیں لیتے بلکہ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ (۳) اس معشوق کے عشق میں، آوارہ لوگ ویرانہ دیکھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ عشق اس راستے پر جاتا ہی نہیں جو پُر خطر نہ ہو۔ مطلب عشق میں پُر خطر مقامات و بیابان ہی ہوتے ہیں۔ (۴) اگر دیدار کے وقت خلقت پر وہ سو دروازے بھی کھول دیں تو جن کی آنکھیں بند ہیں ان کی نظر دروازوں میں راہ نہیں پاتی۔ مطلب "دیدار" کے لئے چشم بینا شرط ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو بے حجابی بھی فیضیاب نہیں کر سکتی۔ (۵) جوانمردی کا پہلا نشان اپنے اچھے کاموں کو پوشیدہ رکھنا ہے۔ یہ جو بیان کیا گیا ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی ہنر نہیں ہے۔ مطلب۔ اپنی خوبیاں اور ہنر پوشیدہ رکھنا کمال ہے۔ اور ان کا ڈھنڈورا پیٹنا مردانگی نہیں۔ (۶) کمزوروں کی فتح عاجزی میں ہے تاوقتیکہ ہماری صفیں نہ ٹوٹ جائیں۔ ہماری کامیابی نہیں ہوتی۔ مطلب عشق میں عجز و انکساری کامیابی کا نشان ہے۔ (۷) جب تک دل بجا ہے وہ آنکھوں کی باگ ہاتھ میں رکھتا ہے۔ کیونکہ جو عاشق پریشان ہو جاتا ہے وہ صاحب نظر نہیں رہتا۔ مطلب عشق میں دل و دیدہ قابو میں ہو تو بصیرت پیدا ہوتی ہے (۸) میں تیغ سے کیوں گھبراؤں جبکہ قتل کا اجر دیدار ہے۔ جو خون عشق گراتا ہے۔ ہرگز اس کا خونبہا نہیں ہوتا۔ مطلب۔ جب شہید عشق ہونے کے بعد دیدار معشوق میسر آجائیگا تو میں کیوں گھبراؤں۔ (۹) تیرے نقاب کے گوشے میں پھول اور نسترن کی سیر ہے۔ نظر کے لئے اس سے بہتر کوئی سفر نہیں ہے۔ مطلب۔ گل و نسترن معشوق کے رخساروں سے استعارہ کیا ہے۔ (۱۰) جہاں کہیں بھی یہ مسافر جاتا ہے۔ تیری باتیں ہی اس کے لئے تحفہ ہیں۔ کوئی گھر ایسا نہیں جو تجھ سے شکر سے بھرا ہوا نہ ہو۔ مطلب تیرے عشق میں غریب الوطن ہر جگہ تیری میٹھی میٹھی باتیں بیان کرتا پھرتا ہے۔ (۱۱) جو قاصد تو ہمارے لئے بھیجتا ہے اسے شراب کا بڑا پیالہ بھر کر دے۔ کیونکہ تاوقتیکہ وہ اپنے آپ سے بے خبر نہ ہو جائیگا وہ ہماری خبر نہیں پاسکتا۔ مطلب عشق میں ہماری تلاش کے لئے قاصد کو بھی بے خود ہونا پڑیگا۔ (۱۲) اے نظیری کھیل کی شاخ سے تو کوئی ثمر حاصل نہ ہوسکا۔ خواہ وہ کشتی ہمیشہ خشک رہے جو گریہ سے تر نہیں ہوتی۔ مطلب۔ دنیا میں لہو و لعب فائدہ نہیں دیتی بلکہ گریۂ عشق ہی سودمند ہے

زگرد شہائے چشمش مستی پیمانہ مے خیزد
گریہ کز ابروان میخیزدش مستانہ میخیزد

چو در روز قیامت ہر کسے خیزد لبسودائے
شہید نرگس او از لحد دیوانہ میخیزد

مہیائے فنائم جلوہ درکار مے خواہم
مہم بر بام تا بد آتشم از خانہ میخیزد

چراغ اہل عشق از کلبۂ من میشود روشن
نشیند ذرہ گر بر روزنم پروانہ میخیزد

زبس محو تصور کردن یارم نمیدانم
کہ در کاشانہ مے آید کہ از کاشانہ میخیزد

سبق از یک ورق لیلیٰ و مجنوں را چہ حالست ایں | یکے دیوانہ میگردد یکے فرزانہ میخیزد
زشرح قصۂ ما رفتہ خواب از چشم خاصاں را | شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ میخیزد
بردنیا و دیں خواہی سرشکے بر جراحت ریز | کزیں آب و زمیں صد خرمن از یک دانہ میخیزد
مگر گاہے نظیریؔ میکند آرامگاہ اینجا | جنوں از سایہ دیوار ایں ویرانہ میخیزد

غزل نمبر ۱۱۱ - (۱) اس کی آنکھوں کی گردش سے پیمانے کی مستی پیدا ہوتی ہے۔ جو گرہ اس کے ابروؤں سے اُٹھتی ہے وہ مستانہ ہوتی ہے یمطلب۔ آنکھیں نشیلی ہیں۔ اس لئے لوگ شرابِ حُسن پیتے جا رہے ہیں ؎ اک تو نشیلی چشمِ یار اس پہ چڑھا غضب خمار + پینی پڑی ہمیں بھی آج ایسی بہار دیکھ کر۔
(۲) قیامت کے دن جب ہر شخص کسی نہ کسی خیال میں قبر سے اُٹھیگا۔ اس کی نرگسِ چشم کا شہید لحد سے دیوانہ ہوکر باہر آئیگا یمطلب عشق مرنے کے بعد بھی ختم نہ ہوگا۔ (۳) میں فنا ہونے کے لئے تیار ہوں صرف ایک جلوے کی ضرورت ہے۔ چاند میری چھت پر چمکتا ہے۔ اور آگ میرے گھر میں لگی ہے (۴) عاشقوں کا چراغ میری جھونپڑی سے روشن ہوتا ہے۔ اگر ذرہ میرے روشندان پر بیٹھے تو پروانہ بن کر اُٹھتا ہے یمطلب۔ ہم سرتاپا عشق ہیں۔ اور لوگ ہم سے فیض حاصل کرتے ہیں (۵) چونکہ یار کے تبسم میں محو ہوں۔ اس لئے نہیں جانتا۔ کہ کون میرے گھر میں آتا ہے۔ اور کون گھر سے جاتا ہے (۶) لیلےٰ اور مجنوں نے ایک ہی کتاب سے سبق پڑھا مگر یہ کیا حالت ہوئی ؟ کہ ایک تو دیوانہ دوسرے فرزانہ نکلا یمطلب ؎ ہے تعجب کہ سبق ایک ہے اُستاد بھی ایک + ہم سبق پھرتے ہیں دیوانہ و فرزانہ بنے (۷) ہمارے قصّے کی شرح سے خاصوں کی آنکھوں سے نیند جاتی رہی۔ رات ختم ہونے کو آئی اور بات سے بات نکلی جا رہی ہے یمطلب ؎ چھیڑا پھر حُسن نے اپنا قصّہ + لو آج کی شب بھی سو چکے ہم۔
(۸) دنیا اور دین کا پھل چاہتا ہے۔ تو اپنے زخموں پر آنسو برسا۔ اس پانی اور زمین میں ایک دانے سے سو خرمن پیدا ہوتے ہیں یمطلب۔ سینے کی زمین اور آنسوؤں کا پانی خرمنِ مقصود پیدا کرتا ہے (۹) شاید کبھی نظیریؔ اس مقام پر آرام کرتا ہے۔ کیونکہ اس دیوار کے سائے سے جنون پیدا ہو رہا ہے۔ مطلب۔ نظیریؔ کا جنون متعدی ہے۔ شاید اس دیوار کے سائے میں کبھی بیٹھا ہے۔ تو یہ سایہ بھی جنون خیز ہے ؀

دوش بر سوزِ دل و سینہ بر آتم داد ند | سر چو شمعم ببریدند و حیاتم دادند
نالہ کردم بنہاں عشوہ خموشم کردند | گریہ کردم زشکر خندہ نباتم دادند
دُرد و صاف غم و شادی بمن ارزانی شد | تا خم و خمکدۂ عشق براتم دادند

پارہ پارہ جگر طور زغیرت خون شد — کہ کہے بودم و چوں کوہ ثباتم دادند
گرسنہ دیدہ تر از مفلس کنعاں بودم — خواجہ گشتم کہ ازاں حسن زکاتم دادند
تا بمقصد سپرم کشتی مشتاقاں را — از خضر ہمت و از نوح نجاتم دادند
احترام شعشہ بر چرخ نظیری زدہ ست — کس چہ داند کہ چہ عالی درجاتم دادند

غزل نمبر ۱۲ - (۱) کل رات میرے سوز دل پر مجھے میرا حصہ دے دیا گیا۔ شمع کی طرح میرا سر کاٹا اور زندگی دے دی۔ مطلب عشق میں سر کٹنا ہی زندگئ دوام ہے۔ جو سوز دل و سینہ سے حاصل ہوتی ہے (۲) میں نے چپکے چپکے نالے کئے تو انہوں نے عشوے سے مجھے خاموش کر دیا۔ جب رونے لگا تو مجھے میٹھی ہنسی سے قند دے دی۔ مطلب۔ میری گریہ وزاری بند کرنے کے لئے معشوق کے پاس تبسم و عشوہ موجود ہے۔ (۳) غم اور شادی کی تلچھٹ اور صاف شراب مجھے مل گئی۔ جب سے کہ مجھے عشق کی شراب کا خم اور میخانہ عطا کیا گیا۔ مطلب عشق میں غم کی تلچھٹ اور شادی کی صاف شراب دونو میسر ہیں۔ (۴) طور کا جگر غیرت سے پارہ پارہ ہو کر خون ہو گیا۔ کیونکہ میں ایک گھاس کا تنکا تھا۔ اور اب مجھے پہاڑ کی طرح کی ثبات مل گئی ہے۔ ع
آسماں بار امانت نتوانست کشید + قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ (۵) میں کنعان کے مفلس (یعقوبؑ) سے بھی زیادہ دیدار کا بھوکا تھا۔ لیکن جب اس حسن سے مجھے زکوٰۃ مل گئی تو امیر ہو گیا۔ مطلب۔ اس معشوق کے عشق نے مجھے غنی کر دیا (۶) تاکہ میں مشتاقوں کی کشتی مقصد پر پہنچا دوں۔ مجھے خضر کی ہمت اور نوح کی سی نجات دے دی۔ (۷) اے نظیری میرے ستارے نے آسمان پر کرنیں پھیلائی ہیں۔ کوئی کیا جانتا ہے کہ مجھے کیا عالی مرتبے مل گئے ہیں +

گلزار بشہر آمد و بازار چمن شد — گوش ہمہ کس محو غزلخوانی من شد
تا جیب کشادم کہ ازاں نامہ بر آرم — دیدم کہ صبا قاصد صد بیت حزن شد
ہر دخل کہ میخواست کند دشمن حاسد — آمد بزبانش ز دل و جہر و دہن شد
از ظلمت شب مرغ خروشاں نشد امشب — ہر چند کہ در بند پر و بال زدن شد
پیر زور تر از بادۂ تلخ ست محبت — عشقے کہ برد سال گذر کرد کہن شد
الفت دہ ہجران و وصال است صبوری — مخموری من توبہ دہ و توبہ شکن شد
تا مے شنوم حسن و وفا ہر دو غریبند — عاشق نشنیدم کہ زغربت بوطن شد
تا ہمسفر اشک خودم کار خراب ست — ہر جا کہ شدم درپے ویرانئ من شد

ہر زخم کہ برداشت زایام نظیری — نے چاک گریباں شد و نے چاک کفن شد

غزل نمبر ۱۳۱ - (۱) گلزار شہر میں آگیا۔ اور بازار چمن بن گیا۔ تمام لوگوں کے کان میری غزلخوانی میں محو ہوگئے۔ (۲) جب میں نے گریبان کھولا کہ اس میں سے خط نکالوں۔ میں نے دیکھا کہ صبا سو غمکدوں کی قاصد بن گئی۔ مطلب۔ میرے گریبان سے غم کی نسیم نکلی جسے باد صبا دُور دور لے گئی۔ (۳) میرے دشمن حاسد نے جو فریب بھی مجھ سے کرنا چاہا۔ وہ اس کے دل سے زبان تک آگیا۔ اور منہ پر مُہر لگ گئی۔ مطلب۔ دشمن کا فریب ہی نہ چل سکا۔ (۴) آج رات تاریکیٔ شب کی وجہ سے مُرغ نے شور نہ مچایا۔ اگرچہ وہ پر و بال جھاڑتا رہا۔ مطلب۔ مرغ بانگ دینے سے پیشتر پر و بال جھاڑتا ہے۔ مگر آج رات چونکہ شب بے حد تاریک تھی اس لئے مرغ نے آواز بھی نہ نکالی۔ (۵) محبت کڑوی شراب سے بھی زیادہ زور آور ہے۔ وہ عشق جس پر ایک سال گذر گیا وہ پُرانا ہوگیا۔ مطلب۔ پرانی شراب زیادہ تیز ہوتی ہے۔ (۶) صبر ہجر اور وصال کو ملانے والا ہے۔ لیکن میری مخموری توبہ کرانے والی اور توبہ توڑنے والی ہوگئی۔ مطلب۔ وصل و ہجر دونوں میں صبر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مخموری کی حالت میں تکالیف سے متاثر ہو کر انسان توبہ پر آمادہ ہوتا ہے۔ پھر یہ دیکھ کر کہ اس تکلیف کو دُور بھی صرف شراب ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ توبہ توڑ ڈالی جاتی ہے۔ (۷) جب سے میں سُن رہا ہوں حُسن اور وفا دونو مسافر ہیں۔ کیونکہ میں نے نہیں سنا کہ عاشق غربت سے وطن میں آگیا ہے۔ مطلب۔ حسن و وفا دونوں کمیاب بالکل نایاب ہیں۔ اس لئے عاشق حُسن کی تلاش میں نکلا ہے۔ اور چونکہ وہ صاحبِ وفا ہے۔ اس لئے اس کے جانے سے حُسن کے ساتھ وفا بھی غریب ہوگئی۔ (۸) جب سے میں اپنے آنسوؤں کا ہم سفر ہوگیا ہوں۔ کام خراب ہوگیا ہے جہاں کہیں بھی میں گیا۔ وہ میری ویرانی کے درپے ہوا۔ مطلب۔ آنسوؤں نے میرا رازِ عشق افشا کر دیا اور ذلیل کیا ؎

آنکھ کم بخت سے اس بزم میں آنسو نہ رُکا ٭ ایک قطرے نے ڈبویا مجھے طوفاں ہو کر (۹) نظیری نے زمانے سے جو زخم بھی اُٹھایا۔ نہ وہ اس کے لئے چاک کفن بنا اور نہ چاک گریبان۔ مطلب "چاک گریبان" باعث زینت دنیا ہے اور "چاک کفن" عقبیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی میں نے جو زخم بھی کھایا وہ دین سدھار سکا نہ دنیا ٭

آخر بمن آں مشتچہ ہم کیش برآمد — واں کافر بیگانہ بمن خویش برآمد
نیشش سیہم گرچہ نمود از صف مژگاں — نوشیں نگہے از عقب نیشش برآمد
چشمش زکماں خانۂ ابرو بمن انداخت — ہر تیر کہ چالاک تر از کیشش برآمد

اقبال دو گیتی بکلاہ نمدے بود   دیہیم شہ از خانۂ درویش برآمد
کامے کہ بشمشیر و سناں دیر برآید   از دیدۂ خونین و دلِ ریش برآمد
بر خلق نگردید گراں ہر کہ دریں بزم   پس از ہمہ رفت و ز ہمہ پیش برآمد
دیدیم ز سر تا قدمش حُسن و شمائل   لیکن از ہمہ خوبیش وفا بیش برآمد
دادیم بجاں منصب ہمرازئ جاناں   دل نیز دو روے و غرض اندیش برآمد
ساماں نشد از سعی خرد کار نظیری   دیوانہ شد و از خود و از خویش برآمد

غزل نمبر ۱۴۱۔ آخر وہ مغبچہ میرا ہم مذہب نکل آیا۔ اور وہ بیگانہ خو کافر میرا اپنا ہی نکلا۔ (۲) اگرچہ اس نے پلکوں کی صف سے مجھے سیاہ ڈنگ دکھایا۔ لیکن اس کے فوراً ہی بعد میٹھی نگاہ بھی نکلی۔ مطلب۔ اس کی پلکوں کے زخم کے بعد شیریں نگاہ مفید بن کر رہ گئی۔ (۳) اس کی آنکھوں نے ابرو کے کمان خانے سے ہر وہ تیر میری طرف پھینکا جو اس کے ترکش میں سب سے تیز تھا۔ مطلب۔ اس کے ابروؤں کا کام تمام کرنے والا تیر میری ہی طرف آیا۔ (۴) دونوں جہان کا اقبال تو اس کی نمدے کی کلاہ میں تھا۔ بادشاہ کا تخت درویش کے گھر سے نکلا۔ مطلب۔ فقر باعث معرفت خداوندی ہے (۵) وہ مراد جو کہ شمشیر و برچھی سے بصد مشکل برآتی ہے۔ خون رُلانے والی آنکھوں سے اور زخمی دل سے بہت جلد پوری ہو جاتی ہے۔ مطلب۔ عشق میں گریہ وزاری اور عجز و نیاز زیادہ کام آتا ہے۔ (۶) وہ شخص جو اس محفل میں سب سے بعد آیا اور سب سے پہلے چلا گیا وہ کسی پر گراں نہیں گذرا۔ مطلب۔ کم عمری دنیا پر گراں نہیں گذرتی۔ (۷) ہم نے اس کا حُسن اور شمائل سر سے لے کر قدموں تک دیکھا۔ لیکن وفا اس کی تمام خوبیوں سے زیادہ نکلی۔ مطلب۔ علاوہ حسین و جمیل ہونے کے خوبی وفا بھی اس کے حصّے میں آئی ہے۔ (۸) ہم نے معشوقوں کی ہمرازی کا منصب اپنی جان کو دے دیا۔ کیونکہ دل بھی خود غرض اور منافق نکلا۔ مطلب۔ چونکہ دل بھی غماز تھا۔ اس نے رازِ عشق کہہ دیا۔ اس لئے اب ہم نے جان کو ہمراز معشوق بنایا ہے۔ (۹) نظیری کا کام عقل کی کوشش سے پورا نہ ہوا۔ اس لئے وہ دیوانہ ہو کر اپنے آپے سے باہر ہوا۔ مطلب۔ عقل عشق میں کام نہیں آتی بے خودی کار آمد ہے۔

یغمائے تو دستے بکم و بیش برآورد   تاراج تو دلق از بر درویش برآورد
عشق تو شکست انداخت بہفتاد و دو ملت   حقیقت آئین خود از کیش برآورد
حسن تو بتقلید دو جہاں سلسلہ افراشت   آوازۂ آزادگی خویش برآورد

از بیلک مژگاں تو شد کشتہ جہانے — با آنکہ ندیدیم کے از کیش برآورد
چوں از تو رہد صید کہ کعبین غزالت — چوں پنجہ شیراں بغضب نیش برآورد
خط نیست کہ برعکس رخت سایہ فگند ست — از صیقل تیغ آئینہ ام ریش برآورد
در مصلحت کس نزنم چنگ کہ عشقم — از کشمکش عقل کج اندیش برآورد
عشق از خردم خوب رہانید نظیری — خوں گرمی بیگانہ ام از خویش برآورد

غزل نمبر ۱۵۔ (۱) تیری لوٹ کی دسترس کم و بیش پر یکساں ہوگئی۔ اور تاراج نے درویش کے جسم سے گدڑی تک اتار لی۔ مطلب۔ تو نے امیر و غریب پر یکساں حملہ کیا۔ مخاطب عشق۔ ہے (۲) عشق نے (۲) فرقوں کو شک میں مبتلا کر دیا۔ اور مذہب سے اپنی سچائی ظاہر کر دی۔ مطلب۔ عشق کی موجودگی میں تمام مذاہب پریشان ہیں۔ اور یہی اس کی حقیقت کی دلیل ہے۔ (۳) تیرے حسن نے دو نو جہان کی قید کے لئے زنجیر اٹھا لی۔ مسخر کر لیا، اور اپنی آزادی کا نعرہ لگایا۔ مطلب۔ تیرا حسن چھا گیا اور دنیا کو مسخر کر کے اپنی آزادی کا نعرہ لگا دیا۔ (۴) تیرے پلکوں کے تیروں سے ایک جہان قتل بھی ہو گیا۔ حالانکہ یہ ہم نے دیکھا ہی نہیں کہ وہ ترکش سے کب نکلا۔ مطلب۔ نگاہوں سے تو نے اک جہان زخمی کر دیا۔ اور تیر ابھی کمان سے نکلا ہی نہیں۔ (۵) شکار مجھ سے رہائی کس طرح پائے۔ کیونکہ تیری آنکھوں کے کعبین نے شیروں کے پنجے کی طرح غصے سے نیش نکال لئے۔ مطلب کعبین کے نیش نہیں ہوتے۔ مگر شاعر نے یہی خوبی رکھی ہے۔ کہ نیش نہ ہونے کی صورت میں تو بچ نکلنے کی کوئی توقع تھی۔ اب تو بالکل مایوسی ہے (۶) یہ خط نہیں ہے کہ تیرے چہرے کا عکس سایہ ڈال رہا ہے بلکہ یہ میرا آئینہ تلوار کی صیقل سے زخم نکال رہا ہے۔ مطلب۔ تیرے چہرے پر تو خط نہیں ہے۔ میرے آئینہ دل میں جو خط نمایاں ہے یہ تلوار کی صیقل کی وجہ سے بال ہے۔ (۷) میں کسی کی مصلحت میں دست اندازی نہیں کرتا۔ کیونکہ تیرے عشق نے کج اندیش کی عقل کی مصلحت سے نکال لیا ہے۔ (۸) اے نظیری عشق نے مجھے عقل سے خوب رہائی دلا دی۔ بیگانے کی گرمی نے مجھے خودی سے رہا کرایا۔ مطلب عشق میں آ کر عقل کج اندیش کی مصائب سے نکال دیا +

درد و غمت کہ ہمچو ہما استخواں خورند — برمن مبارک اند گرم مغز جاں خورند
برنامہ ام مخند کہ آشفتہ خاطراں — موکز قلم کشند نے اندر بناں خورند
مست آئیم بصلح اگر نگہتے بری — زاں مے کہ در محبت ہم دوستاں خورند
نیشکر آنچناں نخورد کس ز دست دوست — کازادگاں ز دست مبارز سناں خورند

جانے وصد کرشمۂ مژگاں چہ میکنم ۔۔۔ ایں تیر ہا تمام اگر بر نشاں خورند
چشم ہزار تشنہ جگر در کمیں تست ۔۔۔ ترسم کہ خام میوۂ ایں بوستاں خورند
آزادگاں بجائے رسیدند و ماہماں ۔۔۔ زاں رہروان کہ گرد پس کارواں خورند
ہر جا گلیست بہر نظیری طرب گہیست ۔۔۔ کے بلبلانِ مست غمِ آشیاں خورند

غزل نمبر ۱۶۱ - (۱) تیر اور درد و غم کہ ہما کی طرح ہڈیاں کھاتے ہیں۔ میرے لئے اس دفعہ مبارک ہیں۔ اگر جان کا مغز بھی کھا جائیں۔ مطلب۔ ہڈیاں کیا ہم تو مغز جان تیرے درد و غم کو کھلا سکتے ہیں۔ (۲) میرے خط پر نہ ہنسو! کیونکہ پریشان دل وہ تنکا جو قلم سے نکالتے ہیں۔ اپنے ناخنوں میں پھنسا لیتے ہیں۔ مطلب "نے اندر بنانِ ناخن کشیدن"۔ ایران میں مجرموں کو سزا دی جاتی تھی۔ ان کے ناخنوں میں تنکے ڈال دیتے تھے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہزار عذاب و مصیبت کی حالت میں یہ خط لکھا گیا ہے۔ اس لئے اس کا مضحکہ نہ اُڑانا۔ (۳) اگر تو اس شراب کی خوشبو بھی پالے جو محبت میں دوست باہم بیٹھ کر پیتے ہیں۔ تو فوراً تو صلح کے لئے مست ہو کر میرے پاس آئے۔ مطلب۔ اگر تجھے سچی محبت کی خبر ہو تو تو فوراً صلح کے لئے آمادہ ہو کر آجائے۔ (۴) دوست کے ہاتھ سے کوئی شخص اتنا گنّا نہیں کھاتا جس طرح آزادگانِ عشق اپنے مدِ مقابل کے ہاتھوں برچھی کھاتے ہیں۔ (۵) ایک جان ہے اور پلکوں کے سو کرشمے ہیں۔ اگر یہ تمام تیر نشان پر بیٹھیں تو میں کیا کرونگا؟ مطلب۔ عشق کے آزاد ہر مصیبت بیحد حلاوت و چاشنی کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں۔ (۶) ہزار پیاسوں کی آنکھیں تیری گھات میں لگی ہوئی ہیں۔ اس لئے مجھے خدشہ ہے کہ اس باغ کا میوہ کچا ہی کھا جائینگے۔ مطلب۔ اس کم سنی ہی میں تجھ پر ہزاروں عاشق ہونگے۔ (۷) آزاد تو منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ اور ہم سب ان ہی رہگذروں میں ہیں۔ جو قافلے کے پیچھے کی خاک کھا رہے ہیں۔ مطلب۔ ہم قافلے سے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور جو گرد اُڑتی ہے وہ ہم پر پڑ رہی ہے۔ یارانِ تیز گام نے منزل کو جا لیا + ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے۔ (۸) جہاں کہیں بھی پھول ہے۔ وہی جگہ نظیری کے لئے خوشیوں کا مقام ہے۔ کیونکہ مست بلبلیں آشیان کا غم کب کھاتے ہیں۔ مطلب۔ جو مستِ عشق ہیں وہ وابستۂ منزل و آستاں نہیں ہوتے +

مجلس چہ بر شکست تماشا بما رسید ۔۔۔ در بزم چوں تمانہ کسے جا بما رسید
دلال عشق بود خریدار دلستاں ۔۔۔ خود را فروختیم چو سودا بما رسید
دمی خندہ بر بضاعت درویش زد لبش ۔۔۔ صد کارواں شکر بہ نے بوریا رسید
بال و پر از درازی منزل بسوختیم ۔۔۔ پیغام بے نیازی عنقا بما رسید

آموخت ہرچہ عشوہ زگبرے بما فروخت | اندوخت ہرچہ غمزہ زلیغما بمارسید
گرگم رہیم تیرہ شب از خواب جستہ ایم | حُسن تو گرد کہ غوغا بمارسید
بعد از ہزار سعیِ ثواب و مجاہدت | زنار راہب و بت ترسا بمارسید
مارا کجاست ارزش زخم التفات تو | شد عام آں چناں کہ تمنا بمارسید
رحمے نما و مستی مارا زیادہ کن | زاں خم کہ یک پیالۂ صہبا بمارسید
مشکل عناں نالہ نظیری تواں گرفت | باد بہار و نگہتِ صحرا بمارسید

غزل نمبر ۱۷ - (۱) جب مجلس برخواست ہوگئی تو ہمیں اجازت ملی جب بزم میں کوئی نہ رہا - تو جگہ ہمیں ملی یہ مطلب - ہماری بدقسمتی ہے کہ محفل برخاست ہونے پر ہمیں بار ملا ہے

در محفلے کہ باراں شربِ مدام کردند + چو نوبتِ من آمد آتش بجام کردند - (۲) عشق دلال تھا اور خریدار خوبصورت - جب ہماری سودے کی باری آئی تو ہم نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا - (۳) کل اُس نے اس درویش کی بضاعت کی ہنسی اُڑائی اور اس کے لبوں سے شکر کے ہزاروں قافلے بوریے کے ٹنکوں تک پہنچے یہ مطلب - اس کی ہنسی سے ذرہ ذرہ شیریں ہوگیا - (۴) منزل کی درازی کی وجہ سے ہمارے بال و پر جل گئے عنقا کی بے نیازی کا پیغام ہم تک پہنچ گیا یہ مطلب - جب عنقا (خدائے تعالے) کو تلاش کرتے کرتے عاجز آگئے تو معلوم ہوا کہ اس کی معرفت سخت مشکل ہے -

(۵) کافر سے اس نے جو ناز بھی سیکھے میرے پاس بیچ ڈالے (مجھ پر استعمال کئے) اور یغما سے جو غمزے اس نے جمع کئے مجھے پہنچا دیئے - مطلب "یغما" ترکستان حسن خیز شہر تھا - اسی رعایت سے "یغما زدن" ڈاکہ ڈالنا یا حملہ کرنے کے معنوں میں آتا ہے - (۶) اگر ہم گمراہ ہیں (تو اس کی وجہ یہ ہے) کہ ہم اندھیری رات میں نیند سے بیدار ہوئے ہیں - تیرے حسن کا شہرہ ہوا اور شور ہم تک پہنچا یہ مطلب، ہم اگر منزل مقصود کے لئے غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں تو یہ وادیٔ عشق کی تیرگی کی وجہ سے ہے -

(۷) ہزار کوشش - ثواب اور جہاد نفس کے بعد راہب کی زنار اور میخانے کا خم ہمیں میسر آیا ہے مطلب یہ عشق کے لوازمات نہایت مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں - (۸) ہمیں تیرا زخم کھانے کی کہاں قدرت تھی - تیری توجہ اتنی عام ہوگئی کہ تمنا ہم تک بھی آپہنچی - (۹) رحم کر اور ہماری مستی کو زیادہ کردے اس شراب سے جس کا ایک پیالہ ہمیں مل گیا ہے یہ مطلب - شرابِ عشق میں زیادتی کا طالب ہے -

(۱۰) اے نظیری نالے کی باگ مشکل سے تھامی جاسکتی ہے - کیونکہ اب بادِ بہار اور صحرا کی خوشبو ہم تک آپہنچی ہے یہ مطلب - موسم بہار آگیا تو ہم نالے کس طرح ضبط کریں +

ہر سحر سلسلہ از پائے صبا بکشانید — کز کشادش گرہے از دل ما بکشانید
در دنا یافتنم سوخت ندانم زکجا — بلبلاں را بچمن راہ نوا بکشانید
کارم از زلف گرہ گیر تو پیچیدہ تر است — سر ایں رشتہ ندانم زکجا بکشانید
آخر اے گل گذرے کن بگلستاں تا کے — چشم نرگس برہ باد صبا بکشانید
برہم افتادہ دل و دیدہ برانداز نقاب — تا ہمہ عقد گہر روئے نما بکشانید
ہر کجا فتنۂ آں چشم سیہ در کار است — کفر باشد کہ زباں را بدعا بکشانید
سیر ایں دائرہ بد نیست و لے مے ترسم — چشم از خویش ببندند چو پا بکشانید
گر بمیخانہ نظیری برم ایں زمزمہ را — مطربانم گرہ از بند قبا بکشانید

غزل نمبر ۱۸۰ :- (۱) ہر صبح صبا کے پاؤں کی زنجیریں کھول ڈالتے ہیں ۔ اور اس کے کھلنے سے ہمارے دل کی گرہ بھی کھل جاتی ہے ۔ مطلب ۔ باد صبا آزاد ہو کر آتی ہے "بوئے گل" ساتھ لاتی ہے ۔ ہمارا غنچۂ دل بھی شگفتہ ہو جاتا ہے ۔ (۲) نہ ملنے کے غم نے مجھے تو جلا ڈالا ۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں بلبلوں کو باغ میں نوا پیرا ہونے دیتے ہیں ۔ مطلب ۔ بلبلوں کو کیوں نالہ کشی کی اجازت دی گئی ہے ۔ یہ جلے ہوئے کو اور جلاتے ہیں ۔ (۳) میرا کام تیری پُر شکن زلفوں سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے معلوم نہیں اس دھاگے کا سرا کہاں سے کھولیں گے ۔ مطلب "کار عشق" سخت پُر شکن ہے ۔ (۴) آخر ! اے پھول تو باغ میں گذر کر ۔ کب تک باد صبا کے راستے میں نرگس کی آنکھ کھلی رکھینگے ۔ مطلب ۔ نرگس انتظار دیدار یار میں آنکھیں کھولے پڑی ہے ۔ اس لئے تو باغ میں گذر کر ۔ (۵) دل اور آنکھیں برہم زدہ ہیں ۔ تو نقاب اُلٹ دے ۔ تا کہ لوگ موتیوں کی لڑیاں (آنسو) تیری رونمائی میں کھولیں (۶) جہاں کہیں بھی اس کی آنکھ کا فتنہ برسر کار ہے ۔ وہاں زبان کو دعا کے لئے کھولنا کفر ہے ۔ (۷) اس دائرے میں گردش بُری نہیں ۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں جب پاؤں کھولیں تو آنکھیں نہ بند کر لیں ۔ مطلب ۔ اس دنیا کی سیر بُری نہیں ۔ لیکن اس پر شیدا ہو کر عقل کھو دینے کا احتمال ضرور ہے (۸) اے نظیری اگر میں میخانے میں یہ زمزمہ لے کر جاؤں تو تمام مطرب بند قبا سے گرہیں کھولیں ۔ مطلب ۔ میرا نغمہ سُنکر بے خود ہو جائیں *

نمے تواں بگزند از من انتقام کشید — کہ دایہ زہر بطفلی مرا بکام کشید
زمانہ یک نفسم بر مراد خود نگذاشت — بہر کہ داد مراد از من انتقام کشید
ہزار نقش خوشم داد چرخ تا دیدم — قلم گرفت و خط سہو بر تمام کشید

مرا فریب نبرد از رہ ار نہ ایں جادو — عنانِ خاص گرفت و کمند عام کشید
بآہ و نالہ حریفم زجام و نغمہ مگو — کہ کارم از مئے و مطرب بایں مقام کشید
شراب دور جز آں بے تفاوتے نگرفت — کہ گر حلال رسید و اگر حرام کشید
چہ جائے من کہ بجام شراب و طرۂ حور — فرشتہ راز فلک مے تواں بدام کشید
چناں نزار رفتادم بعشق نیم نظر — کہ سایہ از سرِ کویم بزیر بام کشید
بسباط عافیت اے عقل و ہوش برچینید — وگر نظیری بے ظرف یک دو جام کشید

غزل نمبر ۱۹۔ (۱) مجھے تکلیف دے کر مجھ سے بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ دایہ نے بچپن ہی میں میرے منہ میں زہر ڈالا تھا۔ مطلب۔ میں تکلیفوں کا عادی ہوں۔ اس لئے مجھے رنجیدہ کر کے بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ (۲) زمانے نے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی مراد پر نہ چلنے دیا۔ اگر کسی کو مراد بھی دی تو اس کا انتقام بھی مجھ سے لیا۔ مطلب۔ کسی کو اگر خرمی عطا کی۔ تو اس کا بدلہ بھی مجھ سے لیا (۳) آسمان نے ہزاروں اچھے اچھے نقش مجھے عطا کئے لیکن ابھی میں دیکھتا ہی تھا کہ ان کو قلمزن کر دیا۔ مطلب۔ قسمت میں عیش و آرام بالکل کم ہے۔ (۴) اس فریب نے مجھے گمراہ نہیں کیا۔ ورنہ اس جادو نے تو خاص کی باگ تھام لی۔ اور عام کو کمندوں میں پھنسا لیا۔ مطلب۔ اس کے حسن کا جادو مجھ پر نہیں چل سکا۔ ورنہ عام و خاص اس کے پھندے میں گرفتار ہیں۔ (۵) میں آہ و نالہ کا حریف ہوں۔ میرے ساتھ جام اور نغمے کی باتیں نہ کرو۔ کیونکہ شراب اور مطرب کی باتوں نے مجھے اس حالت تک پہنچا دیا ہے (۶) زمانے کی شراب سوائے اس بے تفاوت اور کسی نے نہ پی جس نے حلال و حرام پینے میں بھی تمیز نہیں کی۔ مطلب۔ زمانے پر وہی مغرور ہوتا ہے جو نیک و بد میں تمیز نہیں کرتا۔ (۷) میں کون ہوں؟ کیونکہ شراب کے جام اور حور کی زلفوں سے تو فرشتے کو آسمان کے جال میں پھنسایا جا سکتا ہے۔ مطلب۔ شراب اور معشوق تو بڑے بڑے عابد و زاہد بزرگوں کو بھی عشق میں گرفتار کر کے ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔ میں تو کوئی وقعت ہی نہیں رکھتا۔ اسی لئے تو عشاق ناصح کو کہا کرتے ہیں ؎

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفتِ جاں کو — خلل دماغ میں تیرے ہے پارسائی کا

(۸) میں اس "نیم نظر" عشق میں اس طرح کمزور ہو گیا۔ کہ سایہ مجھے کوچے سے اٹھا کر چھت کے سائے میں لے گیا۔ (۹) اے عقل و ہوش تم عافیت کی بساط نہ کر دو۔ کیونکہ پھر اس کم ظرف نظیری نے ایک دو جام پی لئے ہیں۔ (اس لئے بےہوش ہو جائیگا)۔

رشکے بمن گہے زاوائے سخن رسد | صد جا نگہ مقام کند تا بمن رسد
من بر دراز تجلے ایں نور سوختم | پروانہ چوں بعرصۂ آں انجمن رسد
در راہ تو شمال و صبا در تردوند | تا بو گرا وہی کہ بہ بیت الحزن رسد
گر زیر گلبنے قفسم را نمے نہی | جائے بنہ کہ نالہ بگوشش چمن رسد
گفتند کم بقاست سمن عندلیب گفت | اے کاش عمر گل بحیات سمن رسد
جیبے کہ پارہ شد بملامت رفو نشد | دستِ جنوں مبادا بایں پیرہن رسد
زاہد زسر نکتہ صوفی چہ آگہست | در شیوہائے چشمِ صنم برہمن رسد
بازیچۂ تو معجزِ عیسٰے بباد داد | در نرگس تو کس بچہ افسونِ فن رسد
اے جان بسعی درد نظیری نمیرود | مرگے مگر بداد دل زیستن رسد

غزل نمبر ۲۰ - (۱) کبھی باتوں ہی باتوں میں مجھے رشک پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ سو مقاموں پر قیام کرتی ہے۔ اور پھر مجھ تک پہنچتی ہے۔ مطلب۔ سو رقیبوں تک پڑتے ہوئے مجھ تک آتی ہے۔ اس لئے میرے دل میں رشک پیدا ہوتا ہے۔ (۲) میں اس نور کی تجلی کے دروازے پر ہی جل بجھا ہوں۔ تو پروانہ کس طرح اس انجمن کے میدان میں جا نکلتا ہے۔ (۳) تیرے راستے میں باد شمال اور باد صبا دونوں متفکر ہیں۔ کہ نرگس کو اپنی خوشبو دیتا ہے۔ کہ وہ عشاق کے غمکدوں میں لے کر جائیں۔ (۴) اگر تو میرا قفس کسی پھلواڑی میں نہیں رکھتا۔ تو کم از کم ایسی جگہ رکھنا۔ جہاں سے میرے نالے چمن تک پہنچ سکیں۔ (۵) کہنے لگے کہ چنبیلی بہت کم عمر رکھنے والی ہے۔ عندلیب نے کہا کاش! ہمارے پھول چنبیلی جتنی ہی عمر پائیں۔ مطلب۔ (ع) لبسا کساں کہ نہ روز تو آرزومند است۔ (۶) وہ گریبان جو کہ پارہ پارہ ہوگیا۔ اب وہ ملامت سے رفو نہ ہو سکیگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنون کا ہاتھ اس پیرہن تک پہنچ جائے۔ (۷) زاہد صوفی کے نکتوں کے بھید سے کیا آگاہ ہو سکتا ہے کیونکہ بت کی آنکھوں کے نازوں کو برہمن ہی پہنچ سکتا ہے۔ (ع) قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری - (۸) تیری کھیل نے عیسٰے کے معجزوں کو بھلا دیا۔ تیری آنکھوں تک کوئی افسون اور جادو سے پہنچ سکتا ہے۔ (۹) اے جان کوشش سے بھی نظیری کا درد نہیں جا سکتا۔ شاید اس زندہ دلی کی داد وغیرہ کے لئے موت ہی آئے۔ مطلب زندگی بھر تو درد عشق ختم نہیں ہوتا۔ مرنے کے بعد شاید اس سے رہائی مل سکے۔

خونم اربر خاک ریزی نقص پیماں کے شود | خاکم ار بیروں در ریزی پریشاں کے شود
گرمیٔ اہل محبت از دمِ گرم من ست | نالہ ام تا نشنود بلبل غزلخواں کے شود

شور بختی را چہ سازم چارہ نتواں ساختن
چوں نمک بر ریش آمد ور نمکداں کے شود

بازوے ما دلخراشاں را کمندے لازم است
ہر چہ دستِ ما رسد در روے گریباں کے شود

پشت پا زن بر ہوس انگہ ہوائے عشق کن
تا بتِ خود نشکنند کافر مسلماں کے شود

ہیچکس بر روئے بستر کسب جمعیت نکرد
بر سر کو تا بخواب دل بساماں کے شود

دارُوئے غم گریہ مستانہ بیند بیش ازیں
آں ہم از کیفیت افتاد دست درماں کے شود

بندہ نتواں کرد ما آزادگاں راجز بمہر
جنس ما بسیار کمیاب است ارزاں کے شود

تنگدستے چوں تو کے یابد نظیری قرب دوست
آنچناں نوبادۂ ہرگز فراواں کے شود

غزل نمبر ۱۲۔ (۱) میرا خون اگر تو خاک میں بھی گرائے تو پیمان نہیں ٹوٹ سکتا۔ اور میری خاک اگر تو دروازے سے باہر بھی پھینک دے تو پریشاں نہ ہوگی۔ (۲) میرے گرم دموں (آہوں) سے اہل محبت کی گرمی موجود ہے۔ تا وقتیکہ بلبل میرا نالہ نہ سُنے وہ غزلخواں نہیں ہو سکتی۔ مطلب عشق میں میری آہیں عشاق کو گرماتی ہیں۔ اور میرے نالے بلبل کو وقفِ نالہ کرتے ہیں۔ (۳) میں اپنی بدبختی کو کیا کروں؟ اس کا کوئی علاج نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب نمک زخم پر چھڑکا جا چکا تو پھر نمکدان میں واپس نہیں آ سکتا۔ مطلب۔ تقدیر کا لکھا ٹل نہیں سکتا۔ "آب رفتہ بجوئے نمی آید"۔ (۴) ہم دلخراشوں کے بازو کے لئے ایک کمند کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جہاں تک ہمارے ہاتھ کی رسائی ہو سکتی ہے وہ گریبان کیسے ہو سکتا ہے۔ (۵) پہلے ہوس کو ٹھکرا دے پھر عشق کی خواہش کر۔ تا وقتیکہ کافر اپنا بُت نہ توڑے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مطلب۔ ہوس پرستی کو ترک کرنا عشق کی پہلی سیڑھی ہے یا نگاہوں کو پاک باز بنا ۔ یا غمِ عشق اختیار نہ کر۔ (۶) کوئی شخص اپنے بستر پر ہی جمیعت کا سامان کیسے مہیا کر سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر دل کوچے میں محوِ خواب رہے تو کامیاب کس طرح ہو سکتا ہے۔ مطلب۔ سعی کے بغیر کچھ کامیابی ممکن نہیں۔ (۷) اس سے پہلے تو غم کا علاج گریۂ مستانہ سے ہو جاتا تھا۔ اب وہ بھی کیفیت سے گر چکا ہے۔ علاج کس طرح ہو۔ مطلب۔ پہلے تو عشق میں رونے سے غم میں کمی واقع ہوتی تھی۔ لیکن اب وہ علاج بھی کارآمد نہیں رہا۔ اس میں کیفیت باقی نہیں رہی۔ اس لئے مؤثر نہیں۔ (۸) ہم آزادوں کو سوائے محبت کے اور کسی طرح غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ ہماری جنس بیحد کمیاب ہے۔ یہ ارزاں کب ہوتی ہے۔ مطلب۔ عشاق پر حکومت کرنے کی خواہش ہے تو محبت اختیار کرو نہ کہ سختی۔ (۹) اے نظیری تیرے جیسا تنگدست دوست کا قرب کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اس جیسا پودا (وہ کمسن معشوق) اتنا عام کس طرح ہو سکتا ہے

مطلب ۔ وہ معشوق کمسن ہے اور تو اس کو کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔

ہوائے کوئے او آوارہ ام از خانہ میسازد — فسون او پدر را از پسر بیگانہ میسازد
صلاح عشق شد کفرم یقیں انکار ایمانم — محبت کعبہ ویراں میکند بتخانہ میسازد
قلم در اختیار اوست من چوں نقش موہومم — گرم فرزانہ میدارد گرم دیوانہ میسازد
بناخن ریشۂ جاں میکنم از ہم خوشا دستے — کہ گاہے چنگ در زلف نگارے شانہ میسازد
دل از بود و قبول مجلسم خوں شد خوشا رندے — کہ شب با کنج گلخن روز با ویرانہ میسازد
چو کنجشک از پے بازی عزیزم در کف طفلے — ز زلفم دام میبافد ز خالم دانہ میسازد
مکن از بزم چوں بیگانگاں بیروں نظیری را — اگر مے نیست بالائے تہ پیمانہ میسازد

غزل نمبر ۲۲ ۔ (۱) اس کے کوچے کی خواہش مجھے گھر سے آوارہ بنا دیتی ہے۔ اس کا فسون باپ کو بیٹے سے بیگانہ بناتا ہے۔ (۲) میری عشق کی صلاح اب کفر بن گئی ہے۔ اور میرا لیقین ایمان سے انکار میں تبدیل ہو گیا۔ محبت کعبے کو ویران اور بت خانوں کو آباد کرتی ہے ۔ مطلب ۔ محوِ صنم ہو کر ایمان و اقرار چھوڑ بیٹھا ہوں ۔ اور یہ محبت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ (۳) قلم تو اس کے اختیار میں ہے میں تو ایک وہمی نقش کی مانند ہوں ۔ اس کی مرضی ہے تو وہ مجھے دیوانہ بناتا ہے۔ اور خواہش ہوتی ہے۔ تو فرزانہ بنا دیتا ہے ۔ مطلب ۔ تقدیر سختی سے حکمران ہے ۔ (۴) میں ناخن سے اپنی جان کے رگ و ریشہ کھود ڈالتا ہوں ۔ لیکن وہ ہاتھ کتنا ہی مبارک ہے ۔ کہ کبھی کبھی اس کا پنجہ معشوق کی زلفوں میں کنگھی کرتا ہے ۔ مطلب ۔ ہمارا ہاتھ تو عشق میں جان کی رگوں کو نکالنے ڈالتا ہے ۔ اور ہمارے لئے باعثِ رشک ہے وہ ہاتھ جو کسی معشوق کی زلفوں میں پھرتا ہے ۔ (۵) میرا دل تو مجلس کے رد و قبول سے خون ہو چکا ہے ۔ لیکن وہ رند کتنا اچھا ہے جو رات کو انگیٹھی کے گوشے میں اور دن کو ویرانہ میں بسر کرتا ہے ۔ (۶) میں چڑیا کی طرح ایک بچے کے ہاتھ میں خوش ہوں ۔ جو زلفوں سے میرے لئے جال بناتا ہے ۔ اور خال سے دانہ بناتا ہے ۔ مطلب ۔ میں ایک ایسے معشوق کے ہاتھ میں ہوں جو زلفوں کے جال اور خال کے دانے بناتا ہے ۔ (۷) تو اپنی محفل سے نظیری کو باہر نہ نکال دے ۔ کیونکہ اگر شراب نہ ہو تو وہ تلچھٹ پر ہی گزارہ کر لیتا ہے ✦

چوں عریاں شد چمن مرغ از ضرورت خانہ میسازد — چو قحط گل بود بلبل بآب و دانہ میسازد
چو بر بام و در مردم نشیند چند ناسازست — مبارک پے بود آنم کہ با ویرانہ میسازد
ز دشمن خیل در خیل از محبت گوشہ چشمے — فسوں جادو انرا معجزم افسانہ میسازد

محبت جزو جزوم را زہم بے تاب بردارد — تجلی ذرہ ذرہ کوہ را پروانہ میسازد
پیام نو بہاری لالہ گونم ابر نو روزی — کلید باغ را کے شاخ گل دندانہ میسازد
بچشم کم نباید دید قدر زیر دستاں را — فلک صد جا سبو گل میکند پیمانہ میسازد
بجز زلفِ پریشاں درخیالم نگذرد چیزے — پری را گوشۂ ویرانہ ام دیوانہ میسازد
مبادا برگ و بارم کم اگر افشاندہ ام تلخی — کہ شکر خندہ آنرا نقل صد کاشانہ میسازد
نظیری لازم عشق و جنون جنگست و ناسازے — تو معذوری بمردم مردم فرزانہ میسازد

غزل نمبر ۲۳ - (۱) جب باغ عریاں ہو جاتا ہے۔ تو پرندہ ضرورت کی وجہ سے گھر بناتا ہے۔ جب پھولوں کا قحط ہو تو بلبل آب ودانہ پر گذران کرتی ہے۔ (۲) جب اُلو لوگوں کی چھت یا دروازے پر بیٹھے تو کہتے ہیں، کہ یہ نامبارک ہوتا ہے۔ اُلو مبارک اس وقت ہی ہوتا ہے۔ جب یہ ویرانوں میں رہتا ہے۔ مطلب۔ بربادی طلب پرندہ ویرانوں ہی میں رہے تو خوب ہے۔ (۳) دشمنوں کے گروہ در گروہ جمع ہیں تو محبت میں اپنی آنکھ کا گوشہ (ادھر کردے) میرا افسانہ جادوگروں کے فسوں کو افسانہ بنا رہا ہے۔ مطلب۔ میرا افسانہ اس قدر تیز ہے کہ جادوگروں کے فسون بھی اس کے سامنے حقیقت نہیں رکھتا۔ (۴) محبت میرے جزو جزو کو برہم رکھتی ہے۔ جلوۂ (خداوندی) پہاڑ کے ذرّے ذرّے کو بیتاب رکھتا ہے۔ (۵) نو بہار کا پیام میرے لئے سرخ ہے۔ ابر نوروزی باغ کو پھول کی شاخوں سے دندانہ کس طرح دندانہ بناتا ہے۔ (۶) زیر دستوں کی حقارت کی نظروں سے نہ دیکھنی چاہیئے۔ کیونکہ آسمان سو جگہ مٹکے کو مٹی بنا کر پھر پیمانہ بناتا ہے۔ مطلب۔ ع

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر + تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد۔ (۷) سوائے پریشان زلفوں کے میرے خیال میں اور کوئی چیز نہیں سماتی۔ پری کو میری ویرانی کا گوشہ دیوانہ بنا رہا ہے۔ مطلب۔ حالانکہ دیدارِ پری لوگوں کو دیوانہ بناتا ہے۔ (۸) میرے برگ و بار میں کمی واقع نہ ہو۔ اگر میں نے تلخی کا اظہار کیا ہے۔ تو اس کا شکر خندہ اسے سو گھروں کی داستان بنا رہا ہے۔ (۹) نظیری عشق اور جنون میں جنگ اور ناموافقت لازم ہے۔ اس لئے تو معذور ہے۔ کیونکہ لوگوں کے ساتھ تو فرزانہ بنا کر رکھتا ہے۔ مطلب۔ دیوانہ کسی کی موافقت پسند نہیں کرتا یہ کام فرزانوں کا ہے +

امشب چمن از گریۂ ما تازہ و تر بود — بر ہر سرِ خار مژہ لختے ز جگر بود
مے رُست رگ و ریشۂ جاں از بنِ ناخن — صد لالہ ستاں کاشتہ در سینہ و پر بود
در زیر لبم گاہ طرب زمزمہ سفت — بر دور رخش گاہ ہوس حلقۂ تر بود

تا روز بخلوت گہِ مقصود اجابت | در پیرہنم نالہ ہم آغوش اثر بود
از کثرت آمد شدن دزد خیالی | پیرایۂ خوابم ہمہ شب زیر و زبر بود
وز بہر نثار قدمے چشم ترم را | تا گوش گریبان نظر پر ز گہر بود
گفتم بدعائے سحری وصل تو خواہم | بیہوش شدم بوئے تو با باد سحر بود
قاصد جگرم سوخت چہ پیغام وچہ نامہ | دل بود ہماں خوش کہ بامید خبر بود
بگذشت گریباں نزدے چاک نظیریؔ | پیشش چہ بلا دست دعائے تو بسر بود

غزل نمبر ۲۴ - (۱) آج رات ہمارے رونے سے چمن تر و تازہ تھا - پلکوں کے ہر کانٹے میں جگر کے ٹکڑے تھے - مطلب - خون روتے روتے جگر کے ٹکڑے بھی آنسوؤں کے ساتھ نکلنے لگے ؎ دل کے کچھ ٹکڑے بھی ہیں دامانِ اشکِ سرخ میں ٭ گھر سے نکلا ہے مسافر ناشتہ باندھے ہوئے۔ (۲) ہر ناخن کی جڑ سے جان کے رگ و ریشے اُگتے تھے - اس لئے میرے سینے اور بغل میں سے لالہ زار اُگ آئے - مطلب - رگ و ریشے میں عشق کی آگ سرایت کر چکی تھی - (۳) کبھی طرب آہستہ آہستہ زمزمہ نکال رہی تھی - اور کبھی اس کے چہرے کے گرد ہوس صلقۂ ثمر بنائے تھی - (۴) ہمارے مقصد کی منظوری کی خلوت میں صبح تک میرے لباس میں نالہ اثر سے مل رہا ہے - مطلب - مقصد کی خلوت گاہ میں نالہ کامیابی سے شاد کام ہو رہا تھا - (۵) ایک خیالی چور کے آنے جانے کی کثرت کے سبب تمام رات میرا بستر زیر و زبر رہا - مطلب - اس معشوق کے خیال میں کروٹیں لے کر بستر پُر شکن ہو رہا تھا - (۶) اس کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے میری روتی ہوئی آنکھوں کے کانوں تک نظر کا گریبان موتیوں سے بھرا ہؤا تھا - مطلب - رو کر گوہر ہائے اشک برساتا رہا - جو کانوں تک بہتے رہے - (۷) میں نے صبح کی دعا سے کہا کہ میں تیرا وصل چاہتا ہوں - میں بیہوش ہو گیا - اور دیکھا ؟ کہ تیری بو باد سحر کے ہمراہ تھی - مطلب - میری دعا کس شکل میں قبول ہوئی - (۸) اے قاصد میرا جگر جل اُٹھا - کیسا پیغام اور کیسا خط ؟ صرف دل ہی دل تھا جو کہ خبر کی امید پر خوش تھا - (۹) اے نظیریؔ وہ جا چکا اور تو نے اپنا گریبان چاک نہیں کیا - اس کے سامنے تیرے دعا کے ہاتھ کو کیا بلا پڑ گئی - مطلب - وہ آیا اور چلا بھی گیا - مگر تیری دعا کا اثر کچھ نہ ہؤا - پہلے تو بہت کچھ کرتا رہا - مگر اب اس کی موجودگی میں بالکل خاموشی اختیار کر لی - (ع) بے وفا جب سامنے آیا پیار آ ہی گیا -

؎ آئے بھی وہ چلے بھی گئے بزم ناز سے | بیٹھا رہا میں دل میں دل میں تمنا لئے ہوئے

با آنکہ ز مہرش بدلم حور نگنجد — در دیدۂ او نقش من از دور نگنجد
پروانہ بمہتاب کند بال فشانی — کز عیش بخلوت گہ او نور نگنجد
از گریۂ من عشرت او تلخ مسازید — در بزم گہِ خوش بمکاں شور نگنجد
سلطان و گدا بر در مے خانہ خرابند — در حلقۂ ما شوکت فغفور نگنجد
مارا چہ محل لیک عزیزاں نپسندند — ہر دل کہ درو نالہ رنجور نگنجد
نومیدی و آنگہ ز تو ایں تیرگی بخت — در روز سیاہ و شب دیجور نگنجد
ما و روش دیر کہ دریائے خطا شوست — در شرع غلط گو نہ منصور نگنجد
از صدرہ ویرانہ پری جلوہ کنانست — زانست کہ دیوانہ بمعمور نگنجد
گر مست نہ دم مزن از عشق نظیری — کیں ذوق و ہوس در سر مخمور نگنجد

غزل نمبر ۲۵ - (۱) باوجود اس بات کے کہ اس کی محبت کے ہوتے میرے دل میں حور بھی نہیں سماتی۔ اس کی آنکھوں میں میرا نقش دور سے بھی نہیں سماتا۔ مطلب۔ میرا تو یہ حال کہ اس کے مقابلے میں حور کو بھی وقعت نہیں دیتا۔ مگر پھر بھی وہ مجھ سے سخت متنفر ہے۔ ے

میرا یہ حال بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں + اُن کا یہ حکم دیکھ میرے فرش پہ نہ رینگ۔ (ع)

حور پہ آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا۔ (۲) عیش سے اس کی خلوت گاہ میں نور نہیں سماتا۔ اس لئے پروانہ اپنے پر و بال چاندنی ہی میں جھاڑتا ہے۔ (۳) میرے رونے سے اس کی عشرت تلخ نہ کرو۔ خوشی کی محفل میں شور گریہ نہ ہونا چاہئے۔ (۴) سلطان اور گدا دونوں ہی میخانے کے دروازے پر تباہ و برباد ہیں۔ ہمارے حلقے میں فغفور (شاہ چین) کی شوکت نہیں سماتی۔ مطلب۔ میخانے میں تمیز شاہ و گدا بے سود ہے ے نزاعِ شیخ و برہمن سے پاک صاف وہی + کوئی جگہ نہ ملی اک شراب خانہ ملا۔

(۵) ہماری کیا مجال ہے لیکن بات یہ ہے کہ دوست اس دل کو پسند ہی نہیں کرتے جس میں کہ رنجور نالہ نہ سماتا ہو۔ مطلب۔ معشوق گریہ و نالۂ رنجور کو پسند کرتے ہیں۔ (۶) ایک تو نااُمیدی اور پھر تجھ سے۔ میری نصیب کی سیاہی سیاہ دن اور اندھیری رات میں بھی نہیں سماتی۔ مطلب۔ تیرے وصال سے ناامیدی میری سیاہی بخت ہے جو بے حد تیرہ ہے۔ (۷) ہم ہیں اور میخانے کا راستہ۔ جو گناہوں کو دھونے والا ہے۔ کیونکہ غلط شریعت میں منصور کا رنگ نہیں سماتا۔ مطلب۔ بت خانے میں گناہِ عشق عفو ہوتے ہیں۔ شریعت منصور کے رنگ (رنگ عشق حقیقی) کو جانتی ہی نہیں (۸) ویرانے کے راستہ میں سو جگہ پہ پری اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ دیوانہ آبادی میں نہیں سماتا۔ مطلب۔

دیوانۂ عشق آبادیوں کو چھوڑ کر ویرانوں میں آباد ہوتا ہے۔ شاعر یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہاں اسے جلوۂ معشوق نظر آتا ہے۔ (۹) اے نظیری! اگر تو مست نہیں ہے۔ تو عشق کا دعویٰ نہ کر۔ کیونکہ یہ ذوق اور ہوس مخمور سر میں نہیں سماتے۔ مطلب عشق میں بے خودی لازم ہے جس کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔

در آشیانِ ما پر و بال ہما رسید
ہر جا رسید سایۂ دولت زما رسید
بلبل نمے شود کہ ننالد بہ بوستان
گلبن زصوت و نغمہ بہ نشو و نما رسید
کس ماجرائے بلبل و پروانہ حل نکرد
سرگشتہ ماند ہر کہ باایں ماجرا رسید
با غمزہ ایں معاملہ پیش از الست بود
حرف بلیٰ نبود کہ زخم بلا رسید
ہر کس بقدر طاقت خود میکشد غمش
آہن بقدر جذبہ بآہن ربا رسید
شب خندہ بر بضاعت درویش زد لبش
صد کاروان شکر بہ نے بوریا رسید
کردند تلخ عیش حریفاں ز حسرتم
لذت شد از طعام چو چشم گدا رسید
آزار از جراحت بیگانگاں رسد
مرہم منہ کہ زخم دل از آشنا رسید
مے وہ کہ رفت نوبت مستوری و صلاح
طرف نقاب غنچہ بدست صبا رسید
کس در جفا طریق رضا را بسر نبرد
در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسید

غزل نمبر ۲۶ ۔ (۱) ہمارے آشیانے میں ہما کے پر و بال پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے جہاں کہیں سلطنت کا سایہ پہنچتا ہے۔ وہ ہم نے ہی بھیجا ہے۔ مطلب۔ ہم شاہ عشق ہیں۔ اور عشق دوسرے عشاق کو تقسیم کر رہے ہیں۔ (۲) بلبل باغ میں نالہ کرنے سے رُک نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے نغمے اور آواز ہی سے نشو و نما پاتا ہے۔ (۳) کسی نے بھی پروانہ و بلبل کا ماجرا حل نہیں کیا جو کوئی بھی اس ماجرے کو حل کرنے پر آمادہ ہوا، سرگرداں رہ گیا۔ مطلب حسن و عشق کے رموز کوئی کھول نہ سکا۔ (۴) غمزے کے ساتھ یہ معاملہ تو روزِ ازل سے تھا۔ "بلیٰ" کا حرف نہ تھا کہ بلا کا زخم آلگا مطلب۔ وعدۂ الست سے بھی پیشتر تیر عشق نے زخمی کر دیا تھا عشق ازل سے ہے۔ (۵) اس کا غم ہر شخص اپنی استعداد کے موافق اُٹھا رہا ہے۔ لوہا اپنے جذبے کے مطابق مقناطیس سے کھینچا گیا۔ مطلب۔ عشق اپنی اپنی استعداد کے مطابق حاصل کرتے ہیں۔ (ع) دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر۔ (۶) رات اس کے لبوں نے درویش کے سرمائے کی ہنسی اُڑائی۔ اس سے شکر کے سو کاروان بوریے تنکوں میں پہنچ گئے۔ مطلب۔ اس نے درویش عشق کی بے سر و سامانی کا مذاق اُڑایا تو بوریے کے تنکے بھی اس کی شیریں ہنسی سے متاثر ہوئے۔ (۷) حریفوں کا عیش بھی میری حسرت سے تلخ ہو گیا۔

جب گدا کی آنکھ پڑ ہی تو طعام کی لذت بھی جاتی رہی۔ مطلب۔ دع ، افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را۔ د۸) بیگانوں کے زخم سے تکلیف پہنچا کرتی ہے۔ مگر دمیرا زخم آشنا نے لگایا ہے۔ اسواسطے اس پر مرہم نہ لگاؤ۔ دکیونکہ اس کی تکلیف نہیں ہوتی) ۔ د۹) پوشیدگی اور بہبودی کا موقعہ جاتا رہا۔ اس واسطے شراب پلاؤ۔ کیونکہ غنچے کے نقاب کا کونہ صبا کے ہاتھ میں آیا ہے۔ د۱۰) کسی نے جفا میں رضا کا طریق اختیار نہ کیا۔ اس لئے میں حیران ہوں کہ نظیری کا معاملہ کہاں تک جا پہنچا۔ مطلب۔ عام طور پر تو جفا کے جواب میں بہت دیر تک رضا و تسلیم اختیار نہیں کی جاتی۔ اس لئے حیران ہوں ۔ کہ نظیری کس طرح اس قاعدے کے خلاف برسرِ عمل ہے۔ ؎

خوئے تسلیم جفا بھی تو جفا کاری ہے
گر جفا پر کوئی آئے تو جفا کار نہ ہو

پائمالم فتنۂ را ہر کہ در شور آورد
بر سرِ راہم بلا از ہر طرف زور آورد

تخم غم در آب و خاک من مگو بر میدہد
خرمنے حاصل کنم گر دانۂ مور آورد

آنکہ شام زندگانی شمع بالینم نشد
کے لپس ازمرگم چراغے بر سرِ گور آورد

عشق و تشریف ہم آغوشی محالست اینکہ کس
خلعت سلطاں برائے مفلس و عور آورد

نے ہمیں ہنگامہ رسوائی من شد بلند
عشق دائم بر سرِ بازار مستور آورد

حسن گل برقے بہ بستاں زد کہ اکنوں شاخ گل
بلبل و پروانہ را مجروح و رنجور آورد

مجلس عشق از فروغ من نظیری روشن است
موسیٰ از بہر چراغم آتش طور آورد

غزل نمبر ۲۷ ۔ د۱) میں اس فتنے سے پامال ہو رہا ہوں۔ جو ہر ایک کو شور میں لاتا ہے۔ میرے راستے میں ہر طرف سے بلا زور ڈالتی ہے۔ مطلب۔ میں پُر خوف و خطر فتنے کی گرفت میں ہوں۔ د۲) یہ نہ کہو۔ کہ غم کا بیج میری آب و خاک میں پھل لاتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی چیونٹی بھی دانہ لے کر آتی ہے تو میں اس سے خرمن حاصل کرتا ہوں۔ د۳) وہ جو کہ میری زندگی کی شام کے وقت د وقتِ مرگ) میرے سرہانے کی شمع نہ بنا دمیری بالیں پر نہ آیا) وہ بھلا میری موت کے بعد چراغ میری قبر پر لاتا ہے مطلب۔ ؎

نہ مرتے دم بھی تو دیکھا جنہوں نے آ کے مجھے + وہ خاک دیکھیں گے اب قبر میں دبا کے مجھے۔ د۴) عشق میں وصل کی خلعت ملے یہ ناممکن ہے۔ کہ بادشاہ کی خلعت کسی غریب اور برہنہ کے لئے لائیں ۔ مطلب عشق میں وصل معشوق ناممکن ہے جس طرح خلعت شاہ اُمرا کو ملتی ہے نہ کہ مفلسوں کو۔ د۵) صرف میری رسوائی کا ہنگامہ ہی بلند نہیں ہوا بلکہ عشق ہمیشہ پردہ نشینوں کو "رسوا سرِ بازار" کر دیا کرتا ہے۔ مطلب۔ عشق میں ننگ و نمود کا ستیاناس ہو ہی جایا کرتا ہے۔ د۶) پھول کے حُسن نے

باغ میں بجلی گرا دی۔ اب پھولوں کی شاخ بلبل اور پروانہ کو زخمی حالت میں لئے آرہی ہے۔ مطلب۔ مُحسن گل" برق جہاں سوز تھا۔ بلبل اور پروانے جل بھُن گئے۔ (۷) اے نظیری عشق کی مجلس تو میرے فروغ سے روشن ہے۔ موسیٰ بھی میرے چراغ کے لئے طور کی آگ لاتا ہے۔ مطلب۔ ہم عشق کو فروغ دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ شعلۂ طور ہمارے چراغ کے لئے مہیا ہوتا ہے +

هوس پروانه است امّا بگرد دود میگردد — نظر خوبست امّا دل غبار آلود میگردد
زکاوشهائے مژگان تو پُر خون دیدۂ دارم — که گر شویم بآب بحر خون آلود میگردد
دلم را کرده ذوقت خوش دگر نگذارم از دستش — دهد تا یاز ذوقے دست غم فرسود میگردد
تو گر برهم زنی سودائے دل بارے زیاں داری — مرا سرمایۂ دنیا و دیں نابود میگردد
دریں مدت غم هجران عبث بر خود لپسندیدم — ندانستم که از مرگم دلت خوشنود میگردد
کس ایں بے اعتدالیہائے حسنت را کجا گوید — که عاشق پیشت از مهر و وفا مردود میگردد
بشفقت گاه گاهے سوئے خود میخواں نظیری را — جدائی دیده از وصلت تسلّی زود میگردد

غزل نمبر ۲۸ - (۱) ہوس ایک پروانہ تو ہے۔ مگر دھوئیں پر قربان ہوتا ہے (برخلاف پروانہ حقیقت جو شمع پر جلتا ہے) نظر خوب ہے مگر دل غبار آلود ہو رہا ہے۔ مطلب۔ ہوس عشق سے مختلف ہے اور غلط راستے پر لے جاتی ہے۔ (۲) تیری پلکوں کی چوٹوں سے میری آنکھیں خون سے بھری ہیں۔ کہ اگر میں ان کو پانی سے دھوؤں تو تمام سمندر خونیں ہو جاتا۔ مطلب۔ جوئے خون آنکھوں سے بہ رہی ہے۔ (۳) میرے دل کو تیرے ذوق نے خوش کر رکھا ہے۔ اب میں اسے چھوڑنے کا نہیں۔ کیونکہ دوبارہ جب تک ذوق حاصل ہوگا۔ ہمارا ہاتھ غم فرسودہ ہو چکا ہوگا۔ مطلب۔ اب جبکہ ذوقِ عشق حاصل ہے اسے کیوں کھوؤں۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے ایک دفعہ چھوڑا تو پھر اس کا حصول ناممکن ہے۔ (۴) اگر تو ہمارے دل کے سودا کو برہم کرتا ہے۔ تو نقصان کر رہا ہے۔ کیونکہ میرا دنیا و دین کا سرمایہ نابود ہوا جا رہا ہے - مطلب۔ یہ سودائے عشق ہی میرا سرمایۂ دنیا و دین تھا۔ اس کو برباد کرنے سے مجھے دین و دنیا میں تباہ کر رہے ہو۔ (۵) اس مدت میں مَیں نے ہجر کا غم خواہ مخواہ اپنے لئے پسند کیا۔ میں نے یہ نہ سمجھا کہ میری موت سے تیرا دل خوش ہوتا ہے۔ مطلب۔ اگر یہ جانتا کہ تو میری موت کا خواہاں ہے تو کب کا مر چکا ہوتا۔ مرے برباد رہنے سے اگر تجھ کو مسرت ہے ۔ تو میں برباد ہی اچھا مجھے برباد رہنے دے۔ (۶) کوئی تیرے حُسن کی ان بے اعتدالیوں کا شکوہ کیا کرے۔ کہ عاشق تیرے سامنے محض مہر و وفا کی وجہ سے رد کیا جا رہا ہے۔ مطلب۔ عاشق کا قصور صرف یہ ہے۔ کہ وہ مہر و وفا کا پُتلا ہے۔ (۷) کبھی کبھی محبت سے

نظیری کو بھی اپنے ہاں بُلا لیا کرو۔ کیونکہ یہ جدائی کے صدمے اُٹھا رہا ہے۔ تیرے وصل سے اس کو تسلی ہو جائے گی۔

گہے کہ وقتِ علاجِ دماغِ من باشد ۔ نسیم در یمن و نافہ در ختن باشد
مقیدم بہ بت خود چنانکہ مے خواہم ۔ نہ بُت پرست نہ بُت گر نہ بُت شکن باشد
ز طورِ عشق ہمہ کار عقل دیگر شد ۔ چو آصفے کہ سلیمانش اہرمن باشد
مشو بخویش مقید کہ مرغ زیرک را ۔ خطر گہیست کہ مشغول خویشتن باشد
سفر گزیں کہ نہال اوّل از ملول شد ۔ زمین غربتش آخر بہ از وطن باشد
چو ذرہ ام بہوائے درِ تو بازار لیست ۔ کہ دور گردی من رشک انجمن باشد
زبسکہ جامہ زشوقِ تو پارہ پارہ کنم ۔ بہر چہ دست زنم چاک پیرہن باشد
تواں ز نامۂ من یافت اشتیاق مرا ۔ عیارِ شوق باندازۂ سخن باشد
ز نالہ بس نکنم زانکہ کم رسد آسیب ۔ برآں درخت کہ مرغِ صفیر زن باشد
چو شاخ گل ہمہ مرغان سزد کہ گوش شوند ۔ کہ بلبلے چو نظیری دریں چمن باشد

غزل نمبر ۲۹ ۔ (۱) جب میرے دماغ کے علاج کا وقت ہو۔ اس وقت نسیم یمن میں اور نافہ ختن ہی میں رہے۔ مطلب۔ دیوانے کو خوشبویات مضر ہیں۔ اس کا جنون تیز کرتی ہیں۔ اس لئے شاعر خواہش کرتا ہے کہ "علاج دماغ" کے وقت یہ چیزیں دور ہی رہیں تو بہتر ہے (۲) میں اپنے بُت میں اس طرح محو ہوں کہ کوئی بُت پرست۔ بُت شکن اور بُت گر بھی ایسے محو نہیں ہوتا۔ مطلب۔ عشق پر محویت کامل طاری ہے۔ (۳) عشق کے طریق سے عقل کا کام بگڑ گیا۔ اس آصف کی طرح جس کا سلیمان، جن بنا ہوا ہو۔ مطلب۔ تلمیح ہے حضرت سلیمان کے قصے کی طرف۔ آگ کی جگہ پر انگشتری پہن کر ایک جن جلوہ گر ہو گیا تھا۔ آپ کا وزیر باتدبیر آصف ابن برخیا بے چارہ سخت پریشان تھا۔ آخر اسی کی تدبیر سے جن بھاگا تھا (۴) تو اپنے آپ میں مقید نہ رہ۔ عقلمند پرندے کے لئے حد سے زیادہ خطرناک وہ موقع ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ میں مشغول ہو۔ مطلب۔ خودی کو فنا کر دو۔ کیونکہ جو پرندہ اپنے آپ میں محو ہو جاتا ہے پابند دام کر لیا جاتا ہے۔ (۵) تو سفر اختیار کر۔ کیونکہ پودا اگر کچھ ملول بھی ہو تو پردیس کی زمین آخر کار اسے غربت سے بہتر معلوم ہونے لگتی ہے۔ مطلب۔ پودے ایک ملک سے دوسرے ملک میں لگائے جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات وہاں جا کر زیادہ پھولتے پھیلتے ہیں۔ (۶) ایک ذرے کی طرح تیرے دروازے کی خواہش میرے دل میں موجود ہے۔ میرا دور ہو جانا بھی انجمن کے لئے باعث رشک ہے

(۷) چونکہ میں اپنا لباس تیرے شوق میں پارہ پارہ کر رہا ہوں۔ اس لئے جس پر بھی ہاتھ مارتا ہوں وہ میرا گریبان ہوتا ہے۔ مطلب عشق میں ہر چیز پارہ پارہ کر رہا ہوں۔ (۸) میرے خط سے میرا اشتیاق پایا جاتا ہے۔ کیونکہ شوق کا معیار سخن کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے۔ مطلب۔ میرا خط کاشفِ حالاتِ عشق ہے (۹) میں اس لئے نالہ وزاری ختم نہیں کرتا۔ کیونکہ اس درخت پر آسیب نہیں ٹھیرتا۔ جہاں چہچہانے والے پرندے موجود ہوں۔ (۱۰) پھول کی شاخ کی طرح تمام پرندوں کو زیبا ہے کہ ادھر کان دھریں جبکہ نظیری جیسا بلبل اس باغ میں موجود ہے۔

آنرا کہ قبول تو خریدار نباشد
در ہیچ گہ ہیچ دلش باز نباشد

از قیمت یوسف نشود یک سر مو کم
ہر چند خریدار ببازار نباشد

گویا تو برول میروی از سینہ وگرنہ
جاں دادن کس ایں ہمہ ایں دشوار نباشد

از نرگس مخمور تو در بستر و بالیں
بر پائے رود فتنہ و بیدار نباشد

از جادوئے حسنِ تو کہ در پیش جمالت
بر خاک طپد صید و گرفتار نباشد

غم یار من و بخت سراسیمہ کہ ایں غم
گر از تو بود چوں ز منش عار نباشد

آں شعلہ کہ اُفتد بخس و خارہ عشقت
ہر سوختہ زیں نشاء خبردار نباشد

بادر د تو از کس نکند یاد نظیری
پروانہ کہ سوز و بگلش کار نباشد

غزل نمبر ۳۳ ۔ جن کو تیری قبولیت بھی نہ خریدے تو پھر منڈی میں ان کا اور کوئی خریدار نہیں ہو سکتا۔ (۲) یوسف کی قیمت میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں آسکتی۔ اگر بازار میں خریدار کا نام و نشان بھی نہ ہو۔ مطلب۔ جنس اچھی ہو اور گاہک نہ ہوں تو بھی اس کی قیمت کم نہیں ہوتی۔ (۳) میرے لئے جان دے دینا تو کوئی مشکل نہیں مگر رنج اس بات کا ہے کہ تو میرے سینے سے نکل رہا ہے۔ مطلب۔ میری موت کے وقت تو دل سے نکل رہا ہے۔ یہ میرے لئے تکلیف کا باعث ہے ورنہ مرجانا تو کچھ مشکل نہیں۔ (۴) تیری خمار بھری نرگسیں آنکھوں سے بستر اور تکیے پر بھی فتنہ برپا رہتا ہے۔ اگرچہ آنکھیں بیدار نہیں ہوتیں۔ مطلب سہ ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے۔ فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے (۵) یہ تیرے حُسن کا جادو ہے کہ تیرے جمال کے سامنے شکار خاک پر تڑپ رہا ہے۔ اور مزا یہ ہے کہ گرفتار بھی نہیں مطلب۔ بغیر قیود خود بخود لوگ تیرے جمال کے شہید ہیں۔ (۶) غم میرا دوست ہے اور نصیب پریشان ہے۔ اگر یہ غم تیرا ہوتا تو میرے جیسے سے اسے عار کیوں نہ ہوتی۔ مطلب۔ یہ تیرا غم نہیں ورنہ میں اور تیرا عشق! یہ ممکن ہی نہیں۔ (۷) وہ شعلہ جو خس وخاشاک کو جلا رہا ہے تیرا عشق نہیں ہے

کیونکہ ہر سوختہ جان اس زندگی سے واقف نہیں ہوتا۔ مطلب۔ تیرا عشق عام نہیں خاص ہے (۸) باوجود تیرے دردِ عشق کے اے نظیریؔ تجھے کوئی یاد ہی نہیں کرتا۔ جو پروانہ جلتا ہے اسے گل سے کوئی کام نہیں۔

دوشینہ سرودے دلِ افگار برآورد | کاہو ز حرم مرغ ز گلزار برآورد
امسال دگر اشک صلاح دوم زہدم | رنگِ مے پار و گل پیرار برآورد
من توبہ نیاوردہ ام از کعبہ کہ کافر | بت راز گرہ خانۂ خمار برآورد
تنہا نہ مرا راہ زد از بوالعجبی عشق | بس شیخ کہ از خرقہ و زنار برآورد
ہر خار کہ اندر رہ ما بر کفِ پا خورد | صد رنگ گل از گوشۂ دستار برآورد
بد کرد بما ہر کہ در خلوتِ ما زد | ما را ز سرا پردۂ دیدار برآورد
چوں کبکِ خرامندہ بہر رہ کہ گذشتی | جولانِ تو طاؤس ز رفتار برآورد
بس سر کہ بزد بر درِ افلاک نظیری | کیں صبح طرب از شب تار برآورد

غزل نمبر ۱۳۱۔ (۱) کل رات میرے شکستہ دل نے وہ راگ گانا شروع کیا۔ کہ ہرن حرم سے اور پرندے گلزار سے نکل آئے۔ (۲) اس سال پھر میرے صلاحیت کے آنسوؤں نے اور پرہیزگاری کے دم نے گذشتہ سال کی شراب کا رنگ اور پرارسال کے پھول نکالے۔ (۳) میں کعبے سے توبہ لیکر نہیں آیا تھا۔ کہ کافر نے اپنے بت میفروش کے گرد خانے سے نکالا۔ مطلب۔ ادھر میں نے توبہ کی اُدھر واقعات ایسے پیش آگئے۔ صنم نظر پڑا اور توبہ کو توڑنا پڑا۔ (۴) عشق نے صرف مجھے ہی تعجب خیزیوں سے راستہ نہیں بھٹکایا بلکہ بہت سے بزرگوں کو بھی ان کی گدڑی اور زنار سے الگ کر دیا۔ مطلب۔ صرف میں ہی نہیں عشق نے بہت سے مومنوں کو بھی راہِ راست سے بھٹکا دیا۔ (۵) ہر اس کانٹے نے جو ہمارے راستے میں پاؤں کے تلوے میں چبھا۔ اس نے ہزار قسم کے پھول ہماری دستار سے نکالے۔ مطلب۔ پاؤں کے کانٹوں کا اثر سر تک پہنچا ہے

یہ ہے مجنوں نہیں آہوئے لیلیٰ + پہن کر پوستیں نکلا ہے گھر سے۔ جسے تو سینگ سمجھے ہیں خار + چبھے ہیں پاؤں میں نکلے ہیں سر سے

(۶) جس نے بھی ہماری خلوت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے ہمارے ساتھ دشمنی کی۔ کیونکہ (اسکی اس حرکت نے) دیدار کا سرا پردے سے نکالا۔ مطلب۔ ہم محوِ دیدار تھے۔ دنیا و مافیہا سے غافل۔ دروازے کی دستک نے ہم کو دیدار سے منحرف کیا۔ (۷) خرامندہ چکور کی طرح تو جس راستے سے گذرا تیری جولانی نے طاؤس کو رفتار بھلا دی۔ مطلب۔ تری رفتار سے کبکِ دری نے ٹھوکریں کھائیں + چلا جب چال کو اہنس کی اسکا چلن بگڑا

(۸) نظیریؔ نے آسمان پر جسقدر سر ٹپکے (اس کا نتیجہ یہ ہوا) کہ یہ خوشی کی صبح اندھیری رات سے برآمد ہوئی +

بخاطرم گلۂ گشت دوست دشمن شد | دو دل چو شیر و شکر بود سنگ و آہن شد
چو خانۂ سر گشتست عہد را بنیاد | زہر طرف کہ نسیمے وزید روزن شد
مرنج اگر نشدم مضطرب ز آمدنت | چراغ دیدہ نمے داشت دیر روشن شد
در اشتیاق تو چنداں صنم صنم گفتم | کہ شرمسار ز خود زاہد و برہمن شد
سر از غبار تو گفتم بروں توانم برد | کمند پاؤ سرم طرف جیب و دامن شد
کشید بر سر دیوار بوستاں دامے | کہ گل ملول ازیں بلبلاں بشیون شد
مساز خندہ دگر رنجہ پا کہ نکشاید | لب ملول نظیری کہ وقف شیون شد

غزل نمبر ۲۳۲ - (۱) میرے دل میں ایک شکایت پیدا ہوئی اور دوست دشمن ہوگیا۔ وہ دل جو شیر و شکر تھے پتھر اور لوہا بن گئے۔ مطلب۔ ایک حرفِ شکایت زبان پر آیا اور دوستی و اتحاد فنا ہوگیا۔ (۲) جہان کی بنیاد اس مکان کی طرح ہے جو کھیت کے کنارے پر بنایا گیا ہو (عارضی اور کچا مکان) جس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جس طرف سے ہوا چلی اس میں روشندان (سوراخ) پیدا ہوگیا۔ مطلب۔ جہان کی بنیاد ناپختہ ہے اور حوادثاتِ دہر رخنے پیدا کرتے ہیں۔ (۳) اگر میں تیرے آنے سے مضطرب نہیں ہؤا۔ تو رنجیدہ نہ ہونا۔ کیونکہ میری آنکھوں کا چراغ غمناک تھا۔ اس لئے ذرا دیر سے روشن ہؤا۔ مطلب۔ چراغ کا فتیلہ اگر گیلا ہو تو مشکل سے روشن ہوتا ہے۔ یہی حالت میری آنکھوں کی ہے۔ رو رو کر نہ نصیب۔ اس لئے تیری دولتِ دیدار سے بدیر منوّر ہوئیں۔ (۴) تیرے شوق میں میں نے اس طرح "صنم صنم" کہا کہ زاہد اور برہمن دونوں اندر ہی اندر شرمندہ ہونے لگے۔ مطلب۔ میری مستقل مزاجی اور متواتر دو معشوق کو دیکھ کر اپنی ریاکاریوں پر زاہد و برہمن نادم ہونے لگے۔ (۵) میں نے چاہا کہ تیرے غبار سے سر اٹھاؤں لیکن میرے گریبان اور دامن کے اطراف ہی میرے پاؤں اور سر کے لئے کمند بن گئے۔ (۶) اس نے باغ کی دیوار پر جال لگا دیا۔ کیونکہ بلبلوں کے نالوں سے پھول رنجیدہ ہونے لگے (۷) تو ہنسی نہ اُڑا۔ ایک دفعہ اور آنے کی تکلیف گوارا کر کیونکہ اب نظیری کا رنجیدہ لب نہیں کھلیگا۔ جو نالہ و زاری میں وقف ہو چکا ہے۔ مطلب۔ اب تم آؤ تو میں شکایتوں سے تم کو پریشان نہ کرونگا۔

ایں کعبہ را بنانہ بباطل نہادہ اند | بس معنئ جمال درین گل نہادہ اند
درماندہ گشتہ است بایں کاروبار عشق | ہر سو ہزار عقدۂ مشکل نہادہ اند
زیں گل چہ دیدہ اند مگر حاملان عرش | کز رنج راہ پایۂ محمل نہادہ اند
قلزم بشور رفتہ و عماں نشستہ تلخ | زیں آب زندگی کہ بساحل نہادہ اند

آہ ایں چہ دوستیست کہ سرہائے یکدگر — خویشاں بریدہ در رہ قاتل نہادہ اند
خوارم مکن کہ ریختن آبروئے را — باخون صد شہید مقابل نہادہ اند
برہر کہ ہوشیار بود اعتراض نیست — مستاں قدم بہ بزمِ تو غافل نہادہ اند
بنمائی رخ تمام کہ شاہانہ چیدہ اند — شاہاں کہ خواں بدعوت سائل نہادہ اند
در بزم خلد نعمت ہرگونہ چیدہ شد — حسب مراد دعوت سائل نہادہ اند
گردن بنہ بہ تیغ نظیری کہ عاشقے — برسر کلاہ مردم عاقل نہادہ اند

غزل نمبر ۳۳ ۔ اس کعبے کی بنیاد باطل پر نہیں رکھی گئی بلکہ اس مٹی میں جمال کے ہزار معانی پیدا کئے ہیں (۲) عشق اس کاروبار سے عاجز آیا ۔ کیونکہ ہر طرف ہزاروں مشکل گتھیاں پیدا کی گئی ہیں ۔ مطلب عشق کے راستے میں ہزاروں رکاوٹیں ہیں جو درماندگی کا باعث ہیں ۔ (۳) عرش کے اُٹھانے والوں نے معلوم نہیں اس مٹی میں کیا دیکھا ہے ۔ کہ یہاں راستے کی تکان کی وجہ سے محمل کا پایہ رکھ دیا ہے ۔ مطلب ۔ معلوم نہیں انسان جو مُشتِ گِل ہے ۔ اس ضعیف انسان پر کیوں امانتِ الٰہی رکھدی ہے (۴) قلزم نمکین ہوگیا اور دریائے عمان تلخ ہوا بیٹھا ہے ۔ اس آبحیات کی وجہ سے جو ساحل پر رکھدیا ہے (۵) آہ! یہ کیا دوستی ہے کہ ایک دوسرے کے سر اپنوں نے کاٹ کر قاتل کے راستے میں لاڈالے ہیں ۔ مطلب ۔ عشق میں یگانہ و بیگانہ کی تمیز بھی نہیں رہتی ۔ (۶) مجھے خوار نہ کر کیونکہ کسی کی بے عزتی کرنا سو شہیدوں کے خون کے مقابل قرار دیا گیا ہے ۔ مطلب ۔ بے عزتی خونِ صد شہید سے زیادہ ہے ؎

بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا — کیجئے قتل مگر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو ۔

(۷) جو ہوشیار ہو اس پر تو اعتراض کر مستوں نے تیری محفل میں غفلت میں قدم رکھا ہے ۔ مطلب ۔ دیوانگی قابلِ معافی ہے ؎

اب میری خطاؤں پر کہدیتے ہیں وہ ہنس کر — سودائی ہے سودائی ہے دیوانہ ہے دیوانہ

(۸) وہ بادشاہ جو مفلس کو اپنے دسترخوان پر دعوت دیتے ہیں ۔ ہمیشہ دسترخوان اپنی شاہانہ شان کے مطابق چُنتے ہیں ۔ (اے معشوق) اس لئے تو بھی اپنا پورا جمال (ہمیں دکھا) مطلب ۔ ہمیں مفلسِ عشق خیال کر کے کامل دیدار سے محروم نہ کر ۔ (۹) بہشت کی محفل میں ہر قسم کی نعمت چُنی گئی ہے ۔ اور سائل کی مراد کے مطابق تمام (چیزیں) موجود ہیں ۔ (۱۰) اے نظیری تو تیغ کے نیچے گردن رکھدے ۔ کیونکہ تو عاشق ہے ۔ عاقل آدمی ہمیشہ سر پر ٹوپی رکھتے ہیں ۔ مطلب ۔ تو عاقل عشق ہے ۔ تیری کلاہ تیغ ہے ۔ اپنے سر پر رکھ ۔

بدل ز شوق تو چوں نالہ در سماع آید — اجابت از در و بامم باستماع آید
میست در خُم شوقم کہ گر بجوش رود — ہزار ذرہ و پروانہ در سماع آید

چناں بنالش من روزگار خوش دارد — کہ گر خموش شوم بر سرِ نزاع آید
بہ بیع عشوہ برم جان کہ مست نازمرا — اہانتے ست کہ خود بر سرِ متاع آید
بجاست نالۂ مرغ چمن کہ گل بشتاب — چناں رود کہ مگر از پے وداع آید
چساں فسانۂ بلبل برم بہ دردِ سرش — سرلیست آنکہ ز بوئے گلش صداع آید
سر از اطاعت فرماں کشم جم وکے را — کہ بندۂ کہ مطیع تو شد مطاع آید
نمونۂ ز وصالِ تو و نمائشِ ماست — کہ ذرہ در نظر از ہستی شعاع آید
بصبر داد نظیری قرار و فرماں دہ — کہ غم ببدعت و ہجراں باختراع آید

غزل نمبر ۲۴۳ - (۱) تیرے شوق سے جب میرے دل میں کوئی نالہ وجد میں آتا ہے - تو میرے بام و در سے قبولیت کی آواز آتی ہے مطلب - میرا اعشق کا نالہ سُننے کے لئے آمادہ ہے جب شوقِ عشق میں نالہ کھینچتا ہے تو قبول ہو جاتا ہے - (۲) میرے شوق کے خُم میں وہ شراب ہے کہ اگر جوش مارے تو ہزار پروانے اور ذرّے وجد میں آجائیں - مطلب - میرا عشق ذرّے ذرّے کو گرما دینے کے لئے کافی ہے - (۳) مجھے رلانے سے آسمان اس طرح خوش رہتا ہے - کہ اگر میں خموشی اختیار کروں تو برسرِ جنگ ہوتا ہے - مطلب - آسمان مجھے آمادۂ گریہ ہی رکھنا چاہتا ہے - (۴) اس کے ناز خریدنے کے لئے اپنی جان لے کر جاتا ہوں کیونکہ میرے مستِ ناز کی ہتک عزت ہے - کہ وہ خود سودا خریدنے کے لئے آئے - مطلب - مَیں خود اس کے عشووں کا شہید ہونے کے لئے جاتا ہوں - اسے تکلیف نہیں دینی چاہتا - (۵) مرغِ چمن کا نالہ بالکل بجا ہے - کیونکہ پھول اس قدر جلد واپس ہو جاتا ہے کہ گویا وداع ہونے ہی کو آیا تھا - مطلب - پھول اندک بقا ہے - اس پر اگر مرغ نالہ کش ہے تو اس کا حق ہے - (۶) اس معشوق کا سر تو باغ کی ہوا سے دُکھنے لگتا ہے - میں اس کے پاس بلبل کا فسانہ کیونکر لے جاؤں - مطلب - اس کی نزاکت میں مبالغہ کیا ہے ایک اُردو کا شاعر کہتا ہے ؎
اس نزاکت کا بُرا ہو کہ وہ فرماتے ہیں ✣ فرشِ مخمل پہ مرے پاؤں چھلے جاتے ہیں (۷) میں جمشید اور کیخسرو کے فرمان سے سر پھیر لوں گا - کیونکہ جو تیرا غلام ہُوا وہ دوسروں کا آقا ہو گیا - مطلب عشق میں مبتلا ہو کر شاہوں سے بھی بلند مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے - (۸) تیرے وصال کے نمونے سے ہماری نمائش ہے - کیونکہ ذرّہ شعاع کی ہستی سے نظر میں آتا ہے - (۹) نظیری نے تو صبر اور داد پر قرار کیا ہے - اب تو یہ فرمان دے کہ غم نئی بات پیدا اور ہجر ایجاد پر آمادہ ہو ؞

کس چو من نیست کہ پیش نظر از دل بُرود — غائب از دیدہ نگہ دو ز مقابل بُرود

دولتے بود کہ مردیم بہنگام وداع — آں قدر زندہ نماندیم کہ محمل برود
راہ بیگانگیٔ پیش نداری کہ کسے — بدلیل رہ و طے کردن منزل برود
صبر داریم کہ ایں تہمت عشق از سر غیر — ہمچو خون بحل از گردنِ قاتل برود
قصۂ ما بعزیزانِ وطن خواہد گفت — ہر کرا تختہ ازیں ورطہ بساحل برود
نیکوئی دوستی آرد بدل دشمن و دوست — ہمہ جا سر زند ایں ریشہ چو در گل برود
مرد عاشق ندہد دل بتماشائے جہاں — آں دہد کیسہ بطرار کہ غافل برود
سر چشماں تو گردم کہ زبس خونخواری — قطرۂ خون نگذارند ز بسمل برود
من و آزار نظیری زکسم عار مباد — بزباں آید از آنم گلہ کز دل برود

غزل نمبر ۳۵ - (۱) کوئی میرے جیسا نہیں کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا دل ہاتھ سے نکل جائے۔ آنکھوں سے غائب نہ ہو مگر مقابل سے ہٹ جائے۔ (۲) یہ عجیب قسمت تھی کہ ہم تیرے رُخصت کے وقت مر گئے۔ اور صرف اس قدر بھی زندہ نہ رہے کہ تیری محمل ہمارے سامنے چلی جاتی۔ مطلب۔ تیری رخصت سے قبل ہی مر گیا اور یہ میری خوش قسمتی تھی۔ (۳) تو کسی سے زیادہ بیگانگی کا راستہ نہیں رکھتا۔ کہ کوئی راستے کی رہنمائی اور منزل طے کرنے کے لئے آئے۔ (۴) ہم صبر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کہ غیر کے سر سے تیرے عشق کی تہمت حلال خون کی طرح قاتل کی گردن سے اُتر جائیگی۔ مطلب۔ جائز طور پر کسی کو قتل کرنا قاتل کے لئے باعثِ سزا نہیں۔ اسی طرح رقیب پر جو تیرے عشق کی تہمت لگی ہے۔ اس سے ہیں زیادہ پریشان نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ تہمت صاف ہو جائیگی۔ (۵) جو شخص اس بھنور سے ساحل پر اپنا تختہ لے جائیگا وہ ہمارے وطن کے عزیزوں سے ہماری حکایت بیان کر دیگا۔ مطلب۔ ہم تو عشق کے سمندر میں غرق ہو رہے ہیں۔ البتہ ہمارے ساتھیوں میں سے اگر کوئی شخص ساحل پر پہنچ گیا۔ تو ہماری سرگذشت اعزا و اقربا سے بیان کر دیگا۔ (۶) خوبصورتی دشمن اور دوست کے دل میں دوستی پیدا کرتی ہے۔ یہ جڑیں جب مستی میں لگتی ہیں۔ تو ہر جگہ سر نکالتی ہیں۔ مطلب۔ خوبصورتی دوست پیدا کرتی ہے۔ لوگ خود بخود ادھر متوجہ ہوتے ہیں۔ (۷) عاشق جہان کے تماشوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ چور اس کا کیسہ کاٹتا ہے۔ جو غافل ہوتا ہے۔ مطلب۔ عاشق راہ عشق میں غافل نہیں کہ دنیا پر متوجہ ہو۔ یہ غافلوں کا کام ہے۔ (۸) میں تیری اُن آنکھوں پر قربان جاؤں! جو بسمل کے جسم کا ایک قطرہ تک ضائع نہیں ہونے دیتیں۔ مطلب۔ زمین پر بسمل کا خون نہیں گرنے دیتیں آنکھوں آنکھوں ہی میں شہید کر دیتی ہیں۔ (۹) اے نظیری! میں ہوں اور تکلیف! مجھے کسی کی عار نہیں۔ گلہ

زبان پر اس وقت آتا ہے جب دل سے نکل جائے۔ مطلب ۔ اگر میں شکوہ و شکایت کی زبان کھولتا ہوں تو یہ اس لئے کہ دل صاف ہو جائے +

بزمت غمِ بار ما ندارد — عیشِ تو غبارِ ما ندارد
ما چہرہ بخوں کنیم گلگوں — مشاطہ نگارِ ما ندارد
چوں شعلہ ز سوزِ سینہ روئیم — نم ابرِ بہارِ ما ندارد
بس بوئے ببرد گل کہ دستش — زخمِ سرِ خارِ ما ندارد
ما عربدہ مے کنیم بسیار — مطرب سرِ کارِ ما ندارد
آئینہ بعیبِ ماست گویا — عیب آئینہ دارِ ما ندارد
ہر نامہ کہ دل نمے کند خون — پیغامِ دیارِ ما ندارد
خوشحالیٔ روزِ وصل دیدیم — شوقِ شبِ تارِ ما ندارد
ایں غم کہ ملال آرد از کیست — رنگِ غمِ یارِ ما ندارد
بے نام و نشان خوش ست مرغے — کو نالۂ زارِ ما ندارد
گردوں مہ و مہر دارد امّا — نقدی بعیارِ ما ندارد
خونابہ کشیم ما نظیری — مے عشرت کارِ ما ندارد

غزل نمبر ۳۶ - (۱) تیری محفل ہمارے دل کا غم نہیں رکھتی - اور تیرا عیش ہمارا غبار نہیں رکھتا۔ مطلب ۔ تیری محفل سرتاپا عیش ہے۔ ہیں سراسر غم کس طرح وہاں بار پاؤں - (۲) ہم اس کا چہرہ اپنے خون سے سرخ کر دیتے ہیں - ہمارا معشوق مشاطہ نہیں رکھتا - (۳) ہم شعلے کی طرح عشق کے سوز میں اُگتے ہیں - ہمارا ابر بہار پانی نہیں رکھتا۔ مطلب - عام نباتات کے لئے تو نمی درکار ہے مگر ہمارے لئے اس کے برخلاف آگ و سوزش درکار ہے - (۴) پھول اپنی خوشبو حاصل نہ کر سکا - تاوقتیکہ اس نے ہمارے کانٹے کی نوک کا زخم نہ کھایا۔ مطلب - وہ معشوق اپنی شہرت ہمارے بغیر حاصل نہ کر سکا - اگرچہ ہم خار کی طرح اس کے ساتھ تھے - (۵) ہم مطرب سے جنگجوئی اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے کام کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ مطلب - جو نغمہ ہم چاہتے ہیں وہ اس کی طرف سے میسر نہیں - (۶) آئینہ ہمارے عیب پر صاف بول رہا ہے - ہمارا آئینہ دار تو کوئی عیب نہیں رکھتا - مطلب - ہم میں عیوب ہیں معشوق میں نہیں - (۷) ہر وہ خط جو دل خون نہیں کرتا - وہ ہمارے ملک کا پیغام نہیں لاتا۔ مطلب - ہمارے وطن سے جو خط آتا ہے دل خون کرنے والا ہوتا ہے - (۸) ہم نے

وصل کے دن کی خوشحالی دیکھی ہے۔ دلیکن وہ بھی، ہماری اندھیری رات جتنا شوق نہیں رکھتا۔ مطلب۔ ہماری شبِ تار کا شوق بہتر ہے بہ نسبت روزِ وصل کے۔ کیونکہ آخرالذکر کے بعد فراق ہے اور اول الذکر کا انجام وصال ہے ۔ شبِ امید بہ از روزِ عید بہ گذرد + کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفت است ۔

؎ غمے خور کو بہ شادیہا نمے ۓ بے اندازہ انجامد + چو بے عقلاں خرد دنبالِ آں شادی کہ غم گردد (۹) یہ غم جو رنج پیدا کر رہا ہے ۔ کس کا ہے ۔ یہ ہمارے یار کے غم کا رنگ نہیں رکھتا ۔ مطلب ۔ غمِ یار میں رنج نہیں ہوتا بلکہ عین راحت ہے ۔ (۱۰) وہ پرندہ جو ہماری طرح کا دردناک نالہ نہیں رکھتا ۔ بے نام ونشان ہی رہے تو اچھا ہے ۔ مطلب ۔ اگر وہ نالہ کھینچ کر اپنی شہرت کا اظہار کرنا چاہیگا تو ہمارا نالہ سُنکر شرمندہ ہو جائیگا ۔ (۱۱) آسمان چاند اور سورج رکھتا ہے لیکن ایسی نقدی جو ہمارے معیار کی ہو اس کے پاس موجود نہیں مطلب چاند اور سورج کا چاندی اور سونا آسمان کے پاس ہے ۔ مگر ہمارے معشوق کی طرح کا ایک بھی نہیں (۱۲) اے نظیری ہم خون کے آنسو بہاتے ہیں ۔ شراب بھی ہماری عشرت کے کام نہیں آسکتی ۔ مطلب ۔ ہمارے رونے میں جو لذت ہے وہ شراب میں نہیں +

من آں صیدم کہ ہر کس را نظر بر حال من افتد — زبس زخم دلم کاریست در دنبال من افتد
شکارت خوش بر آید گر خود از منزل بروں آئی — نگاہت جانب مرغ مبارک فال من افتد
نیم مرغے کہ بس دشوار باشد صید من کردن — ز بس بستم گرہ از بال من در بال من افتد
ازاں بر جرم کہ ہر گہ عقدۂ در پیش چرخ آید — ز دوراں ماہ من ماند اگر گردش سال من افتد
بزن در نامہ ام اے ابر محشر از کرم برقے — کہ مے ترسم ملک را چشم بر اعمال من افتد
بقاتل خون خود پیش از سوال حشر مے بخشم — کہ مے ترسم کہ در درماندگی زاہمال من افتد
مرا گستاخ گوئیہاست در مجلس نخواہد شد — کہ دائم بند حسرت بر زبان لال من افتد
مراں از گوشۂ چشمے کہ از عالم ہمیں دارم — کہ در ہر شادی و غم قبلۂ آمال من افتد
بسے پُر شوق مے آید نظیری کعبہ میترسم — بتے ناگہ ز طاق از شوق استقبال من افتد

غزل نمبر ۷۳ ۔ (۱) میں وہ شکار ہوں کہ جس کی نظر میرے حال پر پڑتی ہے ۔ چونکہ میں نے زخمِ دل کاری کھایا ہوا ہے وہ میرے پیچھے ہو لیتا ہے ۔ مطلب ۔ میں زخمِ کاری دل پر کھا چکا ہوں ۔ جو شکاری مجھے دیکھتا ہے پیچھے ہو لیتا ہے کہ آسانی سے دام میں لے آئیگا ۔ (۲) اگر تو خود اپنے گھر سے باہر نکلے تو ایک اچھا شکار تیرے ہاتھ لگے ۔ تیری نگاہ میرے جیسے مبارک پرندے پر پڑیگی ۔ مطلب ۔ میرے جیسا مبارک فال پرندہ خود بخود تیرے دام میں گرفتار ہو جائیگا ۔ (۳) میں وہ پرندہ نہیں ہوں کہ میرا شکار کرنا مشکل ہے

چونکہ بے حد سست ہوں۔ اس لئے میرے پروں ہی سے میرے پروں میں گرہ پڑ جاتی ہے۔ مطلب۔ میرے بال و پر ہی میری اُڑان میں حائل ہو جاتے ہیں۔ یعنی دیدہ و دل ہی دشمن ہو جاتے ہیں۔ تو آسانی سے میرا شکار کرلیگا۔ (۴) میں اس برج سے ہوں کہ جب کوئی مشکل پیچ آپڑتا ہے تو میرا مہینہ پھرنے سے اور سال گردش سے رہ جاتا ہے۔ مطلب۔ جب مشکل پڑتی ہے تو گردش روزگار ہی ختم ہو جاتی ہے اگر آسمان گردش کرتے رہتے تو کہدیتے ؎ رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ✤ ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا (۵) اے ابر محشر اپنے کرم سے میرے نامۂ اعمال پر بجلی گرا دے۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ فرشتے کی نگاہ میرے نامۂ اعمال پر پڑیگی۔ مطلب۔ نامۂ اعمال گناہوں سے پُر ہے۔ اس واسطے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں فرشتوں کی نظریں اس پر نہ پڑیں۔ ورنہ وہ پھبتیاں اُڑائینگے۔ (۶) قاتل کو اپنا خون حشر میں سوال کرنے سے پہلے بخشتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرے معشوق کو مانگنے سے عار آتی ہے ؎

ہم نہیں وہ کہ کریں خون کا دعویٰ تم پر ✤ بلکہ پوچھیگا خدا بھی تو مُکر جائینگے۔ (۷) میں گستاخانہ باتیں کہنے کا عادی ہوں مگر مجلس میں ایسا نہ کرونگا۔ کیونکہ وہاں میری تیز زبان پر حسرت کا بند لگ جاتا ہے۔ مطلب مجلس میں گستاخ گوئی پر ہرگز آمادہ نہ ہوں گا۔ (۸) مجھے اپنی آنکھ کے گوشے سے نہ نکال دے۔ کیونکہ دنیا میں میرے پاس صرف یہی ایک چیز ہے۔ کہ ہر شادی و غم میں میری امید کا سرمایہ بنتی ہے۔ مطلب۔ مجھے اپنی نظروں سے نہ گرا دینا کہ صرف اس امید پر جیتا ہوں۔ (۹) نظیری بڑے شوق سے کعبے کی طرف آرہا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں کوئی بُت اس کے استقبال کے شوق میں طاق سے نہ گر پڑے ✤

فلک هرزه و رایمائے تو باشد نواز دهر کرا رائے تو باشد
بدل تنگی کنم دل خوش همیشه که تنها جائے غمهائے تو باشد
نیازارم زخود هرگز دلے را که مے ترسم درو جائے تو باشد
شود مجروح مغز استخوانم سر خارے چو در پائے تو باشد
مئے کاشفتگی در شور آرد نگاه کار افزائے تو باشد
حریفے کز خرد بازیچه سازد عتاب گریه فرمائے تو باشد
نهایت نیست طومار دلے را که مضمونش تمنائے تو باشد
کدورت نیست کارخ سینهٔ را که راهش بر تماشائے تو باشد
گل صد رنگ میر دید ازاں خاک که درد بے نوش صهبائے تو باشد
سحرگه هر که پیش از خواب خیزد حریف باده پیمائے تو باشد

دو عالم نقد جاں بر دست دارند | ببازارے کہ سودائے تو باشد
نظیری زندگی در دردِ دل جو | کہ دردِ تو مسیحائے تو باشد

غزل نمبر ۳۳ - (۱) آسمان تیری خواہش کا مزدور ہے - صرف اس پر نوازش کرتا ہے - جس پر تیری رائے ہو - مطلب - آسمان بذات خود کچھ نہیں کرتا - اس کی گردش سے قسمت میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا - بلکہ صرف خدا تعالےٰ کے حکم کے ماتحت چلتا ہے - (ع) کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں + (۲) میں اپنی دل تنگی ہی میں خوش رہتا ہوں - کہ یہاں صرف تیرے غموں کے لئے جگہ ہے - مطلب - غم صرف تیرا غم ہے - اس واسطے دل تنگی سے خوش ہوں - (۳) میں ہرگز ہرگز کسی دل کو نہیں ستاتا - کیونکہ مجھے خوف ہے اس میں تیرا مقام نہ ہو - مطلب - محض اس لئے دل آزاری نہیں کرتا کہ کہیں اس کے دل میں تو نہ ہو (۴) میری ہڈیوں کا گودا تنگ زخمی ہو جاتا ہے - اگر تیرے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھتا ہے - مطلب - تیری ذرہ بھر تکلیف میرے لئے زیادہ مصائب کا باعث بن جاتا ہے - (۵) وہ شراب جو جنون کو شور میں مبتلا رکھتی ہے - وہ تیری کارفرا نظر ہی تو ہے - مطلب - تیری نظر ہمیں ہر وقت آشفتہ رکھتی ہے - (۶) وہ حریف جو عقل کو کھیل بناتا ہے - صرف تیرا حکم گریہ دینے والا عتاب ہے - مطلب - تیرے عتاب کے ہاتھوں ہم وقفِ گریہ ہیں - (۷) جس دل کی تمنا کا مضمون تو ہو اس کی داستان کی انتہا نہیں ہے - مطلب - تیرا عاشق اپنی داستان دل کبھی ختم ہی نہیں کر سکتا - (۸) اس سینے کے محل کے لئے کدورت کا نشان بھی نہیں جس کا راستہ تیرے نظارہ پر ہو - مطلب - تیری گذرگاہ پر جو محل ہوگا - میں اس پر سے تیرا دیدار حاصل کروں گا - اس لئے اس میں کدورت کا نشان کیسے ہوگا - (۹) جس خاک میں تیری شراب کی سی چاشنی ہو - اس میں سے سو رنگ کے پھول پیدا ہوتے ہیں - (۱۰) صبح کے وقت جو کوئی نیند سے پیشتر اُٹھتا ہے وہ تیرے ساتھ شراب پینے والا حریف ہی تو ہے - مطلب - جو سحر خیز ہے وہ انوار الٰہی کی شراب پیتا ہے - (۱۱) جس بازار میں تیرا سودا ہوتا ہے - وہاں دونوں عالم ہاتھوں میں لئے ہوئے ہوتے ہیں - مطلب - لوگ تجھے خریدنے کے لئے متاعِ دوجہان لے کر آجاتے ہیں - (۱۲) اے نظیری! تو اپنے دل کے درد میں زندگی تلاش کر - کیونکہ تیرا درد ہی تیرا مسیحا ہے - مطلب "دردِ دل" ہی تو اصل حیات ہے یہ دردِ عشق ہی ہے - جو انسان کو اشرف المخلوقات بناتا ہے +

پس از نہ مہ جہاں را دامن عیشے بچنگ افتد | مرقع تا کدامیں خارہ و خارا را برنگ افتد
نخستیں جامہ را بانداز حُسن تو ببریدند | قبا بر قد سرو از بہر آں کوتاہ و تنگ افتد
بعشق روئیت از دل ارغوان و لالہ مے چینم | شرارے لعل گردد مہر خورشید ار بسنگ افتد

فگندہ دلخراشیہائے رنجش خستہ وزارم — مبادا آئینہ را قسمت کہ در چنگال زنگ افتد
پس از وارستگی در قید زلفش تازہ افتادم — بتر از نو مسلمانے کہ در قیدِ فرنگ افتد
ز حسرت سوختم وز شرم دُودے بر نیاوردم — الٰہی آتشے در خانۂ ناموس و ننگ افتد
ترقی در توجہ کم شود عشق مجازی را — بمنزل کے رساند مرد را ہمت چو لنگ افتد
تمنائے گھر سرگشتہ ام دارد بدریائے — کہ در ہر گام صد جا راہ بر کام نہنگ افتد
جنیبت دار را ہند اندُوہ و ذوق جہان ہم را — نہ شورے بے عزا آید نہ شہدے بے شرنگ افتد
ہمیشہ ہمچو اجزائے خط پرکار درکارم — کجا در دَور چرخ و گردش انجم درنگ افتد
نظیری بہر حظّاتِ مطیع نفس گردیدی — چہ نصرت در گذرگاہے کہ آہو پالہنگ افتد

غزل نمبر ۳۹ ۔ (۱) نو ماہ کے بعد جہان کو عیش کا دامن ہاتھ آتا ہے ۔ کون سے کانٹوں کو لباس اور کون سے پتھروں کو رنگ ملتا ہے ۔ مطلب ۔ تین جہینے بہار رہتی ہے ۔ اس لئے ہر سال نو مہینے کے بعد زمانے پر دور دَورہ ہوتا ہے ۔ جس میں خاروں کو گلہائے بوقلموں اور پتھروں میں لعل پڑتے ہیں ۔ (۲) لباس پہلے صرف تیرے حسن کے انداز سے کاٹا گیا ۔ سرو کے قد پر قبا محض اس لئے چھوٹا اور تنگ ہوا ۔ مطلب ۔ تو زیادہ جسیم و شحیم نہ تھا ۔ اس لئے سرو پر تیرا لباس تنگ اور چھوٹا آیا تو دُبلا اور نازک تھا (۳) میں تیرے چہرے کے عشق میں اپنے دل سے ارغوان و لالہ چنتا ہوں ۔ اگر سُورج کی چمک پتھر پر پڑے تو یہ لعل کے شرارے بن جاتے ہیں ۔ مطلب ۔ ارغوان و لالہ سرشکِ خون ہیں (۴) اس کی رنجیدگی کے زخموں نے مجھے نڈھال کر دیا ہے ۔ خدا کرے کہ کبھی آئینے کی قسمت میں نہ ہو کہ وہ زنگال کے پنجے میں پھنس جائے ۔ مطلب ۔ میرا اس کی رنجیدگی میں پھنسنا ایسا ہے جیسا آئینہ پر زنگ آنا اور زنگ سے آئینہ ضائع ہو جاتا ہے ۔ اسی لئے میرا دل خستہ و رنجور ہے ۔ (۵) رہائی کے بعد میں پھر اس کی زلف کی قید میں گرفتار ہو گیا ۔ اس نو مسلم سے بھی زیادہ بُری طرح پھنسا ہوں جو قید فرنگ میں گرفتار ہو ۔ مطلب ۔ قید فرنگ سختیوں کے لئے مشہور ہے ۔ اور ایک فرنگی مسلمان ہو جانے کے بعد اگر قید فرنگ میں گرفتار ہو تو پھر اس پر جو عتاب ہو گا وہ قیاس کیا جا سکتا ہے ۔ (۶) میں حسرت سے جل گیا ۔ مگر شرم سے دھواں بھی اُٹھنے نہ دیا ۔ خدا کرے اس ننگ و ناموس کو آگ لگے ۔ مطلب ننگ و نام کے احساس نے حسرتِ عشق کا اظہار بھی نہ کرنے دیا ۔ (۷) عشق مجازی کی توجہ میں ترقی رُک جاتی ہے جب کسی شخص کی ہمت لنگ ہو جائے ۔ تو وہ منزل پر کب پہنچنے دیتی ہے ۔ مطلب عشق مجازی میں گرفتار ہو کر عشق حقیقی کی طرف رغبت کم ہو جاتی ہے ۔ (۸) گھر کی تمنا مجھے ایسے دریا میں سرگردان

رکھتی ہے کہ جس میں قدم قدم پر سنگ مچھوں کے جبڑے موجود ہیں۔ مطلب ۔ میں عشق میں کامیاب ہونے کے لئے ہر قسم کے خطرات برداشت کرتا ہوں ۔ (۹) کیا اندوہ اور کیا ذوق سب اکٹھا راستہ طے کرنے والے ہیں ۔ نہ کوئی شور بغیر ماتم ہوتا ہے ۔ اور نہ شہد بغیر زہر میسر آتا ہے ۔ مطلب ۔ دنیا میں شادی وغم اکٹھے ہیں ۔ (ع) شادی وغم جہاں میں توام ہے ۔ (۱۰) میں ہمیشہ پر کار کے خطوں کی طرح بر سر کار ہوں ۔ آسمان کا دور اور ستاروں کی گردش کہاں رکتی ہے ۔ مطلب ۔ راہِ معرفت میں ہر وقت تلاش میں سرگرداں ہوں ۔ (۱۱) اے نظیری! تو محض نفسانی لذت کے لئے نفس کا مطیع ہو گیا ہے ۔ اس گذرگاہ میں فتح کس طرح ہو جہاں ہرن کمند میں گرفتار ہو ۔ مطلب ۔ جب انسان لذائذ دنیوی میں مبتلا ہو تو کامیاب معرفت کس طرح ہو سکتا ہے +

آمد دگر بصلح و درِ جنگ باز کرد ‏ ‏ صلحے بمصلحت پے جنگِ دراز کرد
شد عمر و سرگرانی او برطرف نشد ‏ ‏ بر من بقدرِ مرتبۂ عشق ناز کرد
خود را بکام دشمن خود دید آنکہ او ‏ ‏ با دوستاں تغافل دشمن نواز کرد
عقلم نظر بآئینہ دوستاں فگند ‏ ‏ از دوستی و دشمنیم بے نیاز کرد
چشم طمع بدوز کہ در قسمت کساں ‏ ‏ ہر کس کشود دیدہ محبت فراز کرد
صد معجز از کرامت لعل تو دیدہ ام ‏ ‏ از تو نے تواں بخطا احتراز کرد
ہر جائے بلیم از تو سزائے پرستشے ‏ ‏ بر کعبہ مے تواں ز ہمہ سو نماز کرد
صوتِ تو از ترانۂ ناہید برگذشت ‏ ‏ شدّ بلند مطرب حسن تو ساز کرد
طبل وجود عیش نظیری بہم نزد ‏ ‏ کوتاہ دید مرحلہ خواب دراز کرد

غزل نمبر ۴ ۔ (۱) پھر وہ صلح کے لئے آیا اور جنگ کا دروازہ کھول دیا۔ اس نے محض مصلحت کے لئے صلح کی تاکہ طویل جنگ اختیار کرے ۔ مطلب ؎

صلح ہے اک مہلتِ سامانِ جنگ + کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ ۔ (۲) عمر گذر گئی اور اس کی سرگرانی ختم نہ ہوئی ۔ اس نے میرے عشق کے رتبے کے مطابق مجھ پر ناز کیا ۔ مطلب عشق میں ہمارا مرتبہ بہت بلند ہے ۔ اور ضبط انتہا پر پہنچا ہے ۔ اس لئے اس کا ناز بھی ہمارے لئے بے حد ہے ۔ (۳) جس نے اپنے دوستوں سے دشمن نواز غفلت روا رکھی ۔ اس نے اپنے آپ کو دشمن کے منہ میں دیکھا ۔ مطلب ۔ جو دوستوں کی قدر نہیں کرتا وہ دشمن کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتا ہے ۔ (۴) میری عقل نے دوستوں کے آئینہ پر نظر ڈالی تو دوستی و دشمنی سے مجھے بے نیاز کر دیا ۔ مطلب ۔ میرے خیال ناقص میں شاعر کا

مفہوم یہ ہے کہ دوستوں کی منافقت دیکھ کر دوستی و دشمنی سے دل سرد ہو گیا ہوں۔ (۵)، طمع کی آنکھ بند کر لے کیونکہ یہ لوگوں کی قسمت میں ہے کہ جس نے آنکھ کھولی حسرت نے اسے بلند کر دیا مطلب چشم طمع بند کر کے چشم دل وا کرو۔ تو محبت کے اندراج طے ہو جائیں گے ورنہ اگر چشم طمع کھلی رکھو گے تو حسرت سے دوچار ہو گے۔ (۶) میں نے تیرے لعل کی کرامت سے سو معجزے دیکھے ہیں۔ اس لئے بھول کر تجھ سے احتراز نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب۔ تیرے لب گفتار کے معجزے فراموش نہیں ہو سکتے (۷)، جو جگہ بھی دیکھتا ہوں وہ تیری پرستش کے لئے زیبا ہے۔ چنانچہ کعبہ میں ہر طرف سے نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ (۸) تیری آواز زہرہ کے ترانوں سے بھی بلند ہو گئی۔ جب تیرے حسن کے مطرب نے ایک بلند آواز پیدا کی مطلب۔ جب بلند ٹپہ تیرے مطرب حسن نے چھیڑا تو وہ نغمہ زہرہ رقاصہ سے بھی زیادہ بلند ہوا۔ (۹)، نظیری نے وجہ عیش حاصل نہ کیا۔ اس نے سفر تھوڑا دیکھا اور اس لئے خواب دراز اختیار کی مطلب۔ سفر کم ہو تو مسافر ذرا بے پرواہ ہو ہی جاتا ہے۔

یکے فلسم ہوس ہر روز در سیمابم اندازد — خرد فرسایدم زنگش ز آب و تابم اندازد
زر صافی بدم از زیب و رنگ طبع بیگانہ — چہ دانستم کہ دوراں در کف قلابم اندازد
ز سلطانی بکنج گلخنے افگندہ تقدیرم — کہ خاکستر بجائے بستر سنجابم اندازد
ندارم مستی طاؤس اگر ہمرنگ طاؤسم — فریب طبع روبہ در شراب نابم اندازد
بخوں سرگشتہ تر دارم دلے از چرخ دولابے — نیفتم در خیال خود کہ در گردابم اندازد
حیات و مرگ خود چوں حاصل افسانہ مے بینم — شبم بیدار دارد روزہا در خوابم اندازد
چو مرغان سحر خوالست از بس ذوق فریادم — بنور صبح رشک پرتو مہتابم اندازد
ادا ناکردہ فرض صبحدم تا چند مخموری — بنزد صالحاں در گوشہ محرابم اندازد
بعیش و ناز نتواں تکیہ بر احسان گردوں کرد — شبانم پروردنا در کف قصابم اندازد
عزیزاں از تعلق سخت در فتن گرانبارم — کسے خواہم دریں طوفاں نخست اسبابم اندازد
ندارم شورش و ذوقے نظیری اشکیابی کو — کہ چوں شکر در آتش چو نمک در آبم اندازد

غزل نمبر ۱۴۸ — (۱)، میں ایک دتانبے کے، پیسے کی طرح ہوں اور ہوس ہر روز مجھے پارے میں ڈالتی ہے عقل اس کا زنگ گھسا دیتی ہے۔ اور میری آب و تاب اتر جاتی ہے۔ مطلب۔ ہوس مجھ پر ملمع کرتی ہے۔ اور میری اصلی و فطری آب و تاب کا ستیاناس کر دیتی ہے۔ (۲)، میں تو خالص سونا تھا لیکن کیا جانتا تھا کہ بیگانوں کی طبیعت کے رنگ کی زیب و زینت کی وجہ سے زمانہ مجھے قلاب کے

ہاتھ میں دے دیگا۔ مطلب "قلب" ملمع ساز کو کہتے ہیں۔ میری فطرت پاکیزہ تھی مگر زمانہ مجھے ہوا و ہوس کی وجہ سے ذلیل کر دیتا ہے۔ (۳) میں بادشاہت سے ایک انگیٹھی کے گوشے میں آپڑا ہوں۔ میری تقدیر نے مجھے بجائے سنجاب کے بستر کے خاکستر پر لا گرایا ہے۔ مطلب۔ درجۂ انسانیت بہت بلند تھا۔ مگر میری تقدیر نے دنیا میں لا کر ذلیل کر دیا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں سعدی کا یہ فقرہ ادا کیا ہے۔ "از بستر نرم بر خاکستر گرم نشاند"۔ (۴) میں اگر طاؤس کا ہمرنگ ہوں تو طاؤس کی سی مستی پھر بھی نہیں رکھتا۔ میری لومڑی جیسی طبیعت کا مکر مجھے خالص شراب میں ڈال دیتا ہے۔ مطلب۔ طاؤس کی مستی ذاتی ہوتی ہے۔ اور میری چونکہ شراب سے ہوتی ہے اس لئے عارضی ہے۔ یہی سبب ہے کہ "ندارم مستیِ طاؤس" اور یہ طبیعت کی روباہ بازیاں ہیں کہ مجھے گمراہ کر دیتی ہیں۔ (۵) میں رہٹ کی طرح چلنے والے آسمان کے ہاتھوں اپنا دل خون میں سرگشتہ رکھتا ہوں۔ ابھی میں اپنے خیال میں بھی نہیں پڑتا کہ مجھے بھنور میں لا ڈالتا ہے۔ مطلب۔ زمانے کی پریشانیاں ہر لحظہ گھیرے رکھتی ہیں۔ (۶) میں اپنی موت اور زندگی ایک افسانہ کا نتیجہ خیال کرتا ہوں جو راتوں کو تو بیدار رکھتا ہے۔ اور دن کو محوِ خواب کر دیتا ہے۔ مطلب۔ افسانہ سُننے سے رات کی نیند حرام ہوتی ہے۔ پھر دن کو غلبۂ خواب ہو جاتا ہے اسی حالت کی طرف اشارہ ہے۔ (۷) صبح کو چہچہانے والے پرندوں کی طرح مجھ میں فریاد کا ذوق بہت زیادہ ہے۔ اس لئے چاندنی کا رشک مجھے نورِ صبح پر مائل کر دیتا ہے۔ مطلب۔ ذوقِ صبح مجھے شک میں ڈالتا ہے کہ یہ چاندنی ہے یا نورِ صبح کثرتِ شوق میں یہ کیفیت طاری ہُوا کرتی ہے۔ (۸) مجھے کب تک صبح کا فرض ادا کئے بغیر ہی خمار نیکوں کے نزدیک محراب کے گوشے میں لا گرائیگا۔ مطلب "فرضِ صبحدم" سے مراد صبوحی پینا ہے۔ (۹) آسمان کے احسان کے عیش اور ناز پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ گڈریا مجھے اس لئے پالتا ہے کہ کسی قصاب کے حوالے کرے۔ مطلب۔ اگر آسمان عیش و ناز عطا کر رہا ہے تو اس پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ؎ کدام بادِ بہاری وزید در آفاق ٭ کہ باز در عقبش آفتِ خزانی نیست (۱۰) اے عزیزو! میں دنیوی تعلقات کی وجہ سے چلنے میں گرانبار ہوں۔ میں اس طوفان میں ایک ایسے شخص کا طالب ہوں۔ جو پہلے میرا اسباب، طوفان میں لا ڈالے۔ مطلب۔ علائقِ دُنیا آخرت کے راستے میں بوجھ ہیں۔ انہیں نذرِ طوفان کرنا ہی بہتر ہے۔ ؎ قطع علائق است نخستین بسیج راہ ٭ آزادگیں مقام تمنائے رفتن است (۱۱) اے نظیری! میں اسوختہ شورش و ذوق نہیں رکھتا۔ آنسو کہاں ہے۔ جو مجھے شکر کی طرح آگ میں اور نمک کی مانند پانی میں ڈال دے۔ مطلب۔ اشک مجھے ذوقِ عشق پیدا کرنے میں امداد دے سکتے ہیں ٭

دلِ باہوش دم بروں ندہد　　چشم با دوست نم بروں ندہد
در کشد بحرہائے غم عاشق　　رشحۂ از قلم بروں ندہد
دل اسرار بیں حدیث قدیم　　جز بحکم قدم بروں ندہد
چپ نوشتند نامہ حاضر باش　　نشو کاغذ رقم بروں ندہد
منکر آں نگاہ وحشی را　　راہ از دیدہ رم بروں ندہد
نگہ از چشمش ار بروں آید　　زلفش از پیچ و خم بروں ندہد
ایں خم از بہر مرگ و شور جہاں　　غیر نیل از بقم بروں ندہد
بدہ آبِ خضر کہ در در و دشت　　خاک جز جام جم بروں ندہد
مرد باید کہ فکرِ یار از دل　　تا نزاید نیم دم بروں ندہد
بکفم جام شادماں گوں دہ　　تا زُخم رنگ غم بروں ندہد
نتواں کم ز پیر ترسا بود　　میِ رد از کف صنم بروں ندہد
گر نگیرد قلم نظیری را　　ابر سیراب نم بروں ندہد

غزل نمبر ۲۱۴ - (۱) باہوش دل سانس بھی باہر نہیں نکالتا - آنکھ دوست کی موجودگی میں آنسو نہیں بہاتی - مطلب - دوست کی موجودگی میں دل اور آنکھ دونوں قابو میں ہیں - (۲) عاشق غم کے سمندر پی جاتا ہے - لیکن قلم سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکاتا - مطلب - عاشق ضبطِ عشق میں لاثانی ہے - قلم سے اس کا اظہار نہیں کرتا - (۳) رازوں کو دیکھنے والا دل پرانی حکائتیں حکمِ قدیم کے سوائے ظاہر نہیں کرتا - مطلب - دل وہی رازِ نہانی افشا کرتا ہے جس کا اسے حکم ہو - (۴) خط انہوں نے اُلٹا لکھا ہے - اس واسطے ہوشیار رہو - کاغذ کی دوسری طرف تحریر ظاہر نہ کردے - مطلب - نشو سے مراد کاغذ کی وہ کیفیت جب اس کے ایک طرف کی تحریر دوسری طرف نمایاں ہو جاتی ہے - "چپ نوشتہ" اُلٹا لکھا ہوا - نوشتند میں کارکنانِ قضا و قدر مراد ہیں - (۵) اس کی وحشی نگاہ کا منکر آنکھوں کے راستے رم نہیں کرسکتا - مطلب - "نگاہِ وحشی" کی رعایت سے رم لایا ہے جو آہوئے وحشی کا خاصہ ہے - (۶) اگر اس کی آنکھوں سے نگاہ باہر نکلتی ہے تو اس کی زلفیں پیچ و خم سے نکلنے نہیں دیتیں - (۷) یہ خم جہاں کی خوشی اور موت کے سلسلے میں سوائے مجیٹھ اور نیل کے اور کچھ نہیں نکالتا - مطلب - "خم" سے مراد فلک ہے - مجیٹھ سُرخ ہوتا ہے - اس لئے خوشی اور نیل ماتمی رنگ ہے - اس لئے غم مراد لئے ہیں - (۸) آبِ حیات دیدو کیونکہ بیابان اور مکانوں میں خاک جامِ جمشید کے سوا اور کچھ پیدا نہیں کرتی - مطلب - ہر شخص کے

پاس جام جم ہے اس لئے شراب عشق ایسے اچھے جام میں پی جانے کے قابل ہے (۹) انسان کو چاہئے کہ اپنے معشوق کا خیال جب تک جیتا رہے ایک لحظہ کے لئے دل سے نہ نکالے یمطلب ۔ موت تک "خیال یار" دل میں رکھے ۔ (۱۰) میرے ہاتھ میں شادمانی کا رنگ رکھنے والا جام دے دو تاکہ میرا چہرہ غم کا رنگ ظاہر نہ کرے ۔ مطلب ۔ شراب کے نشے میں غم کا اظہار چہرے سے ہو نہیں سکتا ۔ (۱۱) بت خانے کے بوڑھے سے کم نہ رہنا چاہئے ۔ وہ مرجاتا ہے مگر بت ہاتھ سے نہیں دیتا ۔ مطلب ۔ "پیر ترسا" بت سے الفت نام رکھتا ہے ۔ مرجاتا ہے مگر اس کی وفاداری میں فرق نہیں آتا ۔ (۱۲) اگر نظیری قلم نہ اٹھائے تو بارش بھرا بادل نم نہیں دیتا ۔ مطلب ۔ نظیری کے فیض قلم کا نتیجہ ہے کہ بارش ہو جاتی ہے ورنہ اگر وہ قلم روک لے تو ابر خشک ہو جائے ۔

جہاں جواں شدہ عقدِ بہار مے بندد
بہار پائے جہاں در نگار مے بندد

زصنع نشو و نما آب و خاک الوان شد
جماد نامیہ خود را بکار مے بندد

نکاح باغ و بہار است دایہ بستان
میان نرگس دوستار خار مے بندد

چمن ز صوت بلند ہزار پندارد
کہ رنگ لالہ و گل برقرار مے بندد

ازیں حدیقہ چو گل زود بایدش رفتن
کسیکہ دل بنوائے ہزار مے بندد

مسافران چمن نارسیدہ در کوچند
شگوفہ مے رود و شاخ بار مے بندد

زبے ثباتی گل بر درخت پنداری
کہ غنچہ بر سر آتش شرار مے بندد

گہے کہ دامن صحرا ز لالہ رنگین ست
بداں کہ خون دلش در کنار مے بندد

چہ عیش و سور میسر شود زدو رانے
کہ عقد نشاء مے با خمار مے بندد

وصال شمع چہ مہلت دہد بہ پروانہ
کہ موم گردن آتش بنار مے بندد

ز دورِ چرخ چہ ماہیست ناں بگرد ابم
کہ طعمہ بر رسن تا بدار مے بندد

متاع بخت نظیری نیافت در غربت
اُمید بار بعزم دیار مے بندد

غزل نمبر ۳۴ ۔ (۱) جہان جوان ہو گیا ہے اور بہار کا عقد باندھ رہا ہے ۔ اور بہار جہان کے پاؤں پر مہندی کے نقش ونگار کر رہی ہے یمطلب ۔ جہان پر موسم بہار چھا گیا ہے ۔ اور باغ میں گلہائے رنگارنگ کھلنے لگے ہیں ۔ (۲) نشو و نما کی صنعت سے آب و خاک رنگین ہو گئے جمادات بھی قوتِ نمو اپنے کام میں لا رہی ہے یمطلب ۔ زمین پر گل بوٹے اگنا جمادات میں قوتِ نمو پیدا ہونا ثابت کیا ہے (۳) باغ و بہار کا نکاح ہے ۔ اس لئے باغ کی دایہ نرگس کی کمر اور کانٹے کی دستار باندھتی ہے

(۴) باغ بلبلوں کے بلند نغموں سے یہ سمجھنے لگا ہے کہ لالہ و گل کا رنگ برقرار رہیگا۔ مطلب۔ باغ کو خیال ہونے لگا ہے کہ لالہ و گل رنگ دوام پا گئے ہیں۔ اور اب ہمیشہ باغ میں رہینگے۔ (۵) جو شخص بلبل کی صداؤں سے دل لگاتا ہے اسے اس باغ سے پھول کی طرح بہت جلد جانا پڑیگا۔ مطلب۔ پھول بالکل اندک بقا ہے۔ اور بلبل کے نالوں پر مست ہونے کی وجہ سے اس کی زلیست کم ہے۔ اسی طرح جو شخص دنیا کی وابستگیوں میں محو ہوا۔ اس کو بہت جلد یہاں سے جانا پڑیگا۔ (۶) چمن کے مسافر (پھول) ابھی پہنچتے بھی نہیں کہ کوچ کرنے والے ہیں۔ شگوفے جا رہے ہیں۔ اور شاخیں اسباب باندھ رہی ہیں۔ مطلب۔ پھول کھلنے کے ساتھ ہی مرجھا گئے۔ بقول انشاء ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں ✦ بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں (۷) درختوں پر پھولوں کی بے ثباتی کے اظہار کے لئے غنچہ شاخوں پر ایسا ہے۔ جیسے آگ پر شعلے۔ مطلب۔ آگ کے شعلے بالکل بے ثبات ہیں۔ اور اسی لئے بے ثباتیٔ گل کا اظہار کر رہے ہیں۔ (۸) جس وقت سے صحرا کا دامن گل لالہ سے رنگین ہو رہا ہے۔ جان لے! کہ اس کے دل کا خون لعل میں منجمد ہے۔ (۹) اس زمانے سے عیش و خوشی کیا میسّر آئے۔ جو شراب کے نشے کا عقد خمار سے باندھتا ہے۔ مطلب۔ شراب کے نشہ کا نتیجہ خمار ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جو زمانہ ہر لذّت کے بعد رنج دیتا ہو اُس سے خوشی کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (۱۰) شمع کا وصال پروانے کو کیا مہلت دے سکتا ہے۔ کہ وہ آگ کو موم کرنے کے لئے آگ سے اتفاق کرتا ہے۔ مطلب۔ وصال شمع سے فوراً ہی پروانہ جل جاتا ہے۔ گویا وہ آگ کو رام کرنے کے واسطے آگ سے اتحاد کرتا ہے۔ مگر بجز جل جانے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ (۱۱) آسمان کی گردش سے ہماری روزی گرداب میں ہے۔ اس مچھلی کی طرح جسے طمع دوہری بٹی ہوئی رسی میں بندھوا دیتی ہے۔ (نان بہ گرداب شدن یعنی محنت سے روزی پانا) (۱۲) نظیری نے نصیب کی متاع مسافرت میں حاصل نہ کی۔ اس لئے اب امید نے پھر وطن کے ارادے سے اسباب باندھ لیا ہے۔ مطلب۔ جب مسافرت میں بھی بخت نہ چمکا تو پھر وطن کو لوٹنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ عام طور پر تو وطن سے نکل کر عزت و بخت حاصل ہو جاتا ہے

؎ وہی لعل نے آواز یہ پتھر سے نکل کر ✦ ہوتی ہے سدا قدر ہنر گھر سے نکل کر

باز نرگس زاگلستاں صاحب افسر کند ✦ شاخ گل منبر نہد بلبل حکایت سر کند
غنچہ گردد سبز مغفر سبزہ زنگاری قبا ✦ روز عرض آید کہ ہر کس برد خود در بر کند
از گل مستاں بروید تاک مے شوریدہ دار ✦ لالۂ خونین زخاکِ کشتگان سر بر کند
حُسنِ گل بر تے بُستاں افگند کز تاب آں ✦ بلبلِ شوریدہ را ہم رنگِ خاکستر کند

شاخ گل شد پنجۂ آذر کہ بر رغم خلیل | باد آزارے بہر سُو لعبتِ آذر کند
جلوه شور انگیز باشد ہر کہ آید در سماع | باده عطر آمیز گردد ہر کہ در ساغر کند
ترسم از مخموریٔ ساقی کہ ہنگام صبوح | صبح را کم از فروغ لالۂ احمر کند
بر تن رنجور سودا مے دزد باد بہار | استخواں را مومیائی مغز را عنبر کند
صبحدم دامن کشاید حُلّہ عطر آگیں شود | از گل اخگر بر فروزد و غنچہ را مجمر کند
سنبل اسرار مے روید کہ از راز سپہر | ہر چہ گوید ابر در گوشِ زمیں باور کند
در روانی گوئیا طبع نظیری شد چناں | کانچہ آید در ضمیرش ثبت در دفتر کند

غزل نمبر ۴۴۔ (۱) پھر باغ نے نرگس کو تاجدار بنا دیا ہے۔ پھول کی شاخیں عنبر رکھتی ہیں اور بلبل اپنی حکایت بیان کرنا شروع کرتی ہے۔ (۲) غنچے نے سبز خود پہن لی ہے۔ اور سبزے نے زنگاری قبا پہنا ہے۔ آج گویا عرض کا دن ہے کہ ہر شخص نے اپنی چادر اوڑھ لی۔ مطلب۔ موسم بہار کی وجہ سے سر سبزی و شادابی ہے (۳) مستوں کی مٹی سے انگور کی بیل مستانہ وار پیدا ہو رہی ہے۔ مقتول کی خاک سے خونی رنگ کا لالہ اُگ رہا ہے۔ مطلب ؎
سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں ۔ خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں۔ مستوں کی مٹی سے شراب کے لئے انگور اور مقتولوں کے خون سے گل لالہ پیدا ہو رہے ہیں۔ (۴) پھول کے حُسن نے باغ میں وہ برق گرائی ہے کہ اس کی لَو میں شور برپا کرنے والی بلبل بھی راکھ ہوتی جا رہی ہے۔ مطلب۔ پھول کا جوبن بہار پر ہے۔ اور بلبل عشق میں جل کر راکھ ہوتی جاتی ہے۔ (۵) پھول کی شاخ آذر کا ہاتھ بن گئی ہے کیونکہ حضرت ابراہیم خلیل ؑ کی خواہش کے خلاف ماہ آذر کی ہوا آذر کے لئے بُت تراش رہی ہے مطلب۔ "ماہ آذر" ایرانی سال کا بہاری مہینہ ہے۔ آذر حضرت ابراہیم کے والد یا چچا جو مشہور بُت تراش تھے "کثرت گل" کو تراشے ہوئے بت قرار دیا ہے۔ (۶) جلوہ شور انگیز ہے۔ جو کوئی وجد میں آجائے شراب عطر آمیز ہو جاتی ہے۔ جو کوئی اسے ساغر میں ڈالے (۷) مَیں ساقی کے خمار سے خوف کھاتا ہوں۔ کہ صبح کی شراب نوشی کے وقت وہ صبح کو سرخ لالے کے فروغ سے بھی کم کر دیتا ہے۔ (۸) بہار کی ہوا بیمار کے بدن میں سودا زیادہ کر دیتی ہے۔ اس کی ہڈیوں کو موسیائی اور مغز کو معطر کرتی ہے۔ مطلب۔ بہار میں مستوں کا جنون بڑھتا ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔ (۹) صبح کے وقت وہ دامن کھولتا ہے تو تمام لباس عطر سے بھر جاتا ہے۔ پھول سے چنگاریاں نکالتا ہے اور غنچے کو انگیٹھی بنا لیتا ہے۔ (۱۰) رازوں کی سنبل اُگ رہی ہے۔ کیونکہ آسمان کے بھید کے متعلق جو بات بھی ابر زمین کے کان میں کہتا ہے وہ باور کر لیتی ہے۔

مطلب - ابر چونکہ آسمان پر پرّاں ہے - اس لئے رازہائے آسمان سے واقف قرار دیا ہے - زمین سے سنبل اُگتی ہے - جو معقد ہے - اس لئے رازوں سے بھری ہوئی کہتا ہے - (۱۱) روانی میں گویا نظیری کی طبیعت اس طرح ہوگئی ہے - کہ جو کچھ اس کی ضمیر میں آتا ہے - کتاب میں لکھ دیا ہے - مطلب - نظیری کی طبیعت میں آمد ہے آورد نہیں +

دریغ نقش املہا بر آب جو لبستند ۔۔۔ بحسنِ لالہ و گل رنگ آرزو بستند
چو موج روئے ہوا بر سراب میرانند ۔۔۔ کساں کہ دل بتماشائے رنگ و بو لبستند
مپرس حال کہ ایں مطرباں چابکدست ۔۔۔ دل از نوائے حزینم بتارِ مو بستند
بخست جاں زدمِ ایں مغنیاں گوئی ۔۔۔ خراش سینہ تراشیدہ بر گلو بستند
نہ عاقلست کہ تن در دہد بخلعت خاک ۔۔۔ ہزار رخنہ دریں کہنہ از رفو بستند
بکشت و زرع ہر احساں رسید آسیبے ۔۔۔ کہ مفلساں ہمہ بر چنگ آبرو بستند
مجوز ناموراں غیر نام کیں خاناں ۔۔۔ صلاز دند بیغما و در فرو بستند
بغم بساز کہ از بے نشاطیٔ ایام ۔۔۔ مغاں بدیر دہان خم و سبو بستند
دریں جزیرۂ جہاں میسر ایم شعر ۔۔۔ چو رند مست کہ بر گردنش کدو بستند
ازیں جہاں دلم آمادۂ گریختن ست ۔۔۔ چو کودکاں کہ میاں چست در غلو لبستند
ہزار نقش دریں کارخانہ درکارست ۔۔۔ مگیر خوردہ نظیری ہمہ نکو بستند

غزل نمبر ۵۴ - (۱) افسوس ہے کہ امیدوں کے نقش (قدرت نے) پانی پر بنائے ہیں (بے ثبات ہیں) اور لالہ و گل کے حُسن سے آرزو کا رنگ وابستہ کیا ہے - مطلب - امیدیں اور آرزوئیں نقش بر آب ہیں - لالہ و گل آج بہار پر ہیں - تو کل وقفِ خزاں ہو کر بے ثباتی کا ثبوت دیتے ہیں - (۲) جن لوگوں نے اپنا دل جہان کے تماشا پر لگا دیا ہے - وہ اس طرح ہیں جیسے ہوا کی موجیں سُراب پر - مطلب - جہان سراب کی طرح ہے - اس سے وابستہ ہونا دھوکا کھانا ہے - ہوا پر بھی موجیں پیدا ہوتی ہیں - مگر بالکل بیکار اور عبث - (۳) میرا حال نہ پوچھو کیونکہ یہ چالاک مطرب میرا دل دردناک آواز سے بال کی تار سے باندھے ہوئے ہیں - مطلب - دردناک نغموں سے میرا دل اپنی طرف مائل کئے ہوئے ہیں - (۴) ان گویوں کی آواز سے میری جان خستہ ہوگئی - گویا انہوں نے سینے کی خراشیں چھیل کر گلے میں باندھ رکھی ہیں - مطلب - میرے سینے کی خراشیں اپنے گلے کی رگیں بنائی ہیں - اس لئے میں خستہ ہوں اور یہ نغمہ ریز - (۵) عاقل خاک کی اس خلعت پر التفات نہیں کرتا - کیونکہ اس

پرانی خلعت میں ہزار سوراخ رفو سے بند کئے ہوئے ہیں مطلب۔ دنیا کے عیوب پوشیدہ ہیں عاقل اس لئے اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ (۶) کھیتی اور زراعت کو ہر قسم کے احسان سے نقصان ہی پہنچا کیونکہ مفلسوں نے امید موہوم باندھی تھی مطلب۔ ابر و برخشک بستن۔ کار ناحق یا بے فائدہ کرنا۔ ہم نے فضول احسان گوارا کئے جو نقصان میں اضافہ کا باعث بنتے رہے۔ (۷) ناموروں سے سوائے نام کے اور کسی چیز کی تلاش نہ کر۔ کیونکہ یہ بڑے بڑے خان دستر خوان پر دعوت تو دیتے ہیں مگر دروازہ بند کر لیتے ہیں مطلب۔ جتنے زیادہ نامور ہیں اتنے ہی زیادہ تنگ دل ہیں (۸) تو غم سے موافقت کرلے۔ کیونکہ زمانے کی ناشادی سے پیر مغاں نے دیر میں شیشوں اور مٹکوں کے منہ بند کر لئے ہیں۔ مطلب۔ چونکہ جہان بے نشاطی پر اترا ہوا ہے۔ اس لئے شراب بھی جو کہ نشاط کا شغل ہے بند کر دی گئی ہے (۹) میں اس جاہلوں کے جزیرے میں شعر گا رہا ہوں۔ اس مست رند کی طرح جس کی گردن میں کدو باندھا گیا ہو۔ مطلب۔ کدو بر گردن بستن۔ مجبوراً کسی پر کوئی چیز لازم قرار دینا۔ نظیری نے اس شعر میں حسّاد اور ہمعصروں پر چوٹ کی ہے۔ (۱۰) اس جہان سے میرا دل تو بھاگنے پر تیار ہے۔ ان بچوں کی طرح جو اپنی کمر مضبوط کر کے ہجوم میں باندھتے ہیں۔ مطلب۔ میں دنیا سے بالکل متنفر ہو کر راہ فرار اختیار کرنے والا ہوں۔ (۱۱) اس کارخانے میں ہزار نقش درکار ہیں۔ اے نظیری تو اعتراض نہ کر کیونکہ جو کچھ کیا گیا ہے اچھا ہے۔ مطلب۔ دنیا پر نکتہ چینی کرنا صاحب عقل کا شیوہ نہیں ہے۔

افسانۂ شیریں مرا گوش نہ کردند — صد تلخ چشیدم شکرے نوش نہ کردند
یک خردہ گرفتند پس از نکتہ بسیار — گشتیم فراموش و فراموش نہ کردند
ما روزہ ازیں مائدہ بر چنگ کشادیم — در کاسۂ ما جرعۂ سر جوش نہ کردند
معلوم شد از مستیٔ ما حوصلۂ ما — دادند بحکمت مے و بیہوش نہ کردند
باید بعصا رفت چو موسےٰ کہ دریں راہ — یک چاہ نکندند کہ خس پوش نہ کردند
در حلقہ شدار زاں خط رخسار قرینم — تا کوکب آں صبح بنا گوش نہ کردند
اشجار چمن دست بہم دادہ و یاراں — سیرے بمن غمزدہ ہمدوش نہ کردند
جانم بره پردگیان سحری سوخت — سویم نگہے از تہ شب پوش نہ کردند
خوں نابہ بجو آمدہ بر جیب و کنارم — زاں سنبل خوش بوم در آغوش نہ کردند
امروز نہ رحمت کہ لب تشنہ گذارند — آنرا کہ لبے تر ز مے دوش نہ کردند
فریاد ازیں شوق کہ در جان نظیری — تا مردنش از زمزمہ خاموش نہ کردند

غزل نمبر ۴۶ ۔(۱) اُنہوں نے میرے شیریں افسانے پر کان نہ دھرے۔ مَیں نے سو تلخ باتیں کیں۔ لیکن اُنہوں نے ایک میٹھی بات نہ سُنی۔ مطلب۔ مَیں نے گالیاں کھائیں مگر پھر بھی اُنہوں نے میرا شیریں افسانۂ عشق نہ سُنا۔ (۲) بہت سے نکتوں کے بعد اُنہوں نے میری ایک غلطی پکڑی (اس کے لئے) اُنہوں نے ہمیں بھُلا دیا۔ لیکن (وہ غلطی) نہ بھُول سکی۔ مطلب۔ ایک کوتاہی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُنہوں نے ہمیں بالکل فراموش کر دیا۔ (۳) ہم نے اس دسترخوان پر اپنا روزہ چنگ پر افطار کیا۔ لیکن اُنہوں نے ہمارے پیالے میں جوش مارنے والی (شراب) نہ ڈالی۔ (۴) ہماری مستی سے ہمارا حوصلہ معلوم ہو گیا اس لئے اُنہوں نے بالکل حکمت سے شراب پلائی۔ اور بیہوش نہ کیا۔ مطلب۔ شراب معرفت ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق دی گئی ہے۔ کیونکہ شراب نوش اس کی ظرف کے مطابق پلایا کرتے کرتے ہیں۔ (۵) ہمیں موسیٰ کی طرح عصا ہاتھ میں لے کر جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس راستے میں کوئی کنواں ایسا نہیں کھودا گیا۔ جو اوپر سے خس سے نہ ڈھانک دیا گیا ہو۔ مطلب۔ ہمارے راستے میں ہزاروں کنوئیں خس پوش ہیں۔ اگر ہاتھ میں عصا ہو تو معلوم کر سکتے ہیں۔ ورنہ اُن میں گر جائینگے۔ یعنی رہنما کی ضرورت ہے۔ ورنہ راہِ عشق کے مقامات سخت خطرناک ہیں۔ (۶) مَیں اس کے خطِ رخسار کے حلقے میں آ گیا۔ مگر باوجود اس بات کے اس کی بناگوش کے اخترِ صبح کے قریں نہ ہو سکا۔ مطلب۔ میں اس کا حلقہ بگوش ہونے کے باوجود قربت حاصل نہ کر سکا۔ (۷) چمن کے درختوں نے بھی باہم بازو ملائے ہوئے ہیں۔ لیکن اس غمزہ کے ساتھ مل کر دوستوں نے سیر نہیں کی۔ مطلب۔ احباب نے مجھے اپنے ساتھ لے کر سیر کا حظ نہیں اُٹھایا۔ (۸) صبح کے پردہ نشینوں کے راستے میں میری جان جل گئی ہے۔ لیکن پھر بھی اُنہوں نے چادر کے نیچے سے میری طرف نگاہ نہیں کی۔ مطلب۔ باوجود جان دینے کے مجھے لطف دیدار حاصل نہیں ہُوا۔ اور معشوقوں نے گوشۂ چشم بھی میری طرف نہیں کیا (۹) میرے خون کے آنسو گریبان اور کنار میں آ کر اب بُو دینے لگے ہیں۔ لیکن اس خوشبودار سنبل سے مجھے ہم آغوش نہیں ہونے دیا۔ مطلب۔ رو رو کر خون کے آنسو بہائے جو جیب و کنار پر آ کر بُو دینے لگے۔ لیکن ان کی زلف پھر بھی میرے ہاتھ نہ لگی۔ (۱۰) جس کو کل رات کی شراب سے لب تر نہ کرنے دیئے گئے۔ اس کو آج بھی پیاسا رکھنا رحم نہیں ہے۔ (۱۱) اس شوق کے ہاتھوں فریاد ہے کہ نظیری کی جان میں اس کی موت تک زمزمہ خاموش نہیں کیا گیا۔

ہوس چو دیدہ کشد شعلہ در نہاد افتد — بحدّ عشق رسد میل چوں زیاد افتد

نشاطِ صحبت فرہاد رشکِ خسرو داشت — خوشست عشق اگر کار بر مراد افتد

بشہر و بادیہ فرسودم و کسے نخرید — بلاست جنس گرانمایہ در کساد افتد
چو قیمتے نہدم روزگار بفروشید — نہ یوسفم کہ خریدار بر مراد افتد
مرا بدست تہی گوشۂ نقاب سپرد — کم ست آدم مفلس باعتماد افتد
خدنگ غمزہ گرہ بر کمان ابرو چیند — کشادہ دہ کہ ہمہ کارہا کشاد افتد
عنان دل ز ملالت بتاب و دستم گیر — کہ ہر کرا تو بگوئی ز پا فتاد افتد
ضمیر روشن تو لوح محو و اثبات است — کہ تا ز یاد بر آید کہ تا بیاد افتد
چو ذرّہ خلق جہاں در ہوات مے گردند — بشر ندیدہ کسے کافتاب زاد افتد
تنم ز سنبل بند زمانہ کاستہ شد — چو طفل شوخ کہ در قید اوستاد افتد
حذر ز آہ **نظیری** کہ خانماں سوز است — مباد این خس سوزاں بدست باد افتد

غزل نمبر ۴۷ - (۱) ہوس جب زیادہ دیر رہتی ہے تو اس کی فطرت میں شعلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ (وہ سوزش سے عشق بن جاتی ہے) رغبت جب زیادہ ہوتی ہے تو عشق کے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ مطلب۔ محبت عام ہے اور عشق اخص ہے۔ ابتدائی مراحل طے کر کے محبت عشق کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ (۲) عشق نہایت اچھی چیز ہے۔ بشرطیکہ کام مراد کے مطابق ہو۔ ورنہ اس میں فرہاد کی صحبت کی خوشی اور خسرو کا رنج موجود ہے۔ مطلب۔ صحبت فرہاد کی نشاط اس لئے کہ وہ حقیقی معنوں میں کامیاب ہو چکا تھا۔ رشک خسرو نے کام بگاڑا۔ (۳) میں شہر اور جنگل میں پڑا ہوا گھس گیا اور کسی نے مجھے نہ خریدا۔ یہ ایک بیحد بیش قیمت جنس ہے۔ لیکن سرد بازاری میں آپڑی ہے۔ (میری وفا کا کوئی خریدار نہیں حالانکہ یہ بلا کی بیش بہا ہے۔) (۴) جو قیمت بھی پاؤں زمانہ مجھے بیچ ڈالے میں کوئی یوسف نہیں ہوں۔ کہ مرضی کے مطابق گاہک مل جائیگا۔ مطلب۔ یوسف جیسی متاع پڑی رہیگی تو اچھی قیمت پائیگی۔ لیکن میں ایک بے حقیقت چیز ہوں۔ جو قیمت دے بیچ ڈالو۔ (۵) مجھے خالی ہاتھ ہونے کے باوجود اس نے نقاب کا کرشمہ ادھر سپرد کیا۔ حالانکہ مفلس آدمی کا کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ مطلب۔ میں مفلس عاشق ہوں مگر پھر بھی اس نے میری طرف توجہ کی۔ (۶) ابروؤں کے کمان پر غمزہ کے تیر کی گرہ تو کب تک رکھیگا۔ اسے کھول ڈال تاکہ سب کام کھل جائیں۔ مطلب۔ تیرے شکن جبیں کے کھلتے ہی عاشقوں کی قسمت کھل جائیگی۔ (۷) دل کی باگ ملامت سے پھیر دے اور میری دستگیری کر۔ کیونکہ جس کو تو عاجزی کے لئے کہیگا وہ عجز اختیار کریگا۔ مطلب۔ جسے تو چھوڑ دیگا۔ وہ بے بس ہوگا۔ لیکن اگر تو میری دستگیری کرے تو مجھے ملامت سے نجات مل سکتی ہے۔

(۸) تیری روشن ضمیر مٹانے اور نقش کرنے کا تختہ ہے۔ کہ کب کسی کی یاد آتی ہے۔ اور کب یاد محو ہوتی ہے (۹) جہان کی خلقت ذرّوں کی طرح تیری خواہش میں سرگرداں ہے۔ کسی نے ایسا آدمی نہیں دیکھا جو آفتاب کی سی فطرت رکھتا ہو۔ مطلب۔ آفتاب کے لئے ذرّے سرگرداں ہوتے ہیں۔ مگر خلقت تیرے لئے بھی اسی طرح پھر رہی ہے۔ (۱۰) میرا جسم زمانے کی سنبل کی بیڑیوں سے گھل گیا ہے اس شوخ بچے کی طرح جو استاد کی قید میں پھنسا ہو۔ (۱۱) تو نظیری کی آہ سے خوف کھا! کیونکہ یہ خانماں سوز ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جلتا ہؤا تنکا ہوا کے ہاتھ لگ جائے۔ مطلب۔ نظیریؔ کی آہیں خانماں سوز ہیں۔ اگر زیادہ پھیل گئیں تو سب کچھ جلا دینگی۔ ان سے احتراز کرو۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن — اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

ہنوز راہ نگاہم ببال و پر ندہند — کبوترے کہ نیاموختند سر ندہند
خراب نرگس سنگیں دلاں سرِ مستم — کہ بر طریق نظر مہر را گذر نہ دہند
زغم بگونہ زریں شدم چہ چارہ کنم — قبول صحبت صاحبدلاں بزر ندہند
ازیں کشادہ جبیناں ثباتِ عیش مجو — کہ گل دہند بخر دار و یک ثمر ندہند
بزہر یاس بساز و مجو حلاوت کام — دوا چو داروئے تلخست کند شکر ندہند
زخوان بہ نعمت دوراں رضا بقسمت دہ — کہ طعمۂ زغمت خوشش گوارتر ندہند
بدرد سوز کہ بر لبستر آب عنّابت — بغیر تپ زدگی و تفِ جگر ندہند
چہ یاد جور رفیقاں کنم نصیبم بود — کہ تشنہ بر لب جو میرم و خبر ندہند
مثال مالب دریا و حال مستسقے ست — دہند شوق ولے رخصت نظر ندہند
سزد کہ مقنعہ بر سر کنند آں مرداں — کہ تاج عشق بخواہند و ترکِ سر ندہند
ظفر تر است نظیری کہ محو ذوق شدی — بہر کہ غوطہ بدریا نزد گہر ندہند

غزل نمبر ۸۴ ۔ (۱) ابھی ہماری نگاہ کو بال و پر نہیں ملے۔ کیونکہ جس کبوتر کو سکھا نہیں لیا جاتا اس کے پر نہیں کھولتے۔ مطلب۔ ابھی ہم عشق میں پختہ نہیں ہوئے۔ اس لئے ہمارے مرشد کامل نے اجازت نظر نہیں دی۔ (۲) میں سرمست سنگدلوں کی آنکھوں کا تباہ کیا ہؤا ہوں۔ جو اپنی نگاہ کے راستے میں محبت کو آنے ہی نہیں دیتے۔ مطلب۔ معشوق اتنے سنگدل ہیں۔ کہ محبت کو اپنے پاس پھٹکنے ہی نہیں دیتے۔ (۳) میں غم میں بالکل سونے کا رنگ اختیار کئے ہوئے ہوں۔ (میرا چہرہ بالکل زرد ہوگیا ہے)۔ لیکن کیا کروں۔ کیونکہ صاحبدلوں کی صحبت میں زر سے قبولیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ (۴) ان

کشادہ پیشانی لوگوں سے عیش کا ثبات تلاش نہ کر۔ کہ پھول تو یہ خرمن خرمن دیتے ہیں۔ مگر پھل ایک بھی نہیں دیتے ۔(۵) یاس کے زہر سے موافقت کر اور مراد کی مٹھائی تلاش نہ کر۔ اگر تیرا کڑوی دوا سے علاج کیا جائے۔ تو پھر شکر نہیں دیتے ۔مطلب ۔ دنیا میں یاس کا دور دورہ ہے۔ مراد بصد مشکل حاصل ہوتی ہے۔ (۶) زمانے کی نعمت کے دستر خوان پر اپنی قسمت پر راضی ہو جا۔ کہ مجھے غم سے زیادہ خوشگوار کھانا نہیں دیتے ۔مطلب ۔ تیری قسمت میں غم ہے تو اسی پر شاکر ہو۔ (۷) تو درد سے جل جا۔ کیونکہ لبستر پر بغیر بخار ہونے اور جگر میں گرمی پیدا ہونے کے عناب کا پانی نہیں دیتے ۔ مطلب۔ تکلیف کے بعد دنیا میں راحت ملتی ہے۔ (۸) میں دوستوں کے ظلم کی یاد کیا کروں۔ میری قسمت میں یہی تھا کہ نہر کے کنارے پیاسا مر جاؤں اور کوئی خبر بھی نہ پہنچائے ۔مطلب ۔ دوستوں کے سلوک کی شکایت عبث ہے۔ قسمت کا گلہ ہے۔ (۹) ہماری مثال ایسی ہے کہ گویا دریا کا کنارہ ہے۔ اور اس پر ایک مرض استسقاء کا مریض ہے۔ شوق تو دیتے ہیں مگر دیدار کی اجازت نہیں دیتے ۔مطلب ۔ دریا کے کنارے پر بھی مرض استسقاء کا مریض ہو تو اسے پانی پینے نہیں دیتے ۔ کیونکہ یہ اضافہ مرض کا باعث ہوتا ہے۔ مگر اس کے جذبات کا کچھ نہ پوچھیے ۔ شاعر کہتا ہے اسی طرح ہماری حالت ہے کہ شوق دید تو دے رکھا ہے اور دیدار کی اجازت نہیں دی۔ (۱۰) وہ مرد جو عشق کے تاج کی خواہش رکھتے ہوں۔ مگر سر کٹانا نہ چاہتے ہوں۔ چاہیے کہ سر پر چادر اوڑھ لیں ۔مطلب ۔ عشق میں سر کٹانا پہلی سیڑھی ہے۔ جو لوگ یہ نہیں چاہتے وہ مستورات کی طرح چادر اوڑھ کر بیٹھ جائیں اور عشق میں قدم نہ رکھیں ؎ نازنین را عشق ورزیدن نہ زیبد جانِ من + شیر مردان بلاکش پا دریں غوغا نہند ۔ (۱۱) اے نظیری تو ذوق میں محو ہو گیا۔ اس لئے فتح تیری ہے ۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو دریا میں غوطہ نہیں کھاتا اسے موتی نہیں ملتے ۔مطلب ۔ ذوق عشق میں محویت کامیابی کا باعث ہے جس طرح دریا میں غوطہ زنی گہر حاصل کرنے کا سبب بنتی ہے +

وقت شد سبزہ فرش در پیچد   ابر خرگہ بیک دگر پیچد
آفتاب از کمیں برآرد سر   پنجۂ ابر باد بر پیچد
مسند سبزہ نخل بگذارد   زافسر غنچہ شاخ سر پیچد
ہمہ ذرات خاک بت گرا را   تار زنار بر کمر پیچد
حسن رنگے جہاں نمودہ بہم   سیمیا را بساط در پیچد
زاغ گز نہ بحد کند پرواز   بہمش چرخ بال و پر پیچد

اصل بہتر کہ تہرک فرع کند | پائے در دامن اثر پیچد
دیدہ سیل بہار شد کہ جہاں | بہم اوراق خشک تر پیچد
نرد خشکی کہ کوہ و صحرا راست | خوردۂ لالہ در شرر پیچد
زحمت خار و رنج خارا را | لالہ در پارۂ جگر پیچد
ارغواں را کہ خوں کند سیلاں | ساعد از نوک نیشتر پیچد
بس فریب چمن نظیری دید | از بہشتنش عناں نظر پیچد

غزل نمبر ۴۹ — (۱) وقت ہوگیا۔ سبزے نے فرش تہ کر لیا۔ ابر نے خیمے ایک دوسرے میں اکٹھے کر دیئے۔ (۲) آفتاب نے گھاٹ سے سر نکالا۔ ہوا نے ابر کا پنجہ مروڑ ڈالا۔ (۳) پودے نے سبزے کی مسند ترک کر دی۔ اور غنچے کے تاج سے شاخوں سے سر پھیر لیا۔ (۴) خاک کے تمام ذروں نے بت گر کی کمر میں زنار کے تار باندھ دیئے۔ (۵) حسن نے وہم کے ذریعے جہان کا رنگ دکھایا اور اب سیمیا کو بھی لبساط الفت دینی چاہیئے۔ مطلب۔ سیمیا سے مراد آسمان ہے۔ حسن کو دنیا اور آسمان دونوں کے نظارہ وہم کی امداد سے بدل دینا چاہیئے۔ (۶) وہ کوا جو صد میں پرواز نہیں کرتا آسمان اس کے بال و پر توڑ ڈالتا ہے۔ مطلب۔ آسمان کسی کی سرکشی گوارا نہیں کرتا۔ (۷) جڑ کے لئے یہی بہتر ہے کہ شاخوں کو چھوڑ دے۔ اور اثر کے دامن میں پاؤں چھپا لے۔ (۸) آنکھیں بہار کا سیلاب ہوگئی ہیں۔ کیونکہ جہان نے خشک وتر کے ورق الٹ دیئے ہیں۔ (۹) خشکی اور تری جو کوہ و صحرا میں موجود ہے اس نے لالے کی پنکھڑیوں کو چنگاریوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ (۱۰) لالے نے کانٹے کی تکلیف اور پتھر کا رنج اپنے جگر میں اکٹھا کر لیا۔ مطلب۔ اسی واسطے تو خون جگر کھا رہا ہے۔ (۱۱) گل ارغوان جسے سیلاب سرخ رنگ دیتا ہے۔ اپنی کلائی نشتر کی نوک سے پھیر لیتا ہے۔ (۱۲) نظیری نے چمن کے بہت سے فریب دیکھے ہیں۔ اس لئے اب اس نے گلزار کی بہشت سے نظر کی باگ پھیر لی۔

نوٹ:۔ اس غزل میں نظیری نے شروع سے لے کر آخر تک موسم خزاں کا نقشہ کھینچا ہے۔ اور غزل کے عام قاعدے کے خلاف تسلسل برقرار رکھا ہے۔ اس سے پہلے کی غزلوں میں اس نے موسم بہار کا بیان وضاحت کیا تھا۔ نظیری کی یہ خوبی ہمعصروں میں اسے ممتاز کرتی ہے +

عشق ست طلسمے کہ در و بام ندارد | آنکس کہ از و یافت نشاں نام ندارد
لبس حلۂ الواں بقد عشق برید ند | یک جامہ بر اندازۂ اندام ندارد
بادیکہ وزو وجد کند ست محبت | عاشق سر و سودائے مے و جام ندارد

پس زاویۂ حال مرا روز لطیف ست — تاب نفس صبح و دم شام ندارد
آغاز جنونم شدہ پایان محبت — کاریست بانجام کہ انجام ندارد
از خویش تسلی نشوم تا رمقے ہست — پروانہ بجاں باختن آرام ندارد
کوتہ نظراں در طلب توشۂ راہند — عرض دو جہاں وسعت یک گام ندارد
زاں دانۂ مشکیں و خط سبز ندیدم — مرغے کہ دلے در گرد دام ندارد
جاں زیر لب از پا و سرش بوسہ بچینید — کاں نخل بہشتی ثمر خام ندارد
سرخوش زلبش بیش شدم کز لب ساغر — مے چاشنئ تلخی دشنام ندارد
عریانئ ما را شرف کعبہ بپوشد — درویش حرم جامہ احرام ندارد
جز طبع نظیری کہ حق عشق ادا کرد — کس نیست کہ در گردن از و دام ندارد

غزل نمبر ۵۰ - (۱) عشق وہ طلسم ہے جس کے دروازے اور چھتیں نہیں ہوتیں جس نے اس کا نشان پایا اس کا اپنا نام جاتا رہا۔ مطلب۔ طلسم عشق نشان نہیں رکھتا۔ اگر کوئی پالے۔ تو پھر خود بے نشان ہو جاتا ہے۔ (۲) عشق کے قد پر بہت سے رنگا رنگ کے لباس کاٹے گئے۔ لیکن اس کے جسم پر ایک کپڑا بھی پورا نہ اترا۔ (۳) جب ہوا چلتی ہے تو محبت وجد میں آجاتی ہے۔ عاشق شراب اور جام کا سودا نہیں رکھتا۔ مطلب۔ عاشق ہوا سے بھی مست ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ شراب اور جام ہی اس کی مستی کے لئے مہیا کئے جائیں۔ (۴) میرے حال کا گوشہ ہی میرے لئے پُرلطف دن ہے۔ صبح کے نفس اور شام کے دم کی تاب نہیں رکھتا۔ مطلب۔ عاشق کے لئے گوشۂ خلوت میں پرہیز موجود ہے۔ وہ تغیرات زمانہ کی تاب نہیں رکھتا۔ کیونکہ صبح و شام مختلف حالتیں رکھتی ہیں۔ جن کی پیروی میں نہیں کر سکتا۔ (۵) میرے جنون کا آغاز محبت کا انجام ہے میرا کام ایسے انجام کو پہنچ رہا ہے جس کا انجام نہیں۔ مطلب محبت کی انتہا جنون عشق پر ہے۔ اور جنون عشق ایسی چیز ہے جس کا انجام نہیں۔ (۶) مجھے اپنے آپ پر تسلی نہیں ہو سکتی۔ جب تک میرے جسم میں جان کا ذرہ بھی باقی ہے (جیسے) پروانہ اپنی جان ہار کر بھی آرام نہیں لیتا۔ مطلب۔ پروانہ پر و بال جلا کر بھی تڑپتا رہتا ہے۔ اسے آرام نصیب نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ موت کے پہلو میں نہ سو جائے۔ اسی طرح میرا دل اس وقت تک عشق کی تب و تاب سے رہائی نہیں پا سکتا جب تک کہ جان بدن سے نہ نکل جائے۔ (۷) جو کوتاہ نظر ہیں وہ توزاد راہ کی تلاش میں ہیں (حالانکہ) دونوں جہانوں کا عرض دو قدموں کے برابر وسعت بھی نہیں رکھتا۔ مطلب۔ راہ معرفت اس شخص کے لئے جو رضا و تسلیم اختیار

جو کیہ سے بالکل مختصر ہے مگر کوتاہ بین توشہ و آذوقہ کی امید میں اس راستے میں گامزن ہی نہیں ہوتا وہ اسے طویل و عریض سفر خیال کرتا ہے۔ (۸) میں نے کوئی دل کا پرندہ ایسا نہیں دیکھا جو اس کے سیاہ دانے (خال) اور سبز خط کے جال میں گرفتار نہ ہو۔ مطلب۔ ہر شخص اس کے حسن سبز اور خال سیاہ پر قربان ہے۔ (۹) جان اس کے پاؤں اور سر سے چپکے چپکے بوسہ حاصل کرتی ہے۔ کیونکہ وہ بہشتی نخل ہے اور کوئی پھل اسے کچا لگتا ہی نہیں۔ مطلب۔ معشوق کے قد کو نخل بہشت قرار دیا ہے۔ اور پھر یہ ظاہر کیا ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم حُسن سے پُر ہے۔ اس لئے قابل بوسہ ہے۔ (۱۰) میں شراب سے بڑھ کر اس کے لبوں سے سرخوش ہوا ہوں۔ کیونکہ ساغر کے لبوں میں جو شراب کی چاشنی ہے وہ اس کی گالیوں کی تلخی نہیں رکھتی۔ مطلب۔ معشوق کی گالیوں کی تلخی شراب کے ساغر کی حلاوت سے بہتر ہے (۱۱) ہماری برہنگی صرف کعبے کا شرف ہی چھپا سکتا ہے۔ کیونکہ جو حرم کا درویش ہو اس کے لئے جامۂ احرام کی ضرورت ہی نہیں۔ مطلب۔ ہماری بے سروسامانی کے لئے ظاہری شان و شوکت کی ضرورت نہیں بلکہ محض عشق کا شرف ہی پردہ دار ہے۔ (۱۲) سوائے نظیری کی طبیعت کے جس نے عشق کا حق ادا کر دیا ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس کی گردن پر اس کا قرض نہ ہو۔ مطلب۔ سوائے نظیری باقی سب عشق میں خام رہے ہیں۔ اس لئے معشوق کا ان کی گردن پر قرض ہے۔ اور نظیری اپنا حساب بیباق کر چکا ہے۔

نہ دل آزادہ پائے بست شود	بیرو از دل در دست شود
ہمتے کاں باعتدال افتد	کے بعلت بلند و پست شود
عشق را پایۂ معین نیست	مومن از عشق بت پرست شود
بہوائے کہ در دماغ افتد	ناقہ در زیر بار مست شود
کار از انکسار بکشاید	عشق را فتح از شکست شود
شرم از چشم پارسا ببرد	خط کہ بر روئے خوش نشست شود
ہر کہ بیند طلوع حسن ترا	سرخوش از نشاء الست شود
چوں نقاب از جمال برداری	ہر چہ نابودگشتہ ہست شود
بحر در آستیں نظیری راست	کے کرم بیشہ تنگ دست شود

غزل نمبر ۱۵ ۔ (۱) آزاد دل پابند نہیں ہوتا۔ اگر دل بے قابو ہو جائے تو وہ دل سے اُڑ جاتا ہے (۲) وہ ہمت جو اعتدال پذیر ہو۔ وہ کسی سبب سے بلند و پست نہیں ہوتی۔ مطلب۔ ہمت

معتدل تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ (۳) عشق کا درجہ مقرر نہیں۔ مومن بھی عشق اختیار کر کے بُت پرست ہو جاتا ہے۔ مطلب۔ عشق مومن یا کافر کے ساتھ مختص نہیں۔ مومن عشق میں کافر اور کافر مومن ہو سکتا ہے۔ (۴) وہ خواہش جو دماغ میں سماتی ہے (اس کی وساطت سے) سانڈنی بوجھ سے لدی ہوئی مست ہو جاتی ہے۔ مطلب۔ عرب میں رسم ہے کہ ناقہ لدتے وقت مست ہو جاتا ہے یا مست کر لیا جاتا ہے تاکہ وہ کثرت بار کی پروا نہ کرے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم بھی خواہش عشق دماغ میں سماتے وقت مست ہو جاتے ہیں تاکہ "یہ بار" بہت زیادہ اُٹھا سکیں۔ (۵) کام ہمیشہ عاجزی سے پورا ہوتا ہے۔ عشق کی فتح شکست میں ہوتی ہے۔ مطلب۔ عجز و نیاز ہی عشق میں کام آتا ہے نہ کہ سرکشی و تکبر۔ (۶) وہ خط جو چہرے پر خوب بیٹھا ہو (خوبصورت روئے معشوق) پارسا کی آنکھوں سے شرم دُور کر دیتا ہے۔ مطلب۔ یہ خط خوب یا خوش نشستن" کاتبوں کی اصطلاح میں خط کی درستی مراد ہوتی ہے۔ (۷) جو کوئی تیرے حسن کا طلوع دیکھتا ہے وہ نشۂ الست میں مست ہو جاتا ہے۔ مطلب۔ تیرا حسن ہستی خیز ہے۔ (۸) اگر تو اپنے جمال سے نقاب اُلٹ دے تو جو نابود ہو چکا تھا ہست ہو جائے۔ مطلب۔ ہستیِ حقیقی عیاں نہ ہونے کی وجہ سے نابود ہے۔ اگر نمایاں ہو جائے تو لوگ نابود کو ہست خیال کرنے لگیں۔ (۹) نظیری کی آستین میں سمندر موجود ہے۔ سخاوت پیشہ کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ مطلب۔ سمندر کی طرح موتی رکھتا ہے یعنی آنسوؤں کے موتی +

این کہ دل نامند چوں حرزم حمائل کردہ اند — ہیکلے از اضطراب چشم بسمل کردہ اند
از کدامیں دودماں با ایں دلیل افروختند — چرخ را پروانۂ فانوس محفل کردہ اند
ایں گل از ہر شاخ خودروئی نمے آید بہار — تخم یکجا کشتہ صد جا آب در گل کردہ اند
در خیالِ قید زلف و خال ہر کس ماندہ ماند — فکر دیگر کن کہ حلِ عقدہ مشکل کردہ اند
از قدم تا فرق ناز و نوش و برابرو گرہ — خوان دعوت چیدہ اند و منع سائل کردہ اند
از پے دنیا مشو پویاں دریں موج سراب — ہر نفس نقشے پدید آوردہ باطل کردہ اند
خلق را در ہر نفس موت و حیاتے مضمر ست — در زلالِ زندگی زہر ہلاہل کردہ اند
رندے از میدان سر بازاں بگرداں کاہل ذوق — پائے کوباں سر نثار دِہ قاتل کردہ اند
ما بچین زلف کشتی بر کنار آوردہ ایم — عشق دریائیست کش دیدار ساحل کردہ اند
گرد خود گردم چو بلبیم در ہوائے کیستم — ذرہ ام اما بخورشیدم مقابل کردہ اند
عشق را ہنگامہ امروز نظیری در شکست — ہر طرف از گفتگویش گرم محفل کردہ اند

غزل نمبر ۵۲ - (۱) یہ جسے دل کے نام سے پکارتے ہیں۔ تعویذ کی طرح میرے گلے میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور بسمل کی آنکھ کے اضطراب سے ہیکل بنا دی ہے۔ مطلب۔ بسمل کی آنکھ کا اضطراب لے کر ایک ہیکل تیار کی ہے۔ وہ میرے گلے میں ڈال رکھی ہے۔ اس کا نام دل رکھدیا ہے۔ (۲) کونسے خاندان سے یہ دلیل روشن کی گئی ہے۔ کہ آسمان کو بھی اس کی محفل کے فانوس کا پروانہ بنا دیا گیا ہے۔ مطلب۔ آسمان یا قضا و قدر بھی اس کے گھر کا طواف کرتے ہیں۔ (۳) یہ پھول ہر خود بخود اُگنے والی شاخ سے ہویدا نہیں ہوتا۔ ایک جگہ اس کے بیج بوئے ہوئے ہیں۔ اور سو جگہ خاک میں پانی دیا گیا ہے۔ مطلب۔ عشق ہر شخص کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لئے ایک فطری و وہبی کشش ہوتی ہے۔ (۴) زلف اور خال کے خیال کی قید میں جو شخص رہ گیا سو رہ گیا۔ اب نئی فکر کر۔ کیونکہ گتھیوں کو سلجھانا مشکل بنا دیا گیا ہے۔ مطلب۔ حسن مجازی کی قید میں جو شخص گرفتار ہؤا وہ گمراہی ہی میں رہا۔ (۵) اس کے قدم سے لے کر سر تک ناز اور حلاوت ہے۔ لیکن ابروؤں پر گرہ ہے۔ دعوت کا دستر خوان تو چُن رکھا ہے اور سائل کو منع کر دیا ہے۔ مطلب۔ حُسن لاجواب ہے۔ سامنے نمایاں ہے۔ لیکن اس سے کوئی شخص تمتع اندوز نہیں ہو سکتا۔ (۶) دنیا کے پیچھے نہ بھاگتا پھر کہ اس شراب کی موج نے ہر لحظہ جو نقش بھی پیدا کیا۔ قدرت نے باطل کر دیا ہے۔ مطلب۔ یہ عالم عالمِ کون و فساد ہے۔ یہاں "لدو اللموت وابنو للخراب" ثابت ہے۔ اس لئے اس کی طلب فضول ہے۔ (۷) خلقت کے ہر سانس میں موت و حیات پوشیدہ ہے۔ یہاں زندگی کے مصفا پانی میں بھی ہلاکت آفریں زہر ہے۔ مطلب۔ دنیا میں شادی و غم توام ہے ہر خرمی کا انجام غم اور ہر غم کے ساتھ خوشی پیدا ہوتی ہے۔ (۸) جانبازوں کے میدان سے منہ نہ پھیر۔ کیونکہ صاحبانِ ذوق نے رقص کرتے ہوئے (بصد خوشی) اپنا سر قاتل کے راستے میں نثار کر دیا ہے۔ مطلب۔ عشق اختیار کر رہا ہے تو ہنستے ہوئے جان دے دے۔ (۹) ہم نے زلف کی شکنوں سے کشتی کنارے پر پہنچائی ہے۔ عشق دریا ہے کہ اس کے کنارے کا دیدار ہی کیا گیا ہے۔ (۱۰) اگر میں یہ دیکھوں کہ کسی کی خواہش کر رہا ہوں تو اپنے آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میں ایک ذرہ ہوں۔ مگر مجھے خورشید کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ مطلب۔ میرا معشوق لاجواب و لاثانی ہے۔ اگر مجھے خود اس حقیقت کا پتہ چل جائے تو اپنے آپ پر قربان ہونے لگوں۔ (۱۱) آج عشق کا ہنگامہ نظیری سے روشن ہے۔ اس کی گفتگو سے ہر طرف محفل گرمائی گئی ہے۔ مطلب۔ نظیری کے عشق کی داستان نقلِ ہر محفل ہے +

بغمزہ روز الستم ہمیں معاملہ بود | ابد رسید و دنیا سوءدم ایں چہ مشغلہ بود
نصیب من زازل درد بے دوا گردید | کہ بر دبارئی ہر کس بقدر حوصلہ بود

قصور طرز نگارم تمام حُسن شکست
که از میانه همیں بامنش محاولہ بود

بوئے من سبب اجتماع دلہا گست
جنوں کہ باعث آشفتگئ سلسلہ بود

بصفحہ نقش خط و خال خویشتن نقاش
نکو کشیدہ کہ آئینہ در مقابلہ بود

ولم ز سرِ دہانش بقیل و قال افتاد
لطیفہ زلبش صد ہزار مسئلہ بود

لبش بدادن کامم نمود جہد اما
بغمزہ کرد حوالت کہ بد معاملہ بود

فریب قول بد اندیش گرگ فاسد گشت
ربود یوسفے ازما کہ چشم قافلہ بود

بنکتہ گفت خجل میکنم نظیری را
زقول خویش فراموش کرد ایں صلہ بود

غزل نمبر ۳۵ (۱) غمزے کا میرے ساتھ روز ازل سے یہی معاملہ تھا۔ اب ابد آپہنچی اور مجھے اس سے آرام نہ مل سکا۔ آخر یہ کیا مشغلہ تھا۔ مطلب۔ روز ازل سے عشق میں گرفتار ہوئے۔ اور آج تک بادستور یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ مشغلہ عجیب ہے۔ کہ ختم ہونے کو ہی نہیں آتا۔ (۲) ازل سے ہی میری قسمت میں یہ مرض لاعلاج لکھا گیا۔ کیونکہ ہر شخص کی بردباری اس کے حوصلے کے مطابق ہوتی ہے۔ مطلب۔ عشق ہر ایک کا کام نہیں تھا ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلنا
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

(۳) میرے معشوق کی زلفوں کے شکن نے میرا حُسن کا رتوڑ ڈالا۔ کیونکہ سب کے ہوتے ہوئے اسے صرف مجھ سے جنگ تھی۔ مطلب۔ اس کی زلفوں کے پیچ میں گرفتار ہو کر مجھے نقصان ہوا۔ اس نے اپنا گرفتار مجھے ہی خیال کیا۔ اس لئے جنگ کی طرح صرف مجھ سے ڈالی۔ (۴) میری بُو دلوں کے ملانے کا باعث بنی۔ حالانکہ یہی جنون (مجھ سے پیشتر) اس سلسلے کی پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ مطلب۔ جب سے مَیں عشق میں گرفتار ہوا ہوں "اجتماع دلہا" ہو گیا ہے۔ ورنہ اس سے پیشتر "آشفتگی قلوب" تھی۔ (۵) نقاش نے صفحے پر اپنے خط و خال کا نقش نہایت اچھا بنایا ہے۔ کیونکہ اس کے مقابلے میں آئینہ تھا۔ مطلب۔ عدم آئینہ ہے اس میں باری تعالےٰ کا عکس ہے۔ جو موجودات کی شکل میں جلوہ گر ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ آئینے میں نقش خط و خال بالکل اصل کے مطابق آتے ہیں۔ (۶) میرا دل اس کے منہ کے بھید سے قیل و قال میں پڑ گیا۔ اس کے لبوں کا لطیفہ ہزاروں مسئلے لئے ہوئے تھا۔ مطلب۔ تنگئ دہان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو مشرق میں نشانِ حُسن متصور ہے۔ (۷) اس کے لب نے تو میری مراد پوری کرنے کی کوشش کی۔ مگر یہ اس نے غمزے کے حوالے کر دیا۔ (مراد پوری کرنے کے لئے غمزے کو

ذمہ دار بنایا) جو سخت بد معاملہ تھا۔ (۸) وہ بدخواہ بھیڑیے حاسد کے پُرفریب قول کی وجہ سے (ہم سے) پھر گیا۔ وہ ہم سے ایسا یوسف لے گیا۔ جو قافلے کی آنکھوں کا تارا تھا۔ مطلب۔ "یوسف اور گرگ" کی رعایت ملحوظ رکھی۔ مطلب یہ ہے کہ حاسد کے پُرفریب قول نے ایسا اچھا معشوق ہم سے جدا کر دیا (۹) اس نے کہا کہ مَیں نظیری کو ایک نکتے سے شرمندہ کروں گا۔ لیکن اپنے قول کو بھول گیا۔ یہ اس کا صلہ ہے مطلب۔ اور کچھ نہیں تو اپنے شیوہ کے مطابق نظیری کو خجل کرتا۔ مگر اس نے اتنا بھی درخور اعتنا نہ سمجھا اور بالکل ہی فراموش کر دیا +

کسے بملکِ حدوث از قدم نمے افتد
کہ بر گذر گہ شادی و غم نمے افتد

بروشنائی دل رو کہ رفتگاں رفتند
گذار زندہ دلاں بر عدم نمے افتد

من ایں مرقع ایواں بیفگنم روزے
کہ طرح رندی و تقوئے بہم نمے افتد

زبان دعوت و تسخیر بہ کہ بربندم
کہ در چراغ کس آتش بدم نمے افتد

مسافرے کہ بنا بود و بود خود بیند
بفکر منفعت بیش و کم نمے افتد

دلیل عشق نزیبد کسے کہ در ہر گام
سرش چو شمع بہ بیش قدم نمے افتد

چناں زشوق تو گردیدہ اند سرگرداں
کہ راہ کعبہ رواں بر حرم نمے افتد

چناں پرستش روئے تو جذب دلہا کرد
کہ عشق برہمناں بر صنم نمے افتد

بذکر من خط نسیاں کشیدہ امّا
بفکر غیر ز دستت قلم نمے افتد

زسہو خاطر یاراں چناں سقیم شدم
کہ سایۂ قلمم بر رقم نمے افتد

نویسی ار بنظیری دعا و گردشنام
زشوقِ نامہ بفکر رقم نمے افتد

غزل نمبر ۵۵۴ (۱) کوئی شخص ملک قدیم سے ملک حدوث میں ایسا نہیں آمنا۔ کہ جو شادی و غم کے راستے پر نہ چلتا ہو۔ مطلب۔ ملک حدوث دنیا اور ملکِ قدیم عدم ہے۔ جو شخص دنیا میں آتا ہے وہ شادی و غم دونوں چیزیں برداشت کرتا ہے۔ (۲) تو بھی دل کی روشنائی کی پیروی کر کیونکہ جانے والے جا چکے ہیں۔ اور زندہ دلوں کا گذر عدم کے راستے میں نہیں ہوتا۔ مطلب۔ زندہ دلوں کے لئے فنا نہیں۔ وہ حیات باقی رکھتے ہیں۔ تو بھی ان کی پیروی کر۔ (۳) میں کسی دن یہ نگار رنگ کی گدڑی اُتار پھینکوں گا۔ کہ رندی اور پرہیزگاری کی طرح یک جا نہیں ڈالی جا سکتی۔ مطلب میں پرہیزگار بھی ہوں اور رند بھی لیکن آخر مجھے ایک طرف ہونا پڑیگا۔ کیونکہ اجتماع ضدین محال ہے۔ (۴) میں دعوت اور تسخیر کی زبان بند کر لوں تو بہتر ہے۔ کیونکہ میرے دم سے کسی کا چراغ روشن نہیں ہوتا

مطلب - جب میرے دم میں ذرا اثر نہیں رہا - تو اس سے زبان بند کر لینا ہی بہتر ہے (۵) وہ مسافر جو اپنی ہستی اور نیستی کو دیکھتا ہے وہ بیش و کم کے فائدے کی فکر میں نہیں پڑتا مطلب - اپنے ماضی اور حال کو دیکھو - اپنے آغاز و انجام کو سوچو تو دنیاوی مشاغل میں انہماک ہی نہ کرو گے (۶) اُسے عشق کی رہنمائی زیب نہیں دیتی کہ ہر آوزو میں اس کا سر شمع کی طرح قدم سے آگے نہیں پڑتا مطلب - عشق انہیں کے لئے زیبا ہے جو قدم قدم پر سر کٹانے کے لئے تیار ہوں - (۷) تیرے شوق سے یہ بیچارے اس طرح سرگرداں پھرتے ہیں کہ کعبے کے راستے پر رواں ہیں لیکن حرم کا راستہ نہیں پاتے. مطلب - حیرانی و پریشانی میں مقصد سے پیوست نہیں ہوتے - (۸) تیرے چہرے کی پرستش نے اس طرح دلوں کو مسخر کیا کہ صنم کا عشق برہمنوں کو بھی اس طرح تسخیر نہیں کرتا - (۹) میرے ذکر پر تو نے نسیان کا خط کھینچ رکھا ہے لیکن غیر کے خیال میں تیرے ہاتھ سے قلم نہیں رکھا جاتا - مطلب - مجھے تو خط کا جواب ہی نہیں ملتا - اور غیر کو ہر وقت خط لکھے جاتے ہیں ؎

آنکه صد نامهٔ ما خواند و جوابے ننوشت ﴿﴾ سطرے از غیر نیامد که کتابے ننوشت - (۱۰) ہم دوستوں کے دل سے بھول جانے کی وجہ سے اس طرح بے حال ہوئے ہیں کہ میرے قلم کا سایہ بھی میری تحریر پر نہیں پڑتا - مطلب - میں بے حال ہونے کی وجہ سے خط ہی نہیں لکھ سکتا - قلم چلاؤں تو اس کا سایہ تحریر پر پڑے (۱۱) تو نظیری کو خواہ گالیاں لکھ بھیجے اور خواہ دعا لکھے - وہ خط کے شوق میں تیری تحریر دلنشیں مضمون کو نہیں سوچتا - مطلب - اسے تیرا خط پانے کا شوق ہے نہ کہ یہ دیکھنے کا کہ تو نے لکھا کیا ہے - اس نے اسکے لئے دشنام و دعا برابر ہیں تو خط بھیجدے سہی +

بہ ہر مغزے که بوید نکہت از مصر چمن گیرد ﴿﴾ مشام تیز باید تا نصیب از پیرہن گیرد

شمیمے گر نه تر دارد دماغ پیر کنعان را ﴿﴾ پسر گم کردہ چوں انس با بیت الحزن گیرد

ورق از کس چه میخواہی سبق از کس چه میگیری ﴿﴾ ز دل جوہر چه میجوئی که فیض از خود شکستن گیرد

دمے نقاش از نیرنگیٔ صورت بیاساید ﴿﴾ فریب نقش شیریں دل ز دست کوہکن گیرد

نفس تلخست تا طعم حقیقت نیست با مغزش ﴿﴾ سخن شیریں بود وقتیکه از رنگ سخن گیرد

زخود گر بگذری شاہی کنی در ملک بیخویشی ﴿﴾ عزیز خلق گردد ہر که در غربت وطن گیرد

دریں دیر کہن چوں امن گردد خاطر انساں را ﴿﴾ که اول اہرمن بگرفت و آخر اہرمن گیرد

ز غربانی ازیں شادم که از تشویش آزادم ﴿﴾ گریبانے ندارم تا کسے از دست من گیرد

چه راحت از وطن آنرا که یارش در سفر باشد ﴿﴾ کجا بے روئے گل آرام بلبل در چمن گیرد

بعہد زندگانی چاک زد ہر کس گریبانے | بوقتِ مرگ نتواند قرار اندر کفن گیرد
زبس بوئے کمالِ شرک مے آید ز توحیدم | در ارشادِ مغاں تکبیر از من برہمن گیرد
سخن ہر روز عالمگیر تر گردد نظیری را | کہ مردم بیش جا در سایۂ نخلِ کہن گیرد

غزل نمبر ۵۵ - (۱) ہر مغز جو خوشبو سونگھتا ہے وہ مصر اور یمن سے نہیں ہوتی - پیرہن کی بُو سُونگھنے کے لئے دماغ بھی تیز درکار ہے - (۲) پیر کنعان (یعقوبؑ) کا دماغ اگر کوئی شمیم تر نہ رکھے تو شخص جس کا بچہ گُم ہو گیا ہو کس طرح ماتمکدے سے مانوس ہو مطلب - اگر یعقوبؑ کو امیدِ "بازیافت" نہ ہوتی - تو وہ بیت الحزن میں بھی نہ رہتے - (۳) تو کسی سے ورق کیا چاہتا ہے اور سبق کیا لیتا ہے - تو جو کچھ تلاش کرتا ہے دل سے حاصل کر جو اپنے آپ سے فیضیاب ہوتا ہے - مطلب ؎
حُسن کا گنج گرانمایہ تجھے مِل جاتا × تو نے فرہاد نہ کھودا کبھی ویرانۂ دل - (۴) نقاش صورتؐ میں نیا رنگ پیدا کرنے سے ایک لحظہ نہیں ٹھیرتا - شیریں کے نقش کا فریب کوہکن کا دل چھین لیتا ہے مطلب عشق ہر لحظہ دل میں نقوش بوقلموں پیدا کرتا ہے - (۵) اگر اس کے اندر حقیقت کا ذائقہ نہیں تو ثمر تلخ ہوتا ہے - سخن اس وقت شیریں ہوتا ہے جب وہ سخن کا رنگ حاصل کرتا ہے مطلب "ثمر بے لذت" "تلخ ہے" کلام بے اثر" شیریں نہیں ہوتا - (۶) اگر تو اپنے آپے سے باہر ہو جائے تو بیخودی کے ملک میں حکمرانی کرے - وہ شخص خلقت کا محبوب ہو جاتا ہے - جو مسافرت کو وطن بنالے - مطلب - بیخودی انسان کو درجاتِ عالیہ پر پہنچا دیتی ہے - (۷) اسے پُرانے دیرینہ انسان کا دل پُرامن کیسے رہ سکتا ہے - کہ یہ ملک شیطان نے اوّل حاصل کیا اور پھر وہی لے لیگا مطلب آغاز ہی میں شیطان کا حملہ ہوا (حضرت آدم پر) اور پھر دنیا میں اس کا دَور دَورہ ہے - تو لوگ پُرامن طریق پر زندگی کیسے بسر کر سکتے ہیں - (۸) میں عریانی سے اس لئے خوش ہوں کہ تشویش سے بالکل آزاد ہوں میرا گریبان ہی نہیں کہ کوئی اسے پکڑ لیگا - مطلب - (ع) میں دامن ہی نہیں رکھتا جو اُلجھے خار دامن میں ؎
تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس | یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں اُلٹا سیدھا (۹)
اس کو وطن میں کیا راحت حاصل ہو سکتی ہے جس کا دوست سفر میں ہو - بلبل بغیر گل چمن میں کس طرح آرام کر سکتی ہے - (۱۰) زندگی کے زمانے میں ہر شخص نے گریبان پھاڑ ڈالا - اور موت کے عہد میں کفن میں بھی قرار نہیں کیا جا سکتا - (۱۱) چونکہ میری توحید سے شرک کی بُو آ رہی ہے - اس لئے پیرِ مغاں کے ارشاد میں برہمن مجھ سے تکبیر کہلاتا ہے - مطلب - چونکہ میری توحید شرک آمیز ہے - اس لئے برہمن پیرِ مغاں کے ارشاد کے لئے مجھ سے تکبیر حاصل کرتا ہے - (۱۲) نظیری کا کلام ہر روز زیادہ عالمگیر ہوتا جاتا

ہے۔ کیونکہ لوگ عام طور پر پُرانے درخت کے سائے میں بیٹھتے ہیں مطلب۔ پُرانے درخت کے سائے کو گھنا ہونے کی وجہ سے پسند کیا جاتا ہے۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ نظیری کا کلام پختہ ہونے کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہوتا جا رہا ہے ÷

دریں دیار عجب مطربان یک رنگ اند — کہ دل برند بصد راہ و بریک آہنگ اند
زصحن سینہ کشائند چشمہ چشمۂ نور — بزخمہ صیقل آئینہائے پُر زنگ اند
کلید شادی و شمشیر غم بکف دارند — بہ بسط بر سر صلح و بقبض در جنگ اند
بدل ز نغمۂ شیریں حرارت انگیزند — بصوت چوں شکر و شیر آہن و سنگ اند
چو حد زیر و بم نغمہ را نگہدارند — بہر مقام خفیف و ثقیل ہم سنگ اند
سبکدلاں چو بفتراک شاں در آویزند — بطیِّ نیم قدم در ہزار فرسنگ اند
بفتح یک خلش ایں زاہداں چو نغمۂ چنگ — بروں روند کہ بز سینہ و بغل تنگ اند
زسر عالم لاہوت میدہند نشاں — ز پردۂ دگرند ایں گروہ نیرنگ اند
ہزار رنگ بر آرند ایں فسوں سازاں — کہ آفریدۂ صنع ہزار نیرنگ اند
سواد صومعہ را نسخۂ فسوں سازند — کہ طبع کارگہہ نقشہائے ارژنگ اند
بگوش کرشدہ تحریر شاں زند آتش — کہ بر فروختۂ جرعہائے گل رنگ اند
مشاطۂ رُخ مستند بامے و قدح اند — مقالۂ غم عشق اند و بادف و چنگ اند
اگرچہ قاطع زہدند مایۂ ہوشند — وگرچہ رافع شرعند جان فرہنگ اند
دلیل اہل فنایند در عروج و نزول — باوج در طیران در حضیض رہ لنگ اند
نظیری از پے ایں جادوان مدد بسیار — کہ در ربودن ادراک چابک و شنگ اند

غزل نمبر ۵۶ - (۱) اس ولایت میں عجیب یک رنگ مطرب موجود ہیں۔ کہ دل نو سو طریقوں سے لیتے ہیں۔ لیکن ایک آہنگ پر چلتے ہیں۔ مطلب۔ ولایت عشق میں سو طرح کے اہل اللہ ہیں جن کا رنگ ایک ہے سلوک معرفت مختلف ہیں۔ (۲) وہ اپنے سینے کے صحن سے نور کے چشمے کھول دیتے ہیں اپنی مضراب کی چوٹ سے زنگ سے بھرے ہوئے آئینوں کے لئے صیقل ہیں مطلب۔ ان کا سینہ نور ایزدی کا گنجینہ ہے۔ وہ لوگوں کے آئینہ دل کو جِلا دیتے ہیں (۳) وہ شادی کی چابی اور غم کی شمشیر ہاتھ میں لئے ہیں۔ وہ فراخی سے صلح کئے ہوئے اور تنگی سے برسرِ جنگ ہیں مطلب۔ اس وقت جبکہ سرود میں مشغول ہیں غم کو پاس نہیں بھٹکنے دیتے۔ (۴) وہ دل میں شیریں نغموں سے حرارت

پیدا کرتے ہیں۔ آوازمیں شکر اور شیر کی طرح اور لوہے اور پتھر کی طرح ہیں۔ مطلب۔ ان کے شیریں نغمے گرمانے کے لئے کافی ہیں۔ (۵) چونکہ وہ نغمے کی زیر و بم کی حد۔ وہ نگاہ میں رکھتے ہیں۔ وہ ہر خفیف اور ثقیل مقام کے ہم سنگ ہیں مطلب خفیف و ثقیل راگنی کے نام ہیں۔ (۶) جب یہ سبک دل ان کے شکار بندوں پہ لٹکتے ہیں۔ تو وہ نصف قدم اُٹھانے سے ہی ہزار فرسنگ طے کر جاتے ہیں۔ مطلب۔ ان رہروانِ راہ معرفت کے پیرو بہت جلد منزل مقصود پہ پہنچ جاتے ہیں۔ (۷) یہ معشوق ایک خلش کے کھل جانے سے چنگ کے نغموں کی طرح نکل جاتے ہیں۔ گویا سینہ اور بغل ان پر تنگ ہو جاتی ہے۔ مطلب۔ خلش رہے تو دل میں سمائے رہتے ہیں۔ مگر اس کے مٹتے ہی معشوق بھی الگ ہو جاتا ہے۔ (۸) یہ گروہ عالمِ لاہوت کے رازوں کی خبر دیتا ہے۔ اس لئے کسی دوسرے ہی پردے سے ہے۔ اور جادو کی مانند ہیں۔ مطلب "عالمِ لاہوت" عالم لامکان کے لئے مستعمل ہے۔ (۱) ناسوت۔ انسانی عالم۔ (۲) ملکوت ملائک کا عالم۔ (۳) جبروت۔ انوار الٰہی کا عالم۔ لاہوت۔ عالم لامکان۔ (۹) یہ جادوگر ہزار رنگ پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہزار نیرنگ و طلسم رکھنے والے کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ (۱۰) چہروں کی سیاہی کے لئے ایک جادو بھرے نسخے ہیں۔ اور ان کی کار آگاہ طبیعت نقش ارژنگ کی مانند ہے۔ مطلب۔ نقش ارژنگ مانی کی کتاب نقش و نگار۔ اس نے جب پیغمبری کا دعوےٰ کیا تھا۔ تو یہ کتاب الہامی قرار دی تھی۔ (۱۱) بہرے کے کانوں میں بھی ان کی تحریر دمطربوں کے نغمے آگ لگا دیتی ہے۔ کیونکہ گل رنگ شراب سے افروختہ کیا ہے۔ (۱۲) شراب گلرنگ نے ان نغموں میں رُوح بھری ہے۔ اس لئے یہ ہر شخص پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ (۱۳) مستوں کے چہرے کے لئے مشاطہ ہیں۔ شراب اور پیالہ رکھتے ہیں۔ یہ غم عشق کا قوال ہیں اور دف و چنگ رکھتے ہیں۔ مطلب۔ شراب رکھنے کی وجہ سے مستوں کے مشاطہ اور دف و چنگ کی موجودگی سے مقالۂ غم عشق ہیں۔ (۱۴) اگرچہ زہد کو توڑنے والے ہیں لیکن ہوش کا سرمایہ ہیں اگرچہ شرع کو چھوڑانے والے ہیں لیکن دانائی کی جان ہیں۔ (۱۵) بلندی و پستی میں اہل فنا کے رہنما ہیں بلندیوں میں اُڑتے ہیں اور پستی راہ میں لنگ ہیں۔ مطلب۔ اوج۔ انتہائی بلندی کا نقطہ (Zenith) حضیض۔ انتہائی پستی کا نقطہ۔ (Nadir) (۱۶) نظیری ان جادوگروں کے پیچھے مدد بے حد ہے۔ کہ یہ عقل اچکنے کے لئے چالاک و چست ہیں۔ نوٹ:۔ یہ ساری غزل "نغمہ دے" کے متعلق تھی۔ مطربوں کی مختلف خصائص و حالات کا تذکرہ کیا ہے۔

بقصد ہر کہ سوئے کعبہ ناقہ راہی کرد — نشانِ پاش بہر گام قبلہ گاہی کرد

کبود رُوئے ازاں شد بنفشہ در گلشن — کہ با کلالۂ جعدِ تو کج کلاہی کرد

زچین زلف نسیمے نزد بموج عذار
سفینۂ مردم چشم مرا تباہی کرد

زروئے وزلف تو ام سایہ وہ ضمیر انداخت
فلک مسخرم از ماہ تا بماہی کرد

نشان کوکبم اختر شناس بدمے یافت
مشاطہ خال تُرا صرف در سیاہی کرد

کسے چو خال زحُسن تو کامیاب نشد
مقیم کنج لبت گشت و پادشاہی کرد

دلم ملاطفۂ از لبِ تو داشت امید
ہزار قاصد موزوں بنکتہ راہی کرد

من از ملامتِ مردم بعشق آزادم
زسُوئے من رخ تو خوب از رخواہی کرد

سجل بپائی حُسن تو صبح صادق داد
کہ آفتاب ومہش ثبت بر گواہی کرد

دل از تو آب خورد کاروان مصری را
کہ عارض و ذقنت یوسفی و چاہی کرد

تبارک اللہ از آئینہ شمائل تو
کہ دل مطالعۂ صورت الٰہی کرد

عبادت سحری را مکن نظیری ہی کم
کہ ہرچہ کرد دعاہائے صبح گاہی کرد

غزل نمبر ۵۷ ۔ جس نے پورے ارادے (صدق دل کے ساتھ) کعبے کی طرف ناقہ چلایا۔ اس کے قدم کا ہر نشان قبلہ گاہ ہوگیا۔ مطلب۔ صدق دل سے کعبے کی طرف جانے والے کی عزت و تکریم بے حد ہے۔ (۲) بنفشہ کا منہ باغ میں اس لئے نیلا ہوگیا ہے۔ کہ اس نے تیری چوٹی کی کلالہ کے سامنے بادشاہت کا دعوےٰ کیا ہے۔ (۳) اس کی زلفوں کے شکنوں سے کوئی ایسی نسیم رخساروں کی موج پر نہیں چلی۔ جس نے میری آنکھوں کی پتلیوں کی کشتی تباہ نہ کردی ہو۔ مطلب۔ پُر شکن زلفوں کو ہوا کا چلنا قرار دیا ہے۔ اور ہوا سے کشتی اُلٹا کرتی ہے۔ (۴) تو نے اپنے چہرے اور زلف کا سایہ میری ضمیر پہ ڈالا۔ آسمان نے میرے لئے چاند سے لے کر زمین کے نیچے کی مچھلی تک مسخر کرلیا۔ مطلب۔ اس زلف و رخسار کے سائے سے تمام عالم میرے لئے مسخر ہوگیا (۵) میرے ستارے کا نشان منجم بُرا دیکھ رہا تھا۔ مشاطہ نے تیرا خال کھود لیا۔ اور اسے سیاہی سے بھر دیا۔ مطلب۔ نجومی کو یہ خبر نہ تھی کہ میرا ستارہ معشوق کا خال ہے۔ اس لئے سیاہ ہے۔ (۶) کوئی تیرے حُسن سے تیرے خال کی طرح کامیاب نہ ہوا۔ وہ تیرے لبوں کے گوشے میں مقیم ہوکر بادشاہی کرنے لگا۔ مطلب۔ خال تیرے چہرے پر حکمران ہے۔ لیکن ہمیں یہ سعادت بھی نصیب نہ ہوئی۔ (۷) میرا دل تیرے لبوں سے لطف کا امیدوار تھا۔ اس لئے اس نے ہزاروں مناسب قاصد ایک نکتے سے روانہ کئے۔ (۸) میں عشق میں لوگوں کی ملامت سے آزاد ہوں۔ میری طرف سے تیرے خوبصورت چہرے نے عذر پیش کیا۔ مطلب۔ تیری صورت دیکھ کر لوگوں نے مجھے ملامت کرنا چھوڑ دیا۔ یہ خیال کر کے کہ

میں کس گنتی میں ہوں اور اک میرے دل کی حقیقت کیا ہزاروں جان دیتے ہیں وہ صورت ہی کچھ ایسی ہے

(۹) صبح صادق نے تیرے حسن کی پاکیزگی پر مہر لگا دی ہے۔ اور آفتاب و ماہ نے اس پر گواہی کر دی۔ (۱۰) مصری قافلے کا دل تیرے لئے ٹھہرا ہوا ہے۔ وقف تھا۔ کیونکہ تیرے رخسار نے یوسفی اور تیری ٹھوڑی نے "چاہی" کی۔ مطلب۔ تیرے رخسار یوسف کی مانند اور تیری ٹھوڑی کنوئیں کی مثل تھی۔ اس لئے کاروان مصری اس کے لئے بیتاب تھا۔ (۱۱) اللہ تعالےٰ برکت دے کہ تیری خصلت کے آئینے میں دل نے دیدارِ ایزدی دیکھا۔ ؎ دل کے آئینے میں ہے تصویر یار، جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

(۱۲) اے نظیری صبح کی عبادت میں کمی نہ کر۔ کیونکہ جو کچھ کیا ہے یہ صبح کی دعا نے کیا ہے۔ مطلب۔ عبادت صبح گاہی نے سب فائدہ پہنچایا ہے ٭

گردش چشم بتاں مستئ من حالی کرد
دور واژوں نتواند قدمم خالی کرد

قبض درکار ندیدم چو شدم مست مدام
حل ہر عقدہ کہ مے کرد بخوشحالی کرد

پائے جبریل بکرسئ خیالم نرسد
عشق بس پایۂ معراج مرا حالی کرد

شور ایں بادیہ از بادیہ گردیست مدام
رخت مجنوں بعدم برد و مرا والی کرد

ہر کہ بر خوان طمع دست نیاز بد رسید
مگس آلودہ شد از شہد و گراں بالی کرد

عجز در مجلس اصحاب بکارست کہ چنگ
جائے از خستہ درونے و حزیں نالی کرد

دلم از خندۂ نوشین حریفاں بگرفت
گوشۂ کو کہ دل از گریہ تواں خالی کرد

قصۂ عشق بوصفِ تو طویلست طویل
درک تفصیل جمالت خرد اجمالی کرد

یوسف از خوائی اخواں بکسادی افتاد
کہ فروشندہ بہ بیش آمد و دلالی کرد

بو و نزدیک کہ کام از لب شیریں گیرم
دست مے یافت ظفر بخت کم اقبالی کرد

کرد بازیچۂ معشوق نظیری خود را
آنچہ خورواں نکنند او بکہن سالی کرد

غزل نمبر ۵۸ ۔ (۱) معشوقوں کی آنکھوں کی گردش نے میری مستی کو حال سے والبستہ کر دیا۔ اس لئے اُلٹا چلنے والا زمانہ میرا پیالہ خالی نہیں کر سکتا۔ مطلب۔ اب میں ہر وقت شرابِ عشق سے مخمور رہوں گا۔ کیونکہ چشم معشوق نے میری مستی کو والبستۂ حال کر دیا ہے جس کے لئے تغیر نہیں (۲) جب میں دائمی مست ہو گیا تو میرے کام میں تنگی پیدا نہ ہوئی جو عقدہ بھی حل ہوتا خوشحالی سے ہو جاتا۔ مطلب۔ مست شرابِ عشق ہوا تو تنگی و فراخی کا احساس ہی جاتا رہا۔ اس لئے کبھی تنگی محسوس نہیں کی (۳) جبریل کا پاؤں میرے خیال کی کرسی تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ عشق نے میری بلندی کا پایہ بہت بلند

کر دیا ہے۔ مطلب۔ میرا خیال جبریل کی تگ و تاز سے بھی زیادہ بلند ہے۔ اور یہ عشق کی بدولت ہے۔ (۴) اس بیابان کا شور ہمیشہ کسی آوارہ کی وجہ سے ہی ہے۔ مجنوں عدم کی طرف اپنا اسباب اٹھا لے گیا اور مجھے اپنا جانشین بنا گیا۔ مطلب۔

دورِ مجنوں گذشت و نوبتِ ماست ٭ ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست (۵) جس نے طمع کے دسترخوان پر ہاتھ نہ بڑھایا وہ (منزل پر) پہنچ گیا۔ مکھی شہد سے آلودہ ہوئی۔ تو اس کے پر و بال بھاری ہو گئے۔ (اڑان کے قابل نہ رہے) مطلب۔ حرص و طمع انسان کو منزل پر پہنچنے نہیں دیتے۔ خواہشات میں گرفتار ہو کر انسان ناکارہ ہو جاتا ہے۔ (۶) اصحاب کی محفل میں عاجزی درکار ہے کیونکہ چنگ نے شکستہ دلی اور دردمندانہ نالوں سے (مجلس میں) جگہ پائی ہے۔ (۷) میرا دل حریفوں کی شیریں ہنسی سے گرفتہ ہو گیا۔ گوشہ کہاں کہ رو کر دل خالی کر لوں۔ مطلب۔ حریف عیش وصال میں خنداں ہیں۔ اور میرا دل گرفتہ۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ مقام تنہائی میں جا کر خوب روؤں اور دل کی بھڑاس نکال دوں۔ (۸) عشق کا قصہ تیرے اوصاف کے ساتھ بے حد طویل ہے۔ اور تیرے جمال کی تفصیل عقل نے نہایت مختصر کر دی۔ مطلب۔ عقل بھی بالتفصیل تیرے جمال کا بیان نہ کر سکی۔ اس لئے اس نے بھی اختصار سے کام لیا۔ (۹) یوسف بھائیوں کی ذلت کے سبب سرد بازاری میں پڑ گیا۔ کہ بیچنے والا خود ہی آگے آگیا۔ اور دلالی کرنے لگا تھا۔ مطلب۔ چونکہ ان کے بھائی خود ہی دلال بن کر قافلے کے ہاتھ انہیں بیچ رہے تھے۔ اس لئے آپ کی قیمت زیادہ نہ پڑ سکی۔ (۱۰) قریب ہی تھا کہ اپنے دل کی مراد اس کے شیریں لبوں سے پالوں۔ ظفر ہاتھ لگ رہی تھی لیکن میرے نصیب نے کم بختی کی۔ مطلب۔ وصال معشوق قریب تھا مگر نصیب کا پیچ ایسا پڑا کہ میسر نہ ہوا (۱۱) نظیری نے اپنے آپ کو معشوق کا بازیچہ بنا رکھا ہے۔ جو بچے بھی نہیں کرتے وہ بڑھاپے میں کر رہا ہے۔ مطلب۔ اس کے عشق میں گرفتار ہو کر نظیری بچوں کی باتیں کر رہا ہے ٭

خوشا کہ بس ہجوم گریہ ام در دامن آویزد ٭ سر دستِ نگار نیم نگار از گردن آویزد
چناں در دوست آویزم بدل گرمی دمسازی ٭ کہ در ہنگام جانبازی بدشمن دشمن آویزد
نساز د بوئے یوسف دیدۂ یعقوب را روشن ٭ اگر عشق زلیخا یش نہ در پیراہن آویزد
مقیم کوئے تو بیروی تو با بلبلے مانم ٭ کہ صبا [illegible] نگاہ وے قفس در گلشن آویزد
گرفتم در پر پروانہ سوزم در سرے گیرد ٭ احذر کن ز [illegible] نہ ناگہ آتشم در روغن آویزد
ولے دارم بدست طعن ناصح چوں کہن دلقے ٭ کہ در ہر [illegible] لختے خرقہ از سوزن آویزد

چراغ ما چہ زیب و فروغ محفل سرائے را | کہ قندیل مہ و مہرش فلک در روزن آویزد
بہ بینی گر جلائے از مہ و پروین مشو ایمن | بشکل خوشہ کہ صیاد دام از خرمن آویزد
پے درد نظیری ایں ہمہ گفت و شنو دارم | گلے مے چینم از گلشن کہ خارے دامن آویزد

غزل نمبر ۵۹ - (۱) مبارک ہے! کہ بے حد رونے کے بعد معشوق میرے دامن سے وابستہ ہو جاتا ہے - وہ اپنے مہندی رنگے ہاتھ میری گردن میں ڈال دیتا ہے - مطلب - جب میں بیحد رو چکتا ہوں - تو میرا معشوق مجھے گلے لگا لیتا ہے - (۲) میں دوست سے اس طرح محبت اور اُلفتِ دل کے ساتھ مل جاتا ہوں جس طرح جانبازی کے وقت دشمن دشمن سے اُلجھتا ہے - مطلب - انتہائی محبت کا اظہار ہے - (۳) یوسف کی بُو یعقوب کی آنکھوں کو روشن نہ کرتی - اگر زلیخا کا عشق اس کے پیراہن میں اٹکا نہ ہوتا - مطلب - یہ عشق زلیخا کا کمال تھا کہ لباس نے یوسفؑ کے ساتھ مل کر دیدۂ یعقوب کو روشن کر دیا - (۴) جو تیرے کوچے میں مقیم ہو اور اسے تیرا دیدار نصیب نہ ہو - اس کی مثال اس بلبل کی طرح ہے جس کا قفس صیاد خزاں کے موسم میں باغ میں لٹکا دے - مطلب - بلبل بہار کی طلبگار ہے - اسے موسم خزاں میں باغ میں لے جانا حسرت دیاس میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے - یہی حالت میری ہے - کہ تیرے کوچے میں بغیر شربت دیدار پڑا ہوں - (۵) میں نے مانا کہ میری آگ پروانہ کے پروں کو نہیں جلا رہی لیکن تجھے ڈرنا چاہیئے کہ اچانک میری آگ تیل کے ساتھ مل جائیگی - مطلب - اگر آگ اچانک تیل میں جا پڑی تو وہ بھک سے اُڑ جائیگا اور قیامت برپا ہو جائیگی - (۶) میرا دل ناصح کے طعنوں سے اُس پُرانی گودڑی کی طرح ہو گیا ہے - کہ اس کو سیتے وقت ہر بخیئے میں سوئی کے ساتھ اس کا ایک ٹکڑا اٹک جاتا ہے - مطلب - میرا دل ناصح کے طعنوں سے اس بُری طرح زخمی ہو رہا ہے کہ اب سیا بھی نہیں جا سکتا - (۷) ہمارا چراغ کسی محفل کو کیا زیب و زینت دے سکتا ہے - (جس میں) آسمان نے چاند اور سورج کی قندیلیں روشندان (فلک) پر لٹکا رکھی ہیں - مطلب - زندہ دلوں کی محفل میں ہمارا کیا کام؟ مہر و ماہ ان کے چراغ ہیں وہاں ہماری کیا بساط - (۸) اگر تو چاند اور پروین کی روشنی دیکھے تو غافل نہ ہونا - کیونکہ بعض اوقات شکاری خوشوں کی شکل میں خرمن پر جال لٹکا رکھتا ہے - مطلب - ہو سکتا ہے کہ روشنیٔ مہ و پروین تجھے وقفِ آلام کرنے کے لئے ہو - (۹) میں نظیری کے درد کی خاطر یہ کہہ سن رہا ہوں - ایسے گلشن سے پھول چنتا ہوں کہ اس کے کانٹے مجھ سے اُلجھ جاتے ہیں - مطلب - میں نظیری کے درد کا مداوا تلاش کرنے کے لئے گلشن عشق میں جہاں کے کانٹے خود میرے دامن میں اُلجھتے ہیں قدم رکھتا ہوں +

نگاہت چشم جادو برنتابد | فریبت خال ہندو برنتابد
چو گل از تابشے برمیفروزی | مزاجت گرمئے خود برنتابد
تعالیٰ اللہ ازاں لطف بناگوش | کہ برتابیدن رو برنتابد
چناں در دوستی توسن عنانے | کہ رخش طاقتت مو برنتابد
صبا ترساں وزد سویت کہ ترسد | دماغت عطر گیسو برنتابد
مزاج وحشئ داری کہ از دور | نگاہ چشم آہو برنتابد
زبس وحشی غزالانت رمانند | دل شوریدہ ام ہو برنتابد
کلاہ نازنینک از سر نہادی | جبینت چین ابرو برنتابد
خدنگ چشم زود از زہ فگندی | کمانت زور بازو برنتابد
چو عزم بدحتے خویت نماید | عناں زآنسو باین سو برنتابد
بقہر و ناز تو گردن نہادیم | کہ سر از صولجاں گو برنتابد
چو آید در بیاں کلک نظیری | لآلی نار صد تو برنتابد

غزل نمبر ۶۰ - (۱) تیری نگاہ کی تاب جادو بھری آنکھ بھی نہیں لاسکتی۔ اور تیرے فریب کی مجال سیاہ خال میں بھی نہیں۔ (۲) تو اپنے حُسن کی گرمی سے چمک اُٹھتا ہے۔ تیرا مزاج تند مزاجی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ (۳) اس کی بناگوش کے لطف! سبحان اللہ! کہ منہ پھیر لینے سے بھی وہ اپنے کام سے) نہیں ہٹتی۔ (۴) تو دوستی میں اس طرح سرکش ہے کہ تیری طاقت کا گھوڑا ذرا منہ نہیں پھیرتا مطلب۔ ذراسی بات پر گرم ہو کر میدان محبت سے نکل جاتا ہے۔ (۵) صبا بھی تیری طرف ڈرتی ہوئی چلتی ہے۔ کیونکہ تیرا دماغ تو زلفوں کی خوشبو کی بھی تاب نہیں لاتا۔ (۶) تو ایسا وحشی مزاج رکھتا ہے کہ جو دُور سے بھی کسی آہو چشم کی نگاہ کی تاب نہیں رکھتا مطلب۔ اپنے جیسا آہو چشم معشوق دور سے بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ ے اُلجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ + جو تم سے ایک دو ہوں شہر میں تو کیونکر ہو (۷) چونکہ تیرے وحشی ہرن (آنکھیں) بیحد رم کرنے والی ہیں۔ اس لئے میرا شوریدہ دل "ہو" بھی نہیں کہتا مطلب۔ چونکہ تو بہت جلد رم کرتا ہے۔ اس لئے میرا دل ذرہ بھر شور نہیں کرتا۔ (۸) تو نے اچھا کیا کہ ناز کی ٹوپی سر سے اُتار دی ہے۔ کیونکہ تیری پیشانی تو ابروؤں کی شکنیں بھی برداشت نہیں کرتی۔ (بہ سبب نزاکت)۔ (۹) تو نے آنکھوں کا تیر بہت جلد چلّے سے پھینک دیا۔ کیونکہ تیری کمان تو زور بازو کی تاب نہ لاسکتی تھی مطلب۔ شاید شاعر معشوق کی شرمیلی طبیعت کا اظہار کر رہا ہے

(۱۰) جب تیری خو کسی بدعت (ظلم) کا ارادہ کرتی ہے۔ تو اُس طرف سے اس طرف باگ نہیں موڑتی۔ مطلب۔ ظلم سے رحم کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔ (۱۱) ہم نے تیرے قہر اور ناز کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ کیونکہ گیند چوگان سے سر نہیں پھیرتی۔ مطلب ہم ہر وقت سر تسلیم خم کئے ہیں۔ (۱۲)

(۱۲) جب نظیری کا قلم بیان پر آمادہ ہوتا ہے تو موتیوں کی لڑیوں کی لڑیاں بھی تاب نہیں لا سکتیں۔ مطلب۔ نظیری کے سامنے مضمون بیحد ہیں ان کو جب بیان کی سلک میں پروتا ہے تو موتیوں کی لڑیاں بھی مقابلہ نہیں کرتیں۔

رشحۂ از حُسنِ جاناں ریختند — بر جہاں از عشق طوفاں ریختند
زاں ہمہ طوفاں کہ برانگیخت عشق — جرعۂ در جامِ انساں ریختند
از قضا آں جرعہ چوں آمد بجوش — ہر طرف در قالبِ جاں ریختند
رشحِ نورے شد ہویدا ہر کجا — پرتوے بر شرطِ پیماں ریختند
از خمار و مستیٔ آں نورِ پاک — دُردِ کفر و صافِ ایماں ریختند
ہر طرف رنگے بکل بسرشتہ شد — قالبِ گبر و مُسلماں ریختند
شہوتے انگیختند از مغز نے — پیکرے از آبِ حیواں ریختند
وانکہ از الماس بہر جانِ ما — تیغِ ابرو رمحِ مژگاں ریختند
تیز کردند و ازاں آلودہ زہر — سوزشے بر زخمِ پنہاں ریختند
آب کردند از دلِ ما پارۂ — دانۂ یاقوت رماں ریختند
لالۂ حمرا و لعلِ آبدار — کوہ را در جیب و داماں ریختند
عکس از داغِ دروں برداشتند — بر چمن گلہائے الواں ریختند
اینہمہ گلہائے سبز و زرد و سُرخ — از دمِ ما بر گلستاں ریختند
جوہرے از قولِ شور انگیزِ ما — عندلیباں را بالحاں ریختند
غنچہ را دل زاں نوائے جانخراش — پارہ پارہ در گریباں ریختند
رنگ ہر نقشے کزاں انگیخت طبع — چینیاں بر قصر و ایواں ریختند
داغ ہر سودا کزاں اندوخت عشق — مصریاں بر بیتِ احزاں ریختند
نگہتے برخاست زیں سودا بمصر — بر قمیصِ ماہِ کنعاں ریختند
اصل ایں فرع از یمن شد عطر بیز — بر نبی از فیضِ رحماں ریختند
مایۂ مے ماند باقی زیں عبیر — بر نظیری در خراساں ریختند

غزل نمبر ۶۱ - (۱) معشوق کے حُسن سے ایک قطرہ برسایا۔ اور جہان میں عشق کا طوفان پیدا کر دیا۔ مطلب۔ دنیا میں حُسن وعشق کا چرچا ہونے لگا۔ (۲) اس طوفان سے جو عشق نے برپا کیا اس میں سے ایک گھونٹ انسان کے جام میں بھی گرا دیا۔ مطلب۔ انسان کی فطرت میں عشق کا بہرہ رکھا گیا۔ (۳) قضا سے جب وہ گھونٹ (جرعۂ عشق) جوش میں آیا۔ تو ہر طرف جسموں میں جان ڈال دی گئی۔ مطلب عشق ہی کی بدولت تخلیق روح ہوئی۔ (۴) اس نور کی قطرہ افشانی جہاں جہاں پہنچی تو پیمان کی شرط کے مطابق پر توڑا لا گیا۔ مطلب۔ اسی شراب عشق کے فیض سے ہر طرف پیمان باندھے گئے۔ (۵) اُس پاک نور کے خمار اور مستی سے کفر کی تلچھٹ اور ایمان کی مصفّا شراب برسائی۔ مطلب۔ خمار سے کفر کی تلچھٹ اور مستی سے ایمان کی مصفّا شراب پیدا کی گئی۔ (۶) ہر طرف (اس نور سے) ایک ہی رنگ مٹی میں گوندھا گیا۔ (فطرت انسانی میں ملایا گیا) اور مسلمانوں اور کافروں کے جسم بنا دیئے۔ مطلب۔ سب انسان ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ کافر و مومن کی تخلیق ایک ہی چیز سے ہوئی ہے۔ (۷) بانسری کے مغز سے خواہشات پیدا کیں اور آب حیات سے ایک جسم تیار کیا۔ (۸) پھر ہماری جان کے لئے سُرخ ہیرے سے ابروؤں کی تلواریں اور پلکوں کے نیزے بنا ڈالے۔ مطلب حُسن کو آراستہ کر کے ہماری جان کے لئے بھیجا۔ الماس شیشہ جان کو کاٹتا ہے۔ (۹) اُن (ابروؤں کی تلواروں اور پلکوں) کو تیز کر کے زہر میں بجھایا اور ہمارے پوشیدہ زخم میں سوزش پیدا کی۔ (۱۰) ہمارے دل کے ٹکڑے کو پانی بنا دیا۔ اور رمانی یاقوت کا دانہ وہاں گرایا۔ (۱۱) سرخ لالہ اور آبدار لعل پہاڑ کے گریبان اور دامن میں برسائے۔ (۱۲) ہمارے سینے کے داغوں کا عکس لیا۔ اور باغ میں رنگ برنگ پھول کھلا دیئے۔ مطلب۔ یہ گلہائے چمن ہمارے سینے کے داغوں کا نقشہ ہیں۔ (۱۳) یہ تمام پھول سبز۔ زرد اور سُرخ (رنگا رنگ کے) ہمارے دم سے گلستاں میں بکھیرے۔ (۱۴) ہمارے شور انگیز قول (عشق) کے ایک جوہر سے عندلیبوں کی آوازوں میں ملا دیا۔ مطلب۔ ہمارے عشق کی بدولت بلبلیں غزلخوانی میں محو ہیں۔ ؎

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا ✦ بلبلیں سُنکر مرے نالے غزلخواں ہو گئیں۔

(۱۵) اس جانخراش آواز سے غنچہ کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر کے گریبان میں ڈال دیا۔ مطلب۔ غنچہ کھل گیا اور اس کی پتیاں بکھر گئیں۔ (۱۶) ہماری طبیعت نے جو ہر نقش کا رنگ پیدا کیا۔ وہ چینیوں نے اپنے محالات پر صرف کر دیا۔ مطلب۔ چینیوں کے نقش و نگار مشہور ہیں۔ (۱۷) عشق نے ہر طرف سے جو داغ اکٹھے کئے وہ مصریوں نے اپنے غمکدوں میں صرف کئے۔ مطلب۔ "بیت احزان"، یوسفؑ و

یعقوبؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۱۸) اس سودا کی خوشبو مصر میں اُٹھی۔ اور یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جا پڑی۔ مطلب۔ یہ عشق ہی تھا جس کا نشان قمیص یوسف پر پہنچا تو نابینا کی آنکھیں درست ہو گئیں۔ (۱۹) اس شاخ کی جڑ یمن میں عطر برساتی رہی اور پھر نبیؐ پر اللہ تعالےٰ کا فیض برسایا۔ (۲۰) اس خوشبو سے ایک ذرا سی باقی تھی۔ وہ خراسان میں نظیری پر برسا دی۔ مطلب۔ عبیر سے مراد عشق شاعری ہے۔ جو نظیری کو خراسان (نیشاپور) میں میسر آئی +

پیراں کہ دفع فیض بتاثیر بُردہ اند
آب رُخ جواں بدم پیر بُردہ اند

چوں من بر آنکساں کہ نفس کردہ اند سر
نورِ سحر بنالہ شبگیر بُردہ اند

سرگشتہ اند اگرچہ بتحصیل تجربہ
پے تا فراز طارم تدبیر بُردہ اند

از سالخوردگاں نبود خوش فضول ازانکہ
صحبت لطیف خانۂ تقدیر بُردہ اند

پیراں ز روز تیرہ سیہ کار میشوند
با آنکہ موسفید سر از شیر بُردہ اند

بے باکی و غرور جوانی نماند حیف
پیراں ہمہ خجالت و تقصیر بُردہ اند

شادی بشیب گرمیِ افیوں بود چہ حظ
ایں قوم رہ بعیش بتزویر بُردہ اند

گر کج شود بماوِل نازک براں سزد
بارِ گراں بقامت چوں تیر بُردہ اند

با موئے ہمچو سبحۂ کافور نگروند
آناں کہ پے بزلف چو زنجیر بُردہ اند

یوسف فریب گرگ ممثل کجا خورد
روبہ بصید کردن نخچیر بُردہ اند

وحشی چو تو شکار نظیری کجا شود
شہباز را بدام مگس گیر بُردہ اند

غزل نمبر ۶۲ - (۱) وہ بوڑھے جنہوں نے فیض کی وقعت تاثیر سے پائی ہے۔ اُنہوں نے پیری کے دم سے جوانوں کی آبرو حاصل کر لی ہے۔ مطلب۔ اگر بڑھاپے میں تاثیر نمایاں ہو تو جوانوں کی آبرو کم ہوئی۔ کیونکہ ان کو پیر پیچھے چھوڑ گئے۔ (۲) میری طرح ہر وہ شخص جس نے سر آہیں بھری ہیں وہ رات کے نالوں سے نورِ سحر لے گئے ہیں۔ مطلب۔ "نفس سرد کردن" تاثیر پیدا کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے نالۂ شبگیر میری طرح نورِ سحر سے ہم آغوش ہوئے ہیں۔ (۳) اگرچہ وہ تجربہ حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہیں لیکن تدبیر کی چھت کی بلندیوں تک قدم اُٹھا لے گئے ہیں۔ مطلب۔ تجربہ حاصل کرتے کرتے منزل مقصود کی راہ نکال لے گئے ہیں۔ (۴) پُرانے آدمیوں سے فضول باتیں کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تقدیر کے گھر کی لطیف گفتگو حاصل کئے ہوتے ہیں۔ (۵) (بعض) بوڑھے سیاہ دن سے بھی زیادہ سیاہ کار ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بال دُودھ سے بھی زیادہ سفید ہوتے ہیں۔

مطلب۔ بڑھاپا بھی بعض اوقات سیہ کاریوں سے نہیں روکتا ۔

باقی ہے شیخ کو ابھی حسرت گناہ کی ✦ کالا کریگا منہ بھی جو داڑھی سیاہ کی ۔ (۶) افسوس ان کی بے خوفی اور جوانی کا غرور نہیں رہا ۔ اور بڑھاپے میں شرمندگی و قصور ہی لے کر گئے ہیں ۔ مطلب ۔ بڑھاپے میں آکر جوانی کے ولولے فنا ہو جاتے ہیں اپنے کئے پر پشیمان ہوتے ہیں ۔ (۷) اگر خوشی گرمی اور افیون کی تیزی سے ہو تو کیا لطف ؟ یہ قوم عیش کا راستہ بھی مکر سے طے کرتی رہے ۔ (۸) اگر نازک بدن کا دل ہماری طرف پھر جائے تو سزاوار ہے ۔ کیونکہ انہوں نے اپنے تیر جیسے سیدھے قد پر بھاری بوجھ اٹھایا ہوا ہے ۔ مطلب ۔ ہماری باتیں ان کے دل پر بھاری ہیں ۔ اور ان کا تیر جیسا قد بوجھ سے خم دار ہو جاتا ہے ۔ (۹) وہ لوگ جو اپنی زلف کے قدم زنجیر کی طرح لئے آرہے ہیں ۔ کافور کی طرح سفید بال والوں سے کیسے مانوس ہوں ۔ مطلب ۔ زلف گرہ گیر رکھنے والے جوان معشوق کہن سال سفید گیسو بزرگ سے مانوس کس طرح ہوں ۔ (۱۰) یوسف مثالی بھیڑیئے کا فریب کب کھاتا ہے ۔ (اس کو حاصل کرنے کے خواہاں) شکار کرنے کے لئے لومڑی کو ساتھ لے گئے ہیں ۔ مطلب ۔ حالانکہ لومڑی شکاری جانور نہیں ۔ یعنی جو یوسف کے شکاری بنے ہیں ۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ روباہ کو شکار کے لئے استعمال کر رہے ہیں اس لئے کامیابی معلوم ! (۱۱) تیرے جیسا جنشی نظیری کا شکار کس طرح بن سکتا ہے ۔ (اب جبکہ تو رام نظیری ہو گیا گویا) شہباز کو مکھی کے جال میں پھنسا لیا ہے ✦

چہ خوشت کیں دل کافر نہاد من دارد
نہ مذہب من و نہ اعتقاد من دارد

بآب و آتشم از سرکشی نمے سازد
ہزار عربدہ با خاک و باد من دارد

ز تیر نالہ فلک را کمیں بر انگیزد
کمان فتنہ بزہ از عناد من دارد

ندیم غصہ کہ روئے زمن بگرداند
عدوئے رحم کہ راہے بداد من دارد

بچشم دل زسویدائے دل ضعیف ترم
اگرچہ قوت دید از سواد من دارد

مبارزے کہ ہدف سدِ آہنین سازد
کجا ہدف ز کمین و کشاد من دارد

چہ اعتماد کنم بردو روئی غماز
کہ حادثات جہاں را بیاد من دارد

بصد علاقہ دل بایدم مقید بود
بایں کماں کہ سرِ انقیاد من دارد

من آں عزیز زمانم کہ بخت ہر ساعت
متاع مصر دگر در مراد من دارد

رسا ست دست تجرد کہ نزل من گیرد
تو لیست پشت توکل کہ زاد من دارد

بمصرعے کہ ندیماں ز نظم من خوانند
ہزار فخر بمن او ستادِ من دارد

زبکہ چرخ نظیری عجب ہراسانم — کہ کارہائے مرا بر مراد من دارد

غزل نمبر ۶۳ - (۱) یہ کیسی خو ہے جو میرا کافر فطرت دل رکھتا ہے۔ نہ میرا مذہب اور نہ اعتقاد رکھتا ہے۔ مطلب۔ میرا دل ہی میرے خلاف ہے۔ دُور کیوں جاؤں۔ (۲) اپنی سرکشی کی وجہ سے میرے پانی اور آگ (دو عناصر مزاج) سے بھی موافقت نہیں کرتا۔ وہ میری خاک و باد (باقی دو عناصر) سے ہزار جنگیں رکھتا ہے۔ مطلب۔ وہ سرکشی کی وجہ سے میرے مزاج سے سازگاری اور موافقت ہی نہیں کرتا۔ آب و خاک۔ آتش و باد عناصر اربعہ ہیں جن سے مزاج انسانی کی تخلیق ہوتی ہے۔ (۳) نالوں کے تیر سے آسمان کو گھات سے اُٹھاتا ہے۔ اور میرے ساتھ دشمنی رکھنے کی وجہ سے فتنے کی کمان چلّے چڑھائے رکھتا ہے۔ مطلب۔ دل نالہ و آہ سے آسمان کو برانگیختہ کر کے میرے ساتھ کینہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ (۴) غصہ میرا مصاحب ہے۔ جو کبھی مجھ سے منہ نہیں پھیرتا۔ اور رحم میرا دشمن ہے جو میری داد کو پہنچتا ہے۔ مطلب۔ غصہ و رنج ہر وقت میرے ساتھ ہیں۔ اور رحم جو اس کو میری طرف مائل کر سکتا تھا۔ مجھ سے دشمن کی طرح بعید ہے۔ (۵) میں دل کی آنکھوں میں دل کے سیاہ داغ سے بھی زیادہ کمزور ہوں۔ اگرچہ دیدار کی قوت میرے سواد (روشنی) سے ہے۔ مطلب۔ اپنی کمزوری و لاغری میں مبالغہ کیا ہے۔ (۶) وہ جنگ آزما لوہے کی دیوار کو نشانہ بناتا ہے۔ وہ میری گھات اور فراخی کو نشانہ کب بنائیگا۔ (۷) میں خلخور کی منافقت پر کیا اعتماد کروں۔ جو زمانے کے حادثات مجھے یاد دلاتا رہتا ہے۔ مطلب۔ منافقت سے تو مجھے زمانے کے تفکرات یاد آتے رہتے ہیں اس لئے میں منافق پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ (۸) دل کے سو تعلقات سے مقید رہا جا سکتا ہے۔ اگر یہ امید ہو کہ وہ میری قید کا خیال رکھتا ہے۔ مطلب۔ اگر مجھے معلوم ہو کہ وہ میرے ساتھ تعلقات رکھنا چاہتا ہے۔ تو ہم سو تعلقات سے اس کے مقید ہونے کے لئے آمادہ ہیں۔ (۹) میں وہ زمانے کا عزیز ہوں۔ کہ نصیب ہر گھڑی ایک دوسرے مصر کی متاع میری مراد میں رکھتا ہے۔ مطلب۔ عزیز۔ شاہانِ مصر کے لئے مستعمل ہے۔ عزیز مصر نے یوسف کو خریدا تھا۔ متاع مصر مراد یوسف علیہ السلام ہیں (۱۰) عالم تجرید کا ہاتھ رسا ہے۔ کہ وہ خوراک مجھ سے لیتا ہے۔ اور توکل کی پُشت مضبوط ہے۔ جو میری طرف سے زاد راہ رکھتا ہے۔ مطلب۔ تجرد اور توکل مجھ سے توشہ و آذوقہ لیتے ہیں۔ اس لئے وہ رسا اور مضبوط ہیں۔ (۱۱) میرے ندیم جو میرا ایک مصرع کہیں پڑھ دیتے ہیں۔ اس پر میرا استاد ہزاروں فخر کرتا ہے مطلب۔ میرے اشعار سُنکر اُستاد بھی خوش ہوتا ہے۔ (۱۲) اے نظیری میں آسمان کے مکر سے بالکل حیران ہوں۔ کیونکہ (آجکل) یہ میرے کام میری مراد کے موافق کر رہا ہے۔ مطلب۔ آسمان مجھ پر آجکل

مہربان ہے اور میں اس کی اس روش سے حیران ہوں۔

دریں سپید رقم قسمت و حوالہ نماند — اثر ز مہر و خط ایں کہن قبالہ نماند
ہزار قرن بریں قصر مردمان بگذشت — مسائل و حکم و دفتر و رسالہ نماند
زباب رحم و مروّت نشان چہ میخواہی — ازیں مقولہ حکایت دریں مقالہ نماند
زبس مرور زماں منفعت ز اشیا رفت — خواص مہر گیائے ہزار سالہ نماند
ہر آنچہ صاف قدح بود محرماں خوردند — بغیر دُردی مے در تہِ پیالہ نماند
مجوئے رحم ازیں گرگ ماہ کنعان در — کہ مشتری کلہ و مشتری کلالہ نماند
شکوہ حشمت پرویز حُسن شیریں رفت — مہ تمام فلک شد نزار و ہالہ نماند
زجنس خویش ہمہ صید مے کند ایام — زسبزہ زار فلک غیر یک غزالہ نماند
زمیں گداختہ آتشیں عذار النست — کجاست خاک کہ داغے بروئے لالہ نماند
نوالہ حصۂ تن پروراں نظیری شد — بیا کہ قسمت ما و تو غیر نالہ نماند

غزل نمبر ۲۴۶۔ (۱) اس آسمان میں (زمانے میں) ہماری قسمت کی تحریر جو اس کے حوالے ہوئی تھی نہیں رہی۔ اس پرانے قبالے کے مہر اور فرمان کا اثر ہی نہ رہا۔ مطلب۔ نوشتہ تقدیر آسمان کو دیا گیا تھا اس سے وہی گم گیا ہے اب میں اپنا حصہ لینے کا کیسے حقدار ہوں جبکہ قبالہ ہی موجود نہیں۔ (۲) آدمیوں کے اس محل پر ہزاروں سال گزر گئے۔ اس لئے مسائل حکمتیں۔ کتابیں اور رسائل کوئی نہیں رہے مطلب۔ دنیا پرانی ہوگئی ہے۔ اس لئے مسائل حکمت۔ دفاتر اور رسائل مفقود ہو گئے ہیں۔ (۳) رحم و مروّت کے باب کا نشان کیا تلاش کرتا ہے؟ اس مقولے کی حکایت اس تحریر میں نہیں رہی۔ مطلب۔ دنیا میں رحم و مروّت کا نشان نہیں رہا۔ ؎ نہ رحم ماند و نہ شفقت نہ دوستی نہ وفا + دریں دیار نظیری دگر چہ کار مرا (۴) زمانے کی گردشوں میں چیزوں کا فائدہ جاتا رہا۔ اس لئے اب ہزار سالہ مہر گیاہ کے خواص بھی جاتے رہے مطلب۔ جوں جوں زمانہ گذرا جاتا ہے چیزوں کے فوائد میں بھی تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔ اسی طرح "مہر گیا" جس کی تاثیر محبت پیدا کرنا ہوتی تھی اب بدل گئی ہے۔ (۵) جو صاف شراب پیالے میں تھی وہ محرموں نے پی لی۔ اور شراب کی تلچھٹ کے سوائے اور کچھ پیالے کی تہ میں نہیں۔ (۶) اس کنعان کے چاند (یوسف) کو پھاڑ کھانے والے بھیڑیے سے رحم تلاش نہ کر کیونکہ (اس کے ہاتھ سے) مشتری کلاہ (عاشق) اور مشتری کلالہ (معشوق) (دونو) نہ بچ سکے مطلب۔ زمانے کی طبیعت بھیڑیے کی طرح جو عاشق و معشوق سب کو اپنے اپنے وقت پر کھا جاتا ہے ؎

مباش غرّہ دغافل چو مِیش سرو پیش کہ در طبیعت ایں گرگ گلہ بانی نیست

(۷) پرویز کے لشکر کی شوکت اور شیریں کا حُسن جاتا رہا - آسمان کا بدر کمزور ہو گیا - اور اس کے گرد ہالہ بھی نہ رہا - مطلب - زمانے کے ہاتھوں کوئی نہیں بچ سکا - دنیا کا قانون کمال کو زوال پذیر کرتا ہے ؎

یکے بگو عزیزانِ شہر سیرے کن ببیں کہ نقش املہا چہ باطل افتادہ ست

(۸) زمانہ اپنے ہم جنسوں کا صید کرتا آیا ہے - آسمان کے سبزہ زار سے ایک ہرنی کے سوا اور کوئی نہیں بچا (نوٹ) غزالہ - ایک ستارے کا نام ہے جس کی شکل غزالہ کی بتاتے ہیں - (۹) زمین آگ جیسے خسار رکھنے والوں کو پگھلانے والی ایسی زمین کہاں ہے کہ وہاں لالہ کے چہرے پر کوئی داغ نہ ہو - مطلب - نہایت خوبصورت معشوق زمین کھا گئی اور لالہ کبھی بغیر داغ پیدا نہیں ہوا - (۱۰) اے نظیری خوراک تو پیٹوؤں کی نذر ہو گئی - آ! کہ تیری اور ہماری قسمت میں سوائے نالے کے اور کچھ نہیں رہا +

عالم از عشق در وجود آمد عشق معمار ہست و بود آمد
در بشر کبریائے عشق نمود ملک از عجز در سجود آمد
رد شد از صدر بارگاہِ شہود آنکہ برکار ما حسود آمد
عشق بر تخت از زبر نگریست عقل و لوح و قلم فرود آمد
ہر چہ اہلیت نمودن داشت ہمہ از عشق در نمود آمد
نیست جز عشق و عاشق و معشوق ہر چہ در معرضِ شہود آمد
عقل بر کار عشق سوخت سپند شکل ایں گنبدِ کبود آمد
عشق صنعت نمود بے آلت بود ہر چیز از نبود آمد
جامہ مجنوں درد کہ خلعتِ عشق عارے از جنس تار و پود آمد
عشق را عشق دی و فردا نیست دیر ہم زود تر ز زود آمد
شد جوانی و عشق و حرص و ہوا شعلہ بنشست و خس بدود آمد
ز و سخن بر لب نظیری جوش عشق در گفت و در شنود آمد

غزل نمبر ۶۵ - (۱) عالم عشق کی بدولت وجود میں آیا عشق ہستی اور نیستی کا معمار بن کر آیا - مطلب - دنیا عشق سے پیدا ہوئی - (۲) انسان میں عشق نے کبریائی شان پیدا کی - اور فرشتے نہایت عاجزی سے سجدے میں گر گئے - مطلب - انسان مسجودِ ملائک ہے - (۳) مشاہدہ کی بارگاہ سے وہ راندہ گیا جو ہمارا حاسد بنا - مطلب - شیطان نے سجدے سے انکار کیا - اس نے اپنی نہادِ آتش فخر کرتے

ہوئے خاک زاد آدم کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا۔ اس کے خلیفہ بنائے جانے پر حسد کیا اور راندۂ بارگاہِ ایزدی ہؤا۔ (۴) عشق نے اوپر سے نیچے نگاہ ڈالی عقل۔ لوح اور قلم نیچے اُتر آئی۔ (۵) جو چیز بھی ظاہر ہونے کی اہلیت رکھتی تھی وہ سب عشق سے نمودار ہو گئی۔ (۶) جو چیز مشاہدہ کی جلوہ گاہ پر آئی وہ عشق عاشق اور معشوق کے سوا اور کچھ نہیں مطلب عشق عشق معرفتِ خداوندی۔ عاشق۔ سالک۔ عارف معشوق خدا تعالےٰ۔ معروف۔ (ع) شدہ معروف و عارف جملہ یک چیز۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے ؀ حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں۔ (۷) عقل نے عشق کے کام میں سپند جلائی اور اس نیلے رنگ کے گنبد کی شکل پیدا ہوئی۔ مطلب۔ نیلا سا دھوآں سپند جلانے سے اُٹھا اور اس نے آسمان بنادیا۔ (۸) عشق نے بغیر اوزار صنعت دکھائی۔ ہر چیز کی ہستی اس کی نیستی سے ظاہر ہوئی۔ مطلب۔ ہر چیز عدم سے ہست ہوئی۔ (۹) مجنوں اس لئے لباس پھاڑتا ہے کہ عشق کی خلعت تانے بانے کی جنس سے پاک ہے ؀

عشق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا ؀ قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا۔ (۱۰) عشق کو گذشتہ کل اور آیندہ کل سے اُلفت نہیں ہے۔ یہاں کی دیر بھی جلد سے جلد ظاہر ہوئی۔ (۱۱) جوانی اور عشق ہو چکا۔ اب حرص و ہوا (باقی ہے) شعلہ بجھ گیا اور تنکے دھوآں دینے لگے مطلب۔ شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھوآں اُٹھتا ہے۔ (ع) شعلۂ عشق سیہ پوش ہؤا میرے بعد۔ (۱۲) اشعار نظیری کے لبوں پر جوش مارنے لگے عشق گفت و شنید میں مصروف ہؤا۔ نوٹ۔ ساری غزل عشق حقیقی کے متعلق ہے اور تصوف کی چاشنی رکھتی ہے ؀

اشک در دیدہ نیارم کہ حجابم نبرد ؀ حایل گریہ کنم شرم کہ آبم نبرد
تپش و تابش من گرم سوالش سازد ؀ صدا داہست کہ کس پے بجوابم نبرد
گشتہ ام بے سپر حادثہ چوں گنج یتیم ؀ جز خضر راہ بدیوار خرابم نبرد
خوار از عجز و تنزل شدہ ام میخواہم ؀ کہ بصلحش نروم تا لعتابم نبرد
بسکہ عطر گل دل راہ مشامش بگرفت ؀ بوئے از سوختگیہائے کبابم نبرد
سرخوش از گردش چشم و لب میگوں کنم ؀ زود مستم لبسوئے بزم شرابم نبرد
قطعۂ سبز خطش دیدہ ام از چشمۂ نوش ؀ ہوس از راہ بہر نقش سرابم نبرد
نکنم یاد لب بادہ فروشش بنماز ؀ کہ ز مسجد بخرابات خرابم نبرد
نپرد مرغ کہ والہ نکند امیدم ؀ نہ وزد باد کہ از پائے شتابم نبرد

ہر شب از نرگس فتاں بکمینِ نظرم — صد فسون ساز نشانندست کہ خوابم نبرد
نیست از بادہ بجز یادِ نظیری در دست — نگذرد آب رزاز کام کہ آبم نبرد

غزل نمبر ۶۶ — (۱) میں اپنی آنکھوں سے آنسو نہیں لاتا کہ کہیں وہ حجاب نہ کرے۔ میں شرم کو رونے میں حائل کرتا ہوں کہ میری آبرو نہ لے جائے۔ مطلب۔ اس لئے نہیں روتا کہ لوگوں میں وہ ذلیل ہونے کے خوف سے حجاب نہ کرے۔ اور محفل میں میری بے آبروئی نہ ہو۔ کیونکہ اگر روتے تو ؎ آنکھ کم بخت سے اس بزم میں آنسو نہ رُکا + ایک قطرے نے ڈبویا مجھے دریا ہو کر۔ (۲) میرا سوز و ساز اسے سوال کے لئے آمادہ رکھتا ہے۔ اس کی سو ادائیں ہیں کہ کوئی میرے جواب کو نہیں سمجھتا۔ مطلب۔ میری تپش اور بیقراری اس کو سوال کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مگر اس کی ادائیں میرا جواب نہ سمجھنے پر اسے مجبور کرتی ہیں۔ (۳) میں حادثے سے پامال ہو چکا ہوں۔ اور گنجِ یتیم کی طرح کوئی شخص میرے ویرانے کا راستہ نہیں لیتا۔ مطلب۔ اس میں حضرت موسٰی اور خضر کی ہم سفری کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ؎ خضر وقتے گو کہ تعمیر خرابِ ما کند + زانکہ گنجے ہست پنہاں در تہِ دیوارِ ما (۴) میں عاجزی اور زوال سے خوار ہو چکا ہوں۔ اب یہ چاہتا ہوں کہ اس سے صلح کرنے کے لئے نہ جاؤں۔ تاکہ اس کے غضب کا شکار نہ ہوں۔ (۵) چونکہ پھول کے عطر اور شراب نے اس کے دماغ کا راستہ روکا ہوا ہے۔ اس لئے میرے کباب دل کے جلنے کی بُو اس کو نہیں آتی۔ مطلب۔ وہ آرام و آسائش میں محو ہے۔ اس لئے ہم تفتہ دلوں کی کیا خبر۔ (۶) اس کی آنکھ کی گردش اور شراب کا رنگ رکھنے والے لب کی وجہ سے میں خوشی و خرمی کر رہا ہوں۔ چونکہ میں جلدی مست ہونے والا ہوں۔ اس لئے وہ مجھے شراب کی محفل میں نہیں لے جاتا۔ مطلب۔ جب میں اتنا زود مست ہوں کہ گردش چشم ساقی ہی سے مست ہو جاتا ہوں۔ تو پھر شراب کی محفل میں مجھے کیوں لے جائے۔ (۷) میں نے اس کے سبز خط کا قطعہ شہد کے چشمے میں دیکھا ہے۔ اس لئے اب ہوس مجھے ہر نقش سراب کی طرف بھٹکا کر نہیں لے جا سکتی۔ مطلب۔ جب میں نے معشوق کا سبزۂ خط اور لب نوش دیکھے ہیں تو پھر کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں ہو سکتا نہ دھوکا کھا سکتا ہوں۔ (۸) کوئی پرندہ ایسا نہیں اُڑتا کہ اس کی امید مجھے فریفتہ نہ کر لیتی ہو۔ اور کوئی ہوا ایسی نہیں چلتی کہ جو مجھے جلدی قدم اُٹھانے پر مجبور نہ کرتی ہو۔ مطلب۔ ہر پرندے کو دیکھ کر خطِ معشوق کی توقع پیدا ہوتی ہے۔ اور ہر ہوا کا چلنا خیال پیدا کرتا ہے کہ شاید بوئے معشوق اس کے ساتھ ہو۔ (۹) ہر رات میں اس کی فتنہ گر نرگس کی وجہ سے نظر کی گھات میں ہوں۔ اس نے سو جادوگر بٹھا دیئے ہیں کہ مجھے نیند نہ آسکے۔ مطلب۔ اس کی نرگس

چشم کی یاد میں مجھ پر خواب حرام ہے۔ (۱۰) اے نظیری! شراب سے اس وقت کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ شراب حلق سے نیچے نہیں اترتی۔ میری بے آبروئی ہو جاتی ہے۔ مطلب۔ "باد در دست آمدن"۔ کچھ حاصل نہ ہونا۔

دیدہ ام نیم نگاہے کہ بدیدن نرسد — صف آہوش بدنبالہ کشیدن نرسد
سوئے وحشت زدگاں بس لبیاست نگرد — کار بسمل ز نگاہش بطپیدن نرسد
ہیچگہ ذوق کلامش برگ جاں نخلد — کہ ز رگ تا بہ رگم شہد چشیدن نرسد
طرہ بر باد فشاں عشوہ گلزار فروش — در چمن سرو چمانش بچمیدن نرسد
رام خاطر شود اما باشارت برمد — دست صیاد بصیدش برسیدن نرسد
بار رخ ہوش شکارش چہ کمین وچہ کمند — فکر نخچیر ز شوقش برمیدن نرسد
ندہد جلوۂ عارض کہ تماشائی را — کار از حسرت بادست بریدن نرسد
کرد لخت جگر شور گزک مستاں را — کہ لبیب ذوقن آسیب گزیدن نرسد
خضر توفیق بار راہ نما شد ورنہ — کس بسر چشمۂ حیواں بدویدن نرسد
جذب اقبال عروجم بمقامے انداخت — کہ ببال و پر جبریل پریدن نرسد
اگر از چاہ بایں جاہ بر آید یوسف — مالک از گرمی سودا نخریدن نرسد
ہوش از گوش شود محو نظیری ترسم — گوش کیں لذت دیدان بشنیدن نرسد

غزل نمبر ۶۷

(۱) میں نے ایسی نیم نگاہ دیکھی ہے جس کو دیکھنا آسان نہیں وہ ہرنوں کی صف ہے۔ اس کے دنبالے نہیں نکالے جا سکتے۔ مطلب۔ چشم آہو کی مانند ہے جو لمبی اور نکیلی ہوتی ہے۔ "دنبالہ کشیدن" عام طور پر ہرنوں کے لئے مستعمل ہے۔ جن کی آنکھوں کی سیاہی گوشوں میں نکلی ہوتی ہے۔ (۲) وہ وحشت کے مارے ہوؤں کی طرف سخت سزا کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اور بیچارے بسمل کا کام تڑپنے تک پہنچتا ہی نہیں۔ مطلب۔ اپنے وحشت زدوں کو اپنی نگاہوں ہی سے مار ڈالتا ہے قبل اس کے کہ وہ تڑپیں۔ (۳) اس کے کلام کا ذوق کسی ایسی جگہ نہیں چبھتا۔ کہ رگ رگ میں شہد چکھنے کا مزا نہ دے۔ مطلب۔ ذوق کلام معشوق میں وہ خلش ہے کہ اس کی حلاوت میرے لئے شہد کی مانند ہے۔ (۴) زلفیں ہوا میں کھول دے اور باغ کا عشوہ ضائع کر دے۔ تاکہ باغ میں سرو جمال کا ٹہلنا اس کے مقابلے میں ہیچ ہو۔ (۵) وہ رام تو ہو جاتا ہے لیکن ایک اشارے ہی سے رم کر جاتا ہے۔ اور صیاد کا ہاتھ اپنے شکار تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ مطلب۔

صیاد سے مراد قاتل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا شکار بآسانی قابو میں نہیں آسکتا۔ ذرا کوتاہی ہوئی اور ہم نے کیا رم کیا! (۶) اس کے ہوش کا شکار کرنے والے چہرے کے لئے کیا کمند اور کیا گھات۔ شکار کا خیال اس کے شوق سے رم ہی نہیں کرسکتا۔ مطلب۔ اس کا حُسن ہوش کا شکار کرتا ہے جو اسے دیکھتا ہے ہوش کھو بیٹھتا ہے۔ (۷) وہ کسی تماشائی کو اس وقت تک اپنے رخسار کا دیدار نہیں دکھاتا جب تک کہ معاملہ حیرت سے ہاتھ کاٹ لینے تک نہ پہنچ جائے۔ مطلب۔ حضرت یوسف کے دیدار اور مصر کی عورت کے محو حیرت ہو کر بجائے پھلوں کے ہاتھ کاٹ لینے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی معشوق اس وقت جلوۂ دیدار دکھاتا ہے۔ جب عشق کمال تک جا پہنچے۔ (۸) ہمارے نمکین جگر کے ٹکڑے (ساقی نے) مستوں کے لئے گزک بنا دیئے تاکہ اس کی ٹھوڑی کے سیب کو کاٹنے کا خوف نہ رہے۔ مطلب۔ مست پارۂ جگر کھائیں۔ اس کی ٹھوڑی کے سیب کو نہ کاٹیں۔ (۹) توفیق کا خضر اس کا رہنما بن گیا۔ ورنہ کوئی شخص آب حیات کے چشمے پر بھاگ کر نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب راہِ معرفت میں تائید ایزدی شامل حال نہ ہو تو منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے۔ (۱۰) اقبال کی کشش نے میرا عروج ایسے مقام پر پہنچا دیا۔ جہاں جبرائیل کے بال و پر سے بھی اُڑا نہیں جا سکتا۔ مطلب۔ یہ انسانی اقبال تھا۔ کہ مقام لامکان تک لے گیا۔ ورنہ جبریل بھی وہاں نہیں جا سکتا۔ (۱۱) اگر یوسف کنعٔیں سے ایسے حُسن کے ساتھ نکل آئیں تو ان کا مالک بھی سودا کی گرم بازاری دیکھ کر خرید نہ سکے۔ مطلب۔ حضرت یوسف تو چند داموں پر قافلے کے ہاتھ فروخت ہو گئے تھے۔ لیکن شاعر کہتا ہے کہ اگر حسن حقیقی لے کر وہ نمودار ہوتے۔ تو مالک بھی اس بے بہا متاع کو نہ خرید سکتا۔ (۱۲) اے نظیری! یہ کوشش کر کہ لذتِ دیدار سننے کو حاصل نہ ہو۔ ورنہ مجھے خوف ہے کہ ہوش صرف کانوں ہی سے محو ہو جائیگا۔ مطلب۔ عام طور پر ظاہر کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" شاعر کا مقصد یہ ہے کہ ایسی کوشش کر کہ "دیدار معشوق" کا درجہ بہ نسبت "شنیدن کلام معشوق" بلند رہے۔ ورنہ ادھر اس کی گفتار سنائی دی ادھر کانوں کے ہوش اُڑ جائینگے۔

عنانِ دل زخود رائی بقفر باد مم نگهدارد
دلِ دیوانہ ام را گنج در ویرانہ افتاد است
چہ گویید کفر مجذوبے باستغفار حاجت نیست
مرا گر ہست کبرے در دماغ از کبریائی است
تجلّی جمالے ہست رہبر جا کہ ذوقے ہست

بنالم کاندراں دل نالۂ مظلوم رہ دارد
گدائے عشقبازی با جمال بادشہ دارد
کسے کز عشق گمرہ شد چہ پروائے گنہ دارد
حباب از جوش دریا باد نخوت در کلہ دارد
بیا ہاں شور اگر مے آورد یوسف بچہ دارد

فقیرے راکہ شبہا تکیہ گاہ از خشت اندر شد — چناں خوابد کہ گوئی تکیہ بر خورشید و مہ دارد
حکایتہائے عہد دوستی را کردہ ام از بر — چو ہندوئے کہ بعد از سوختن ہیزم نگہ دارد
ہماں بہتر کہ نکشائی سر راز دل ما را — کہ حرفِ ہجر خونیں نامۂ ما نہ بتہ دارد
بخاک پائے گلبن مینویسد شکوہ از غربت — اگر بر شاخ طوبےٰ بلبلے آرام گہ دارد
شبیخونِ غم از جادر نمے آرد نظیری را — زاشک و آہ شب سلطانِ ما خیل و سپہ دارد

غزل نمبر ۶۸۔ (۱) اس کے دل کی باگ خود رائی کی وجہ سے میری فریاد کی نگہداشت کرتی ہے۔ اس لئے میں روتا ہوں کیونکہ اس دل میں مظلوم کے نالوں کو راستہ مل جاتا ہے مطلب میرے نالوں پر معشوق مجھ پر رحم کھاتا ہے۔ میری فریاد کی نگہداشت کرتا ہے اس لئے روتا ہوں۔ (۲) میرے دیوانہ دل کو خزانہ ویرانے میں گرا ہوا مل گیا ہے۔ گویا ایک گدا بادشاہ کے حُسن سے عشق رکھتا ہے مطلب جب ایک گدا بادشاہ کے عشق میں سرشار ہو تو اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اسے ویرانہ میں خزانہ مل جائے۔ (۳) جب کہا جاتا ہے کہ مجذوب کے کفر پر توبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر جو عشق میں گمراہ ہوا اسے گناہ کی پرواہ نہیں مطلب۔ مجذوب بے خود ہوتا ہے اس کے کلمات کفر پر توبہ لازم نہیں۔ اس طرح عاشق کو "گناہ عشق" پر تائب ہونا ضروری نہیں۔ (۴) اگر میرے دماغ میں کچھ تکبّر موجود ہے تو یہ اس کی شان کبریائی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ بلبلہ دریا کے جوش کی وجہ سے غرور کی ہوا اپنے سر میں لئے ہوتا ہے مطلب۔ میرا غرور شانِ رحیمی کو دیکھ کر ہے جس طرح دریا میں جوش زیادہ ہو تو بلبلہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح تیری رحمت کی زیادتی ہی میرے تکبّر و نخوت کا باعث ہے۔ (۵) جہاں کہیں بھی ذوقِ عشق موجود ہے۔ وہ تیرے جمال کی تجلی کا نتیجہ ہے چنانچہ اگر بیابان میں شور ہے تو اس لئے ہے کہ اس کے پاس یوسف (جیسا معشوق) کنوئیں میں ہے مطلب۔ ہوا کے آواز سے چلنے کو "شور بیابان" قرار دیا ہے جس کی علت یوسف جیسا معشوق کنوئیں میں رکھنا قرار دی ہے۔ (حُسن تعلیل ہے) (۶) وہ فقیر جو اس کے دروازے کی اینٹ کو تکیہ بنا کر رات بسر کرتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ گویا سورج اور چاند اس کے تکئے ہیں مطلب۔ وہ معشوق جو اس کی دہلیز پر رات بسر کرتا ہے اپنا مرتبہ بے حد بلند خیال کرتا ہے۔ (۷) میں نے دوستی کے عہد کی تمام حکائتیں زبانی یاد کر رکھی ہیں۔ اس ہندو کی طرح جو جلنے کے لئے ایندھن کی حفاظت کرتا ہے مطلب۔ دوستی و عشق کا زمانہ گذر چکا۔ اب صرف اس کی یاد ہے۔ جو وقتاً فوقتاً آ کر مسل جاتی ہے آخر ایک دن اسی داستان میں جل مرونگا۔ (۸) یہی بہتر ہے کہ تو ہمارے دل کے راز کو نہ کھولے۔ کیونکہ ہمارے خط میں خونیں فراق کی باتیں تہ بہ تہ رقم ہیں مطلب ہجر کی

تکالیف کی داستانیں خون رلانے والی ہیں اس لئے ان کا نہ سننا ہی بہتر ہے (ع) نہ سُنا جائیگا تم سے فسانہ میرا (۹) اگر طوبےٰ کی شاخوں پر کوئی بلبل اپنی آرامگاہ رکھتی ہے۔ تو وہ بھی پھلواڑی کی خاک پا پر اپنی مسافرت کا شکوہ لکھتی ہے۔ مطلب۔ وطن کو چھوڑ کر بہشت میں بھی چلے جاؤ تو یاد وطن تڑپ پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ بلبل کا وطن گلزار ہے۔ اگر اسے شاخ طوبیٰ پر نشیمن بنا دو پھر بھی اسے اپنے وطن اصلی کی یاد آئیگی۔ (۱۰) غم کا چھاپہ نظیری کو ہرگز شکست نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ہمارا سلطان (نظیری عشقباز) رات کے آنسوؤں اور آہوں کا لشکر اور سپاہ رکھتا ہے۔ مطلب۔ نظیری کے پاس سپاہ اشک اور لشکر آہ ہے اس لئے اس پر غم کا حملہ کارگر نہ ہوگا وہ مقابلے کے لئے تیار ہے +

ناوک غم جاں شگاف سینہ گر جوشن شود — عشق مقناطیس گردد دل اگر آہن شود
سینۂ پُر حسرتے دارم کہ از اندوہ او — تا بنزدیک لب آرم خندہ را شیون شود
پیش شد سرگشتگی چندانکہ پائم پیش شد — سر بتاریکی نہادم تا رہے روشن شود
یک توجہ از تو در کار است و صد عالم مراد — غم ندارم گر اجابت با دعا دشمن شود
شب ترنم ہائے غم بیدار دارد خلق را — ہر کرا سوزد چراغے نالہ ام روغن شود
من ہم از فریاد خود آزردہ میگردم ولیک — گر بہ بندم لب ز افغاں سینہ ام روزن شود
بسکہ بتیو جامۂ جاں بر برِ من تنگ شد — گر گریباں را بدوزم چاک از دامن شود
وصل اگر خواہی نظیری شوق را سرمایہ ساز — نور عشق است ایں چراغ وادیٔ ایمن شود

غزل نمبر ۶۹ - (۱) اگر سینہ زرہ بن جائے تو بھی غم کا تیر جان میں شگاف کر دیتا ہے۔ دل اگر لوہا بن جائے تو عشق مقناطیس بن جاتا ہے۔ مطلب۔ غم عشق سے فرار ممکن نہیں۔ تم اپنے دل کو کسی طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کرو۔ مگر عشق اپنی طرف کھینچ لے گا ؎

کیا بتاؤں ابتدائے عشق کی مجبوریاں + لاکھ سمجھایا دل خانہ خراب آہی گیا۔ (۲) میں ایسا حسرتوں سے بھرا ہؤا سینہ رکھتا ہوں۔ کہ اس کے غم میں ہنسی لبوں تک آتے آتے گریہ و بکا بن جاتی ہے۔ مطلب۔ حسرتوں سے بھرے ہوئے سینے کی وجہ سے ہرگز خوشی میسر نہیں آسکتی۔ (۳) جتنے میرے قدم آگے بڑھے پریشانی بھی بڑھتی گئی۔ اس لئے میں نے تاریکی کا رُخ کیا۔ تاکہ کوئی راستہ روشن ہو مطلب۔ "ظلمت فنا" کا رُخ کیا تاکہ "نور لقا" حاصل ہو۔ (۴) تیری ایک توجہ درکار ہے اور سو عالم مرادوں کے پورے ہو جائینگے، مجھے اس بات کا غم نہیں ہے کہ قبولیت کو میری دعا سے دشمنی ہے۔ مطلب۔ اگر خدا تعالیٰ کی توجہ ہے تو مرادیں پوری ہو جائینگی۔ اُس صورت میں دُعا کی قبولیت یا عدم اجابت سے

بحث نہیں۔ (۵) رات کو میرے نغمے خلقت کو بیدار رکھتے ہیں جس کے ہاں چراغ روشن ہے اس کے لئے میرے نالوں کا روغن استعمال ہوتا ہے۔ مطلب۔ میری گریہ وزاری لوگوں کے لئے روشنی راہِ عشق بنتی ہے۔ (۶) میں بھی اپنی فریادوں سے آزردہ ہو جاتا ہوں۔ مگر دصورت یہ ہے) کہ اگر فریاد سے لب بند کر لیتا ہوں تو سینے میں سوراخ پیدا ہو جاتا ہے۔ مطلب۔ فریاد رکے نہیں رکتی۔ منہ سے نہ نکالوں۔ تو سینے میں شگاف کر کے باہر ہو جاتی ہے۔ ؎

عجب دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(۷) تیرے فراق میں جسم کا لباس میری جان پر بے حد تنگ ہو چکا ہے۔ اس لئے اگر گریبان سی لیتا ہوں تو دامن چاک چاک ہو جاتا ہے۔ مطلب۔ اب جسم و جان کا اتحاد تیرے فراق میں ناممکن ہے (۸) اے نظیری! تو اگر وصل کا خواہشمند ہے تو شوق کو اپنا سرمایہ بنا لے۔ یہ عشق کا نور ہے اس لئے وادیٔ ایمن کا چراغ بن سکتا ہے۔ مطلب۔ شوقِ عشق نے موسیٰ کو جلوۂ یار سے مالا مال کیا۔ اس لئے تو بھی اسے سرمایہ بنا تاکہ وصل کی دولت سے بہرہ مند ہو +

دلم از نالہ خوش گردید اُمید اثر باشد
لبے آسودہ شستم ایں خدنگم کارگر باشد

اگر زدیدہ دید نہا نباشد بہر پاس دل
محبت از تغافلہائے بیجا در خطر باشد

زہجراں روز مارا در غبار عالمے وارد
نباشد در شبِ ما روشنی گر صد سحر باشد

نگوئم جرم او را کشت شرم غمزہ را نازم
کہ صدرہ مردہ ام دیدو زحالم بیخبر باشد

مکن دو درم کہ بس دشوار باشد بال افشاندن
اسیرے را کہ گرد ے زیں جرم بربال و پر باشد

دلم تا خو با سائش نگیرد روز خورسندی
بخاطر شیوۂ آید کہ آں جانسوز تر باشد

نظیری شاد ہم باشی کہ خدمتگار دیرینی
کہ ایں قدر و قیمت پیش او خاکت بسر باشد

غزل نمبر ۷۰ (۱) میرا دل (آج) نالوں سے خوش ہو گیا ہے اس لئے اثر کی امید ہے۔ میں نے نشانہ بہت آرام سے لگایا۔ اس لئے یہ میرا تیر بالضرور کارگر ہوگا۔ مطلب۔ نالے کا دل کو گرما دینا قبولیت کا ضامن ہوتا ہے۔ بقول نظیری (ع) ”چوں مرادِ دل اجابت شد دعا را گرم ساخت“ اسی طرح نشان آرام سے اور آسائش خاطر سے باندھ کر تیر چلایا جائے تو نشانے پر کارگر ہوتا ہے۔ (۲) اگر وہ ہمارے دل کی پاسداری کے لئے دزدیدہ نگاہی سے بھی نہ دیکھے تو محبت اس کے بیجا تغافل سے خطر میں پڑ جائے۔ مطلب۔ اس کی دزدیدہ نگاہ دل کو محبت پر بروئے کار رکھتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو عشاق اس کے تغافل کے شاکی ہو کر یہ مشغلہ چھوڑ بیٹھیں۔ (۳) ہجر کی وجہ سے ہمارے دل کو ایک دنیا کے غبار میں رکھتا ہے۔

(دل پر دنیا بھر کے غبار چھائے ہیں) اس لئے اگر سو صبح بھی آجائیں تو ہماری رات میں روشنی پیدا نہیں ہوتی ۔ مطلب ۔ ہجر کے مارے ہوؤں کو روشنی سے کیا کام؟ ے

اُف مرے غمکدے کی تاریکی ۔ آپ آئے بھی تو سحر نہ ہوئی ۔ (۴) میں (اپنی موت) اس کا جرم نہیں قرار دیتا ۔ بلکہ غمزے کی شرم پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے مجھے سو جگہ مرا ہوا پایا ۔ اور پھر بھی میرے حال سے بیخبر رہا مطلب ۔ اس کا غمزہ اس قدر شرم و حیا کا پتلا ہے ۔ مجھے وہ دیکھ کر بھی میرا حال نہیں پوچھتا تو بھلا زندوں کو کیا پوچھیگا ۔ اس لئے میں اس کی اس شرمیلی حالت پہ ناز کرتا ہوں ۔ (۵) مجھے دور نہ کر ۔ کیونکہ اس قیدی (پرندے) کے لئے جس کے بال و پر پر اس حرم کا غبار پڑا ہو پر جھاڑنے دشوار ہوتے ہیں ۔ مطلب ۔ تیرے حرم عشق کے راستے میں میرے پر و بال پر غبار پڑا ہے ۔ اسے مقدس سمجھ کر میں جھاڑنے سے رہا ۔ اس لئے اب مجھے یہاں سے دور نہ کر ۔ کیونکہ اس طرح "بال و پر افشاندن" ۔ (جو اُڑنے سے پہلے پرندوں کا شیوہ ہے) کرنا پڑیگا ۔ اور یہ غبار جاتا رہیگا ۔ (۶) میرا دل اب آرام کی خو نہیں پاتا ۔ اس لئے خوشی کے دن بھی میرے دل میں ایک ایسا شیوہ آجاتا ہے کہ بہت زیادہ جانسوز بن جاتا ہے مطلب ۔ میرا دل آرام و آسائش کا عادی ہی نہیں ۔ (۷) نظیری تو اسی بات پر خوش رہ کہ اس کا پرانا خادم ہے ۔ تیرے سر پر خاک! اس کے سامنے تیری قدر و قیمت کیسی مطلب ۔ اپنی قدر و قیمت کا خواہاں نہ ہو ۔ یہ تجھے حاصل نہیں ہو سکتی ۔ البتہ اس بات پر خوش ہو جا کہ خادم دیرینہ ہے اور بس ۔

هرگز بسیر گل دل محزون نمے رود
یار از خیال غمزده بیروں نمے رود

عشق از جهاں بریدن و از خود گذشتن ست
کار وفا ز پیش بافسوں نمے رود

مرداں بجا بعزم و توکل رسیده اند
یک دل رمیده نیست که درخوں نمے رود

از زخم عشق ور بن هر سنگ کشته ایست
از خونِ ما کجاست که جیحوں نمے رود

لذت بخواب برده و شادی بغافلی
در هر دلے که او بشبخوں نمے رود

در حرف تلخ نوش لباں صد دقیقه است
کوتاه بیں ز لفظ بمضموں نمے رود

مرغانِ دشت را زغم دل جراحتے است
شب نیست کیں خروش بهاموں نمے رود

از بسکه رد شد از درِ مقصود حاجتم
آهم ز انفعال بگردوں نمے رود

آنرا که گوشِ دل شنود ناله بس است
عاشق بدرس پیش فلاطوں نمے رود

راه وفا ز تفرقهٔ عشق بسته شد
دیر است ناقه بر سر مجنوں نمے رود

بوئے نسیم فقر نظیری شنیده است
از ره بتاج و تخت فریدوں نمے رود

غزل نمبر ۱۷۔ (۱) ہمارا غمناک دل باغ کی سیر کے لئے نہیں جاتا۔ اور میرے غمزدہ خیال سے دوست باہر نہیں نکلتا۔ مطلب۔ میں ہوں اور یار کا خیال مجھے سیر باغ سے کیا کام؟ (۲) عشق جہاں سے الگ ہونا اور اپنے آپ کو چھوڑنا ہے۔ وفا کا کام جادو (مکر و فریب) سے نہیں چل سکتا۔ مطلب۔ عشق میں "قطع علائق دنیا" پہلی منزل ہے۔ اور اس میں مکر و فریب سے کام نہیں چلتا۔ ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن ٭ دل بدست دگرے دادن و حیران بودن (۳) جوانمرد ارادے اور توکل کی بدولت اچھی جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ ایک دل رمیدہ (عاشق) ایسا نہیں کہ جو خون میں غرق نہ ہو۔ مطلب۔ یاران طریقت عزم اور توکل کی وساطت سے راہ معرفت طے کر کے مطلوب سے واصل ہوتے ہیں۔ (۴) عشق کے زخم سے ہر پتھر کی جڑ کے نیچے ایک چشمہ ہے۔ کونسی جگہ ایسی ہے۔ کہ وہاں ہمارے خون سے دریائے جیحوں رواں نہ ہو۔ مطلب عشق نے ہر جگہ دل و جگر زخمی کر رکھے ہیں کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جہاں عشاق کا خون رواں نہ ہو۔ (۵) جس دل میں اس نے شبخون نہیں مارا وہ میٹھی نیند میں لذت حاصل کر رہا ہے۔ اور غفلت میں خوشی ہے مطلب۔ جو عشق میں مبتلا نہیں وہ خواب غفلت میں مبتلا ہے۔ (۶) میٹھے لب والوں کی تلخ باتوں میں بھی سو باریکیاں ہیں لیکن کم عقل الفاظ سے مضمون تک نہیں پہنچتا۔ مطلب۔ کم عقل ظاہر بین ہے باطن تک رسا نہیں۔ ورنہ معلوم کرتا کہ معشوق کی دشنام طرازی بھی لذت انگیز ہے اسی لئے تو۔ ؎

سُنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم ٭ وگرنہ کہیں سر پھرا ہے کسی کا۔ (۷) جنگل کے پرندے بھی دل کے غم سے زخمی ہیں اور کوئی رات ایسی نہیں کہ (میرے غم دل سے) شور جنگل میں نہ اٹھتا ہو۔ مطلب میرے غم دل کا شور جنگل میں برپا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام پرندے غم دل سے رو رہے ہیں۔ (۸) چونکہ میری حاجت مقصد کے دروازے سے کئی بار رد کی گئی ہے۔ اس لئے میری آہ! شرم سے آسمان تک جاتی ہی نہیں۔ مطلب ؎

اثر نے کھائی ہیں وہ ٹھوکریں کوئے تمنا میں ٭ کہ آخر مجھ سے شرمانے لگی ہے آرزو میری (۹) جن کے پاس دل کے کان ہیں۔ ان کے لئے تو ایک نالہ ہی کافی ہے۔ عاشق درس لینے کے لئے افلاطون کے پاس نہیں جاتا۔ مطلب۔ گوش دل کھلے ہوئے اور سننے والے ہوں تو ایک نالے ہی سے رازوں کے دفتر اس پر کھل جاتے ہیں۔ افلاطون کے درس کی اس کے لئے کیا ضرورت ہے۔ (۱۰) وفا کا راستہ عشق کے تفرقے کی وجہ سے بند ہو گیا۔ مدت ہوئی ہے کہ لیلےٰ کا ناقہ مجنوں کی تلاش میں نہیں جاتا مطلب۔ محبت ہوتی تو معشوق عاشق کی تلاش میں نکلتا۔ مگر الفت کا فقدان ہے۔ (۱۱) نظیری نے فقر

کی نسیم کی بُو پالی ہے۔ اس لئے وہ فریدوں کے تخت و تاج کے لئے بھی راستے سے بھٹک نہیں سکتا۔ مطلب۔ اب نظیری نے فقر کی لذتیں حاصل کر لی ہیں۔ تو سامانِ غنا و شاہی کو کیا کرے۔

سازم آں مے نمک آلود کہ بے غم باشد افگنم مشک دراں حُقّہ کہ مرہم باشد
ہست راحت الم کلبہ احزاں بر من غم ازاں خانہ کنم وام کہ ماتم باشد
ہر شبم عشق با فسوں نوے بند و خواب کا گہے بیش شود بند چو محکم باشد
شرح سودائے دلم را سر و ساماں مطلب کار آنست کہ چوں زلف تو درہم باشد
دعوے ذرہ دروغ است کہ عاشق باید کم لقا تر بر خورشید ز شبنم باشد
ہر کسے از تو نشانے بگماں میگوید کس ندیدم کہ در بزم تو محرم باشد
ہرگز از نخل بری کس ثمر انس نچید تخمِ ایں مہر گیاہ در گلِ آدم باشد
غیر اخلاص و محبت نبود شیوۂ ما جور و بیداد براں غمزہ مسلم باشد
نکند بندۂ مجبور گناہی اما ادب آنست کہ در پیشِ تو ملزم باشد
گر ملائک ز سر سدرہ بحاجت آئند زلفت از کف ندہد گر ہمہ حاتم باشد
از تنک حوصلگی ہائے نظیری در وصل عشق حرمانِ ابد گردہدش کم باشد

غزل نمبر ۲۷ ۔ (۱) میں اس زخم کو نمک سے آلودہ کرتا ہوں تاکہ وہ بے غم ہو جائے۔ اور اس ڈبے میں مشک ڈالتا ہوں کہ مرہم بنے۔ مطلب۔ زخم پر نمک چھڑک کر زیادہ کرتا ہوں۔ اور مشک کی مرہم لگا کر اور زیادہ کرتا ہوں۔ (۲) غمکدے کا غم میرے لئے راحت ہو گیا ہے۔ اور (اب یہ حالت ہے) کہ ہر اُس گھر سے جس میں ماتم ہو غم قرض لے لیتا ہوں۔ مطلب۔ اب میں غم کا عادی ہو گیا ہوں اور اس کے بغیر میرا گزارہ ہی نہیں۔ (۳) عشق ہر رات میری خواب بندی نئے منتر سے کرتا ہے۔ کیونکہ جب بند مضبوط لگایا جائے تو ہوش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مطلب۔ تکلیف کا احساس بند سے تیز ہوتا ہے (۴) میرے دل کی شرح کے لئے سر و سامان کا طالب نہ ہو۔ (اس دل کا) یہی کام ہے کہ تیری زلفوں کی طرح برہم رہے۔ (۵) ذرے کا دعویٰ غلط ہے (کہ وہ خورشید پر عاشق ہے) کیونکہ عاشق کے لئے خورشید کے مقابلے پر شبنم سے بھی زیادہ اندک لقا ہونا چاہئے۔ مطلب دعویٰ عشق خورشید عاشق کو زیب دیتا ہے۔ جو کہ نظر پڑتے ہی شبنم کی طرح ناپید ہو جاتا ہے۔ (۶) ہر شخص تیرا پتہ اپنے گمان سے دیتا ہے۔ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا۔ جو تیری بزم کا محرم ہو۔ مطلب۔ منزلِ مقصود سے کوئی بھی واقف نہیں۔ اپنے اپنے گمان سے گفتگو کر رہے ہیں (۷) اس مہر گیاہ کا بیج

انسان کی مٹی میں بویا ہوا ہے۔ اس لئے کوئی شخص بھی اس پودے سے محبت کا پھل نہ چن سکا مطلب
اگرچہ عشق انسان کے خمیر میں رکھا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی کوئی شخص اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ (۸)
ہمارا شیوہ محبت اور اخلاص کے سوا اور کچھ نہیں۔ البتہ اس غمزہ کے لئے ظلم اور بیداد مسلم ہے۔
مطلب۔ معشوق کا کام ظلم وستم ہے اور ہمارا شیوہ محبت و اخلاص ہے۔ (۹) یہ مجبور انسان خود بخود
گناہ نہیں کرتا۔ لیکن ادب کی شرط یہ ہے کہ تیرے سامنے ملزم بن جائے۔ مطلب۔ اگر یہ درست ہے
کہ انسان افعال کے لئے مجبور ہے تو پھر گناہ کے لئے بھی قابل معافی ہے مگر خدا کے سامنے یہ الزام ماننا ہی
پڑیگا۔ سے تا بفرماں بت پرستی مے کند * بندہ در افعال جز مجبور نیست۔ جبر و قدر کی بحث زمانہ
قدیم سے چلی آتی ہے۔ (۱۰) اگر فرشتے بھی بیری کے درخت سے حاجت لے کر آئیں۔ پھر بھی اگر حاتم
جیسا سخی ہی کیوں نہ ہو تیری زلف ہاتھ سے نہیں دینگے۔ مطلب۔ باوجود سخاوت دعوئ عشق سے
دست بردار نہ ہوں گے۔ (۱۱) وصل میں نظیری کی کم حوصلگی کی وجہ سے اگر عشق اسے دائمی فراق دے
تو پھر بھی کم ہے۔ مطلب۔ وصل میں کم حوصلگی کی سزا فراقِ دوام سے بھی زیادہ ہے *

کسے کو تشنۂ وصل ست باکوثر نمے سازد
بآب خضر اگر عاشق رسد لب تر نمے سازد

کلہ بخشی و سربازی شراب عشق مے آرد
سرے کیں نشاء گرمش ساخت با افسر نمے سازد

بشیدائی مزن طعنم کہ ہست از آب و خاکے دل
کہ طفلش غیر حرف عاشقی از بر نمے سازد

عجب گر آسماں ساماں تواند داد کارم را
چو طالع از کسے برگشت با اختر نمے سازد

کدامیں شعلہ روشن میکند امشب چراغم را
کہ مورے را نمے بینم کہ بال و پر نمے سازد

اگر بیگانہ گر محرم دلش مے سوزد از دردم
کسے سویم نمے بیند کہ چشمے تر نمے سازد

زردز وصل در رشکم ز شام ہجر در افغان
دلے دیوانہ دارم کہ با دلبر نمے سازد

رہ غیرت خطرناک ست پہنائش تماشا کن
دراں وادی کہ عشق اوست باتن سر نمے سازد

برائے امتحاں آرد چہ مانی را چہ آذر را
اگر خود مے شود بنگر زخود بہتر نمے سازد

ہماں عشقست برخود چیدہ چندیں نشاں ورنہ
کسے بر معنئ یک حرف صد دفتر نمے سازد

ندانم حال شبہائے نظیری ایں قدر دانم
کہ جز بالیں نمے گرداند و بستر نمے سازد

غزل نمبر ۳۷۔ (۱) وہ شخص جو وصل معشوق کا پیاسا ہے وہ کوثر پر گزارا نہیں کرتا۔ عاشق اگر
آب حیات تک رسائی پالے پھر بھی اپنے لبوں کو اس سے تر نہیں کرتا مطلب۔ عاشق کے سامنے
یہ مجازی چیزیں ہیچ ہیں۔ وصل معشوق کے سوا اور کوئی چیز اسے مطمئن نہیں کر سکی۔ (۲) خسروی

بخش دینا اور جانبازی اختیار کرنا عشق کی شراب پیدا کرتا ہے۔ اور اس نشے (شراب عشق کے نشے) نے جس کو گرما دیا وہ تاج کی پرواہ نہیں کرتا۔ مطلب۔ متاعِ دو جہاں ترک کر دینا عشق میں پختگی پیدا کرتا ہے جس کے دماغ میں عشق کا نشہ پیدا ہوگیا وہ تاج کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ (۳) تو میری عشق بازی پر مجھے طعنہ نہ دے۔ کیونکہ میرا دل ایسی آب و خاک سے ہے کہ اس کا کوئی بچہ بھی حرف عشق کے بغیر یاد نہیں کرتا۔ مطلب۔ میں جس سرزمین سے ہوں وہاں کے طفل بھی حرفِ عاشقی ازبر رکھتے ہیں۔ (۴) اگر کسی کا طالع پھر جائے تو ستارے سے موافقت نہیں ہوسکتی۔ اس لئے میں متعجب ہونگا۔ اگر میرے کام کو آسمان درست کر دے۔ مطلب۔ طالع واژگوں کو تو ستارہ کیا کریگا۔ اس لئے آسمان میری مراد بر نہیں لاسکتا۔ (۵) آج رات کونسا شعلہ میرے چراغ کو روشن کرنا ہے۔ کہ کوئی چیونٹی ایسی نہیں جس نے بال و پر نہ نکال لئے ہوں۔ مطلب۔ یہ کونسا شعلہ ہے۔ کہ پروانے تو ایک طرف رہے چیونٹی بھی بال و پر نکالے مہیائے جانبازی ہے۔ (۶) خواہ بیگانہ ہو یا محرم راز ہو اس کا دل میرے درد سے جلتا ہے۔ کوئی شخص میری طرف ایسا نہیں دیکھتا جو اپنی آنکھوں میں آنسو نہ بھر لاتا ہو۔ مطلب۔ میری حالت قابلِ رحم ہے۔ (۷) وصل کے دن کی وجہ سے میں رشک میں ہوں۔ اور ہجر کی شام سے فریاد کناں۔ میں ایسا دیوانہ دل رکھتا ہوں کہ جو دلبر سے بھی موافقت نہیں رکھتا۔ مطلب۔ میں وصل سے خوش ہوں نہ فراق سے مطمئن بالکل ایک نرالہ دل رکھتا ہوں۔ (۸) غیرت کا راستہ بیحد خطرناک ہے۔ ذرا اس کا عرض تو دیکھو جس وادی میں اس کا عشق ہے وہ اس دماغ کو سازگار نہیں۔ مطلب۔ وادیٔ عشق میں سرِ غیرت کامیاب نہیں ہونا۔ (۹) وہ امتحان کے لئے مانی اور آذر کو لاتا ہے۔ (حالانکہ) اگر وہ خود بھی بتگر بن جائے تو اپنے آپ سے بہتر نہ بنا سکے۔ مطلب۔ اس سے بہتر معشوق کی تخلیق ناممکن ہے۔ آذر اور مانی تو بطور امتحان لائے گئے ہیں ؎

صورتگری راز من بیاموز + شاید کہ خود را باز آفرینی (۱۰) یہ عشق ہی ہے جس نے اتنی داستانیں تراش رکھی ہیں۔ ورنہ کوئی شخص ایک حرف سے سو کتابیں بنا ڈالتا ہے۔ مطلب۔ عشق کی شرح بیحد طویل ہے (۱۱) میں نظیری کی راتوں کا حال نہیں جانتا۔ لیکن اتنا معلوم ہے۔ کہ تکئے کے سوا کوئی چیز وہ گرداں نہیں کرتا اور بستر سے سازگاری نہیں کرتا۔ مطلب۔ عشق میں نظیری کی کیفیت یہی ہے کہ کروٹیں لیکر رات بسر کرتا ہے بیحد بے قرار رہتا ہے +

بیا کہ بیتو غم از خاطرم بدر نرود ۔۔۔ وداع از دل و ہجرانم از نظر نرود
دراں بساط کہ من خوان عشرت آرایم ۔۔۔ مگس ز تلخیٔ من جانب شکر نرود

زشہر خویش مرا شہرۂ تو دور انداخت | باختیار کسے جانب سفر نرود
چہ میشود چو کریماں رہِ غریب زنند | رہِ دیار بہ بندند تا خبر نرود
بطبع شوق تو نازیم وآں پذیرائش | کہ گر سخن رود از خاطرت اثر نرود
دل نزار و تنِ بردبار خواہد عشق | کہ از نسیم بجوش آید و لبسر نرود
چو خونِ مردہ سیہ روئے باد ورنہ پوست | دلے کہ بر سرِ پیکاں و نیشتر نرود
دلم بیاد تو دریا نمود چشم و ہنوز | مئے خیال تو در ظرف مختصر نرود
بر آستانہ رہے مے نما نظیری را | کہ قدر مجلس خاصاں باین قدر نرود

غزل نمبر ۴۷ ۔ (۱) اب آجا ! کہ تیرے بغیر غم میرے دل سے جاتا ہی نہیں ہے تیری رخصت دل سے اور ہجر نظروں سے نہیں جاتا۔ مطلب۔ تیرے فراق میں غم دوام حاصل ہے۔ (۲) جس بساط پر میں عشرت کا دستر خوان آراستہ کرتا ہوں۔ ادھر مکھی میری تلخی کی وجہ سے شکر کی طرف بھی نہیں جاتی۔ مطلب۔ میری تلخی میں وہ لذت ہے کہ مکھی ادھر مائل ہو کر شکر کی طرف توجہ ہی نہیں کرتی۔ (۳) تیرے عشق کی شہرت نے مجھے میرے شہر سے دُور نکال پھینکا۔ ورنہ اپنے اختیار سے تو کوئی شخص سفر کے لئے نہیں نکلتا۔ مطلب۔ رازِ عشق افشا ہو جانے پر میں نے ترک وطن اختیار کیا ورنہ کون اپنی مرضی سے سفر پسند کرتا ہے۔ (۴) کیا ہی اچھا ہو! کہ سخیوں کی طرف مسافر کا راستہ روک لیں اور ولایت کا راہ بند کر دیں تاکہ خبر بھی باہر نہ نکلے۔ مطلب۔ سخی مسافروں کی تواضع کرنے کے لئے ان کو روک لیتے ہیں۔ عاشق چاہتا ہے کہ میرا معشوق ان کی پیروی کرتے ہوئے مجھے روک لے (۵) میں تیری شوخ طبیعت اور اس کی پذیرائی پر ناز کرتا ہوں۔ اگر بات تیرے دل سے نکل بھی جائے تو اس کا اثر باقی رہ جاتا ہے۔ مطلب۔ میری بات تیری شوخ طبیعت سے محو بھی ہو جائے تو اس کا اثر ضائع نہیں ہوتا۔ (۶) عشق کمزور دل اور بردبار جسم چاہتا ہے۔ جو نسیم سے جوش میں آجائے۔ مگر بے قرار نہ ہو۔ مطلب۔ دل نزار ایسا ہو جو نسیم سے مستانہ ہو جائے مگر جسم بردبار ایسا کہ اسے برداشت کرے اور اظہار بیقراری نہ کرے۔ (۷) وہ دل جو تیر اور نشتر کی نوک پر نہ جائے (ان سے زخمی نہ ہو) وہ مردہ خون کی طرح کھال کے نیچے ہی سیہ رو چلا جائے۔ مطلب۔ وہ دل جو زخم عشق نہیں کھاتا وہ دنیا سے یونہی سیہ رو جائے تو بہتر ہے۔ (۸) میرے دل نے تیری یاد میں آنکھ سے دریا پیدا کر دیئے ہیں۔ اور ابھی تیرے خیال کی شراب اس مختصر سے برتن میں نہیں سماتی۔ مطلب۔ اگرچہ میں نے تیرے عشق میں رو رو کر اپنی چشم کو دریا بنا دیا۔ پھر بھی تیرے خیال کی شراب کے لئے یہ ظرف مختصر ہی رہا۔ (۹) اپنے آستانے کی طرف

نظیری کو راستہ دکھا۔ کیونکہ اس قدر افزائی سے مجلس خاص کی قدر کم نہیں ہوتی۔ مطلب۔ اگر تو مجھے اپنے آستانے یا محفل کا راستہ بتا دے تو اس سے تیری قدر محفل کم نہیں ہوتی ÷

آمد سحر کہ دیر و حرم رفت درو کنند — تا باز م از نصیب چہ خوں در سبو کنند
ما قابل نشاط و شکر خند نیستیم — تا شہد خوشگوار کرا در گلو کنند
آنانکہ تنگ ظرفی ما را شنیدہ اند — مے بہر آزمائش ما در سبو کنند
آلودگی بگریہ ز داماں نمیرود — دلق مرا بشعلہ مگر شست وشو کنند
تصدیع کم کشند گل و بادہ تا بکے — در کار بے دماغیٔ ما آبرو کنند
کو زخم عاشقانہ کہ در جلوہ گاہ حُسن — صد چاک دل بتار نگاہے رفو کنند
تو کار دل بغمزۂ معشوق واگذار — بے طاقتی مکن کہ نکویاں نکو کنند
حق عطائے عشق نسازند ہیچ ادا — کز خلق عمر در سر ایں گفتگو کنند
دیگر ز آب دیدہ نظیری بخوں نشست — چنداں نماند دل کہ غم و غصہ نو کنند

غزل نمبر ۷۵۔ (۱) صبح آگئی ہے تاکہ حرم و دیر کو صاف اور درست کریں۔ دیکھوں تو میرے نصیب کے لئے سبو میں کیا خون ڈالتے ہیں۔ مطلب۔ صبح نمودار ہو گئی۔ حرم و دیر کو صاف کرینگے۔ اب دیکھیں ہمارے حصے میں کیا آتا ہے۔ (۲) ہم ہنسی اور خوشی کے قابل ہی نہیں ہیں۔ تو پھر خوشگوار شہد کس کے گلے میں اتارینگے۔ مطلب۔ مجھے آرام و آسائش پسند نہیں یا میں اس کے قابل ہی نہیں۔ (۳) جنہوں نے ہماری تنگ ظرفی کا حال سُن رکھا ہے۔ وہ محض ہماری آزمائش کے لئے شراب مٹکے میں ڈالتے ہیں۔ جان بوجھ کر میرے لئے شراب کا مٹکا نکالتے ہیں جبکہ میں تنگ ظرف ہوں۔ (۴) میری گنہگاری رونے سے دامن سے صاف نہیں ہوتی۔ البتہ میری گودڑی کو شعلے سے دھوئیں (تو صاف ہو سکتی ہے)۔ (۵) گل و بادہ کب تک ہماری بے دماغی کے لئے اپنی بے آبروئی کرتے رہینگے۔ اس لئے وہ اس قصے کو ہی پاک کریں۔ مطلب۔ "تصدیع کم کردن"۔ درد سر ختم کرنا۔ قصہ پاک کرنا۔ (۶) عاشقانہ زخم کہاں ہے۔ کہ حُسن کی جلوہ گاہ میں سو چاک شدہ دل ایک تار نگاہ سے رفو کر دیتے ہیں۔ مطلب۔ ایک نگاہِ معشوق کے تار سے ہمارے دلوں کے زخم رفو ہو سکتے ہیں۔ (۷) تو اپنے دل کا کام معشوق کے غمزے کے حوالے کر دے۔ بے صبری کا اظہار نہ کر کیونکہ معشوق اچھا ہی کرتے ہیں۔ مطلب۔ معشوق کے سپرد دل کر کے راضی برضا ہو جاؤ۔ یہ اعتماد رکھو یہ اچھی صورتوں والے جو کرینگے تمہارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ (۸) عشق کی بخشش کا ایک حق بھی ادا نہیں کیا جا

سکتا۔ خواہ خلقت تمام عمر اس مسئلہ پر گفتگو کرتی رہے۔ مطلب۔ عشق کا حق بے شمار ہے اس لئے اگر تمام عمر اس پر گفتگو ہوتی رہے پھر بھی یہ عطا نہ ہو سکیگا۔ (۹) آخر نظیری بھی پھر اپنے آنسوؤں سے خون میں ہو بیٹھا ہے۔ اب دل اتنا بھی نہیں رہا کہ نیا غم و رنج پیدا کرے۔ مطلب۔ جب دل ہی نہیں رہا تو غم و غصہ کہاں آئے۔

علیشم خوش ازاں شعلۂ افروختہ باشد | نقل دل ریشم جگر سوختہ باشد
از محنتِ لب بستنم آنکس شود آگاہ | کز تیغ جفا چاک دلے دوختہ باشد
در عرصۂ گلزار کند نالہ ز تنگی | مرغے کہ بکنج قفس آموختہ باشد
نیکوئی ما در رہ بازار خریدند | عیبش نمتاعیست کہ بفروختہ باشد
محتاجی ما باعث آسائش ما شد | غارت نخورد دہر کہ نیندوختہ باشد
گرمی مفروشید کہ در مجلس ما نیست | شمعے کہ نہ از سوز خود افروختہ باشد
از صدق نفس چند زنی لاف نظیری | مشک ست ہمہ سُرب جگر سوختہ باشد

غزل نمبر ۷۶۔ (۱) اس روشن شعلے سے ہی میرا عیش ہے۔ اور میرا جلا ہوا جگر زخمی دل کی مانند ہے مطلب۔ شعلہ عشق سے میری شادی و خوشی ہے۔ جس میں دل و جگر برابر کے شریک ہیں۔ (۲) میری خاموشی کی تکلیف سے وہی شخص آگاہ ہوتا ہے جس کا دوختہ دل جفا کی تیغ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہو۔ مطلب عشق کا زخم خوردہ دل ہی میری خاموشی کا رازدار ہو سکتا ہے دوسرا کیا سمجھیگا۔ (۳) وہ پرندہ جو قفس کے گوشے ہی میں رہنے کا عادی ہو تنگی کے سبب گلشن کے میدان میں نالہ و زاری کرتا ہے مطلب اپنے ماحول میں ہر شخص خوش رہتا ہے (۴) ہماری نیکی تو بازار عالم میں خرید لی گئی۔ لیکن اس کے عیب وہ متاع نہیں کہ بک سکے۔ (۵) ہماری محتاجی ہماری آسائش کا باعث بنی جس نے جمع نہ کیا ہو وہ ضائع بھی نہیں کرتا۔ مطلب۔ احتیاج آخرکار آسائش بن گئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو جمع کرتا ہے وہ ضائع بھی کر سکتا ہے۔ اور جس نے "اندوختہ" ہی نہیں رکھا۔ اس نے ضائع کیا کرنا ہے۔ (۶) یہاں گرمئ دل پیدا نہ کرو کیونکہ ہماری محفل میں پہلے ہی کوئی شمع ایسی نہیں جو اپنے دلی سوز سے نہ جلی ہو۔ (۷) اے نظیری تو نفس کی سچائی کے متعلق کب تک ڈینگیں مارتا رہیگا۔ تیری مشک تو سب سُرب (سیسہ، یا دچنگاری) ہے جسکا کام جگر جلا دینا ہے مطلب۔ تیرا کلام خالص مُشک نہیں بلکہ سُرب ہے سامعین کے دل جلا ڈالتا ہے۔

زاں خم کہ زاہداں بقدح آب جو کنند | شوریدگان صومعہ مے در سبو کنند
یا بند جملہ مہر سلیماں و جام جم | گر خاک راہِ میکدہ را شست و شو کنند

در خشت و سنگ میکدہ دیدم معائنہ
ذوقے کہ سالکاں بخیال آرزو کنند

از خود گذشتہ دامن پرہیز تر نکرد
در چشمۂ کہ خضر و سکندر وضو کنند

ظرفے بہم رساں کہ مبادا بسروری
منصور را کمند بلا در گلو کنند

خونابہ زخم فاش کنند ورنہ عاشقاں
تارِ جگر کشند و گریباں رفو کنند

با کاہلاں گذار نظیری شراب را
شاید گلے زگلشن ایں دشت بو کنند

غزل نمبر ۷۷ ۔ (۱) وہ شراب جس سے زاہد اپنے پیالے میں آبِ جو لیتے ہیں (کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے) حجروں کے شوریدہ سر وہی شراب اپنے مٹکوں میں بھر لیتے ہیں ۔مطلب ۔شراب حقیقت زاہدوں کو میسر نہیں ۔البتہ حجرہ نشین صوفیائے کرام اس سے بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں (۲) اگر میکدے کے راستے کی خاک صاف کریں تو سلیمان کی انگوٹھی اور جمشید کا جام پالیں ۔مطلب ۔میکدے کی خاک میں جامِ جم اور خاتمِ سلیمان پڑی ہے ۔ (۳) میں نے میکدے کی اینٹوں اور پتھروں میں وہ ذوق معائنہ کیا ہے کہ سالک اپنے خیال میں اس کے آرزومند ہیں ۔مطلب ۔میکدے میں مئے معرفت جس کے لئے سالک سرگرداں ہے موجود ہے ۔ (۴) بیخود ہو کر انسان نے اپنا دامن اُس چشمے میں بھی تر نہ کیا جہاں خضر اور سکندر وضو کرتے ہیں ۔مطلب ۔عاشق بے خود ہو کر آبِ حیات کی بھی وقعت اپنے دل میں نہیں رکھتے (۵) پہلے تو ظرف پیدا کر تاکہ کہیں ایسا نہ ہو تیری گردن ماریں منصور کے گلے میں بلا کی کمند ڈال دیتے ہیں ۔مطلب ۔منصور نے کم ظرفی کی وجہ سے اپنی جان گنوائی ۔کہیں ایسا نہ ہو تو بھی ظرف پیدا نہ کرنے کی صورت میں دعوٰی انا الحق کر دے ۔اور پھر جان ضائع کر دے (۶) خون کے آنسو جگر کے زخم کو ظاہر کر دیتے ہیں ۔ورنہ عاشق تو جگر سے تاریں نکال کر گریبان رفو کر لیتے ہیں ۔مطلب ۔عشاق تو زخم جگر چھپاتے ہیں مگر خونناب افشائے راز کا باعث بنتا ہے ۔ (۷) اے نظیری تو ان کاہلوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی ۔شاید یہ بھی اس جنگل کے گلشن کا کوئی پھول سونگھ لیں ۔مطلب ۔شاید اُن لوگوں کو جو عشق سے واقف نہیں تو رازِ عشق سے آگاہ کر سکے ۔

شب فغاں را بدر خلوت ما بارے بود
نالہ ہر چند اگر در دلش آزارے بود

شورش و عربدۂ در شب آں زلف نداشت
بختِ من بود اگر فتنۂ بیدارے بود

خویشتن را بدمِ سحر بدُودے بستم
ہر سرِ موئے مرا بارخ و قد کارے بود

نہ غمِ مدعیاں بود نہ آشوب ندیم
گل بے خار مگو گلشن بے خارے بود

مصر ویراں و لم را زلبس آمد شدِ اُو
یوسفے بر سرِ ہر کوچہ و بازارے بود

بر دل خستۂ من بود نگاہش ہر چند
ہر طرف جاں بکف استادہ خریدارے بود

حُسن و حیرت بہم افشائے غرض میکردند	نہ غمِ پُرسشِ و نے زحمتِ گفتارے بود
در وصالش بنظیری نفسے باقی بود	دیدمش بر سرآں کوئے عجب خوارے بود

غزل نمبر ۷۰ - (۱) رات فغاں کو ہماری خلوت کے دروازے پر آنے کی اجازت تھی۔ اگر اس کے دل میں کوئی آزار تھا تو نالے نے اُٹھا دیا۔ مطلب - میری فغاں نے خلوت یار میں کام درست کر دیا۔ رنجش دُور کر دی - (۲) اس زلف کی رات میں شورش و جنگ نہ تھی۔ اگر فتنہ بیدار بھی تھا۔ تو یہ میرا ہی نصیب تھا۔ مطلب - اس کی زلف کی شوریدگی نہ تھی بلکہ میرے بخت کا فتنہ تھا۔ (۳) اپنے آپ کو سچ سویرے ہی اس کے ساتھ وابستہ کر رہا تھا۔ (ادھر متوجہ تھا) میرے ہر بال کو بھی اس کے چہرے اور قد سے واسطہ پڑا۔ مطلب - اس کے اشتیاق میں رونگٹے کھڑے تھے (۴) نہ مدعیوں کا غم تھا اور نہ مصاحبوں کا فتنہ۔ وہ گل بے خار" ہیں۔ وہ "گلشنِ بے خار" تھا۔ مطلب - اس معشوق کے پاس اس وقت نہ مدعی تھے اور نہ ندیم۔ خلوت خاص تھی - اس لئے اس کو گل بے خار سے بڑھ کر گلشن بے خار کہنا چاہیئے - (۵) میرے دل کے ویران مصر (شہر) میں اس کی آمد و رفت کی وجہ سے ہر کوچے و بازار میں یوسف بکتے تھے مطلب - اس معشوق کی کثرت آمد و شد سے میرے دل میں قدم قدم پر یوسف پیدا ہو گئے (۶) اگرچہ اس کی نگاہ میرے زخمی دل کی طرف تھی۔ مگر ہر طرف جان ہاتھوں پر لئے اس کے خریدار کھڑے تھے مطلب - خریدار تو اس کے جان بکف کھڑے تھے۔ مگر اس کی نگاہ ہماری ہی جانب تھی - (۷) حُسن اور حیرت مل کر غرض کا راز کھول رہے تھے - نہ اس کو پرسش کا غم اور نہ گفتار کی زحمت تھی مطلب - حسن معشوق کی طرف سے اور حیرت عاشق کی طرف سے غرض بیان کر رہی تھی - مگر اشارہ کنایات سے - (۸) اس کے وصال سے نظیری میں سانس بھی باقی نہ رہا۔ میں نے اس کو اس کوچے میں دیکھا عجب خوار ہوا پڑا تھا۔

میروم جائیکہ غم آنجا ز دلہا مے رود	نالہ از ہر جا کہ مے خیزد بآنجا مے رود
وقت جان دادن بدنبال اجل بینم چنانکہ	گوئیا صد یوسف از پیش زلیخا مے رود
تحفۂ رضواں اگر برکف ندارم دور نیست	تا بمرگ از طفلیم ایماں بہ یغما مے رود
شاید از درد سے بحتا جاں فروشد میفروش	ہر کرا یک درہم است آنجا بسودا مے رود
من نخواہم رفت اما بہر تسکین دلش	ہر کجا بینند گویندش کہ فردا مے رود
بر من اندوہے ہجوم آوردہ از ہجراں او	کز ورش تا میروم دل در تہ پا مے رود

میروم نوعے زکوئے او کہ پنداری بچشم | صد کسم پیش و پس از بہر تقاضا میرود
گر زلوح چہرۂ لیلے ہمی آرد سبق | خاطر شوریدۂ مجنوں بصحرا میرود
شہر و صحرا را نظیری سوخت از آہ وداع | میرود نوعیکہ پنداری ز دنیا میرود

غزل نمبر ۷۹ - (۱) میں وہاں جا رہا ہوں جہاں دلوں سے غم جاتا رہتا ہے۔ جہاں سے بھی نالہ اُٹھتا ہے وہیں پہنچ جاتا ہے۔ مطلب۔ کوئے معشوق کی طرف جا رہا ہوں۔ (۲) جان دیتے وقت میں اجل کے پیچھے نگاہ ڈالتا ہوں۔ گویا سو یوسف زلیخا کے سامنے سے جا رہے ہیں۔ مطلب۔ میری جان کے پیچھے حسرت و ارمان چلے جاتے ہیں۔ (۳) اگر میں رضوان کا تحفہ (بہشت) نہیں پاتا تو یہ کوئی بعید نہیں۔ کیونکہ بچپن سے لے کر موت کے وقت تک میرا ایمان لُوٹا جا رہا ہے۔ مطلب۔ جب متاعِ ایمان ہی پاس نہیں رہی تو بہشت کیسے مل سکتی ہے۔ (۴) شاید وہ مے فروش شراب کی تلچھٹ غریبوں کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ کیونکہ جس کے پاس ایک درہم بھی ہے وہ بھی وہاں (شراب) خریدنے کے لئے جا رہا ہے۔ مطلب۔ ہر شخص اپنی استعداد کے موافق شراب کا طالب ہے کسی کو دُرد اور کسی کو صفا میسر آ جاتی ہے۔ (۵) میں ہرگز نہیں جاؤں گا مگر جہاں کہیں مجھے دیکھتے اس کے دل کی تسکین کے لئے کہہ چھوڑتے ہیں کہ کل جا رہا ہے۔ مطلب۔ معشوق چاہتا ہے کہ میں چلا جاؤں مگر میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اور رقیب یا دربان اس کو تسلیاں دے دیکر ٹال مٹول کر رہے ہیں۔ (۶) اس کے فراق میں مجھ پر غم نے ہجوم کر رکھا ہے۔ اگر اس کے دروازے سے جاتا ہوں۔ تو دل میرے تلوؤں میں مسلا جاتا ہے۔ مطلب۔ فراق میں دل غم سے پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے۔ (۷) اسکے کوچے سے میں اس طرح جاتا ہوں۔ گویا کئی لوگ آگے پیچھے سے سخت غصے کی حالت میں (تقاضا) کرکے نکال رہے ہیں۔ مطلب۔ میں اس طرح کوئے معشوق سے باہر نکلتا ہوں کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں مجھے نکالا جا رہا ہے۔ میں خود بخود نہیں نکل رہا۔ (۸) اگر تو لیلیٰ کے چہرے کی تختی سے سبق لے تو تیرے مجنوں شوریدہ دل صحرا کی طرف چل پڑیگا۔ (۹) نظیری نے شہر اور صحرا کو آہِ فراق سے جلا ڈالا۔ وہ جا رہا ہے اس طرح کہ گویا دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ مطلب۔ نظیری کا اس محفل سے رخصت ہونا دنیا سے جلنے کے مترادف ہے۔ آہِ گرم سے شہر و صحرا سب بُھون ڈالے ہیں۔

بکش بسوز کہ نام اماں نخواہم برد | دعا بدر دسرِ آسماں نخواہم برد
مکن ملاحظہ از کشتنم کہ روز جزا | ز رشک نام ترا بر زباں نخواہم برد
ز دل طپیدن آغاز عشق میگفتم | کزیں معاملہ غیر از زیاں نخواہم برد

زاضطراب دلم روز وصل معلوم ست
که از بلائے شب ہجر جاں نخواہم بُرد

بس ست چند کنی اے فراق بے رحمی
دگر بخویش تحمل گماں نخواہم بُرد

اگر ز دامن یوسف کنند بالینم
سرے کہ وقف تو شد ز آستاں نخواہم بُرد

بایں ملال کہ من میروم بسوئے چمن
چہ جائے غنچہ کہ برگِ خزاں نخواہم بُرد

نظیری اینچہ بلندی و تیز پروازیست
ز شوق رہ بسوئے آشیاں نخواہم بُرد

غزل نمبر ۸۰ - (۱) مجھے مار دے یا جلا ڈال - میں امان کا نام بھی نہ لونگا - اور آسمان کے در د سر کے لئے دعا نہ لے جاؤں گا ۔ مطلب ۔ تو انتہائی ظلم بھی کرے تو امان طلب، نہ کروں - اور اس ستم کے ہاتھوں فریاد نہ کرونگا۔ (۲) تو مجھے مارنے میں تأمل نہ کر کیونکہ قیامت کے دن رشک سے تیرا نام بھی زبان پر نہ لائیں گا ۔ ؎ ہم نہیں وہ کہ کریں خون کا دعویٰ تم پر ۔ بلکہ پوچھے کا خدا بھی تو مکر جائیں گے۔ (۳) آغاز عشق میں دل دھڑکتا تو میں کہتا تھا کہ اس معاملے میں نقصان کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا - (۴) وصل کے دن کے اضطراب سے معلوم ہو رہا تھا کہ شب ہجر کی بلا سے جان نہ بچ سکیگی مطلب ۔ رع ، قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا (۵) لے فراق! کب تک یہ ظلم کرتا رہیگا - اب کافی ہو چکا ہے اب میں اپنے آپ میں تحمل و برداشت کا گمان بھی نہ کروں گا۔ مطلب ۔ پہلے تو تحمل کرنے کی توقع تھی لیکن اب طاقت طاق ہو چکی ہے (۶) اگر یوسف کا دامن میرا تکیہ بنا دیں پھر بھی وہ سر جو تیرے لئے وقف ہو چکا ہے - اسے تیرے آستان سے نہ اُٹھا سکوں گا - مطلب رع حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا (۷) جس ملال سے میں باغ کی طرف جا رہا ہوں غنچہ تو کیا میں خزاں کا پتہ بھی نہ لیجاؤنگا مطلب - ملال کی حالت میں غنچوں کو چھوڑ کر زرد پتوں کی طرف بھی طبیعت مائل نہ ہو سکیگی - (۸) نظیری یہ کیسی بلندی اور تیز پروازی ہے - میں شوق میں آشیانے کی طرف راستہ نہ پا سکونگا - مطلب - اتنی بلند پروازی کے بعد اپنے ماحول میں مراجعت کیسے ہو گی ۔

حُسن چندے سر بدل شوخی و خود رائی دہد
شہ چو گیرد مملکت اول بیغمائی دہد

دیدۂ عاشق نیابد ذوق از دیدار دوست
گر نہ اول ترک دید نہائے ہر جائی دہد

لذتِ دشنامش از من پرس کاب تلخ و شور
ذوق کوثر در مذاق مرد صحرائی دہد

گر دو از جاں دادنم معلوم شوق بوئے دوست
زاں نمے میرم کہ ترسم مرگ رسوائی دہد

در بیابانہا نمے گنجم اگر طغیان شوق
بند بکشاید چو سیلم سر بشیدائی دہد

گریۂ ما تلخ و طبع میزباں رنجش پذیر
صوتِ مطرب بادلش بگداز گیرائی دہد

شکوہ کم ترکن نظیری کہ کسے یاری نکرد — رخت ماسوزد چہ نقصان تماشائی دہد

غزل نمبر ۸۱ - (۱) حُسن کچھ عرصے کے لئے شوخی اور غرور پر دل لگائے رکھتا ہے عام قاعدہ ہے کہ بادشاہ جب کوئی ملک فتح کرتا ہے تو پہلے اس میں لُوٹ مار کراتا ہے۔ (۲) عاشق کی آنکھ اسوقت تک دوست کے دیدار سے ذوق نہیں پاتی جب تک کہ پہلے وہ غیر سے آنکھ بند نہ کرے مطلب۔ دیدار معشوق حقیقی دیکھنے کے لئے نفی ماسوائے اللہ اشد ضروری ہے۔ (۳) اس کی گالیوں کی لذت مجھ سے پوچھو کہ تلخ اور شور پانی۔ کوثر کا ذائقہ صحرائی آدمی کے مذاق میں پیدا کرتا ہے مطلب۔ صحرائی کے مذاق میں تلخ و شور پانی بھی لطف دیتا ہے۔ اس لئے مجھ سے دشنامہائے معشوق کا لطف پوچھو۔ (۴) میرے جان دینے سے دوست کے دیدار کا شوق معلوم ہوسکتا ہے مرتا اس لئے نہیں کہ مجھے خوف ہے موت رسوائی کا باعث بنیگی۔ (۵) اگر طغیانِ شوق نے بند کھول دیئے اور دیوانگی و شیدائی میں مشغول ہوا تو پھر میں بیابان میں بھی نہ سماسکوں گا۔ (۶) ہمارا رونا سخت تلخ ہے اور میزبان کی طبیعت رنج اختیار کرنے والی ہے۔ البتہ مطرب کی آواز کے ساتھ اس کا دل سوز و گداز سے قابو میں آسکتا ہے۔ (۷) لے نظیری! اب شکوہ نہ کر کہ کسی نے دوستی نہ کی۔ اسباب ہمارا جلتا ہے تماشائی کا کیا نقصان ہوتا ہے مطلب۔ کسی کے امداد نہ کرنے کا شکوہ فضول ہے +

گل آمد و لعلم ز دل سنگ بر آورد — اشکم ز تماشائے چمن رنگ بر آورد
میخواست ز مرغان چمن شور بر آید — یک نغمہ معنی بصد آہنگ بر آورد
عشق آمد و در شہر خود آئین خرد دید — تا شہر بتاراج رود جنگ بر آورد
مطرب نہ بزم خرقۂ سالوس بدر کرد — گرد ہمہ شہرم بدف و چنگ بر آورد
شب نیست کہ از شادی بسیار نگریم — غم خوردن کم حوصلہ را ننگ بر آورد
یکبار بعیب و ہنر خویش نادیدم — در جیب و بغل آئینہ ام زنگ بر آورد
در راہ وفائے تو نہ طولیست نہ عرضے — شوخی تو فرسنگ بفرسنگ بر آورد
این خوں شدہ دل بسکہ خرابست نظیری — در پیش تو نتوانمش از ننگ بر آورد

غزل نمبر ۸۲ - (۱) پھول کھل گئے۔ اور میرا لعل پتھر سے نمودار ہوگیا۔ اور میرے آنسو نے چمن کے تماشا سے رنگ پیدا کر لیا۔ مطلب یہ لعلم ز دل سنگ بر آورد سے میری مراد پوری ہوگئی۔ موسم بہار کے آتے ہی مرادیں اور آرزوئیں بر آئیں۔ (۲) صفی چاہتا تھا کہ چمن کے پرندوں میں شور برپا کردے اس لئے اس نے ایک ہی نغمہ سو نالوں میں پیدا کیا۔ (۳) عشق آیا اس نے اپنے شہر میں عقل کے

کئی آئین دیکھے۔ اس نے شہر لوٹنے کے لئے جنگ برپا کر دی۔ مطلب عشق نے شہر عقل تاراج کرنے کی ٹھان لی۔ کیونکہ جہاں عشق ہو وہاں عقل کام نہیں آتی۔ (۴) مطرب نے میرے جسم سے مکاری کی گودڑی اُتروا ڈالی اور اپنے دف اور چنگ سے مجھے تمام شہر میں پھرایا۔ مطلب۔ ریاکاری کا لباس مطرب عشق نے دور کرا دیا۔ اور پھر تشہیر کا سامان پیدا کیا۔ (۵) کوئی رات ایسی نہیں کہ میں بیحد خوشی سے نہ روتا ہوں۔ کم حوصلہ کے لئے غم کھانا ننگ کا احساس پیدا کرتا ہے۔ (۶) میں نے ایک دفعہ بھی اپنے عیب ہنر کی طرف نگاہ نہیں ڈالی۔ میرے گریبان اور بغل میں آئینے کو زنگ لگ گیا۔ مطلب۔ ہمارے دل کا آئینہ زنگ آلودہ ہو گیا۔ مگر ہم دوسروں کی عیب جوئی کرتے رہے اور اپنے آئینے دل کی طرف نگاہ ہی نہیں ڈالی۔ (۷) تیری وفا کے راستے کا نہ طول ہے نہ عرض۔ تیری شوخی نے ایک ایک فرسنگ کر کے مجھے راستہ پر لگائے رکھا۔ مطلب۔ وفا نہایت نہیں رکھتی مگر تیری شوخی اکتانے بھی نہیں دیتی۔ اور اس لئے میں راہ وفا سے انحراف نہیں کرتا۔ ؎

راہبر نے راہ میں برسوں دیئے چکر مجھے ظالم سے جب پوچھا کہا اب آگئے ساحل کے پاس

(۸) اے نظیری یہ دل خون شدہ سخت خراب ہو چکا ہے۔ اسے تیرے سامنے میں ننگ سے نہیں نکال سکتا۔ مطلب۔ یہ دل اس قابل نہیں رہا کہ تیرے پاس بطور تحفہ بھیجا جائے۔ مجھے اسے پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

نالہ را نیست اثر کز تو شکایت دارد ورنہ ما گرم دعائیم و سرایت دارد

مردہ را زندہ نماید دم ما ابوالعجباں آتش از گرمی ما چشم حمایت دارد

ذوق ہر مرغ باندازۂ پرواز خود ست عشقبازی نبود ہر چہ نہایت دارد

عمل صالح و طالع بجوئے نستانند ہر کجا کار تعلق بعنایت دارد

کس چہ داند بہمہ مایہ بنا بود رود جنس نایاب خریدم کہ کفایت دارد

دفتر نالۂ مارا نگشانید زہم مہر ور دست برد تا چہ حکایت دارد

کفر و ایمان نبود شرط نظیری در عشق بتو کافر بنمائم کہ ولایت دارد

غزل نمبر ۳۸۔ (۱) نالے میں اس لئے اثر نہیں کہ تیری شکایت کا اظہار کرتا ہے۔ ورنہ ہم تو دعا میں مصروف ہیں اور اس کا اثر ہو سکتا تھا۔ مطلب۔ تیرا شاکی ہونے کی وجہ سے نالہ بے اثر ہے۔ ورنہ ہماری دعا تو اثر کر سکتی تھی۔ (۲) ہم عجب آدمیوں کا دم مردے زندہ کر سکتا ہے۔ آگ بھی ہماری گرمی سے حمایت کی امید وار ہے۔ مطلب ہمارے دموں میں اس قدر گرمی ہے کہ آگ بھی اسکی

طالب ہے۔ اور اس قدر قوت رکھتے ہیں کہ مردوں کو زندہ کرسکیں۔ (۳) ہر مرغ کا ذوق اپنی پرواز کے اندازے کے مطابق ہے۔ جو چیز انتہا رکھتی ہو وہ عشقبازی نہیں ہو سکتی۔ مطلب۔ جتنا زیادہ بلند پرواز ہے اتنا ہی زیادہ صاحبِ ذوق ہے اس لئے اگر عشق انتہا پذیر ہو جائے تو عشق کہلانے کے قابل ہی نہیں۔ (۴) جہاں کام عنایت سے متعلق ہوتا ہے وہاں نیک اور بد کام کو ایک جو جتنی بھی قیمت نہیں دیتے۔ مطلب۔ جہاں جزا نہیں بلکہ عنایت مصروفِ کار ہے وہاں نیک و بد عمل کی تمیز نہیں کی جاتی۔ ؎ آنجاکہ بے تفاوتیِ بسیعِ رحمت است ٭ بدخواہ انفعال دہد نیک خواہ را۔ بھلا بتاؤ تو واعظ کا بگڑتا ہے ٭ جو بے عمل پہ بھی رحمت وہ بے نیاز کرے ٭ (۵) کسی کو کیا خبر تھی۔ کہ تمام سرمایہ ضائع ہو جائیگا۔ میں تو اس لئے یہ نایاب جنس خریدی تھی کہ فائدہ حاصل کرونگا۔ مطلب جنسِ نایاب سے مرادِ عشق ہے جس میں خسارہ اُٹھانا لابدی ہے۔ (۶) ہمارے نالے کے دفتر کو کھول نہیں سکتے۔ کیونکہ اس پر درد کی مہر لگی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں یہ کیا حکایت رکھتا ہے؟ مطلب دفترِ نالہ پر جو مہرِ درد لگا دی گئی ہے معلوم نہیں اس میں کیا راز کی بات تھی جسے اس طرح پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ (۷) اے نظیری عشق میں کفر و ایمان کی شرط نہیں ہوتی۔ میں تمہیں کافر دکھا سکتا ہوں جو ولایت کا درجہ رکھتا ہے۔ مطلب عشق میں کافر و مومن کی تمیز نہیں بلکہ ایسے کافر مل جاتے ہیں جو عشق میں کامل ہیں ٭

باعثِ راندنم از بزم بجز عار نبود ‏ ‏ ‏ ‏ ورنہ کس را بمن و بودن من کار نبود
تا شدم از تو جدا تفرقہ پامالم کرد ‏ ‏ ‏ ‏ دولت آں بود کہ ایں فرقتِ دیدار نبود
ہمہ آساں ز جدائی تو مشکل گردید ‏ ‏ ‏ ‏ ہیچ دشوار بدیدار تو دشوار نبود
بیدی در ہمہ جا نام بر آرم کہ مباد ‏ ‏ ‏ ‏ خون من ریزی و گوئند سزاوار نبود
نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر ‏ ‏ ‏ ‏ خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود
عشقم از سود و زیاں دو جہاں فارغ کرد ‏ ‏ ‏ ‏ از چہ کارم بہمہ عمر ہمیں کار نبود
خوشدلی کرد نظیری برش امشب خالی ‏ ‏ ‏ ‏ صد سخن گفت کہ شائستہ اظہار نبود

غزل نمبر ۱۴۸ ۔ (۱) بزم سے مجھے نکال دینا سوائے عار کے اور کسی وجہ سے نہ تھا۔ ورنہ کسی کو میرے وہاں رہنے یا نہ رہنے سے سروکار نہ تھا۔ مطلب۔ اس نے محض اس شرم سے کہ میں اس کا عاشق ہوں۔ مجھے محفل سے نکال دیا۔ ورنہ اور مجھے کسی سے سروکار ہی نہ تھا۔ (۲) جب سے میں تجھ سے جدا ہوا ہوں تفرقے نے مجھے پامال کر دیا۔ جب یہ دیدار کا فراق نہ تھا

مجھے خوش بختی حاصل تھی۔ مطلب۔ تجھ سے میں جدا ہو کر پامالِ تفرقہ ہوں۔ جب دیدار نصیب تھا شادیوں سے مالامال تھا۔ (۳) تمام آسانیاں تیری جدائی میں آ کر مشکل ہو گئیں۔ لیکن کوئی دشواری تیرے دیدار کی موجودگی میں دشوار نہ رہی۔ مطلب۔ ہجر میں مشکلات کا اضافہ اور وصل میں مصائب کا زیاں بیان کرتا ہے۔ (۴) میں نے ہر جگہ بدی میں اپنے آپ کو مشہور کر دیا۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ تو میرا خون بہائے اور لوگ کہیں کہ یہ اس سزا کے لائق نہ تھا (تم نے ظلم کیا ہے) مطلب۔ اگر بے گناہ کو مارتا تو لوگ چہ میگوئیاں کرتے۔ تجھے ظالم قرار دیتے۔ اس لئے میں نے اپنے آپ کو بدی میں مشہور کر دیا تاکہ کوئی تجھ پر طعنہ زن نہ ہو۔ (۵) مرغ اسیر اپنی رہائی کے لئے نالہ و زاری نہیں کرتا۔ بلکہ اس زمانے پر افسوس کرتا ہے جب وہ گرفتار نہ تھا۔ مطلب۔ پرندے کا قفس میں نالہ کرنا رہائی کے لئے نہیں بلکہ وہ قید کی لذتوں سے آشنا ہو کر افسوس کرتا ہے۔ کہ جو زمانہ میں نے آزادی میں گذارا۔ کاش وہ بھی اس دل پسند قید میں بسر ہوتا۔ اور لذتوں سے بہرہ اندوز۔ (۶) عشق نے مجھے دونوں جہانوں کے سود و زیاں سے فارغ کر دیا۔ تو پھر کس لئے میں نے تمام عمر یہی کام نہ رکھا۔ مطلب۔ عشق کے آتے ہی سود و زیان کا احساس جاتا رہا۔ بہتر ہوتا کہ تمام عمر اس مشغلے میں بسر ہو جاتی۔ (۷) نظیریؔ نے آج رات اس کا دل خوشدلی سے خالی کر دیا۔ اس نے سو باتیں ایسی کہہ ڈالیں جو ظاہر کرنے کے بھی قابل نہ تھیں۔ مطلب۔ نظیریؔ نے موقع پر درد دل کی داستان کہہ دی اور اس طرح اس کا دل صاف کیا۔

محبت بادل غمدیدہ الفت بیشتر گیرد
چراغے راکہ دودے ہست در سر زود در گیرد

پس از وارستگیہا بیشتر گشتم گرفتارش
چو صیدے جست صیادش زاول سخت تر گیرد

محبت بیشتر قائم شود چوں بشکنند پیماں
شگوفہ اوّل افشاند درخت انگہ ثمر گیرد

اگر بادے وزد مشتاق را شور و سماع آرد
وگر بوئے رسد مخمور را مستی ز سر گیرد

مشو از حال من غافل کہ زخم کاریے دارم
مبادا دیگرے صیدِ مرا از خاک بر گیرد

مرا ایں مے کہ برد از ہوش دل مجروح خواہد کرد
حریفے آگہی یابد کہ از عالم خبر گیرد

نظیری کوئے عشق ست ایں شاہد زنی رندی
کہ گر یارے رود از دست کس یارے دگر گیرد

غزل نمبر ۸۵ - (۱) غمناک دل کے ساتھ محبت زیادہ مانوس ہوتی ہے۔ وہ چراغ جس میں سے ابھی دھواں نکل رہا ہو وہ جلدی ہی پھر جل سکتا ہے۔ مطلب ۔۔

جل کر اگر بجھا بھی دل سوختہ مرا
پھر جل اُٹھے گا جیسے کہ کوئلہ بجھا ہوا۔

(۲) اس سے رہائی پانے کے بعد میں پہلے سے زیادہ گرفتار ہو گیا۔ کیونکہ جب ایک دفعہ شکار نکل بھاگے تو صیاد اسے پہلے سے بہت سختی سے قابو میں رکھتا ہے مطلب۔ ایک دفعہ اس کے عشق کی کمند سے بچ نکلا تو پھر زیادہ بُری طرح گرفتار ہؤا۔ (۳) جب ایک دفعہ پیمان ٹوٹ جاتا ہے تو محبت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ پہلے شگوفہ جھڑ جاتا ہے۔ پھر پھل لگتا ہے مطلب۔ دوسرا مصرعہ بطورِ تمثیل ہے۔ عام طور پر تو یہی کہتے ہیں کہ ؎ رہے جوں شیشۂ ساعت وہ مکدّر دونوں ✦ کبھی مل بھی گئے دو دل کدورت والے مگر معشوق کی پیمان شکنی عاشق کے عشق میں اضافے کا باعث ہے۔ (۴) اگر ہوا چلتی ہے تو وہ بھی مشتاق کو وجد میں لے آتی ہے۔ اگر اس کی بُو آجاتی ہے تو مخمور کی مستی میں اضافہ ہوتا ہے مطلب عشاق کے لئے ہوا اور خوشبو دونوں مستی و شوق میں زیادتی پیدا کرتی ہیں۔ (۵) میرے حال سے غافل نہ رہنا کیونکہ مجھے ایک کاری زخم لگا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسرا تیرے شکار کو زمین سے اُٹھا لے مطلب۔ مجھے تو نے ایک کاری زخم لگایا ہے۔ اب اگر میں کودتا پھرتا ہوں تو مجھے نگاہ میں رکھنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اور شخص مجھے اُٹھا لے جائے۔ (۶) یہ شراب جو مجھے بیہوش کر چکی ہے میرا دل زخمی کر دیگی۔ اور حریف آگاہ ہو کر میرے حال سے خبر پا لیگا۔ مطلب۔ شراب عشق مجھے مجروح کر دیگی تو وہ حریف میرے حال سے آگاہ ہوگا۔ (۷) اے نظیری! یہ عشق کا کوچہ ہے نہ کہ عشقبازی اور مستی کا۔ کیونکہ وہاں (مؤخر الذکر میں) اگر ایک دوست جاتا رہے تو دوسرا اختیار کر لیتے ہیں مطلب عشق ایک ہی سے ہوتا ہے وہاں یہ نہیں کہ ؎ تو جو ہرجائی ہے اپنا بھی یہی طور سہی ✦ تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔ یہ طریقہ ہوس پرستوں اور رندوں کا ہے ✦

بہجر و وصل تو جاں الفت و نزاع ندارد ✦ نشاط آمدن و کلفتِ وداع ندارد
بشہر مالفروشد جز رضا و محبت ✦ کسے دوکان نکشاید کہ ایں متاع ندارد
براں فراز کہ من میکنم عروج مقامیست ✦ کہ ہیچ پایہ براں پایہ ارتفاع ندارد
چناں حقارتم از چشم اعتبار فگندہ است ✦ کہ دہر برسن و حال من اطلاع ندارد
برطل خون جگر میخورم ز بخت لبشکرم ✦ کہ سر ز جام تنگ مشربم صداع ندارد
ز تیرگی لبشب انتظار شمع امیدم ✦ برابر پر پروانہ شعاع ندارد
عبث بوعدۂ لطفش لیت خوشست نظیری ✦ کدام لطف کہ با بخت تو نزاع ندارد

غزل نمبر ۸۶ ۔ (۱) جان تیرے ہجر میں نزاع اور تیرے وصل سے الفت نہیں رکھتی۔ آنے کی خوشی اور جانے کی تکلیف نہیں رکھتی۔ مطلب عشق کا کمال یہ ہے کہ وصال و ہجر میں امتیاز اٹھ

جائے۔ بقول اقبال ؂ مرے حسابوں تو عاشق نہیں جس لیں ہے وہ ٭ فراق و وصل میں کچھ بھی جو امتیاز کرے (۲) ہمارے شہر میں رضا و محبت کے سوا اور کچھ نہیں بیچتے۔ کوئی دکان نہیں کھولتا جس کے پاس یہ مال نہ ہو۔ مطلب۔ ہمارے شہر میں رضا و محبت کا رواج ہے۔ (۳) جس بلندی پر میں عروج حاصل کرتا ہوں وہ ایسا مقام ہے کہ کوئی اور مرتبہ اس درجے سے بلند نہیں۔ مطلب عشق لامکان تک پہنچا دیتا ہے کہ "ماورائے آں ہیچ نیست"۔ (۴) حقارت نے مجھے اس طرح اعتبار سے گرا دیا ہے۔ کہ زمانہ میری اور میرے حال کی کچھ خبر ہی نہیں رکھتا۔ مطلب۔ میں بالکل گمنام ہو گیا ہوں۔ (۵) میں بھاری پیالوں سے خونِ جگر پیتا ہوں اور نصیب کا شکر گزار ہوں کہ تنگ نظری کی وجہ سے میرا سر درد میں مبتلا نہیں۔ مطلب۔ میں عشق میں خونِ جگر کھاتا ہوں۔ اور اس پر نازاں ہوں بلکہ بخت کا شاکر ہوں کہ تنگ مشرب نہیں ورنہ مبتلائے دردِ سر ہوتا۔ (۶) انتظار کی رات تاریکی کے سبب میری شمع امید پروانہ کے پر جتنی بھی روشنی نہیں رکھتی۔ مطلب۔ اس کے انتظار میں میری امیدیں موہوم نظر آنے لگتی ہیں۔ اور بقول شاعر دل کہنے لگتا ہے۔ ؂
شبِ ہجراں میں جاگنے والے ٭ وہ نہ آئیں گے انتظار نہ کر۔ (۷) اے نظیری! اس کے لطف کے وعدے پر تو یونہی خوش ہے۔ ورنہ کونسا ایسا لطف ہے جو تیرے نصیب سے برسرِ جنگ نہیں۔ مطلب۔ جب لطف تیری قسمت ہی میں نہیں تو پھر اس کے وعدۂ کرم پر کیوں خوش ہے؟

کمند و دامِ ما غیر از شکارِ غم نمے گیرد ٭ مگس بر خوانِ ما عیشے بجز ماتم نمے گیرد
نصیبِ دیگراں ہر لحظہ رطلِ خندہ لبریز است ٭ بجامِ ما تبسم نوبتِ ماہم نمے گیرد
بشیرینی محبت در دلِ دیگر زیادت کن ٭ کہ ظرفِ ما ازیں یک قطرہ بیش و کم نمی گیرد
مریضانِ دیارِ عشق خوش بیمارئ دارند ٭ کسے دارو نمے خواہد کسے مرہم نمے گیرد
حسابِ امشب و فردا بزلفِ درہمی دارم ٭ شمارِ ظلم و بیدادی کسے برہم نمے گیرد
سرے از خاک کو گم گشتۂ ما برکند شاید ٭ دل ما را بہیچ آں زلفِ خم در خم نمے گیرد
بآہ و نالہ میجوید نظیری بر درت رہے ٭ سکندر صفت نمے آئینۂ عالم نمے گیرد

غزل نمبر ۷۸۔ (۱) ہماری کمند اور ہمارا دام سوائے غم کے اور کچھ شکار نہیں کرتے۔ مکھی ہمارے دسترخوان پر سوائے ماتم کے اور کچھ عیش حاصل نہیں کرتی۔ مطلب۔ ہماری قسمت میں غم و رنج کے سوا اور کچھ نہیں۔ (۲) دوسروں کی قسمت میں ہر دم ہنسی کا پیالہ بھرپور ہے اور ہمارے جام میں تبسم ماتم کی نوبت بھی نہیں پاتا۔ مطلب۔ دوسروں کے ساتھ تو محوِ خندۂ بے محابا ہے

لیکن ہمارے حال پر تیرا تبسم آنسو بھی نہیں بہاتا۔ (۳) کسی دوسرے کے دل میں اپنی شیرینی سے محبت زیادہ کر۔ وگرنہ ہمارا ظرف اس سے ایک قطرہ کم و بیش نہیں کرسکتا۔ مطلب۔ ہماری محبت انتہا پر پہنچ چکی ہے۔ اب تیری شیرینی سے اس میں اضافہ نہیں ہوسکتا۔ (۴) ملک عشق کے مریض عجیب بیماری رکھتے ہیں۔ کہ کوئی اس کے لئے دوا نہیں چاہتا اور کوئی مرہم کی خواہش نہیں کرتا۔ مطلب۔ مرض عشق دل پسند ہے۔ اس لئے عشاق نہ زخم جگر کے لئے مرہم کے طالب ہیں اور نہ بیماری دل کے لئے دوا کے متلاشی۔ (۵) ہم آج رات اور کل کا حساب اس کی پریشان زلفوں سے رکھتے ہیں۔ اس ظلم و بیداد کا شمار کوئی کرہی نہیں سکتا۔ مطلب۔ آج اور کل کے وعدوں کا حساب معشوق کی زلفوں سے مانگتے ہیں۔ اور اس کے ظلم و بیداد کی انتہا نہیں۔ (۶) اس کے کوچے کی خاک میں ہمارا گمشدہ دل شاید خاک سے سر اُٹھائے۔ کیونکہ اس کو اس پُر شکن زلفیں کوئی وقعت نہیں دیتیں۔ مطلب۔ اس معشوق کی زلفیں تو ہمارے دل کو وقعت دینے سے رہیں۔ اس لئے شاید یہ دل اس کے کوچے میں خاک میں گرا ہوا ملے۔ (۷) نظیری تیرے دروازے پر آہ و نالہ کی وساطت سے راستہ تلاش کرتا ہے گویا سکندر صفیں آراستہ کر کے ملک فتح نہیں کرتا۔ مطلب۔ ہر چند نظیری سکندر کی مانند ہے۔ لیکن پھر بھی وہ عجز و انکسار اختیار کر کے تیری قبولیت کا خواہاں ہے۔ لشکر کشی اور نخوت سے نہیں ❊

زبیدادِ تو حرفِ مہر را نام و نشاں گم شد ۔۔۔ کتابِ حسن را جزوِ محبت از میاں گم شد

زمہر بوالہوس گر دولت عاشق نمے گردد ۔۔۔ طفیلے جمع شد چنداں کہ جائے میہماں گم شد

سحر بینے مغنّی میسر و داز تو بیاد آمد ۔۔۔ چناں سورے برآوردم کہ وقتِ نغمتاں گم شد

بنالش خواستم جا در دولت افتادم از حشمت ۔۔۔ گدا آمد کہ صدر قرب جوید آستاں گم شد

پس از عمرے شدم عرضے کنم خنداں پیش آمد ۔۔۔ کہ مضمونِ سخن صد بار از دل تا زباں گم شد

متاع دیر اگر داریم برما رد مکن زاہد ۔۔۔ بعزمِ کعبہ میرفتیم راہ کارواں گم شد

ہوس تا یافت رہ از من مزاج کار ہا برگشت ۔۔۔ طرب تا ثابت در برمن کلید آسماں گم شد

ہوس را در فراق مرحمت خواب گراں بگرفت ۔۔۔ طرب را در سراغ عافیت نام و نشاں گم شد

اگر پرسد کسے حال نظیری را بگوئید ش ۔۔۔ کہ در دام است آں مرغے کہ شب از آشیاں گم شد

غزل نمبر ۸۸ ۔ (۱) تیرے ظلم سے محبت کا نام و نشان ہی گم ہو گیا۔ گویا حسن کی کتاب میں سے اُلفت کا جز ہی کھو یا گیا۔ مطلب۔ تو نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ حسن محبت سے بے بہرہ ہے

(۲) ہوس پرست کی محبت کے سبب عاشق تیرے دل کے گرد نہیں پھرتا (قربان نہیں ہوتا۔) کیونکہ طفیلی (ناخواندہ مہمان) اتنے جمع ہو گئے ہیں کہ مہمان کے لئے جگہ ہی نہیں رہی۔ مطلب۔ چونکہ ہوس پرست تیرے پاس مجتمع ہیں۔ میں تجھ پر قربان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب ناخواندہ مہمان نے جگہ گھیر رکھی ہو تو پھر اصل مہمان کہاں ٹھیرے۔ (۳) صبح کے وقت مغنّی شعر گا رہا تھا۔ مجھے اچانک تیری یاد آ گئی۔ میں نے اس قدر شور برپا کیا کہ دوستوں کا عیش تلخ ہو گیا مطلب۔ تیری یاد نے مجھے وقفِ نالہ کر دیا۔ اور احباب کا عیش منغض ہو گیا۔ (۴) میں نے تیرے دل میں نالہ و زاری سے جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر تیری نظروں ہی سے گر پڑا۔ گویا ایک گدا نے آگر چاہا تھا۔ کہ قربِ (معشوق) میں مسند حاصل کرے کہ آستان بھی ہاتھ سے جاتا رہا مطلب۔ نالہ و زاری سے دلِ معشوق میں جگہ پانا تو درکنار نظروں سے گر کر ذلیل و خوار ہو گیا (۵) ایک مدت کے بعد میں نے چاہا کہ کچھ عرض کروں مگر وہ خوش روئی سے پیش آیا اور حالت یہ ہوئی کہ میری باتوں کا مضمون سو دفعہ دل سے زبان پر آتے ہوئے گم ہو گیا۔ مطلب۔ اس کے تبسم نے مضمونِ شکایت یا حرفِ غرض ہی بھلا دیا۔ (۶) اے زاہد! اگر ہم دیر کا مال و متاع رکھتے ہیں تو ہمیں سرزنش نہ کر۔ کیونکہ ہم کعبے کے ارادے سے جا رہے تھے کہ قافلے سے کھو گئے۔ (۷) جب سے ہوس نے مجھ سے منہ پھیرا ہے کاموں کا مزاج ہی بدل گیا ہے۔ اور خوشی نے جب سے مجھ پر در بند کیا ہے آسمان کی چابی ہی گم ہو گئی ہے مطلب میں نے ہوس ترک کی تو معاملات کی صورت بدلی۔ اور جب طرب مجھے چھوڑ گئی تو پھر کسی کے حصے میں نہ آئی۔ (۸) اس کے احسان کے فراق میں ہوس کو خوابِ گراں نے پکڑ لیا۔ اور طرب کا اس کی عاقبت کے سراغ میں نام و نشان گم ہو گیا۔ مطلب۔ ہوس اور طرب دونوں مفقود ہو گئیں (۹) اگر کوئی نظیری کا حال پوچھے تو اسے کہہ دینا کہ وہ پرندہ جو رات اپنے گھونسلے سے کھو گیا تھا آج بیچارہ دام میں پھنسا ہوا ہے۔ مطلب۔ نظیری کل رات سے گرفتارِ دامِ عشق ہے اس لئے جو پوچھے اسے یہ کیفیت بتا دینا۔ شاعر اپنا نام و نشان عجیب طریقہ سے بتاتے ہیں چنانچہ اشعارِ ذیل قابلِ غور ہیں:-

وہ مجھے ڈھونڈھ رہے ہیں کوئی ان سے کہہ دے
سالہا سال اسے ہو گئے افسانہ بنے (دلشتر)

اگر نام و نشاں پوچھیں تو اے قاصد بتا دینا
تخلص داغ ہے اور عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں (داغ)

گر نام و نشانِ من پرسند بگو قاصد
آوارہ مجنوں نے رسوا سرِ بازارے (گرامی)

ز نکہتِ سحری شوقِ یار مے خیزد
جنون ز سایۂ ابرِ بہار مے خیزد

بروئے یار نگہ رشحہ بیز مے افتد
بزلفِ یار شکن قطرہ بار مے خیزد

سحاب دل شدہ در کوہسار مے گردد — غزال شیفتہ در مرغزار مے خیزد
بہ دستگیریِ عشاق ناتواں احوال — ز زیرِ ہر شجرے صد نگار مے خیزد
تنے کہ رفت ز پا بر عذارہ میغلطد — سرے کہ رفت ز دوش از کنار مے خیزد
نہ از وصال ملولاں ملال مے گیرد — نہ از فراق حریفاں خمار مے خیزد
سماع رندی و گلگشت لذتے دارد — کہ بادشہ ز سرِ اعتبار مے خیزد
ہمیں کہ طائر فرصت رسید صیدش کن — کہ صید افگنش از ہر کنار مے خیزد
ہمیں کہ قسمت خود یافتی غنیمت داں — کہ از کمیں گہِ شیراں شکار مے خیزد
دریں ہوا در خلوت حکیم نکشاید — کہ ہوش میبرود و اختیار مے خیزد
جہاں خوش ست نظیریؔ قلم بجلوہ در آر — کہ گلشکر ز سرِ نوک خار مے خیزد

غزل نمبر ۸۹ - (۱) صبح کی ہوا سے یار کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور ابر بہار کے سائے سے جنون پیدا ہوتا ہے مطلب۔ ہوائے صبحگاہی اور ابرِ بہار جنون خیز ہیں (۲) یار کے چہرے پر ہماری نگاہ قطرے برساتی ہوئی پڑتی ہے۔ اور یار کی زلفوں میں قطرے گرانے والے شکن نمودار ہوتے ہیں۔ (۳) سحاب دل بن کر کوہسار میں پھر رہا ہے۔ گویا ایک مست ہرن چراگاہ میں پھر رہا ہے۔ مطلب۔ دل دیوانہ کوہسار میں پھرا کرتا ہے اس لئے بادل کو اس سے تشبیہ دی ہے۔ (۴) کمزور حال عاشقوں کی دستگیری کرنے کے لئے ہر درخت کے نیچے سے معشوق اُٹھتا ہے مطلب۔ عشاق کی امداد کے لئے ہر جگہ نگار موجود ہیں کیونکہ موسمِ بہار سب کو کشاں کشاں باغ میں لے آیا ہے۔ (۵) پاؤں سے گرے ہوئے (قتل کردہ) جسم رخساروں پر لوٹ رہے ہیں۔ وہ سر جو کندھوں سے گر چکے ہیں کنار سے اُٹھتے ہیں مطلب۔ اس قدر قتلِ عام ہوا ہے کہ مقتول ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں۔ کسی کا سر کسی کے عذار پر لوٹتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کی بغل میں پڑا ہے۔ (۶) نہ رنجیدہ دلوں کے ملنے سے اُسے ملال ہوتا ہے اور نہ حریفوں کے فراق سے خمار پیدا ہوتا ہے۔ مطلب۔ موسم بہار میں ملال و غم طبیعت کو پاس نہیں بھٹکنے دیتا (۷) رندی کا وجد اور گلگشت وہ لذت دے رہی ہے کہ بادشاہ اعتبار سے ہٹتا جا رہا ہے۔ مطلب بادشاہ خود رندی اور گلگشت کے لئے آمادہ و مہیا ہے۔ (۸) جونہی فرصت کا پرندہ ملے۔ اس کا شکار کرلے۔ کیونکہ اس کے لئے، شکاری ہر گوشے سے اُٹھتے ہیں مطلب۔ ہر شخص فرصت کا طالب ہے۔ اس لئے اگر موقع ملے تو اسے حاصل کرلو ورنہ دوسرا فائدہ اُٹھا لیگا۔ (۹) جونہی تو اپنا حصہ پا

لے۔ اسے غنیمت جان۔ کیونکہ شیروں کی گھات سے شکار اُٹھ رہا ہے۔ مطلب:۔ دنیا میں جو مل جائے غنیمت سمجھو (۱۰) اس ہوا میں حکیم اپنا دروازہ نہیں کھولتا۔ کیونکہ ہوش جاتا ہے اور اختیار اُٹھتا ہے مطلب۔ موسم بہار کی ہوا جنون خیز ہے اور عشاق کو بے اختیار کر دیتی ہے۔ (۱۱) اے نظیری جہان خوش و خورم ہے۔ تو قلم کی جلوہ گری پر آمادہ ہو۔ کیونکہ کانٹی کی نوک سے گلشکر پیدا ہو رہی ہے۔ مطلب۔ جب نوک خار میں گلشکر پیدا ہو رہی ہے تو اے نظیری تو بھی اپنی زبان قلم سے رنگین مضامین بیان کر۔

چہ شور بود کہ عشقت بمن کرامت کرد
کہ نارسیدہ قیامت دلم قیامت کرد

حدیث من کہ ز مجموعۂ وفائے تو خواند
کہ نے بخون دل و دیدہ اش علامت کرد

بکعبۂ دل من عاشقاں نماز آرند
کہ قبلہ شد صنم و برہمن امامت کرد

بہر نماز کنم صد ہزار سجدۂ شکر
کہ در دیار تو دل نیتِ اقامت کرد

قضائے کفر ادا میکنم کہ بر من عشق
نماز و طاعتِ چل سالہ را غرامت کرد

نثار دیدہ تصدق دہم کہ بخت جواں
بکوئے زہد و ریا توبہ ندامت کرد

مزاج عشق نظیری حریف سودائیست
دریں معاملہ نتواں ترا ملامت کرد

غزل نمبر ۹۰ ۔ (۱) یہ کیسا شور تھا۔ جو تیرے عشق نے مجھے عطا کیا۔ کہ قیامت آئی بھی نہیں مگر میرے دل نے قیامت برپا کر دی۔ مطلب عشق میں مبتلا ہو کہ میرا دل حشر بپا کر رہا ہے۔ (۲) کس نے تیری وفا کے مجموعہ سے میری حکایت پڑھی۔ اور اُس نے دل و دیدہ کے خون سے علامت نہ پائی۔ مطلب۔ جس نے بھی میری حدیثِ عشق پڑھی نہ میری حالت پڑھ کر مجھے صفِ عشاق میں جاننے لگا۔ (۳) عشاق میرے دل کے کعبے کی طرف نماز پڑھتے ہیں کیونکہ اب یہاں قبلہ بُت بنا ہے۔ اور برہمن امام۔ مطلب۔ چونکہ تمام عمر عبادت بت میں لبسر کر چکا ہوں۔ اس لئے اب لوگ مجھے اپنا امام بنا رہے ہیں (۴) میں ہر نماز میں ہزار شکرانے کے سجدے کرتا ہوں۔ کہ تیری ولایت میں میرے دل نے اقامت کی حقیقت پالی ہے۔ مطلب۔ نماز کے لئے "اقامت" کی اصطلاح مستعمل ہے۔ شاعر نے "اقامت" بھی "قیام" استعمال کیا ہے۔ اور رعایت لفظی برقرار رکھی ہے۔ چونکہ میرے دل نے تیرے شہر میں قیام کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس لئے میں شکر کے سجدے کرتا ہوں۔ (۵) میں اب کفر کی قضا سے (کفارہ) ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ عشق نے میری چالیس سالہ نماز اور عبادت کے لئے مجھ پر تاوان لگا یا ہے۔ مطلب:۔ میں چالیس سال نماز و اطاعت میں مشغول رہا ہوں۔ اور اب وقفِ عشق ہوا ہوں۔

تو عشق نے مجھ پر اس "بت کی گمراہی" کے لئے تاوان لگا دیا ہے۔ اس لئے میں اب کفارہ ادا کر رہا ہوں۔

(۶)، میں اپنی آنکھوں پر اپنے جوان نصیب کو قربان کرتا ہوں۔ کیونکہ اس نے مجھے زہد اور ریا کے کوچے میں نادم کر دیا ہے۔ مطلب۔ مجھے ایسے زہد و ریا پر ندامت طاری ہوتی ہے۔ اور یہ میری خوش نصیبی ہے مگر چونکہ نادم ہونا آنکھوں سے متعلق ہے۔ اس لئے میں اپنے بخت کو آنکھوں پر سے نثار کرتا ہوں۔

(۷)، اے نظیری عشق کا مزاج مریض اور سودائی ہے اس معاملے میں تجھے ملامت نہیں کرنی چاہیئے۔ مطلب۔ عشق کا مزاج ہی سودائی ہے۔ تو پھر نظیری کو ملامت کرنے سے فائدہ؟

بے تو بر بال و پر مرغاں گلستاں تنگ بود — صوتِ بلبل در حریم باغ بے آہنگ بود

حال آں گلگشت صحرائی کہ من کردم مپرس — لالہا را در تہِ ہر سنگ پرخوں چنگ بود

بے تو بر چشمم نمک مے بیخت بادِ صبحدم — گرچہ مروارید مے سائید ہر جا سنگ بود

سایہ مجنوں میشد از راہے کہ من کردم گذر — کز خیالت خیل صد لیلیٰ بصد فرسنگ بود

نامۂ دشمن ملالت بے تو مے برد از دلم — آنچہ بر مے چید زنگِ سینۂ ام را زنگ بود

گر نمردم از نشاطِ دیدنت از من مرنج — با نشاطم خصمیٔ با جانِ سختم جنگ بود

پیش ازیں چندیں نظیری کہ شعرش مستی نداشت — تا نبودی جام بے ساقی و مے بیرنگ بود

غزل نمبر ۹۱۔ (۱)، تیرے بغیر پرندوں کے بال و پر، پر گلستاں تنگ ہوا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ، باغ کی چار دیواری میں بلبل کی آواز بھی بے سُری تھی مطلب:۔ تیرے باغ میں نہ آنے کی وجہ سے پرندے بھی ناخوش تھے۔ (۲)، اُس جنگل کی سیر کا حال جو میں نے کی نہ پوچھ۔ کیونکہ ہر پتھر کے نیچے لالوں کے پنجے پرخون نظر آتے ہیں۔ مطلب۔ گلگشت صحرا نے یہ نظارہ مجھے دکھایا۔ کہ لالہ بھی جگر خون ہے۔ پھر اب سیر صحرا کا حال کیا بتاؤں۔ (۳)، تیرے فراق کی حالت میں صبح کی ہوا میری آنکھوں میں نمک ڈالتی تھی۔ اگرچہ وہ موتی گھسا رہی تھی۔ مگر میرے لئے ہر جگہ پتھر تھے۔ مطلب۔ فیض بادِ صبا سے تو آنکھوں کو نور پہنچتا ہے مگر میری بدقسمتی سے وہ نمک بن جاتا ہے۔ (۴)، جس راستے سے میں گزرتا ہوں۔ وہاں سایہ مجنوں بن جاتا ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں ہر فرسنگ پر لیلےٰ کے گروہ نظر آتے ہیں مطلب۔ میرا خیال روئے معشوق میں محو ہے۔ اس لئے قدم قدم پر عشاق پیدا کر رہا ہے یعنی میرے سائے کے مجنوں پیدا ہو رہے ہیں۔ (۵)، دشمن کی خط تیرے بغیر میرے دل کا ملال دور کرتا تھا۔ اگرچہ وہ میرے سینے کا زنگ صاف کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی میرا دل پُر زنگ تھا (غم دل میں موجود تھا) مطلب۔ دشمن نے اس معشوق کے فراق کی کیفیت لکھ کر نظیری کو بھیجی ہے۔ اس پر خوش ہے کہ میرے

رقیب کو بھی آخر ہجر کا سامنا ہؤا - مگر یہ احساس کر کے کہ خطرِ رقیب ہے - دوست کا نہیں - پھر کرد کدورت دل میں پیدا ہوتی ہے - (۶) اگر میں تیرے دید کی خوشی سے مر نہیں گیا - تو رنجیدہ نہ ہو - کیونکہ مجھے خوشی سے دشمنی اور اپنی سخت جان سے جنگ ہے - مطلب - میں خوشی سے مانوس ہی نہیں ہؤا - اس لئے نشاط کے عالم میں نہیں آیا - اور شدتِ نشاط میں مرا نہیں - غالب نے ایک بہتر طریق پر اس حالت کا اظہار کیا ہے میں اور حظِ وصل خدا ساز بات تھی ✦ جاں نظر دینی بھول گیا اضطراب میں۔

(۷) اس سے پیشتر تو نظیری اس قدر شورش اور مستی نہیں رکھتا تھا - اگر جام نہ ہوتا تو وہ ساقی اور شراب کے بغیر بے رنگ تھا (مست نہیں تھا) مطلب - معشوق آیا اور اپنے حسن کی شراب پلانے لگا - تو نظیری نے شوریدگی اور مستی کا اظہار کیا ورنہ اس کے آنے سے پیشتر وہ بالکل خاموش تھا ✦

تو میرانی و جانم با تو ذوقِ گفتگو دارد	گدا ہنگام مردن بادشاہی آرزو دارد
تو شمعِ بزمِ ہر کس گشتۂ صحبت غنیمت دل	کہ ایں پروانہ ہم با گوشۂ تاریک خو دارد
حرارت از برائے گرمیم بسیار مے باید	دل چوں موم از سختی جدل با سنگ در دارد
کدامم مجلس و ساماں کہ میخوردن بیاد آرم	چراغے نیرہ دارم کہ مردن آرزو دارد
ببد مستی سزد گر متہم دارد مرا ساقی	ہنوز از بادۂ پارینہ ام پیمانہ بو دارد
سزد گر باغباں در ہائے باغ از ناز بکشاید	کہ بلبل گشت مست و غنچہ اش مے در سبو دارد
کدامیں بود جامِ لطف کے دادی نظیری را	ہنوز آں تشنہ لب آب غریبی در سبو دارد

غزل نمبر ۹۲ - (۱) تو مجھے (محفل سے) نکال رہا ہے - اور میری جان تجھ سے گفتگو کرنے کا ذوق رکھتی ہے - گویا ایک گدا مرتے وقت بادشاہی کا خواہشمند ہے ۔ نوٹ: "میرانی" سے مراد بعض "مردن" سے متعدی لیتے ہیں - میرے ناقص خیال میں یہ درست نہیں - اور یہ "راندن" ہی سے ہے - (ہبیل آس) (۲) تو ہر شخص کی محفل کی شمع بنا ہے - اس لئے میری محبت کو بھی غنیمت سمجھ - کیونکہ یہ پروانہ بھی تاریک گوشے کا خوگر ہے - مطلب :- جب تو نے ہر ایک کو شربت وصال سے سرشار کیا ہے تو اس بندۂ حقیر کو بھی شاد کام کر - (۳) مجھے گرمانے کے لئے بہت سی حرارت درکار ہے - کیونکہ میرا موم جیسا دل سختی میں پتھر اور کانسی سے مقابلہ کرتا ہے - مطلب - موم کو پگھلانے کے لئے بالکل ہلکی سی حرارت درکار ہے - مگر نظیری کہتا ہے کہ میرے موم جیسا دل گداز کے لئے سنگِ وادنین سے زیادہ سخت ہے - اس لئے زیادہ حرارت کا طالب - (۴) مجھے مجلس اور دیگر ساز و سامان کہاں دمہیا ہے کہ میں شراب خواری کو یاد کروں - میں تو ایسا تاریک چراغ رکھتا ہوں جو

بجھنے کا آرزومند ہے۔ مطلب۔ شراب نوشی کے لئے تو محفل اور دیگر سامان کی ضرورت ہے۔ جو موجود نہیں۔ پھر ہم اس طرف کیسے مائل ہوں۔ (۵) اگر ساقی مجھ پر بدمستی کا الزام لگاتا ہے۔ تو سزاوار ہے۔ کیونکہ میرے پیمانے میں ابھی تک گذشتہ سال کی شراب کی بو موجود ہے۔ مطلب ساقی کے ایک ساغر ہی نے مجھے مست کر رکھا ہے۔ تو پھر میری کم ظرفی پر کیوں نہ مجھے بدمستی کا الزام دے (۶) اگر باغبان ناز سے باغ کے دروازے کھول دے تو اسے زیب دیتا ہے۔ کیونکہ بلبل مست ہو چکی ہے۔ اور غنچہ اس کے لئے مٹکے میں شراب رکھتا ہے۔ مطلب۔ ابھی موسم بہار موجود ہے اور بلبل عشق گل میں مست۔ (۷) جام لطف کونسا تھا۔ اور تو نے نظیری کو کب دیا۔ وہ بے چارا پیاسا تو ابھی مسافرت کا پانی اپنے سبو میں لئے ہے۔ مطلب۔ تو نے کبھی نظیری پر لطف فرمایا ہی نہیں وہ بے چارا محروم دیدار ہی ہے +

منم مرغ اسیرے مضطرب از بیم جان خود ۔ نہ ذوق دانہ دارم نہ امید آشیان خود
دل از امید وصل و بیم ہجراں کردہ ام فارغ ۔ نشستہ گوشۂ وارستہ از سود و زیاں خود
زقوت خویش یا بم طعم زہر و شکرہا گویم ۔ کزیں نعمت تنم پروردہ مغز استخوان خود
بباغ روزگار آں خود ستا مرغ کہن سالم ۔ کہ خود مے سنجم و خود مے سرایم داستاں خود
بنزد محرم و بیگانہ عیب خویش میگویم ۔ بدشمن میدہم از سادگی تیر و کمان خود
در صد شکوہ برلب میکشاید یاد نومیدی ۔ کسے کو تا زند قفل خموشی بر دہان خود
نظیری صبر کن کیں بند از دل بگسلد روزے ۔ ہنوز امید دارم میکند ضبط زباں خود

غزل نمبر ۹۳ - (۱) میں وہ گرفتار پرندہ ہوں جو اپنی جان کے خوف سے مضطرب ہے۔ نہ مجھے دانے کا ذوق ہے اور نہ اپنے آشیان کی امید۔ مطلب۔ نہ منزل مقصود پر پہنچنے کی توقع ہے اور نہ دنیوی لذات سے آشنا ہونے کا خیال۔ (۲) میں نے اب اپنا دل وصل کی امید سے اور ہجر کے خوف سے فارغ کر لیا ہے۔ اور اپنے سود و زیاں سے الگ ہو کر ایک گوشے میں بیٹھا ہوں مطلب نہ امید وصال ہے اور نہ خوف ہجر۔ آسودۂ گوشہ ہوں۔ (۳) میں اپنی خوراک کے طور پر زہر کا کھانا پاتا ہوں۔ اور پھر شکر ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ اسی نعمت سے میرے جسم نے اپنی ہڈیوں کی پرورش کی ہے مطلب۔ زہر عشق سے میں نے اپنا جسم پالا ہے۔ لوگوں کے لئے یہ زہر ہوگی۔ میں اسے روزی سمجھ کر شکر منعم حقیقی ادا کرتا ہوں۔ (۴) زمانے کے باغ میں مَیں وہ پرانا مغرور پرندہ ہوں کہ مَیں خود ہی اپنی داستان گاتا ہوں۔ اور خود ہی داد دیتا ہوں مطلب۔ کسی کی مدح و ذم کی پرواہ نہیں کرتا +

(۵) میں اپنے رازدار اور بیگانوں سے اپنی داستانِ عشق بیان کر دیتا ہوں۔ گویا اپنی سادگی سے دشمن کے ہاتھ میں تیر و کمان دیتا ہوں مطلب۔ ہر شخص کو داستانِ عشق سنا دیتا ہوں۔ اور پھر دشمن مجھ پر طعنہ زنی کے لئے اس میں سے ہی مواد حاصل کرتے ہیں۔ (۶) اس کی ناامیدی کی یاد لبوں پر شکووں کے سو دروازے کھول دیتی ہے۔ تو پھر کوئی کس طرح خموشی کا قفل منہ پر لگاتے۔ مطلب عشق میں خموشی ممکن نہیں۔ ؎

خموشی کا کہا سب حال اشکوں نے زباں ہو کر ٭ مری آنکھوں سے حسرت پھوٹ نکلی داستاں ہو کر (حفیظ)

(۷) اے نظیری! صبر کر کہ کیونکہ یہ بند دل سے ایک دن کھل ہی جائیگا۔ ابھی مجھے امید ہے۔ اس لئے اپنی زبان کو روکنا ہی اچھا ہے ٭

روز آں آید کہ باصد خواریم بر در کشد ٭ پردۂ ناموس شب از روزگارم بر کشد
بر سرِ پروانہ شمع از بہر آں سوزد کہ ہست ٭ جذبۂ عشقے کہ خاکستر بخاکستر کشد
ہیچ جا نگذاشت کز وے فتنۂ باقی نماند ٭ کاش چوں آید غمت رخت از در دیگر کشد
از ورش تصدیع کم کردم چو دانستم کہ او ٭ خطِ نسیانی مرا یکبارہ بر دفتر کشد
غم کہ ہر شب مجلسم افسردہ زد میگشت رفت ٭ امشب از جرأت چراغم دشنہ بر صرصر کشد
چارۂ کز بیقراری تشنۂ وصل ترا ٭ بر سراب از چشم افتد دست از کوثر کشد
از فراق امشب نظیری مجلسم ماتم گہیست ٭ بوئے خون آید چو عودم شعلہ در مجمر کشد

غزل نمبر ۹۴ - (۱) ہر روز وہ دن آتا ہے۔ جو مجھے سو خواری کے دروازے سے کھینچتا ہے۔ کیونکہ رات کی ناموس کا پردہ ہمارے زمانے سے اُلٹ جاتا ہے مطلب۔ ہر روز میری بے آبروئی بڑھتی جاتی ہے۔ (۲) پروانے کے سرہانے شمع اس لئے جلتی ہے۔ کہ اس میں عشق کا جذبہ ہے جو راکھ کو راکھ کی طرف مائل کرتا ہے مطلب۔ پروانہ جلنے کے بعد شمع جذبہ عشق کی وجہ سے اس کے سرہانے ہی خاک ہو جاتی ہے۔ ؎ بینی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را ٭ چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

شمع کا پاس الفت دیکھو جس نے کر کے خاک کا ڈھیر ٭ دفن کیا ہے لاشہ اپنے پہلو میں پروانے کا

(۳) کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی۔ جہاں فتنہ باقی نہ رہا ہو۔ کاش جو تیرا غم (میری طرف) آئے تو پھر دوسرے دروازے سے اپنا اسباب اُٹھالے مطلب۔ اس کا فتنہ ہر جگہ اپنے اثرات چھوڑ کر آیا۔ مگر عاشق کی خواہش یہ ہے کہ جب میرے ہاں آئے تو پھر اور کہیں اس کا نشان نہ رہے۔ (۴) جو مجھے معلوم ہوا۔ کہ اس نے نسیان کا خط میری یاد کی کتاب پر پھیر دیا ہے تو میں نے اس کے

دروازے سے اپنا دردِ سر فوراً اُٹھا دیا۔ مطلب۔ میں اس کے لئے بار ہو رہا تھا۔ اب جب معلوم ہو گیا۔ کہ اس نے بالکل فراموش کر دیا ہے۔ تو میں فوراً وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا ہوں۔ (۵) وہ غم جس سے ہر رات میری مجلس افسردہ ہو جاتی تھی۔ جاتا رہا ہے۔ اس لئے آج رات میرا چراغ جرأت کر کے ہوا پر خنجر تان رہا ہے۔ مطلب۔ آج جبکہ وصال میسّر ہے تو ضعیف چراغ میں بھی جرأت پیدا ہو گئی ہے کہ ہوا پر خنجر تانے۔ (۶) تیرے وصل کا پیاسا اس قدر بیقرار ہے۔ کہ اگر اس کی نظر شراب پر ہی پڑ جاتی ہے۔ تو چشمۂ کوثر سے دستکش ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کا علاج کر۔ مطلب۔ طالب اضطراب میں تشنۂ وصال اس قدر پریشان ہے۔ کہ حقیقت کی بجائے مجاز پر متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ کیفیت علاج طلب ہے۔ (۷) اے نظیریؔ! فراق سے آج رات میری محفل ماتم گاہ بنی ہوئی ہے۔ (اور حالت یہ ہے) کہ جب میری عود شعلہ کو انگیٹھی میں پیدا کرتی ہے تو خون کی بُو آتی ہے۔ مطلب۔ فراق کے سبب سے عود شعلے سے خون کی بُو دینے لگتی ہے۔

تبسمش بلب از شرم خشم و کیں گردد — کرشمہ اش گرہ از ناز بر جبیں گردد

کند بدیدہ شکر ریزہ اشک تلخم را — بخندۂ کہ از و زہر انگبیں گردد

از و بقیمت آسائشِ ابد نجرم — جراحتے کہ دلم یک نفس غمیں گردد

چو باد از سرِ عالم بجہد بر خیزم — اگر دمے بمن از مہر ہمنشیں گردد

نہ قبلہ دانم و نہ کعبہ کافر عشقم — چو سجدہ پیش بت آرم قبول دیں گردد

گہے کہ جامۂ تقوےٰ و زند گوییندم — کہ دستِ کیست کہ پنہاں در آستیں گردد

سخن طرازی و دانش ہنر نظیریؔ نیست — قبول دوست مگر نالہ حزیں گردد

غزل نمبر ۹۵ - (۱) اس کا تبسم لبوں پر آ کر شرم کی وجہ سے غصّہ اور کینہ بن جاتا ہے اور ناز سے اس کا کرشمہ پیشانی پر گرہ بن جاتا ہے۔ مطلب۔ میرے خیال میں اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ معشوق کے دل میں کینہ و بغض نہیں۔ بلکہ محض شرم اور ناز سے اس کا تبسم اور کرشمہ کینہ ور معلوم ہوتا ہے۔ (۲) وہ ہنسی جو زہر کو شہد بنا دیتی ہے۔ میرے تلخ آنسوؤں کو آنکھوں میں ہی شکر ریز کر دیتی ہے۔ مطلب۔ اس کی ہنسی اس قدر شیریں ہے کہ میرا حسرتناک رونا بھی شیریں ہو جاتا ہے۔ (۳) وہ زخم جو میرے دل کو ایک لحظہ کے لئے غمگین بنا دے۔ میں اس سے ہمیشہ کی آسائش کے بدلے خریدتا ہوں۔ مطلب۔ زخمِ عشق آسائش ابد سے بہتر جانتا ہوں۔

(۴) اگر وہ ایک دم کے لئے میرے پاس محبت سے بیٹھتا ہے۔ تو میں اُس ہوا کی طرح دنیا سے پوری کوشش سے اُٹھ جاتا ہوں۔ مطلب۔ شادی مرگ ہو جاتا ہوں۔ (۵) میں نہ قبلہ جانتا ہوں اور نہ کعبہ۔ میں تو عشق کا کافر ہوں۔ جب میں بُت کو سجدہ کرتا ہوں تو میرے دین میں فعل ہو جاتا ہے۔ مطلب۔ ؎ کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست ✤ ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست
نہ حرم ہے نہ کلیسا ہے نہ بُت خانہ ہے ✤ یار کی انجمنِ ناز ہے بُت خانۂ دل۔ (نشتر جالندھری) (۶) جب پرہیزگاری کا لباس پھاڑتے ہیں تو مجھے کہتے ہیں کہ یہ کس کا ہاتھ ہے جو ہماری آستین میں پوشیدہ ہے۔ مطلب۔ زاہدوں کا لباس بھی عشق میں تار تار ہو جاتا ہے تو حیران ہو کر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ یہ کس کا ہاتھ آستین میں نہاں ہے۔ (۷) اے نظیری باتیں بنانا اور عقل صرف اسی کو ہی نہیں کہتے شاید نالہ حزیں دوست قبول کر لیتا ہے؟ مطلب۔ شعر و شاعری عقل و ڈھنگ بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت نہیں پاتے۔ بلکہ نالہ حزیں خدائے کریم کو برسر کرم لے آتا ہے ✤

دلم را نور رحمت از وداع جاں فرو گیرد
شہادت خانہ ام را پر تو ایماں فرو گیرد

دل پُر حسرتے دارم کہ ہر سو چشم بکشائم
سرشک گریہ ام از دیدہ تا داماں فرو گیرد

زلبس ساید بہم در کیش طاقت ناوک آہم
خراش سینہ ام را سوزنش پیکاں فرو گیرد

زخورسندی مداں کز بیتو بر بستر نہم پہلو
سرم را اضطراب از زانوے حرماں فرو گیرد

در آں ساعت کہ آہم گرد راہ از چہرہ افشاند
جراحتہائے اہل درد را جرباں فرو گیرد

بحسرت مے سپارم جاں بہ بندا از گریہ چشم را
کہ گر اشکے بیفتد دہر را طوفاں فرو گیرد

اگر آید بجز یاد تو در خاطر نظیری را
زدل تا بگذراند صد رمش نسیاں فرو گیرد

غزل نمبر ۹۶ - (۱) میرے دل کو رحمت کا نور جان نکلنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ میرے شہادت خانے کو ایمان کا نور اپنے دامن میں لے لیتا ہے۔ مطلب۔ بعد از مرگ اس ؎ خداوندی سے شادکام ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہم صاحب ایمان ہو کر جان دیتے ہیں۔ (۲) میں ایسا حسرتناک دل رکھتا ہوں کہ جدھر آنکھ کھولتا ہوں۔ میرے گریہ کے آنسو آنکھوں سے دامان تک گھیر لیتے ہیں۔ مطلب۔ جدھر نظر کرتا ہوں۔ آنکھوں سے لے کر دامن تک آنسو ہی آنسو دکھائی دیتے ہیں۔ (۳) میری آہ کے تیر طاقت و صبر کے ترکش میں اس طرح گھستے ہیں۔ کہ میرے سینے کے خراش کو تیر کی سوزش حاصل کر لیتی ہے۔ (۴) اگر میں تیرے بغیر بستر پر پہلو رکھتا ہوں تو یہ خوشی کے سبب نہ سمجھ لے۔ بلکہ میرے سر کو اضطراب فراق کے زانو سے نیچا تار لیتا ہے۔ مطلب۔ بیقراری کے سبب بستر پر کروٹیں لینا

ہوں۔ نہ کہ آسائش کے لئے۔ (۵) اس وقت جبکہ میری آہ راستے کی گرد سے چہرہ صاف کرتی ہے۔ اہلِ درد کے زخموں کا علاج بن جاتی ہے۔ مطلب۔ وہ گرد جراحت عشق کا علاج ہے۔ (۶) میں نہایت حسرت سے جان دے رہا ہوں۔ اس لئے میری آنکھوں کو رونے سے بند کردو۔ کہ اگر ایک آنسو بھی گرا تو زمانے میں طوفان آجائیگا۔ مطلب۔ حسرتناک آنکھوں کا ایک آنسو بھی گر کر طوفان پیدا کر دیگا۔ اور خاص کر جب نزع کا عالم ہو۔ (۷) اگر نظیری کے دل میں تیرے سوا کسی اور کی یاد آتی ہے تو دل سے گذرتے ہوئے سوجگہ اس پر نسیان طاری ہو جاتا ہے۔ مطلب۔ کسی اور کی یاد دل میں سما ہی نہیں سکتی۔ ؎ خدا مجھ کو تجھ سے ہی محروم کردے + جو کچھ اور تیرے سوا چاہتا ہوں (تاجور)

نشانِ آنکہ کردم قطع امید از دیارِ خود — نہادم در حریم کوئے او سنگ مزارِ خود

برہمن از حرم برگشت و حاجی از حرم آمد — من و اخلاص عرض بندگی و کوئے یارِ خود

تو خواہی کافری داں طاعتم خواہی مسلمانی — مرا کاریست با صدق دل امیدوارِ خود

خلل گر در بنائے دین و ایمانم شود سہلست — ندانم نقص در بنیاد عہد استوارِ خود

زر کامل عیارم در وفا و دوستی خالص — گرم صد بار بگذاری نگردم از عیارِ خود

لب امیدواری بستہ ام از حرف نایابی — محبت میکند نوعے کہ باید کرد کارِ خود

نظیری از تو در خون زینت ہر دام از صیدے — تو ہم فتراک را آرائشے دہ از شکارِ خود

غزل نمبر ۹۷ — (۱) اس بات کا ثبوت دینے کے لئے کہ ہم اپنی ولایت سے امیدیں قطع کر چکے ہیں۔ ہم نے اس کے کوچے میں اپنے مزار کا پتھر لگا دیا۔ مطلب۔ ہم نے ثبوت دے دیا۔ کہ ہم ہرگز اپنے وطن کو نہ جائینگے۔ اور اس کے کوچے ہی میں مر جائینگے۔ اپنے مزار کا پتھر لگا دیا ہے۔ (۲) برہمن صنم سے پھر گیا۔ اور حاجی حرم سے نکل آیا۔ مگر میں ہوں اور میرا اخلاص۔ بندگی کی غرض اور میرے دوست کا کوچہ۔ مطلب۔ برہمن اور حاجی اپنی عبادت گاہوں سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔ مگر میں اپنی جگہ پر قائم ہوں۔ (۳) تو خواہ میری طاعت کو کفر سمجھ لے یا در خواہ اسلام۔ مگر مجھے اپنے امیدوار دل سے صدق سے کام ہے۔ مطلب۔ میں تو صدق دل سے کام کر رہا ہوں تو اسے کافری سمجھ یا اسلام۔ مجھے اس سے بحث نہیں۔ (۴) اگر میرے دل اور ایمان میں خلل پیدا ہو۔ تو یہ آسان ہے۔ لیکن میرے مضبوط عہد کی بنیاد میں نقص پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ مطلب۔ عہد استوار عشق میں کمی واقع نہیں ہو سکتی۔ خواہ دین و ایمان میں خلل واقع ہو جائے۔ (۵) میں کھرا سونا ہوں۔ دوستی اور وفا میں خالص ہوں۔ اگر تو مجھے سو دفعہ چھوڑ بھی دے پھر بھی میں اپنے معیار سے نہیں بدلونگا۔ مطلب۔ تو ہمیں

چھوڑ جائے۔ پھر بھی ہماری وفا میں فرق نہیں آئیگا۔ (۴) ہم ہیں وفا کے بندے ہر دم وفا کرینگے۔ (۵) میں نے نایابی کی باگوں سے امید کا لب بند کر لیا ہے۔ محبت اس طرح بروئے کار آتی ہے ۔ جیسے اپنا کام کرنا چاہیئے۔ (۷) اے نظیریؔ! تو شکار ہو کر ہر دام کی زینت ہو رہا ہے۔ پھر تو بھی اپنے شکار بند کو اپنے شکار کے راستہ کر ۔

در بروئے عیش تا بستیم دیگر وا نشد
صد کلید آورد بخت و قفل این در وا نشد

در گریبانے کہ غم آویخت کمتر شد درست
خوشدلے کم دوخت دامانے کہ یکسر وا نشد

تا غم از ویرانۂ ما راہ آمد شد کشود
دیدۂ شمع امید ما ز صرصر وا نشد

ہمچناں مکتوب ناکامی بہم پیچیدہ ماند
نامۂ سربستۂ ما ہیچ جا سر وا نشد

سعی کردم تا مگر از عشق بردارم دلے
قطرۂ خوں نابۂ از روئے اخگر وا نشد

اضطراب از بہر جاں بردن بسے پروانہ کرد
پیچ و تاب شعلہ اش از بال و از پر وا نشد

آنکہ شب خواب نظیریؔ را بافسوں لبست بست
ہیچ کار بستہ او زاں فسوں گر وا نشد

غزل نمبر ۹۸ ۔ (۱) جب سے ہم نے عیش پر دروازہ بند کر دیا ہے کبھی کھلا ہی نہیں نصیب سوچا۔ یہاں لے کر آیا۔ پھر بھی یہ دروازہ نہ کھل نہ سکا۔ مطلب۔ عیش رفتہ پھر حاصل نہ ہو سکا۔ ہمارا بخت عیش کے لئے کوشاں ہوا۔ مگر اسے بھی کامیابی نہ ہو سکی۔ (۲) جس گریبان کے ساتھ غم لگے ہونگے ۔ وہ درست نہیں ہوتا۔ خوشدلی کبھی اس دامن کو نہیں سیتی۔ جو بالکل نہ پھٹ گیا ہو۔ مطلب غم گریبان گیر ہے تو پھر گریبان درست کس طرح رہ سکتا ہے ۔ (۳) جب سے غم نے ویرانے میں آمد و رفت شروع کی ہے۔ ہماری امید کی آنکھیں ہوا سے کھل نہیں سکتیں۔ مطلب۔ جب سے غم آیا ہے امید وصال پیدا ہی نہیں ہوتی۔ (۴) ہماری ناکامی کا خطہ تہ شدہ پڑا ہے۔ گویا سر بمہر خط کسی جگہ بھی نہ کھل سکا۔ مطلب ۔ داستان محرومیٔ عشق کوئی نہیں جانتا۔ (۵) میں نے کوشش کی تاکہ عشق سے دل الگ کر لوں۔ مگر خون کا ایک قطرہ چنگاریوں کے سامنے نہ کھل سکا۔ مطلب عشق کے پنجے سے دل باہر نہ نکل سکا۔ (۶) جان سلامت بچانے کے لئے پروانے نے بے انتہا کوشش کی۔ مگر شعلہ کے پیچ و تاب اس کے پر و بال سے نہ کھل سکے۔ مطلب۔ وہ شعلے کی لپیٹ میں آگیا۔ تو جان سلامت نہ لے جا سکا۔ (۷) جس نے رات نظیریؔ کی نیند جادو سے باندھ دی۔ وہ بندھی رہی۔ اس کا کوئی رکا ہوا کام اس جادوگر سے نہ کھل سکا۔ مطلب۔ کار بستہ اس نے نہ کھولا۔ اگرچہ خواب نظر افسوں سے روک دی ۔

دل نمیدانم کجا زیں آستانم مے کشد ۔ مرگ مے بینم کہ با ہجراں عنانم مے کشد
ہر سر مو بر تنم دارد خروشے از وداع ۔ ہجر پیوند تو از رگہائے جانم میکشد
داشتم در سینہ پیکانِ خدنگ کارئے ۔ دست غیرت ایں زماں از استخوانم میکشد
میکند آسودگی سیرے بگرد خاطرم ۔ گریہ ہم پائے ز چشم خون فشانم میکشد
قصۂ وارستگی امروز پیش دل گذشت ۔ طرفہ حرف ناامیدی از زبانم میکشد
بر سر بازار جانبازی کماں آویختم ۔ دست غیرت بشکنم ہر کس کمانم میکشد
میکشم سر از کمند او نظیری بعد ازیں ۔ گر بصد زنجیر آں نامہربانم میکشد

غزل نمبر ۹۹ - (۱) میں نہیں جانتا۔ اس آستانے سے دل مجھے کہیں اور لے جائیگا۔ میرا خیال ہے۔ کہ صرف موت ہی ہجر سے میری باگ موڑ لی جائیگی۔ مطلب۔ ہجر کا علاج سوائے موت کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ (۲) ہر بال میرے جسم پر تیرے فراق میں شور برپا کرتا ہے۔ تیرا ہجر میری جان کی رگوں سے پیوند کھینچ رہا ہے۔ (۳) میں اپنے سینے میں ایک کاری تیر کا سوفار رکھتا ہوں۔ اس کو میری غیرت کا ہاتھ آج ہڈیوں میں سے نکالتا ہے۔ مطلب۔ وہ تیر جو سینے میں لگا تھا۔ اب وہ ہڈیوں میں پیوست ہوگیا ہے۔ (۴) آسائش میرے دل کے گرد گردش کرتی ہے آنسو بھی میری خون برسانے والی آنکھوں سے قدم اُٹھاتے ہیں (۵) میری آوارگی کا قصہ آج دل کے سامنے بیان کیا جا رہا تھا۔ میری زبان سے ایک عجیب ناامیدی کا حرف نکل رہا تھا۔ مطلب۔ حسرت و یاس کا اظہار ایک عجیب انداز میں زبان سے ہو رہا تھا۔ (۶) میں نے جانبازی کے بازار میں کمان لٹکا دی ہے۔ جو اس کمان کو چلّے چڑھانے میں میں غیرت کے ہاتھ تڑواؤں گا۔ مطلب۔ میں نے اپنی جانبازی کے مقابلے کی دعوتِ عام دیدی ہے۔ دیکھوں تو کون دعوت قبول کرتا ہے۔ (۷) اے نظیری! اس کے بعد میں اس کی کمند سے سر کھینچ لونگا۔ اگر وہ نامہربان مجھے سو زنجیروں سے بھی کھینچے۔ مطلب۔ اگر اس کی جفا کا یہی عالم رہا۔ تو میں اس کے بلانے بھی محفل میں نہ آؤں گا۔

بر قفا چشمت نمی افتد چو ایں در وا شود ۔ آں زماں درگاہ بشناسی کہ صدرت جا شود
آنکہ او در کلبۂ احزاں پسر گم کردہ یافت ۔ تو کہ چیزے گم نکردی از کجا پیدا شود
دوست دارد از غریباں نالۂ بیچارگی ۔ عشق میخواہد کہ کشتی غرقہ در دریا شود
ہر کہ میخواہد کہ منشورِ خراباتش دہند ۔ باید اول خانماں برہم زن و رسوا شود

زد ہمہ خوبی زمانہ زشتی ہما نالائق است
پردۂ مابستہ ماند پردۂ او وا شود

شد بہارِ عمر نا نچپت ست انگورم ہنوز
نیست معلومم کہ آخر سرکہ یا صہبا شود

عمرۂ آں کُو برآرم پائم ار آید بکار
حلقۂ آں در بگیرم دستم ار گیرا شود

کم نظیری راست بر جائے نظر افگندہ ام
وائے گر روز جزا چشم و دلم گویا شود

غزل نمبر ۱۰۰ - (۱) جب یہ دروازہ کھل جاتا ہے۔ تو پھر مجھے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تو درگاہ اس وقت لے جائیگا۔ جب تجھے مسند صدارت پر جگہ ملے۔ مطلب۔ جب راہِ معرفت مل جاتا ہے تو پھر کسی اور طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ (۲) اُس نے اپنے ماتم کدے میں گم شدہ بیٹا حاصل کر لیا۔ مگر تو جس کا کچھ کھویا ہی نہیں گیا حاصل کیا کریگا۔ مطلب حضرت یعقوب نے تو ماتم کدے میں حضرت یوسف کو پالیا۔ مگر جب تیری کوئی چیز گم ہی نہ ہوئی تو واپس کیا پائیگا۔ (۳) (عشق) ہم بے چاروں سے بے بس کے نالوں کا خواہشمند ہے۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ کشتی دریا ہی میں غرق رہے۔ مطلب عشق گریہ ہی میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔ آنسوؤں کے دریا بہاویں۔ اور دل کی کشتی اُس میں غرق رہے۔ (۴) جو یہ چاہتا ہے کہ میخانے کا فرمان اسے مل جائے۔ اسے پہلے اپنا گھر باہر تباہ کر کے رسوا ہو جانا چاہیئے۔ مطلب۔ شراب حقیقت کا اجارہ دار ہونے سے پیشتر علائق دنیا سے کنارہ کش ہو کر رسوا ہونا ضروری ہے۔ (۵) اس کی خوبصورتی کے مقابلے میں ہماری بدصورتی ہے۔ تاکہ اس کا پردہ کھلے۔ اور ہمارا پردہ پوشیدہ رہے۔ (۶) عمر کی بہار گذر چکی۔ مگر ابھی میرے انگور کچے ہیں۔ اس لئے ابھی تک معلوم نہیں۔ کہ یہ سرکہ بنینگے یا شراب۔ مطلب۔ انگور پختہ ہوتے تو شراب کا یقین ہو جاتا۔ کیونکہ ناپختگی کی حالت میں سرکہ بننے کی توقع بھی ہے۔ (ابھی معلوم نہیں کہ میں راہ راست پر چل نکلوں گا یا کسی اور طرف گامزن ہو جاؤنگا (۷) اگر میرے پاؤں کام کریں۔ تو میں اس کوچہ کا طواف کروں۔ اور اس دروازے کی زنجیر کھٹکھٹاؤں اگر میرا ہاتھ رسا ہو سکے۔ (۸) اے نظیری! میں نے کسی جگہ پر درست نگاہ نہیں ڈالی۔ ہم پر افسوس ہے اگر قیامت کے دن آنکھ اور دل گویا ہو جائیں +

ہر سر شاخ دریں باغ ہوائے دارد
ہر گلے رنگے و ہر مرغ نوائے دارد

یک شکر کام امید ہمہ شیریں کردہ است
زنو خود ہر مگسے فر ہمائے دارد

برہمن ہم زدر بت کدہ نومید نشد
در ہر خانہ زنی خانہ خدائے دارد

حسن ہر جلوہ کہ از جائے دلت را ببرد
از پیش گر بروی راہ بجائے دارد

نیست در حلقۂ مستاں زمن آلودہ ترے | اہل ہر سلسلہ انگشت نمائے دارد
تار خورشید نمالش لفراق افتادم | ہر کہ برمن گذرد طعن خطائے دارد
بفسونِ دہنش بارِ اقامت مکشائے | کان سرچشمہ عجب برگ گیائے دارد
تانماند بغلط مہرہ فلک میبازد | گرچہ خصلے بنہد ذوق دغائے دارد
حذر از شہرتِ خونریز کسے باید کرد | کہ اگر کشتہ شود نوحہ سرائے دارد
بمن آں کن کہ سزاوار جمالِ تو بود | شمع در سوزشِ پروانہ سزائے دارد
غم مخور الفتِ معشوق نظیری باتست | بُودِ ہر ذرہ بخورشید لقائے دارد

غزل نمبر ۱۰۱۔ (۱) اس باغ میں ہر شاخ کچھ ہوا (خواہش) رکھتی ہے۔ ہر پھول رنگ اور ہر پرندہ نغمہ نکالتا ہے۔ مطلب۔ باغِ دہر میں ہوا وحرص ہر شخص کے پاس ہے۔ (۲) ایک ہی شیرینی نے میری امید کا حلق شیریں کر دیا ہے۔ ہر مکھی اپنے خیال میں ہما کی سی شوکت رکھے ہوئے ہے۔ مطلب۔ خیالِ حسنِ یار نے میری امیدوں میں حلاوت پیدا کر دی ہے۔ یہ کم سہی۔ لیکن میرے خیال میں زیادہ ہے۔ (۳) برہمن بھی بتکدے کے دروازے سے ناامید نہیں ہوا جس گھر کے دروازے پر دستک دو۔ (خدا ہی کا گھر ہے۔) مطلب۔ بتکدہ اور مسجد سب خانہائے خدا ہیں کوئی ان سے نااُمید نہیں پھرتا۔ (۴) ہر جلوے کا حُسن جو کسی جگہ سے بھی تیرا دل چھین لے۔ اگر تو اس کا تعاقب کرے تو وہ ایک ہی جگہ کی راہ لیتا ہے۔ مطلب۔ حُسن کسی کا بھی ہو۔ اُس کا دیوانہ ہو کر نکلو۔ تو منزلِ مقصود ایک ہی پاؤ گے۔ تمام عشاق ایک ہی جگہ پہنچ جائینگے۔ سب کی بازگشت ایک ہی ہے (۵) مستوں کے حلقے میں مجھ سے زیادہ گنہگار کوئی نہیں ہے۔ ہر سلسلے میں کوئی نہ کوئی ایسا ہوتا ہے جس پر سب انگشت نمائی کرتے ہیں۔ مطلب۔ میں چونکہ سب سے زیادہ آلودہ دامن ہوں۔ اس لئے لوگ مجھ پر انگشت نمائی کرتے ہیں۔ خواہ حالت یہ ہے کہ :۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو + دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔ (۶) جب سے تیرے وصال کے آفتاب سے فراق میں گر پڑا ہوں۔ جو بھی میری طرف گزر کرتا ہے۔ گناہوں کا طعنہ دیتا ہے۔ مطلب۔ تیری نظروں سے کیا گرا ہوں۔ تمام دنیا طعنہ زن ہوگئی ہے۔ (۷) اس کے منہ کے جادو سے اقامت کا بوجھ نہ کھول۔ کیونکہ یہ چشمے کا منبع ایک عجیب ٹوٹکا رکھتا ہے۔ مطلب۔ اس کے کہنے سے کوئے یار میں قیام کرنے پر آمادہ نہ ہو جا۔ (۸) آسمان غلطی سے بچنے کے لئے عمداً مہرہ ہار دیتا ہے۔ اگرچہ وہ داؤ کھیلتا ہے۔ اس کی تہ میں دغا ہے۔ (۹) اس خونریز کی شہرت سے

اسے احتراز کرنا چاہیئے۔ کہ اگر وہ مارا جائے۔ تو اُس کو رونے والے ہوں۔ مطلب۔ اگر کوئی غریب الوطن ہو تو اسے اس خونریزی کی شہرت میں ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ شہرۂ مرگ نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کوئی نوحہ خواں رکھنے والا مارا جائے۔ تو درد رچہ چاہو جائیگا۔ (۱۰) میرے ساتھ ایسا سلوک کر جو میرے جمال کے لئے سزاوار ہو۔ کیونکہ شمع بھی پروانے کی سوزش میں سزا ملحوظ رکھتی ہے۔ مطلب۔ اپنے جمال کے مطابق مجھ سے سلوک کرتا کہ میرا پایہ بلند رہے۔ (۱۱) اے نظیری! غم نہ کر۔ کیونکہ معشوق کی الفت تیرے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ ہر ذرے کی ہستی خورشید کے ساتھ ہی بقا رکھتی ہے۔ مطلب۔ ذرہ آفتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ نظیری کی زندگی الفت معشوق سے لازم و ملزوم ہے۔

گر تشنہ بر سر خم میرم عجب نباشد — رحمے نمے نماید تا جاں بلب نباشد
باصد امید خوانند کز انتظار سوزند — چوں در نمے کشایند کاش ایں طلب نباشد
صہبائے راز دادند سرمست شوق کردند — گویند لب کشودن شرط ادب نباشد
من یک سبب ندارم درگیر بر در بخت — یک مدعا نسازند تا صد سبب نباشد
چوں ذلتے بہ بینند آمرزشے نمایند — پائے اگر بلغزد جائے طرب نباشد
ہرگز دل توانگر لذت نیابد از عشق — غم نیست عاشقاں را گر قوت شب نباشد
از عقدہائے دوراں دل بکن نظیری — آنرا کہ واگذارند جز از غضب نباشد

غزل نمبر ۱۰۲۔ (۱) اگر میں خُم کے پاس ہی پیاسا مر جاؤں۔ تو اس میں تعجب نہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت تک رحم نہیں کرتا۔ جب تک کسی کی جان بھول پہ نہ آجائے۔ (۲) جن کو سو امیدوں سے بلاتے ہیں۔ ان کو انتظار میں جلاتے ہیں۔ اگر دروازہ نہیں کھولنا ہوتا۔ تو کاش بلایا ہی نہ کرے۔ مطلب۔ دیدار معرفت کا شائق بنا کر پھر کامیابی عطا نہ کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے۔ کہ ذوقِ عشق پیدا ہی نہ کریں۔ (۳) راز کی شراب عطا کر دی۔ اور شوق میں سرمست کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا۔ کہ منہ سے کچھ کہہ دینا ادب کی شرط نہیں۔ مطلب:۔ من عرف ربّہٗ فقد کَلَّ لسانہٗ۔ جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اُس کی زبان گنگ ہوگئی۔ رازِ عشق جس کو عطا ہوگیا۔ وہ دنیا کے سامنے اس کی تشہیر کرنے کا مجاز نہیں۔ ؎

عشق کی توہین ہے دربان الفت کی تلاش — کہہ گئے چپکے سے یہ بھی میری غمخوار ملکے بعد (آغا حشر)

(۴) اپنے کام بنانے کے لئے میرے پاس ایک سبب بھی نہیں ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ نصیب کے دروازے پر کسی کا ایک مدعا بھی اس وقت تک پورا نہیں کرتے۔ تاوقتیکہ اس کا سو اسباب

نہ ہو۔ مطلب۔ میرے پاس اسباب بر آمدِ مدعا نہیں۔ اس لئے کامیابی معلوم! (۵) جب کوئی لغزش دیکھتے ہیں تو معاف کرتے ہیں۔ اس لئے اگر پاؤں لغزش نہ کھا جاتے تو خوشی کا مقام نہیں ہے۔ مطلب۔ کوتاہیوں اور لغزشوں کے لئے بخشش ہے۔ اس لئے بے گناہ ہونا مقام خوشی نہیں (۶) توانگر کا دل عشق کی لذت نہیں پاتا۔ اگر رات کا کھانا نہیں تو بھی عشاق کو غم نہیں ہوتا۔ مطلب۔ عاشق بے قوت شب بسر کر لیتے ہیں۔ مگر امراء سے یہ بات ممکن ہی نہیں۔ اس لئے وہ کامل عشق نہیں ہو سکتے۔ (۷) اے نظیری زمانے کے عقدوں سے تو اپنا دل بُرا نہ کر کیونکہ جس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ گویا وہ معتوب ہوتا ہے۔ مطلب۔ بالکل فراموش کر دینا عتاب کے سبب ہوتا ہے۔ اس لئے "لگاؤ" نہیں تو "لاگ" سہی۔ تعلّق تو قائم ہے +

آں بخت فتنہ جو کہ تو دیدی بخواب شد — واں دل کہ بود سخت تر از خارہ آب شد
گلگونۂ ہوا و ہوس رنگ واگذاشت — خال و خط عروس طبیعت خراب شد
دل راکہ حرف سوختگاں داغ کردہ بود — میرفت تا بر آتش ایشاں کباب شد
در بحر شوق کشتیٔ دل ریسماں برید — در کوئے یار خیمہ تن بے طناب شد
ایں نور سنبل و گل ہر کشورے نخاست — تا در خطا کرام گیا مشک ناب شد
دائم کسے بقافلہ بودہ است پاسباں — بیدار شو کہ چشم رفیقاں بخواب شد
خشکیٔ لب بہ تشنہ لباں آب میدہد — تا مستعد شدیم دعا مستجاب شد
مستی چہ خوب کرد کہ ایں پردہ برگرفت — رخسارۂ حقیقت ما بے نقاب شد
تاریخ واقعات شہاں نا نوشتہ ماند — افسانہ کہ گفت نظیری کتاب شد

غزل نمبر ۱۰۳ - (۱) وہ فتنہ تلاش کرنے والا نصیب جسے تو نے دیکھا تھا۔ سو گیا ہے۔ اور وہ دل جو پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا پانی پانی ہو گیا ہے۔ مطلب یہ عالمِ جوانی "بختِ فتنہ جو" تھا اب گذر گیا۔ اور پیری نے گھیر لیا۔ (۲) ہوا و ہوس کے غازے نے رنگ چھوڑ دیا۔ اس لئے طبیعت کی دلہن کے خال و خط خراب ہو گئے۔ مطلب۔ بڑھاپے میں ہوا و ہوس بھی سرد پڑ گئیں۔ اس لئے سب کچھ فراموش ہو گیا۔ (۳) وہ دل جسے جلے ہوئے نے پر داغ کر دیا تھا۔ آخر گیا۔ اور اس آگ پر کباب ہو گیا۔ مطلب۔ آخر دل عشق زدہ اس آگ میں جل کر فنا ہوا۔ (۴) شوق کے سمندر میں دل کی کشتی کا رسّہ ٹوٹ گیا۔ اور یار کے کوچے میں جسم کا خیمہ بے طناب ہو گیا۔ مطلب۔ پیری میں شوق عشق کا زور کم ہو گیا۔ (۵) ہر ولایت کی سنبل اور گلاب سے یہ بو پیدا نہیں ہوئی تھی۔ معلوم نہیں خطا میں کون سی

گھاس خالص مشک بن گئی یمطلب - کون سے معشوق نے زمانے کو عنبر آگین بنادیا (تجاہل عارفانہ)
(۶) کیا ہمیشہ کوئی قافلے میں پاسبان رہا ہے ؟ اس لئے تو اس راز کو سمجھ) اور بیدار ہو - کہ تمام رفیق سو گئے ہیں یمطلب - پاسبان قافلہ بدلتے رہتے ہیں - تو بھی بدل جائیگا - راہ فنا اختیار کریگا تیرے ایسے بہت سے روانۂ فنا ہو گئے ہیں - تو پھر ایک نہ ایک دن رخصت ہو جائیگا - اس لئے غفلت چھوڑ دے (۷) لبوں کی خشکی پیاسوں کو پانی پلاتی ہے - جب ہم نے کمر ہمت باندھ لی - تو دعا قبول ہو گئی - مطلب - ہم گوشہ نشین کر کے جب تھک گئے تو قبولیت دعا کا شرف پایا - پھر اس قابل ہو گئے کہ دوسروں کو سیراب کریں - (۸) مستی نے کیا خوب کیا کہ یہ پردہ پکڑ لیا - اور ہماری حقیقت کا رخسار بے نقاب کر دیا مطلب مستی نے رازہائے درون پردہ افشا کر دئے - (۹) بادشاہوں کے واقعات کی تاریخ لکھی نہ گئی - لیکن جو افسانہ نظیری نے بیان کیا - وہ کتاب بن گیا مطلب - شاعری کی کتاب تیار ہو گئی - مگر تاریخ شاہان کسی نے نہ لکھی +

دوران مے حسرت ہمہ در ساغر ما کرد
بر ہر چہ نہادیم دل از دیدہ جدا کرد

نکشود قضا شست کہ آہے نکشیدیم
بر دوست ترم خورد خدنگے کہ رہا کرد

بازوئے ہنر دارم و اقبال ندارم
مے کوشم و کارے نتوانم لبسزا کرد

فریاد بر آریم ازاں یار مشبد
کو ازازل این شعبدۂ چرخ رہا کرد

خود طلعت خود دیدہ دگر پردہ بر انداخت
خود فتنۂ خود گشت اگر فتنہ بپا کرد

با آنکہ لبش داد منادی محبت
نہ بر سر مہر آمد و نے عہد وفا کرد

ناوک فگنے بر سر ہر راہ نشانیہ
در عشق لمندم بگلو بست و رہا کرد

دشمن بارم افگند و دوست بآتنش
بااینہمہ حد نیست کہ گویم کہ جفا کرد

چندیں سخن عشق کہ گفتند و شنیدند
کس حق محبت نتوانست ادا کرد

برند بجائے پر و بالش سر و منقار
مرغے کہ بلند از سر ایں شاخ نوا کرد

خورسند بتسلیم و رضا گشت نظیری
مسکیں نتوانست خصومت لقضا کرد

غزل نمبر ۱۰۴ - (۱) زمانے نے حسرت کی تمام شراب ہمارے ساغر میں ڈال دی - جس چیز پر ہم نے دل لگایا (زمانے نے) اسے ہماری آنکھوں سے جدا کر دیا مطلب - ہماری آرزوئیں حسرت بنتی چلی گئیں - (۲) قضا نے کوئی تیر نہیں چلایا - کہ ہم نے اس پر آہ کھینچی ہو - ہم نے ہر وہ تیر جو اس نے چلایا - اپنے دل پر کھایا - (۳) میں ہنر کا بازو تو رکھتا ہوں - مگر اقبال نہیں ہے -

میں کوشش تو کرتا ہوں مگر کوئی کام مناسب نہیں ہوتا۔ مطلب۔ ہنر کیا کرے جب نصیب نہ ہو۔ ے بہ ناداں آں چناں روزی رساند ÷ کہ دانا اندراں حیراں بماند۔ (۴) اس شعبدہ گر معشوق کے ہاتھوں فریاد ہے جس نے ازل سے ہی آسمان کے شعبدے جاری کئے۔ مطلب۔ کرتا خود ہے مگر نام آسمان کا بدنام۔ (ع):۔ کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں۔ (۵) اس نے خود اپنا جلوہ دیکھا اور پھر پردہ گرا دیا۔ پھر اپنا فتنہ آپ ہی بنا۔ اور فتنہ بپا کر دیا۔ مطلب۔ "ہمہ اوست" صاحبانِ تصوف نے عالم کو آئینہ قرار دے کر موجودات کو اس آئینے میں عکسِ باری تعالیٰ بتایا ہے۔ اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ نے اپنا حال خود آئینہ میں دیکھا اور ے

جلوہ دکھا کے چھپ گیا وہ شوخ ادھر ہمیں ÷ وقفِ نزاع مسجد و بت خانہ کر دیا۔ (۶) اگرچہ اس کے لب محبت کی منادی کرتے تھے۔ نہ وہ محبت پر آمادہ ہوا۔ اور نہ عہد پورا کیا۔ مطلب۔ محبت کا مدعی تو ہے مگر یہ دعویٰ ہے جس کا ثبوت کوئی نہیں۔ (۷) اس نے ہر راستے میں ایک تیر چلانے والا بٹھا رکھا ہے اور عشق نے میرے گلے میں کمند ڈال کر رہا کر دیا ہے۔ مطلب۔ قدم قدم پر عشق کے ناوک فگن موجود ہیں اور جو ایک دفعہ گرفتار ہوا۔ پھر ساری عمر کمند اس کے گلے میں رہتی ہے۔ (۸) دشمن مجھے بہشت میں پھینکتا ہے۔ اور دوست آگ میں۔ باوجود اس بات کے میں نہیں جانتا کس نے جفا کی ہے۔ مطلب۔ مقام حیرت ہے جہاں دوزخ بہشت کی تمیز نہیں رہتی۔ (۹) عشق کی اتنی باتیں کہی ہیں۔ اور سنی ہیں۔ مگر محبت کا حق کوئی بھی ادا نہیں کر سکا۔ مطلب۔ حقِ محبت ادا کرنا سخت مشکل ہے کہنا آسان کرنا دشوار ہے۔ (۱۰) جس پرندے نے اس شاخ سے نغمہ سرائی کی آواز بلند کی۔ بجائے پر و بال کاٹنے کے اس کا سر اور چونچ کاٹ دیتے ہیں۔ مطلب۔ ے

بھلی ہے ہم نفسو! اس چمن میں خاموشی ÷ کہ خوشنواؤں کو پابند دام کرتے ہیں (۱۱) نظیری تسلیم و رضا سے خوش ہو گیا۔ کیونکہ ایک مسکین بیچارہ قضا سے جنگ نہیں کر سکتا۔ مطلب۔ ضعیف انسان قضا سے برسرِ پیکار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تسلیم و رضا اختیار کرنے کے بغیر چارہ ہی نہیں ÷

نہ زجہدم بکف بخت عناں مے آید نہ بزورم زہ دولت بکماں مے آید
نہ مرا بازوئے قائم نہ مرادیدۂ راست ہمہ بے قصد خدنگم بہ نشاں مے آید
توکہ آسودہ دلی از نفسم سود مخواہ منکہ شوریدہ ام آتش بزباں مے آید
سخن مردم دیوانہ حقیقت دارد در عبارت باشارات نہاں مے آید
عشق در مملکت عقل چو سلطان گردد روش و عادت دیگر بمیاں مے آید

میکنم شود چو از خانہ علائق برود — میدہم خیر چو از راہِ زیاں مے آید
ہمہ بر خویش زبیم دمِ آخر لرزند — جائے خوفست کہ کشتی بکراں مے آید
مردِ درگاہ و سرا پردۂ عزت نبود — ہر کہ دامن بسر پائے کشاں مے آید
وصل جویانِ تو بر بوئے نسیمے کردند — کہ ازو بوئے تلف کاریٔ جاں مے آید
طاقتِ جور و جفا نیست تُنک حوصلہ را — گریۂ چوں نکند دل بفغاں مے آید
اینکہ با طبع شبابست نظیری چہ عجب — میرود پیر بمیخانہ جواں مے آید

غزل نمبر ۱۰۵۔ (۱) نہ میری کوشش سے نصیب کے ہاتھ میں باگ آتی ہے۔ اور نہ میرے زور سے دولت کا چلّہ کمان پر آتا ہے۔ مطلب۔ نصیب واژگوں ہے۔ (۲) نہ میرے ہاتھ مضبوط ہیں۔ اور نہ آنکھیں درست۔ مگر تعجب ہے کہ میرے تیر بغیر ارادہ ٹھیک نشانے پر بیٹھتے ہیں۔ (۳) تو آسودہ دل ہے۔ اس لئے میرے دل سے آگ طلب نہ کر۔ میں چونکہ پریشان عشق ہوں۔ اس لئے زبان پر آگ آتی ہے۔ مطلب۔ آسودہ دلی درکار ہے۔ تو میرے سوزِ دل کی طلب نہ کرو۔ ورنہ محوِ آتش ہو جاؤ گے۔ (۴) دیوانوں کی باتیں بھی حقیقت سے بھری ہوتی ہیں۔ البتہ عبارت میں اشارات سے پوشیدہ ہیں۔ مطلب۔ عبارت میں ان کے معانی پوشیدہ ہوئے ہیں۔ اگر غور کرکے تہ کو پہنچیں۔ تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقت رکھتی ہے۔ (۵) عشق عقل کی سلطنت میں بادشاہ کی طرح پھرتا ہے۔ البتہ روش اور عادت مختلف کام میں لاتا ہے۔ مطلب عقل محکوم ہے اور عشق حاکم۔ (۶) میں بے حد خوشی کا اظہار کرتا ہوں۔ جب میرے گھر کے تمام تعلقات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جب مجھے نقصان حاصل ہوتا ہے تو خیرات دیتا ہوں۔ مطلب عشق میں نقصان و قطع علائق باعث خوشی ہے نا کہ رنج۔ (۷) آخری وقت (موت) کے خوف سے تمام لوگ لرزتے ہیں۔ مگر جو کشتی کنارے پر پہنچتی ہے تو کیا یہ خوف کا مقام ہے۔ مطلب۔ موت کے وقت کشتی عمر کنارے پر پہنچ رہی ہوتی ہے۔ مگر لوگ اس راز سے ناواقف ہونے کی وجہ سے لرزتے ہیں خوف کھاتے ہیں۔ (۸) جو دامنکش ہو کر چلتا آتا ہے (غرور و ناز سے چلتا ہے) وہ عزت کے خیموں اور درگاہِ خداوندی میں جگہ نہیں پاتا۔ مطلب۔ غرور و ناز خدائے تعالیٰ کی محفل میں راہ نہیں پا سکتا۔ (۹) تیرے وصل کے طالب نسیم کی خوشبو کے ہاتھ گرے ہیں۔ کیونکہ اُس سے جان کے تلف ہونے کی بُو آتی ہے۔ مطلب۔ نسیم میں اس کی خوشبو آتی ہے۔ اور ہم خوش ہیں کہ اس کی وساطت سے ہماری جان جائیگی۔ اور واصلِ جاناں ہوگی۔ (۱۰) کم حوصلہ شخص کو جور و جفا کی

برداشت نہیں۔ وہ کس طرح گریہ وزاری نہ کرے۔ جبکہ دل سے فغاں اُٹھتی ہو مطلب عاشقوں کے لئے بلند حوصلہ ہونے کی ضرورت ہے۔ کم حوصلہ فغاں میں مبتلا ہو کر عشق کو بدنام کرتا ہے۔ (۱۱) نظیری جو کہ طبیعت میں شباب کی رَو پاتا ہے۔ کچھ تعجب نہیں۔ کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں مے خانے میں جائے اور جوان باہر نکلے۔

بیگانہ رو شود بدر آشنا رود
آں کس کہ آشنا بتو باشد کجا رود

از خاکبوس کوئے تو ناپاکشیدہ ام
بر راہ من جدا روم و دل جدا رود

احرامِ عہد روزِ ازل کعبہ کوئے تست
جز راہ عشق ہر کہ رود بر خطا رود

صہبائے راز بیش ز اندازہ میدہند
گردم زند حریف سرش برہوا رود

عشاق نازِ حُسن نہ ارزاں خریدہ اند
بسیار سر کہ بر سر ایں ماجرا رود

شادی کہ غبن میکشی و دم نمے زنی
در شہر ایں معاملہ باہر گدا رود

عشق آمد و تمام بگوشم دروں دمید
رازے کہ درمیان مس و کیمیا رود

ایں حاجیاں زدور صدائے شنیدہ اند
کس در درونِ پردہ چہ داند چہا رود

زاں بحر موج زن چہ کم آید اگر شبے
بر کشت زار سوختہ آب بقا رود

عریاں تنی عارف معنی جمال اوست
فرِ ہما بماند و پر ہما رود

ما پیرہن زسادگی از بر فگندہ ایم
وز کینہ دیر در بر دشمن قبا رود

غمگیں مباش زود نظیری فرخ دہند
چوں بندۂ مطیع ہمہ بر رضا رود

غزل نمبر ۱۰۶ (۱) بیگانہ اگر یہاں سے مردود ہو تو اپنے آشنا کے دروازے پر چلا جائیگا۔ مگر وہ بےچارا جو تیرا ہی آشنا ہو (وہ مردود ہو کر) کہاں جائے۔ (۲) جب سے تیرے کوچے کی خاکبوسی سے قدم اُٹھائے ہیں (یہ حالت ہے) کہ قدم ایک طرف جاتے ہیں اور دل دوسری طرف مطلب۔ تیرے کوچے سے نکل آنے کے بعد دل اور قدم پر قابو نہیں رہا۔ (۳) میں تیرے کوچے کو کعبہ اور ازل کے عہد کو (عہد الست کو) احرام جانتا ہوں۔ اس لئے عشق کے سوا جو راستہ بھی کوئی اختیار کرے وہ غلط ہے۔ مطلب۔ کعبے کے طواف کے لئے احرام باندھتے۔ وہ گویا اس کے تقدس کے لئے عہد اور دنیا سے خیالات ہٹا لینے کا ثبوت ہے۔ (یہاں احرام "وعدہ الست" قرار دیا ہے۔ (۴) راز کی شراب اندازے سے زیادہ دے دیتے ہیں۔ لیکن اگر حریف دم مارے۔ تو اس کا سر اُڑا دیتے ہیں۔ مطلب۔ شراب عشق زیادہ پی کر جو بھی آپے سے باہر ہوا اور رازِ نہاں

آشکارا کردیا۔ اس کا سر دار پر کھینچا جاتا ہے۔ ؎
صدادب سے بڑھکے جو کھول دے پردۂ راز کا   دار پہ حشر دیکھئے ایسے زبان دراز کا۔
(۵) عشاق نے حسن کا ناز سستا نہیں خریدا۔ بلکہ بہت سے سر اس ماجرے میں کام آئے ہیں
مطلب۔ ناز حسن خریدنے کے لئے عشاق جانبازیاں کرتے ہیں۔ (۶) تو اس پر خوش ہے۔ کہ
نقصان اٹھاکر بھی تو دم نہیں مارتا۔ (تجھے معلوم ہونا چاہئے۔) کہ شہر میں ہر گدا سے یہی معاملہ ہو رہا
ہے مطلب۔ تو اپنے آپ پر نازاں نہ ہو۔ شہر میں ہزاروں تیری طرح نقصان برداشت کرکے خوش
ہیں۔ (۷) عشق آیا۔ اور اُس نے وہ راز جو تانبے اور کیمیا کے درمیان پیش آتا ہے۔ میرے کان
میں پھونک دیا۔ مطلب عشق نے میرے وجود کے تانبے کو کیمیا بنا دیا (۸) ان حاجیوں نے تو
دور سے آواز سنی ہے۔ کسی کو کیا معلوم پردے میں کیا ہو رہا ہے۔ مطلب۔ ظاہری شریعت پرست
راز درون پردہ سے واقف نہیں۔ ؎
راز درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس   کیں حال نیست صوفیٔ عالی مقام را
(۹) اس موجزن سمندر میں کیا کمی واقع ہوتی ہے۔ اگر کسی جلے ہوئے کی کھیتی کو آب حیات دے
دیا جائے۔ مطلب:۔ خدائے تعالیٰ کے خزانوں میں کمی نہیں ہوجاتی۔ اگر کسی عاجز کی کشت
امید ہری ہوجائے۔ ؎ خداوندا گدا افزائی بدیں حکمت کہ بخشیدی ؞ مرا افزوں شود بے آنکہ در ملک تو کم گردد۔
(۱۰) باطنی عارف کا عُریاں بدن اس کے جمال کا ثبوت ہے۔ کیونکہ دیکھ لو ہما کی شوکت رہ جاتی ہے
اور اس کا پر چلا جاتا ہے مطلب جس پر ہُما کا سایہ پڑتا ہے وہ بادشاہ ہوجاتا ہے۔ (ہُما چلا جاتا ہے
مگر اُس کی شوکت باقی رہتی ہے) اس طرح عارف پر نور ایزدی چمکتا ہے۔ تو اس کی ظاہریت فنا
ہوجاتی ہے اور باطن چمک اُٹھتا ہے۔ (۱۱) ہم نے اپنا لباس سادگی سے جسم سے اُتار ڈالا ہے
مگر ہمارے دشمن کے جسم پر کینے سے قبا میسر ہی نہ آئی۔ مطلب۔ دشمن سے مراد شیطان ہے۔
(۱۲) اے نظیری تجھے غمگین نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ جب غلام راضی برضا ہوجاتا ہے۔ تو اسے
فرحت عطا کرتے ہیں۔ مطلب:۔ یار کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔ تو کامیابی حاصل ہوجائیگی

دل کز تو شد بریدہ کم از سنگ وزن بود   پیوند روح بود بتو اُنس و خو نبود
قہر تو ناگہاں لبسر آمد سبب نداشت   ہجر تو اتفاق فتاد آرزو نبود
ناسازیٔ نزاکتِ طالع سبو شکست   یا آنکہ دُردم آں قدر اندر سبو نبود
چشم و دماغ مردم عاقل گرفتہ بود   یا خود گل جنون مرا رنگ و بُو نبود

عقلم کہ امتیاز گہر استخواں نکرد — کامِ ہما برید و دُرش در گلو نبود
گر پُل براہِ نامہ و قاصد نمے شکست — بسیار تیرہ آب محبّت بجو نبود
معجر فرو گذاشت زسر کان گل عذار — لائق بروئے مفلس ناشستہ رو نبود
گفتم کہ عہد بستن و تنہا گذاشتن — دانی بدست اگرچہ نگویم نکو نبود
حُسنِ تو در ترازوئے ابرو بلا فروخت — روزے بمن کہ دسترس سنگ و رو نبود
گفت آنزماں کہ غمزۂ ام ایں ماجرا نوشت — ہیچم بہستئ تو سبرِ گفتگو نبود
اے طائرے کہ نامہ سوئے دوست میبری — گر پرسدت کہ بود نظیری بگو نبود

غزل نمبر ۱۰۷ - وہ دل جو تجھ سے الگ ہوگیا - وہ پتھر اور کانسی سے زیادہ سخت تھا - وہ روح کا پیوند تھا - اسے تجھ سے اُنس و اُلفت نہ تھی مطلب - وہ دل جو تجھ سے کٹ کر الگ ہوگیا - اس کی سنگدلی میں کیا کلام ہے - (۲) تیرا قہر اچانک مجھ پر برس پڑا - اس کا کوئی سبب نہیں تھا اور تیرا ہجر اتفاقاً آگیا - ورنہ ہماری آرزو نہیں تھی مطلب - تیرے قہر کا کوئی باعث نہ تھا - اور ہجر کے ہم آرزومند نہ تھے دونو یونہی ہمارے سر ہوئے - (۳) میرے طالع کی نزاکت کی بدقسمتی نے سبو توڑ ڈالا - حالانکہ اس قدر تلچھٹ تو مٹکی میں تھی ہی نہیں مطلب - درد زیادہ ہوتی - تو مٹکا ٹوٹ جاتا - مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے - کہ شراب زیادہ نہ ہونے کی صورت میں بھی سبو ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا - (۴) یا عقلمندوں کے چشم و دماغ دونو گرفتہ تھا - یا خود میرے جنون کے پھول کا رنگ و بو نہ تھا - کہ کوئی گل جنوں کی طرف متوجہ نہ ہوا - (۵) میری عقل جس نے موتی اور ہڈی میں بھی تمیز نہ کی - اُس نے ہما کا حلق چیر ڈالا لیکن اپنا موتی اس کے گلے میں نہ پایا مطلب - ہما کے گلے میں موتی کہاں - وہاں تو ہڈی تھی - اس لئے یہ کارنامہ عقل کی قوّت تمیز کی کوتاہی پر دال ہے (۶) اگر قاصد اور خط کے راستے میں پل نہ ٹوٹ جاتا تو محبت کا پانی نہر سے زیادہ گہرا نہ تھا مطلب - ہمارا حال معشوق تک نہ پہنچ سکا - کیونکہ پُل محبت ٹوٹ گیا - (۷) وہ گلعذار معشوقہ منہ بھی نہ دھوتے ہوئے (غیر مصفّا) مفلس کے لائق نہ تھی - اس لئے اس نے اپنے سر پر چادر اوڑھ لی - (۸) میں نے کہا - کہ عہد باندھنا - اور تنہا چھوڑنا - اگرچہ میں نہیں کہتا - کہ برا ہے - مگر تو خود جانتا ہے کہ یہ اچھا نہیں مطلب - عہد باندھنا اور توڑ دینا تو خود جانتا ہے - کہ برا ہے - (۹) تیرے حُسن نے میرے پاس آبرو کی ترازو میں اس دن بلا فروخت کی تھی - جبکہ پتھر اور کانسی کی اہم دسترس نہ تھی - مطلب - ابرؤں کو ترازو قرار دیا ہے - اس کا اثر دل عاشق پر جو ہوتا ہے - اُس کو بلا -

(۱۰) اس نے کہا۔ کہ میرے غم حسرت نے یہ ماجرا لکھ دیا تھا۔ اور تیری ہستی کے ساتھ مجھے بالکل گفتگو کی ضرورت ہی نہ تھی۔ (۱۱) اے پرندے جو دوست کی طرف خط لئے جا رہا ہے۔ اگر تجھے وہ پوچھیں کہ نظیری تھا تو کہہ دینا کہ نہیں تھا۔ مطلب۔ ہجر و فراق میں نظیری کی ہستی نہ ہونے کے برابر ہے اس لئے معشوق کے استفسار کے جواب اپنے ہونے کی صورت میں بھی نہ ہونیکا جواب چاہتا ہے۔

ساقی قدح نداد و سفال سبو نبود
چندانکہ جرعۂ بچشم آبرو نبود

میخواست بوسہ رخت اقامت بگسترد
از فرش جبہہ راہ بران خاک کو نبود

دندان زدہ ہزار نگاہ گرسنہ بود
لعل لبش کہ بادہ بآں رنگ و بو نبود

درباخت دل بعشق مقمر ہر آنچہ داشت
ہرگز قمار خانہ بایں رفت و رو نبود

از بیقراری دلم ابرو ترش نہ کرد
باآنکہ مے فروش مغاں نیک خو نبود

نہ جرعۂ نداد کہ اسرار دوستی
لائق بہرزہ مست سبر چار سو نبود

تا صبحدم صنم صنم بود بر زباں
کانجا مجال عابد اللہ گو نبود

زاں حسرتے کہ در دلِ من میفروش کرد
بزم مئے نشد کہ لبم خشک از و نبود

بس آرزو کہ داشت نظیری بخستہ گو
امروز گنج یافت کہ در آرزو نبود

غزل نمبر ۱۰۸۔ (۱) ساقی نے پیالہ نہ دیا۔ میرے پاس مٹی کا مٹکا بھی نہ تھا۔ اتنی بھی آبرو نہ تھی۔ کہ ایک گھونٹ ہی چکھ لیتا۔ مطلب۔ ساقی نے مجھے بالکل کم حیثیت خیال کیا۔ اور ایک گھونٹ بھی نہ پلایا۔ (۲) بوسہ یہ چاہتا تھا۔ کہ اقامت کا اسباب پھیلا دے۔ مگر پیشانیوں کے فرش کی وجہ سے اس کے کوچے میں جگہ ہی نہ تھی۔ مطلب۔ عشاق کا ہجوم اس قدر تھا کہ اس کے کوچے میں پیشانیوں کا فرش تھا۔ پھر میرے لئے جگہ کہاں سے آتی (۳) اس کے لبوں کا لعل جو شراب سے زیادہ رنگ و بو رکھتا تھا۔ ہزار گرسنہ نگاہوں کے دانتوں کا کاٹا ہوا تھا۔ مطلب۔ اس کے سرخ لبوں پر ہزار گرسنہ دلوں نے بوسے دے رکھے تھے۔ (۴) دل نے قمار باز کے عشق میں سب کچھ ہار دیا۔ حالانکہ قمار خانہ میں ہرگز اس طرح صفائی نہیں ہو جاتی مطلب۔ قمار خانے میں کچھ نہ کچھ بچ ہی جاتا ہے۔ مگر میرے دل نے سب کچھ ہار دیا۔ (۵) میرے دل کی بیقراری سے اس نے آبرو پر گرہ نہ ڈالی۔ حالانکہ پیر مغاں نیک خو نہ تھا۔ مطلب میرے دل کی بیقراری سے وہ رنجیدہ نہ ہوا۔ (۶) اس نے (مجھے) کہ میں بیہودہ اور بدنام مست تھا۔ شراب کی تلچھٹ بھی نہ دی۔ کیونکہ (ایسا شخص) دوستی کے رازوں کے لائق نہیں ہوتا۔

(۷) صبح تک میرا بت۔ میرا بت زبان پر تھا۔ وہاں اللہ اللہ کرنیوالے عابد کی جگہ تھا۔ مطلب:۔ "صنم صنم" کہنے میں مصروف تھے۔ اور اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہ تھا۔ (۸) اُس حسرت سے جو میرے دل میں میفروش نے پیدا کی۔ کوئی محفل ایسی برپا نہ ہوئی کہ میرے لب اس سے خشک نہ ہوئے ہوں۔ مطلب۔ مے فروش نے مجھے شراب نہ دے کر حسرت میں مبتلا کر دیا۔ اس لئے اب میں خشک لب رہا کرتا ہوں۔ (۹) پختہ گو نظیری بہت آرزوئیں رکھتا تھا۔ مگر آج اس نے خزانہ وہ پایا جس کی اسے آرزو نہ تھی۔

صبحے بنال راہ فلک بر نبستہ اند — ہر چند دیر آمدۂ در نبستہ اند
حرمان تو ز ہمت کوتاہ بیں تست — ہرگز در کریم بکافر نبستہ اند
سرمایۂ شناخت چراغیت دادہ اند — امّا رہ چراغ ز صرصر نبستہ اند
بر تشنگاں بباز بخیلی برائے چیست — دریا کریم و ظرف ترا سر نبستہ اند
ما مے رمیم رخش ترا پے نکردہ اند — ما وحشی ایم باز ترا پر نبستہ اند
عالم ز ظلمت شب حرماں سیاہ شد — کو آفتاب اگر رہِ خاور نبستہ اند
مکتوب دوست واری ما را جواب نیست — غیر از سرش بسبال کبوتر نبستہ اند
ہر مرغ بر ہوائے گلے آشیاں نہد — بر شاخ شعلہ بال سمندر نبستہ اند
تا چند عود خام نظیری فروختن — دودے بر آر روزن مجمر نہ بستہ اند

غزل نمبر ۱۰۹۔ (۱) صبح کو نالہ و زاری اختیار کر۔ کیونکہ ابھی آسمان کا راستہ بند نہیں کر دیا گیا۔ اگر چہ تو دیر سے آیا ہے مگر دروازہ تجھ پر بند نہیں کیا گیا۔ مطلب۔ صبح کو ابھی درہائے رحمت باز ہیں۔ اس لئے تو مایوس نہ ہو۔ (۲) میرا فراق میری کم عقل ہمت کی وجہ سے ہے۔ ورنہ سخیوں کا دروازہ تو کافر پر بھی بند نہیں کیا جاتا۔ مطلب۔ اپنی کم ہمتی ہی وصال سے دور رکھتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ کہ سخی کافروں پر بھی یکساں عنایت کر دیتے ہیں۔ (۳) راہِ معرفت کے سرمائے کا تجھے چراغ عطا کیا گیا ہے۔ لیکن اس چراغ کی حفاظت بادِ صرصر سے نہیں کی گئی۔ مطلب۔ معرفت خداوندی تیرے لئے چراغ کی طرح ہے۔ مگر خواہشات کی ہوا اسے گل نہ کر دے۔ (۴) پیاسوں پر خوب برسو۔ یہ بخیلی کس لئے ہے۔ دریا سخی ہے اور تیرے برتن کا منہ بند نہیں کیا۔ مطلب۔ دریا سے جو چاہے پانی حاصل کر کے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ (۵) ہم رم کرتے ہیں۔ اور تیرے گھوڑے کے پاؤں تو ایسے نہیں ہوتے۔ ہم وحشی پرندے ہیں۔ اور تیرے باز کے پر نہیں باندھے جاتے۔

مطلب۔ تو اگر چاہے تو ہمیں گرفتار کر سکتا ہے۔ ہم ہر وقت تیرے عشق میں گرفتار ہونے کے لئے آمادہ ہیں۔ (۶) تمام دنیا شبِ فراق کی ظلمت سے سیاہ ہو گئی۔ اگر ملک خاور کا راستہ بند نہیں کر دیا۔ تو آفتاب کہاں ہے؟ مطلب۔ شبِ فراق کا اثر ہے کہ دنیا میں اندھیرا چھایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج آفتاب کو کسی نے ملک مشرق میں روک رکھا ہے۔ (۷) ہمارے دوستی کے خط کا کوئی جواب نہیں (انہوں نے) سوائے کبوتر کے سر کے اور کوئی چیز اس کے پروں پر نہیں باندھی۔ مطلب۔ معشوق نے ہمارے محبت کے خط کا کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ یہ ضرور کیا ہے۔ کہ جو نامہ بر کبوتر خط لے کر گیا تھا۔ اسی کی گردن اُتار کر اس کے پروں پر باندھ دی۔ اور اسے واپس بھیجدیا ہے۔ (۸) ہر پرندہ پھول کی خواہش میں باغ میں آشیاں بناتا ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ شعلہ کی شاخوں پر سمندر کے پر نہیں باندھے۔ (سمندر کو آزاد رکھتے ہیں) (۹) اے نظیری! تو کب تک کچی عود جلاتا رہیگا۔ دھواں اُٹھا۔ کیونکہ انگیٹھی کا سوراخ بند نہیں کیا گیا۔ مطلب۔ لوگوں کو اپنے کلام کی خوشبو سے فیضیاب کر +

حُسن جنبید زخواب و مژہ برہم زد
فتنہ برپا شد و نیشے بہ رگِ عالم زد

ہر چہ در پردہ نہاں بود ہویدا کردند
چہ شبے بود کہ ایں صبح سعادت دم زد

بے محبت ننمودند اجابت ہر چند
بانگِ تسبیح ملک بر فلک اعظم زد

مطلب جملۂ ذرات زجا بر جستند
مایہ عیش چو بر خاک بنی آدم زد

خواست آئینہ تحقیق بما بسپارد
قفل کورے بدل و دیدۂ نامحرم زد

غرض آں داشت کہ از عشوہ اش آگہ باشیم
بر دروں زخم ز اندیشہ نمک از غم زد

عقل چوں دید کہ عشق آمد و خونخوار آمد
لب فرو بست و دم از سلطنت خوکم زد

رُوح آزاد کزیں معرکہ جاں بیروں برد
دست در حلقۂ فتراک خم اندر خم زد

سر ازیں قصہ نظیری نہ بیارد بیروں
اگر عمرے بسخن گشت و ورق برہم زد

غزل نمبر ۱۱۰ (۱) حُسن خواب سے بیدار ہوا۔ اور پلک جھپکی۔ فتنہ برپا ہو گیا۔ اور عالم کی رگ پر نشتر چلادی۔ مطلب۔ حُسن نے بیدار ہو کر عشاق کے دل پر تیر چلانے شروع کئے۔ (۲) جو کچھ پردے میں پوشیدہ تھا۔ اسے ہویدا کر دیا۔ یہ کیسی رات تھی جس نے صبح سعادت پیدا کی۔ مطلب۔ حسن معشوق پس پردہ تھا۔ لیکن اب ہویدا ہو گیا ہے۔ اس نے کہا خوب رات تھی۔ جسکے انجام میں صبح سعادت نمودار ہوتی (۳) اگرچہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز عرشِ معلّٰی پر پہنچ رہی تھی مگر پھر بھی

محبت کے بغیر وہ قبولیت حاصل نہ کر سکی۔ مطلب۔ عبادت اس وقت شرفِ قبولیت پاتی ہے جب اس کی محبت پر ہو۔ (۴) جب عشق کا سرمایہ انسان کی خاک میں رکھ دیا تو تمام جہان کے ذرات کا طالب اپنی جگہ سے اُچھل پڑا۔ مطلب۔ جونہی عشق انسان کے خمیر میں ملایا گیا۔ تو دونوں جہانوں کو اپنا مطلب انسان کے ساتھ وابستہ نظر آیا۔ (انسان نقادہ جہان ہے) (۵) وہ چاہتا تھا کہ تحقیق کا آئینہ ہمارے سپرد کرے۔ اس لئے عشق نے "اندھاپن" کا قفل نامحرم کی آنکھ پر لگا دیا۔ مطلب۔ نامحرم سے مراد شیطان ہے۔ انسان کو تحقیق کا آئینہ میسّر ہوا۔ اور شیطان کی آنکھوں پر "کوری" کا قفل لگا دیا۔ (۶) غرض یہ تھی کہ ان کے عشووں سے ہم واقف ہو جائیں اس لئے ہمارے دل کے زخم پر اندیشے نے غم کا نمک چھڑک دیا۔ مطلب۔ لذّت عشق چکھانے کے لئے اور عشوہ ناز سے باخبر کرنے کے لئے زخم جگر پر نمک چھڑکا گیا۔ (۷) عقل نے جب دیکھا۔ کہ عشق آیا ہے۔ اور خونخوار بن کر آیا ہے۔ تو وہ بالکل خاموش ہو گئی۔ اور اپنی سلطنت کا دم بھرنا چھوڑ دیا۔ مطلب۔ جب عشق مسلّط ہو جائے تو بیچاری عقل کا اختیار کہاں (۸) روح جو کہ اس کے معرکے سے جان بچا کر لے گئی تھی۔ اس نے شکن در شکن شکار بند کے حلقے میں ہاتھ ڈالا۔ مطلب۔ روح آزاد ہو کر اس معشوق کی زلفوں کے شکنوں میں اُلجھ کر رہ گئی۔ (۹) نظیری اس قصّے سے سر نہ اُٹھا سکا۔ (یہ قصہ عشق ختم نہ ہو سکا) اگرچہ تمام عمر سخن میں مبتلا رہا۔ اور ورقوں کے ورق اُلٹ ڈالے۔ مطلب۔ قصۂ عشق تمام عمر میں ختم نہ ہو سکا۔

شادیٔ عشق تو ہنگامۂ غم برہم زد — شورِ حسنت نمکے بر جگر آدم زد
شب ز دیدار تو گردید بمہر آبستن — جامہ بر سنگ ز شورِ رخ تو ماتم زد
شہد لبہائے تو دکان مسیحا در بست — دست در دامن تیغ نگہت مریم زد
کعبہ آمد حجر الاسود خالت بوسید — غوطہ در موجہ چاہِ ذقنت زمزم زد
تا قضا خال بہشتی جمال تو بدید — شست آں خال کہ بر ناصیہ آدم زد
بسخندانی تو طفل ندید ست کسے — گرہ اعجاز لبت بر نفس مریم زد
عشق دو شاب دل آنروز کہ سودائے بخت — مایۂ مہر بریں شیرہ جانہا کم زد
دوش میخواست قدم بر من افتادہ نہد — کند خاکِ من و برید نامحرم زد
دولت از فیض دم صبح نظیری دریافت — در ندا داند بغواص کہ بیجا دم زاد

غزل نمبر ۱۱۱ — (۱) تیرے عشق کی خوشی نے غم کے ہنگامے کو برہم کر دیا۔ اور تیرے حُسن کے

شور نے آدم کے جگر پر نمک چھڑک دیا۔ مطلب۔ عشق میں مبتلا ہو کر لذت زلیست پائی (۲) تیرے دیدار سے، رات خورشید بننے پر طیار ہوئی۔ اور ماتم نے تیرے چہرے کی خوشی دیکھ کر اپنا لباس پتھر پر مارا۔ مطلب۔ تیرے دیدار سے رات نے سیاہی دور کر کے صبح پیدا کی۔ اور ماتم خوشی دیکھ کر گریہ وزاری میں مبتلا ہو گیا۔ (۳) تیرے لبوں کے شہد نے مسیحائی دکان بند کر دی۔ اور مرہم نے خوشبوئی نیخ کا دامن پکڑ لیا۔ مطلب۔ لب معشوق مردے زندہ کرتا ہے۔ اور خوشبوئے گل خود مرہم کا کام کرتی ہے۔ (۴) کعبہ آیا۔ اور تیرے خال کا حجرِ اسود چوم لیا۔ اور زمزم نے تیری ٹھوڑی کے کنوئیں میں غوطہ لگایا۔ مطلب۔ ''حجرِ اسود'' کعبے کی دیوار کے سیاہ پتھر کا نام ہے۔ جسے حجاج بیت اللہ بوسہ دیتے ہیں۔ شاعر ''خال معشوق'' کو حجرِ اسود سے بہتر اور ''چاہِ ذقن'' کو چاہِ زمزم سے ارفع قرار دیتا ہے۔ (۵) جب سے قضا نے تیرے جمال کا بہشتی خال دیکھا ہے۔ اس نے آدمؑ کی پیشانی کا خال دھو ڈالا ہے۔ مطلب۔ داغ گناہ جو آدم علیہ السلام کی پیشانی پر تھا۔ قضا نے تیرا خالِ رخ دیکھ کر اسے صاف کر دیا ہے۔ (۶) تیری ''سخندانی'' کا کسی نے ''طفل'' نہیں دیکھا گویا تیرے لبوں کے معجزے نے ''دمِ مریم'' پر گرہ لگا دی ہے۔ مطلب۔ تیرے لبوں میں وہ اعجاز ہے کہ ''اعجازِ مریم'' (حضرت عیسیٰؑ) کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ (۷) عشق جب دل بنانے کا خیال پکا رہا تھا۔ اس نے اس وقت بھی محبت کا سرمایہ اِس ''جان کے شیرے'' دل میں نہ رکھا۔ مطلب۔ دلِ معشوق روزِ ازل ہی سے محبت سے خالی تھا۔ (۸) کل وہ چاہتا تھا۔ کہ مجھ افتادہ پر قدم رکھ دے۔ مگر اس نے میرے مٹی لکھ ڈالی۔ اور نامحرم کی آنکھوں میں جھونک دی۔ مطلب۔ غیر کی آنکھوں میں اِس نے مٹی جھونکی۔ کہ غیر یہ نہ دیکھے کہ وہ میری خاک پر قدم رکھتا ہے۔ (۹) نظیری نے دمِ صبح کے فیض سے دولتِ عشق حاصل کی۔ (قاعدہ ہے، کہ بیجا دم مارنے والے غوطہ زن کو موتی عطا نہیں کرتے۔ مطلب ''بیجا دم زدن'' مغرور شدن کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ یعنی مغرور کو فیضِ عشق حاصل نہیں ہوتی)۔

نہ فوتِ صحبتِ ایں دوستاں غمے دارد
نہ مرگ مردمِ ایں عہد ماتمے دارد

میانِ اینہمہ احباب عیب پوشی نیست
دریدہ پردہ تر است آنکہ محرمے دارد

بخوش بیانی ہم صحبتاں زجائے مرد
کہ پُر زنیش لبو ہر کہ مرہمے دارد

بہرزہ دفترِ امید ہر کجا مکشا
کہ مبتلائے ہوا کار درہمے دارد

ہزار حربہ زہر خار بایدش خوردن
نکو سرشتی اگر طبع خورمے دارد

زطعن گرسنہ چشماں دلیر ننماید
ہلال عید کہ ابروئے پُر خمے دارد

بکاوشِ مژہ رگہائے جانش لشتگافد | تنگ دلے کہ چو من چشم بر نمے دارد
زخویش اہل گذر کن کہ ملک بےخویشی | بروں ز عالم ایں خلق عالمے دارد
بجاہ و حشمت دنیا چرا قفا نکند | کسے کہ ہمچو نظیری مُسلّمے دارد

غزل نمبر ۲۱۲ - (۱) نہ ان دوستوں کی محبت کے ضائع ہونے کا غم ہے اور نہ اس زمانے کے لوگوں کی موت کا غم ہے۔ مطلب:۔ "ایں دوستاں" سے مراد اصل دنیا ہے مطلب یہ ہے۔ کہ دنیاداروں کے فوت یا انقطاعِ تعلقات کا کیا غم ہے۔ ہمیں اہل الفت سے اپنا رشتہ جوڑنا چاہئے (۲) ان تمام دوستوں کے درمیان عیب پوشی نہیں ہے۔ بلکہ حالت یہ ہے۔ کہ جس کسی کا راز دار موجود ہے۔ اس کی پردہ داری زیادہ ہو رہی ہے مطلب ۔ آج کل کے لوگ محرم راز بن ہی نہیں سکتے۔ منافقت و غمازی ان کے دل و دماغ میں سمائی ہوئی ہے۔ (۳) تو ان ہم نشینوں کی خوش بیانی پر فریفتہ نہ ہو۔ کیونکہ جو مرہم رکھتا ہے وہ ڈنگوں سے بھرا ہوا بھی ہوتا ہے مطلب زمانے کی خاصہ ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ ؎ اگرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب ۔ آستین میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں خنجر کھلا۔ (۴) ہر جگہ امید کا دفتر فضول نہ کھول لے۔ کیونکہ خواہشات مبتلا ہونے سے کام بگڑ جاتا ہے مطلب یہ تمام لوگ اپنے اندر خواہشات کا طومار لئے بیٹھے ہیں۔ تو یہ پھر تیرے کس کام آئینگے؟ (۵) اگر کوئی نیک طینت شادمانی کی طبیعت رکھتا ہے۔ تو اسے ہر کانٹے سے ہزاروں زخم کھانے پڑینگے یمطلب۔ لوگ ہر طرف سے اس پر طعنہ زن ہونگے۔ (۶) ہلال عید اگرچہ پرچم ابرو رکھتا ہے دشوکت و رعب اس کے ابروؤں سے ٹپکتی ہے) مگر پھر "گرسنہ چشم" لوگوں کے طعنے میں دبیر نظر نہیں آتا۔ (۷) وہ تنگدل جو میری طرح آنکھ تر نہیں رکھتا (زمانہ) پلکوں کی کاوش سے اسکی جان کی رگیں پھاڑ ڈالتا ہے یمطلب۔ زمانہ ہر شخص کو مبتلائے درد دیکھتا ہے۔ اس لئے جو میری طرح چشم تر نہ ہو۔ اس کی جان کی رگوں میں "نشتر مژگاں" چبھو دیتا ہے۔ (۸) تو اپنے عزیزوں اور قبیلہ والوں کو چھوڑ دے۔ کیونکہ "بے خویشی" کا ملک اس دنیا سے الگ ایک عالم رکھتا ہے مطلب دنیا سے قطع تعلق کر لوگے۔ تو ایک نئے عالم میں پہنچ جاؤگے ؎
سارى دنیا سے الگ۔ تنہا خموش ۔ میری دنیائے سخن آباد ہے۔ (۹) جو شخص نظیری کی طرح مصائب رکھتا ہے۔ وہ کیوں نہ دنیا کے مرتبے اور حشمت ٹھکرادے۔

بادۂ خاص محبت کے بنا محرم رسد | محرماں را دوستگانے از قفائے ہم رسد
وقت عارف شب نکو گردد کہ در خوابست عام | یک دل بیدار را فیض ہمہ عالم رسد

یافت گر دیوانہ جاہے تعجب بہر چیست
از عجائبہائے دوراں دیو را خاتم رسد

زاد مسکینا برہ بردار کاب زندگی
تا سفالِ خضر باشد کے بجام جم رسد

بر گل ما ابر اگر ہر گز نبارد خور و میم
مزرع نمناک ما را خوشہ از شبنم رسد

شکر للہ کز خوش و ناخوش بیادش می رسیم
لس ہمیں شادی کہ ما را زو نصیب غم رسد

ہر کجا تن چاک گر دید از نمک انباشتیم
زخم ما بے باک جاناں را کجا مرہم رسد

عشرتِ ساغر پرستاں زندہ دارد مردہ را
شور گردد در سرائے ما اگر ماتم رسد

سعنے از طاعت فروشیہا نظیری بر نداشت
ہر کرا سرمایہ رو باشد کفایت کم رسد

غزل نمبر ۳۱۱۔ (۱) محبت کی خاص شراب نامحرم کو کس طرح مل سکتی ہے اور محرموں کو شراب کے پیالے یکے بعد دیگرے ملتے رہتے ہیں۔ (۲) عارف کے لئے رات کا وقت خوب ہوتا ہے جبکہ تمام لوگ محوِ خواب ہوتے ہیں۔ اس وقت ایک بیدار دل کو تمام عالم کا فیض حاصل ہوتا ہے۔ مطلب۔ عارفوں کے لئے شب زندہ داری بہترین چیز ہے۔ رات کا سناٹا بصیرت پیدا کرتا ہے۔ اور توجہ تام کا باعث بنتا ہے۔ عشاق کا یہی شیوہ ہے۔ ؎

خاموشی ہے سناٹا ہے نیند کے مارے سوتے ہیں
ہم رات کی تاریکی میں چھپکر چپکے چپکے روتے ہیں

رات آدھی سے زیادہ گئی تھی سارا عالم سوتا تھا
نام تیرا لے کر کوئی درد کا مارا روتا تھا

(۳) اگر کوئی دیوانہ مرتبہ حاصل کرلے۔ تو جائے تعجب نہیں۔ کیوں کہ زمانے کی بوالعجبیوں سے جن کو حضرت سلیمان کی انگوٹھی مل جاتی ہے مطلب۔ تلمیح ہے حضرت سلیمان کے واقع کی طرف۔ زمانہ اگر کسی دیوانے اور نااہل کو مرتبہ دیدے تو اس پر تعجب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ؎

فلک بہ مردمِ سفلہ دہد زمامِ مراد
تو اہلِ دانش و فضلی ہمیں گناہ بس است

بسکہ گردوں سفلہ و دوں پرور است
وائے بر مردے کہ صاحب جوہر است

(۴) تو مسکینوں کا زادِ راہ حاصل کر۔ کیونکہ آب حیات جب تک خضر کا مٹی کا جام موجود ہے۔ جامِ جم میں سما نہیں سکتا مطلب۔ تو انگری ترک کرکے راہِ مسکنت اختیار کرنے سے فیضانِ الٰہی وحیات باقی حاصل ہوتی ہے۔ امارت میں یہ مرتبہ ممکن نہیں۔ (۵) اگر ہماری خاک پر بارش نہ ہو۔ تو ہم پھر بھی خوش ہیں۔ کیونکہ ہمارے تر کھیت کو شبنم سے خوشی حاصل ہو جاتی ہے مطلب۔ ہم قناعت رکھتے ہیں زیادہ کے طالب نہیں۔ جو کچھ میسر ہے اسی پر خرم ہیں ؎

قناعت توانگر کند مرد را ✽ خبر کن حریصِ جہاں گرد را۔ (۶) خدائے تعالےٰ کا شکر ہے کہ ہم خوش یا

ناخوش - اس لئے یاد تو آجاتے ہیں۔ ہم اس پر بھی شاد ہیں - کہ اس کی طرف سے ہمیں غم ہی ملتا ہے۔ مطلب - یہی غنیمت ہے کہ اس نے گلدستہ طاقِ نسیان نہیں بنا دیا۔ ؎

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

(۷) جہاں کہیں میرا جسم چاک چاک ہوا میں نے اس (شگاف کو) نمک سے پاٹ دیا - ورنہ ہمارے معشوق کے (ہاتھوں کھائے ہوئے) بیباک زخم کو مرہم کب اچھا کر سکتا ہے مطلب - زخم عشق پر مرہم کی بجائے نمک سوزش ہی اچھا رہتا ہے - (۸) شراب نوشوں کی عشرت ہی انسان کو زندہ رکھتی ہے - (چنانچہ دیکھ لو) اگر ہمارے گھر میں ماتم ہے تو وہ بھی خوشی میں متبدل ہو جاتا ہے - شراب عشق سے بے خود ہو کر احساس ماتم جاتا رہتا ہے - (۹) نظیری نے اپنی عبادت گذاریوں سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا (اور یہ حقیقت ہے) کہ جس کا سرمایہ ہی قابلِ قبول نہ ہو اسے فائدہ نہیں ہوتا مطلب - نظیری کی عبادت ریاکارانہ ہے اِس لئے اس سے اس کو فائدہ ہو ہی نہیں سکتا۔

ردیف الذال

برخوانِ من نمک بملاحت نشد لذیذ صد بار تا نسوخت جراحت نشد لذیذ

ہر کس نمے نداد ردائے تکلفے در کام او شراب اباحت نشد لذیذ

در بحر و بر بجز الم تلخ و شور نیست جز بر امید سود سیاحت نشد لذیذ

تاجر بعشق خانہ بدر یا شناور است محنت جز از تصور راحت نشد لذیذ

رخسار خوب را بوفا قدر و قیمت است بے میوہ بوستاں بفلاحت نشد لذیذ

تا صبحدم نزد نمکے بر جراحتم با آں کمال حُسن و صباحت نشد لذیذ

لذّت ورق ز کلکِ نظیری گرفتہ است در نامہا سخن بفصاحت نشد لذیذ

غزل نمبر ۱ - (۱) میرے دستر خوان پر نمکینی سے نمک لذیذ نہ ہوگا - تا وقتیکہ میرا زخم سو دفعہ نہ جلا - لذیذ نہ ہوا - مطلب - خالی نمک چھڑکنے سے ہمارے زخم میں لذّت نہیں پیدا ہوتی بلکہ زخم جب سو دفعہ جل چکتا ہے تو پھر نمک اس پر چھڑکنے سے لذّت پیدا ہوتی ہے - (۲) جس نے شراب کے بدلے تکلف کی چادر نہیں دی - اس کے حلق میں شراب کا مباح ہونا لذیذ نہ بنا مطلب تا وقتیکہ شراب نوش تکلف چھوڑ نہیں دیتا شراب اسے لذّت نہیں دیتی - (۳) بحر و بر میں

سوائے تلخ و شور غم کے اور کچھ نہیں ۔ اس لئے سوائے نفع کی امید کے اور کسی طرح سیاحت پُرلطف نہیں ہوتی ۔ مطلب ۔ کسی کو کیا پڑی ہے کہ بحر و بر میں سفر صعوبتیں اُٹھائے ۔ تاوقتیکہ اس کو امید سود نہ ہو ۔ (۴) تاجر اپنے گھر کے عشق میں دریا رکا تیراک بنتا ہے محنت صرف اس وقت لذت دیتی ہے جب اس کے بعد راحت نظر آتی ہے ۔ مطلب :۔ ؎

شبِ غم کو لبسر کر صبح راحت کی امیدوں میں ✤ بلاؤں سے نہ ڈر خاموش رہ کس پر نہیں آئیں

(۵) خوبصورت چہرے کی زلف سے قدر و قیمت ہے ۔ بغیر میوہ کے بوستان پسند نہیں کیا جاتا ۔ مطلب ۔ جس طرح باغ کے لئے میوہ ہوتا ہے ۔ خوبصورتی کے لئے وفا ہوتی ہے (۶) جبتک اُس نے صبح کے وقت میرے زخم پر نمک نہیں چھڑکا تھا ۔ اس وقت تک باوجود کمال حسن کے اس کی خوبصورت دلربا نہ بن سکی تھی ۔ مطلب :۔ اس نے مجھے اپنا زخمی بنا کر تڑپایا ۔ تو اسکا حُسن میرے لئے لذیذ بنا ۔ (۷) ورق نے نظیری کے قلم سے لذت پائی ہے ۔ ورنہ کتابوں میں کلام فصاحت سے لذیذ نہیں ہوا ۔ مطلب ۔ فصاحت کلام میں لذت پیدا نہیں کر رہی ۔ بلکہ نظیری کا قلم فصاحت کلام کا باعث ہے ✤

ردیف الرا

بزم خاص ست درد نکته بدستور بیار ✤ معنی دور طلب کن سخن دور بیار
تلخ روئی مکن و توبهٔ شیرین بشکن ✤ رخ چو حور نداری سخن حور بیار
چشم وا یافته داری خبر وصل بگو ✤ دل افروخته داری دم پُر نور بیار
راز دل فاش مکن پردهٔ آن غمزه مدر ✤ محرم سر شدهٔ نکته مستور بیار
مطرب بزم جگر سوز سرودے دارد ✤ شکر این مشت نمک سینهٔ رنجور بیار
قصهٔ وصل بگلبانگ غزل انشا کن ✤ راز دیرینه بیارد نے و طنبور بیار
بکر هر نغمه که در پردهٔ نے مستور است ✤ مست و مجنون کن و آشفته و پرشور بیار
این غزل در صف ایوان شهیدان مخوان ✤ زان محک گاه افاضل خط منشور بیار
گل و نرگس قدح و شیشه نظیری دادند ✤ خبر از خواب دماغ و دل مخمور بیار

غزل نمبر ۱ ۔ یہ خاص محفل ہے ۔ اس لئے یہاں دستور کے مطابق نکتہ پیدا کرو ۔ دور کا کلام لاؤ ۔ اور دور کے معانی طلب کرو ۔ مطلب ۔ محفل خاصاں میں سوچ بچار کے بعد اوق مسائل بیان کرو ۔

(۲) ترش رو نہ ہو۔ اور شیریں تو بہ توڑ ڈال۔ جب تو حور جیسا چہرہ نہیں رکھتا۔ تو حور جیسی باتیں پیدا کر۔ مطلب عشق میں ظاہری توبہ کسی کام کی نہیں۔ صورت فضول ہے۔ اور سیرت درکار ہے (۳) اگر تیری آنکھیں کھلی ہیں تو وصل کی خبر بتاؤ۔ تو منور دل رکھتا ہے تو نور بھرا دم اڑاؤ مطلب۔ اگر تیری چشم بصیرت وا ہے۔ تو وصل و نور کی باتیں کر۔ (۴) اپنے دل کا راز فاش نہ کر۔ اور اس غمزے کا پردہ نہ پھاڑ۔ تو رازوں کا محرم ہوا ہے۔ تو پوشیدہ نکتہ بیان کر مطلب۔ محرم راز عشق ہو کر دل پر قابو رکھ۔ حسن و عشق کی داستان کوچہ و بازار میں بیان نہ کرتے پھرو۔ (۵) بزم کا مطرب ایک جگرسوز نغمہ رکھتا ہے۔ اس لئے اس مٹھی بھر نمک کا شکر ادا کرنے کے لئے زخمی سینہ پیدا کر مطلب مٹھی بھر نمک سے مراد وہی نغمہ جگرسوز ہے (۶) غزل کے نعرے سے وصل کا قصہ بیان کر۔ تو بانسری اور طنبورہ لے کر دیرینہ راز کھول ڈال مطلب۔ بانسری اور طنبور کے نغمے سے علی الاعلان رازِ وصل کہدے۔ (۷) ہر اچھوتا نغمہ جو کہ بانسری کے پردے میں مستور ہے۔ بہت زیادہ مست اور دیوانہ بنا کے پُرشور اور آشفتگی کے عالم میں باہر لے آ۔ (۸) تو یہ غزل اُس سپہ سالار کے دربار میں پڑھ۔ اور اس فاضلوں کی کسوٹی کے مقام سے واضح فرمان حاصل کر۔ مطلب - دربار خانخاناں سے مراد ہے۔ چونکہ وہ شاعر ہونے کے علاوہ بلا کا سخن فہم تھا۔ اس لئے اس کے دیوان دربار کو محک گاہِ افاضل" قرار دیا ہے۔ (جہاں فاضلوں کی فضیلت پرکھی جاتی ہے) (۹) اے نظیری گلاب اور نرگس پیالہ اور شیشہ پیش کر رہے ہیں۔ اس لئے اپنے دماغ کی نیند اور خمار زدہ دل کی خبر لاؤ مطلب۔ جب موسم بہار شراب پیش کر رہا ہے تو پھر دماغ اور دل کو مجتمع کر لو اور آمادۂ شراب نوشی ہو جاؤ +

اے صبا از گلِ عطار نشانے بمن آر
وز گلستانِ نشاپور خزانے بمن آر

خط ترخانیٔ جاوید بعالم ندہند
بگذر از عالم و منشور امانے بمن آر

فرصتم نیست کہ از سنگ قضا سر خارم
گر امانے نبود تاب و توانے بمن آر

تیر باران ستم از پے ہم چند رسد
ناوکے میکشم از سینہ کمانے بمن آر

ہر نشانی کہ بسوداش دہی سود دہد
اگر از مایہ نماندہ است زیانے بمن آر

کشت زار طربم تشنۂ آتش شدہ است
مطرب ابر دم برق زبانے بمن آر

چوں شرر در دل سنگ است زبانان سخنم
تا برآرم نفس سوختہ جانے بمن آر

ملک گیرانِ سخن سکہ بباطل زدہ اند
زیں ہمہ سیم دغل نقد روانے بمن آر

دلم از صنعت الفاظ نظیری بگرفت   از دم پر ہنری سادہ بیانے بمن آر

غزل نمبر ۲- (۱) اے صبا عطار کے پھولوں کا نشان میرے پاس لے آ۔ اور نیشاپور کے گلستاں سے خزاں ہی میری طرف بھیج۔ مطلب۔ عطار خواجہ حضرت فریدالدین کا تخلص تھا جو ہرات میں قیام فرماتھے۔ اور نیشاپور نظیری کا اپنا وطن ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وطن کی خزاں بھی غریب الوطنی کی بہار سے افضل ہے۔ (۲) دنیا میں ہمیشہ کی حکمرانی کا فرمان کسی کو نہیں دیتی۔ اس لئے عالم کو چھوڑ دے۔ اور "امان" کا فرمان میرے لئے لے آ۔ مطلب۔ "ترخانی" مدار المہام کے لئے لقب ہے بمعنی حکمرانی مستعمل ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ ہے۔ بیان کرتا ہے کہ دنیا کو ترک کر دینے سے امنِ جاوید حاصل ہوتا ہے۔ (۳) اتنی فرصت بھی نہیں ہے۔ کہ قضا کے پتھر سے سر کھجلائیں۔ اس لئے اگر امان نہ ہو تو میرے لئے تاب و تواں ہی لے آؤ۔ مطلب۔ اگر قضا کے پتھر سے رہائی ممکن نہیں۔ تو اس کی برداشت کے لئے تاب و طاقت ہی سہی۔ (۴) تیرے ستم کے تیروں کی بارش متواتر میرے سینے پر ہو رہی ہے۔ میں اپنے سینے سے تیر آہ کھینچتا ہوں۔ تو کمان میرے لئے نکال۔ مطلب ہے ادھر آؤ جاناں ہنر آزمائیں + تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں۔ (۵) ہر وہ نشان جو تو اس عشق میں دے فائدہ دیتا ہے۔ اس لئے اگر سرمایہ باقی نہیں رہا۔ تو اس کا نقصان ہے۔ میرے پاس لے آ۔ مطلب۔ عشق میں تیرے نقصان میں فائدہ ہے۔ (۶) میری خوشی کی کھیتی آگ کے لئے پیاسی ہو رہی ہے۔ اس لئے کوئی ابر کا سا دم رکھنے والا اور بجلی کی سی زبان والا مطرب میرے لئے لے آؤ۔ مطلب۔ عشق میں میری خوشی سوختہ سامانی سے ہے۔ اس لئے مطرب "ابر دم" اور "برق زباں" کی ضرورت ہے۔ (۷) جاناں کی وجہ سے میری بات پتھر میں شرار کی طرح پوشیدہ ہے۔ تو کوئی سوختہ جان لے آ۔ تاکہ اسے نکالوں۔ مطلب۔ کوئی سوختہ عشق ہو۔ تو راز ہائے درون پردہ بیان کروں۔ (۸) کلام کا ملک فتح کرنے والوں نے چھوٹا سکہ چلایا ہے۔ اس لئے اس کھوٹی چاندی کے بدلے خالص نقد میرے پاس لے آ۔ مطلب۔ اپنے ہمعصروں پر چوٹ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کا کلام کھوٹے سکوں کی طرح ہے۔ اور میرا کلام نقد خالص کی مانند۔ (۹) اے نظیری الفاظ کی صنعت گری نے میرا دل گرفتہ کر لیا ہے۔ اس لئے ہری (ہرات) کی آب و ہوا سے کوئی سادہ بیان میرے لئے لے آ! مطلب۔ خواجہ فریدالدین عطار کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہرات کے رہنے والے تھے۔

فارغ تراز دل تو ندیدم دل دگر   ایزد ترا سرشتہ ز آب و گل دگر
گر مرغ سدرہ رابکشی مائلے کہ باز   در خاک و خوں طپیدہ شود بسمل دگر

ہر مشکلے کہ عاجزی ما بیاں کند — آساں کنی کہ پیش نہی مشکل دگر
از آب و گل غرض شجر قامت تو بود — عالم نداشت بہتر ازیں حاصل دگر
از نور محفل تو جہاں در گرفتہ است — نفروختہ چراغ تو از محفل دگر
خاطر بمنتہائے جمالت نمے رسد — دارم بہر مشاہدہ ات منزل دگر
از ما متاب روئے کہ غیر از جمال دوست — دریائے عشق را نبود ساحل دگر
مستاں اساس میکدہ زیبا نہادہ اند — رسمے اگر ز تو ننہد عاقل دگر
ساقی قدح بکف تو نظیری نظر بغیر — دوران ندیدہ است چو تو غافل دگر

غزل نمبر ۳۰۳ - (۱) میں نے تیرے دل سے زیادہ کسی کا دل فارغ نہیں دیکھا۔ خدا نے تجھے کسی اور خمیر سے پیدا کیا ہے۔ مطلب۔ انسان کے خمیر میں غم مخمر ہے۔ لیکن تو بالکل فارغ دل ہے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیری فطرت مختلف ہے۔ (۲) تو سدرہ کے پرندے (جبرئیل علیہ السلام) کو بھی ہلاک کرنے کے بعد ابھی امید رکھتا ہے۔ کہ خاک و خون میں کوئی اور لبسمل تڑپتا دیکھے۔ جذبہ خونخواری بے حد ہے۔ ہر لحظہ لبسمل خاک و خون میں تڑپتے ہوئے دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ (۳) جو مشکل ہماری عاجزی تیرے سامنے بیان کرتی ہے۔ تو اس لئے آسان کر دیتا ہے کہ ایک اور مشکل ہمارے لئے پیدا کرے۔ مطلب۔ ہر مشکل کا آسان ہونا دوسری سخت مشکل کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ (۴) اس مٹی اور پانی سے صرف تیرا قد بنانے کی غرض تھی۔ زمانہ اس سے بہتر کھیتی کا حاصل نہ رکھتا ہے۔ مطلب۔ انسان کی تخلیق سے بہتر غرض خداوندی نہ تھی۔ (۵) تیری محفل کے نور سے ایک جہان منور ہے۔ لیکن تیرا چراغ ایک اور محفل سے منور ہوا ہے۔ مطلب۔ نور محمدی نے عشق کا چراغ روشن کیا۔ اور عشق کی روشنی سے تمام جہان منور ہے (۶) تیرے جمال کی انتہا کو دل نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے تیرے ہر مشاہدے کے لئے اور منزل پیش آتی ہے۔ مطلب۔ راہ معرفت میں منزلوں کا اختتام نہیں ہوتا۔ ایک کے بعد دوسری منزل آجاتی ہے۔ (۷) ہم سے منہ نہ کرو۔ کیونکہ عشق کے دریا کے لئے سوائے جمال دوست کے اور کوئی ساحل نہیں ہوتا۔ مطلب۔ ہم دریائے عشق میں تیر رہے ہیں اور ساحل تیرا دیدار ہے اگر تو نے منہ پھیر لیا۔ ہم کنارے پر نہ پہنچ سکینگے اور غرق ہو جائینگے۔ (۸) مستوں نے میخانے کی بنیاد خوب رکھی ہے۔ دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی عاقل نئے سر سے رسم نہ ڈالے۔ (۹) اے نظیری! تیرا ساقی پیالہ ہاتھ میں لئے ہے اور غیر کی طرف محو نظارہ ہے۔ زمانے نے تیرے جیسا

غافل کبھی نہیں دیکھا۔ مطلب۔ شراب معرفت تجھے تیرا ساقی بصد مہربانی عطا کر رہا ہے۔ اور تو ماسوائے اللہ میں محو ہے۔ تجھ سے بڑھ کر غافل کون ہوگا۔

طلوع بادہ ز شام و سحر دریغ مدار — ز خاک جرعۂ خود چوں قمر دریغ مدار
اگر بکنج سرابیل باغباں آید — بگو کہ آب رزاز جام زر دریغ مدار
حیات تلخ بدہ عیش خوشگوار بگیر — چو عشق تیغ کشد جاں و سر دریغ مدار
بشکر آنکہ حدیثے چو انگبین داری — ز سایلان ترش رو شکر دریغ مدار
ترا بہ بینش کوتاہ خویش نتواں دید — مگر ترا بتو بینم نظر دریغ مدار
درون جانی و در پردۂ زمردم چشم — جمال اگر بنمائی خبر دریغ مدار
ہمیشہ چشم باحسان آشنا دارد — ز خاک کشتۂ غربت گذر دریغ مدار
جراحتِ دل شوریدہ خشک میگردد — ازاں دو زلفِ سیہ مشک تر دریغ مدار
بیان شوق نظیری دراز انشائیست — بیاضِ چہرہ زخونِ جگر دریغ مدار

غزل نمبر ۴۴۔ (۱) شام و سحر کے وقت شراب کے طلوع میں دریغ نہ کر۔ قمر کی طرح اپنے شراب کے گھونٹ میں کمی نہ کر۔ مطلب۔ صبح و شام شراب ہی پیتا جا۔ جس طرح قمر اپنی چاندنی زمین پر پھیلانے میں دریغ نہیں کرتا۔ (۲) اگر کہیں باغ کے گوشے میں باغبان کو خزانہ مل جائے۔ تو اسے کہہ دو۔ کہ سونے کے جام میں انگوری شراب میں دریغ نہ کر مطلب۔ خزانہ میسر آئے۔ تو اسے شراب نوشی میں اُڑا دے (نوٹ) "رز اور زر" میں تجنیس مقلوب رکھتی ہے۔ (۳) تلخ زندگی دیدے اور خوشگوار عیش حاصل کرلے۔ جب عشق تلوار کھینچے۔ تو سر اور جان سے دریغ نہ کرنا۔ مطلب۔ عشق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی کامیابی عشاق ہے (۴) اس بات کے شکریئے میں کہ تو شہد کی طرح میٹھا کلام رکھتا ہے۔ ترشرو سوالیوں کو شکر دینے میں دریغ نہ کرنا۔ (۵) تجھے ہم اپنی کوتاہ عقل سے دیکھ نہیں سکتے۔ اس لئے شاید میں تجھے تجھ سے دیکھوں۔ مجھ پر نظر ڈالنے سے دریغ نہ کرنا مطلب۔ خدائے تعالے کے ادراک سے ہماری عقل عاجز ہے۔ البتہ "ہمہ اوست" کے فلسفے کے مطابق خدا کو اس کے مظاہر سے پہچان سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کی اپنی تائید شامل حال ہو۔ (۶) تو جان میں سمایا ہے۔ اور آنکھوں کی پتلیوں سے پوشیدہ ہے۔ اس لئے اگر تو جمال نہیں دکھاتا۔ تو کم از کم خبر سے دریغ نہ کرنا مطلب۔ ؎ یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہے پر یہ بتلا دو۔ کہ جب دل میں تمہیں تم ہو۔ تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

(۷) اپنے مقتول کی قبر سے کسی طرف گذرنے میں دریغ نہ کرنا۔ کیونکہ وہ بے چارا اپنے دوست کے احسان کیلئے ہمیشہ متوقع رہتا ہے۔ مطلب۔ تیرا مقتول مرنے کے بعد بھی دوست کے احسان کا امیدوار ہے (۸) ہمارے دل کا زخم خشک ہو رہا ہے۔ اس لئے ان دو زلفوں سے سیہ مشک تریں دریغ نہ کرنا۔ مطلب زخم پر مشک چھڑکی جائے تو ناسور بن جاتا ہے۔ عاشق نہیں چاہتا کہ زخمِ عشق مندمل ہو۔ اس لئے زلفوں کی مشک کا خواہاں ہے۔ (۹) نظیریؔ کے شوق کا بیان تو بے حد طویل ہے۔ (اسے ترک کر دے) اپنے چہرے کی بیاض کو خونِ جگر سے محروم نہ رکھنا۔ مطلب۔ بجائے اس کے کہ داستانِ شوقِ نظیریؔ ختم کرے تو اپنا چہرہ خونِ جگر سے رنگین کرے۔ یہی اس کی داستان کا لبِ لباب ہے۔

دارم دلے ز طائرِ وحشی رمیدہ تر
ہر چند دور تر ز کساں آرمیدہ تر

تا آں خدنگ قامت از آغوشِ من برفت
پشتم شکستہ تر شد و قدم خمیدہ تر

خونے کہ حکم بود بریزد خطا نشد
چنداں کہ داشت دامنِ عصمت کشیدہ تر

آنجا کہ شحنۂ تو بدرگاہ میرود
شاہد ز عاشق است گریباں دریدہ تر

خورشید از کمانِ تو یک تیر میکشد
ماہ از تو کس ندیدہ تمام آفریدہ تر

دنداں زدہ ہزار امیدم بدر گہت
از سگ گزیدۂ سر کویم گزیدہ تر

خارے کہ در رہِ تو بخاطر شکستہ بود
ہر چند بیش کاوشش شد خلیدہ تر

در کامِ ناروائی عشق پری وشے
از سحر کردہ ایم بافسوں رسیدہ تر

نازاں مرد کہ بار علائق گذاشتی
ہستی تعلقست نظیری جریدہ تر

غزل نمبر ۵ - (۱) میں ایسا دل رکھتا ہوں۔ جو وحشی پرندے سے بھی زیادہ رم کرنے والا ہے اس لئے لوگوں سے زیادہ دور رہ کر ہی آرام پاتا ہے۔ مطلب۔ وحشی آبادی سے دور رہ کر آسائش پاتا ہے۔ اسی طرح میرا دل تنہائی پسند ہے۔ (۲) جب سے اس کے قد کا تیر میری آغوش سے نکلا ہے میری کمر زیادہ ٹوٹ گئی ہے۔ اور قد زیادہ خم ہو گیا ہے۔ مطلب۔ اس کے قد کے عشق میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اور کمرِ ہمت ٹوٹ گئی ہے۔ (۳) وہ خون جس کے گرانے کا حکم تھا باعثِ جرم نہیں۔ یہاں تک کہ اس کی عصمت کا دامن بالکل پاک رہا۔ مطلب۔ عام حالات میں کسی کا خون گرانا بمنزلہ قتلِ عمد ہے۔ اور جرم بھی مگر جو عدالت اور قاضی کے حکم سے گرایا جائے۔ وہ جائز ہے۔ یہاں عاشق کے لئے حکم معشوق بالکل جائز اور درست تھا۔ اس لئے اس کا دامنِ عصمت پاک و مصفا رہا۔ ے خونے کہ عشق ریزد ہرگز ہدر نباشد۔ (۴) جہاں تیرا کوتوال دربار میں جاتا ہے۔

(عشاق کو گرفتار کرکے) وہاں معشوق عاشق سے زیادہ گریبان پھاڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔
مطلب۔ تیرے جیسے معشوق پر اور بہت سے خوبرو عاشق ہیں۔ اور گریبان دریدہ ہیں۔ ؎

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہے — تکلف برطرف مل جائیگا تجھ سا رقیب آخر

(۵) خورشید تیری کمان سے تیر حاصل کرتا ہے۔ اور چاند تیرے مقابل پر کسی نے نہیں دیکھا۔ کہ (اچانک) پورا ظاہر ہوا ہو۔ مطلب۔ سورج تجھ سے ضیا قرض لیتا ہے۔ اور چاند غیر مکمل پیدا ہوتا ہے میری طرح یک لخت بدر ظاہر نہیں ہوتا۔ (۶) میں تیری درگاہ میں ہزار امیدوں کا کاٹا ہوا ہوں میں تیرے کوچے کے "سگ گزیدہ" سے بھی زیادہ زخم خوردہ ہوں۔ مطلب "سگ گزیدہ" دیر سے اچھا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری بارگاہ میں میری امیدیں جو حسرت سے بدلتی چلی گئی ہیں۔ اُنہوں نے مجھے بالکل مضمحل کر دیا ہے۔ (۷) وہ کانٹا جو کہ تیرے راستے میں میرے دل میں چبھ کر ٹوٹ گیا تھا۔ بہت نکالا مگر وہ زیادہ خلش دینے لگا۔ اور نہ نکلا۔ مطلب۔ کانٹا جب تک زخم میں ہو خلش بڑھتی رہتی ہے۔ غالب اِس خلش پر بھی نثار ہے۔ ؎

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو — یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا۔

(۸) پری پیکر معشوق کی بر نہ آنیوالی مراد میں ہم نے جادو بھر رکھا ہے۔ جو افسون سے زیادہ کامیاب ہے۔ مطلب "پری" سے کسی کی مراد نہیں آتی۔ اس لئے معشوق کو "پری وش" قرار دیا۔
(۹) اِس پر ناز نہ کر کہ تو نے تعلقاتِ دنیا کا بوجھ اتار پھینکا۔ ہستی کا تعلق جاری رہنے والا ہے مطلب تو تعلق ہستی کو منقطع نہیں کرسکا۔ تو پھر نازاں ہونے کا کونسا مقام ہے۔

ہر دم از زلفِ تو وارم کافرستانے دگر — دمبدم نومیکنم از رویت ایمانے دگر
با توئی یا حُسنِ رخسار تر از دیدہ است — چونتوئی گر سر برآرد از گریبانے دگر
چاشنئ گنج آں لب از مذاقم کے رود — گر بگردانم زباں را در نمک دانے دگر
نیست ہم دعوئے حریفے حسن تنہا ہر زماں — رخش مینا زد زمیدانے بمیدانے دگر
چابکے با خویش طرح ترکتاز افگندہ است — گوئے دیگر میزند ہر دم بچوگانے دگر
تابروں آرد سرے از لوح پیشانی او — طفل گردد عقل ہر دم در دبستانے دگر
حسن ہر سو در لباس صورتے پنہاں شود — عشق ہر ساعت در آویزد بدامانے دگر
پیش حکمش گردم از عذر خطائے خود زند — مے نہد بر روئے آدم خال عصیانے دگر
وردنایابی و نادانی نظیری مشکل است — غیر خاموشی ندیدیم ہیچ درمانے دگر

غزل نمبر ۶ - (۱) میں تیری زلفوں سے ہر لحظہ ایک دوسرا کافرستان رکھتا ہوں۔ اور تیرے چہرے سے زیادہ ایمان تازہ کرتا ہوں۔ مطلب۔ زلف "ہندو ہے" اس لئے کافرستان ہے چہرے کو "مصحف" کہتے ہیں۔ اس لئے تجدیدِ ایمان ہوئی۔ (۲) جب کسی اور گریبان سے تیرے جیسا کوئی سر نکالتا ہے۔ تو میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یا تو ہی ہے یا اس نے تیرے رخسار کا حسن چرایا ہوا ہے۔ مطلب۔ دنیا میں تو اپنی مثال آپ ہے۔ (۳) تیرے لبوں کی چاشنی میرے مذاق سے جا ہی نہیں سکتی۔ خواہ میں کسی دوسرے نمکدان میں زبان سے پھرتا رہوں۔ مطلب۔ شیرینی لبِ معشوق میں لذت دوام ہے۔ (۴) تیرے دعویٰ کا کوئی حلیف نہیں۔ اس لئے تیرا حسن ہر لحظہ ایک میدان سے دوسرے میدان کی طرف گھوڑا دوڑاتا رہتا ہے۔ مطلب۔ تو حسن میں لاثانی ہے۔ اور کوئی تیرا مدِ مقابل نہیں۔ (۵) ایک چالاک نے اپنے ساتھ ہی جنگ کی طرح ڈال رکھی ہے۔ ایک دوسری گیند ہر لحظہ دوسرے چوگان پر مار رہا ہے۔ مطلب۔ خود ہی دو نو ہر طرف سے چوگان چلاتا ہے۔ کیونکہ کوئی اور حریف نہیں۔ عرفی کیا خوب کہتا ہے۔ ؎

فغاں ز غمزۂ شوخے کہ وقت تنہائی ٭ بہانہ بخود آغاز کردہ در جنگ است۔

(۶) عقل ایک بچہ بن کر ہر لحظہ نئے مدرسے میں شامل ہوتی ہے۔ تاکہ اس کی لوحِ مستانی کو سمجھ سکے۔ مطلب۔ "سر از کار بر آوردن" فہمیدن کے معنوں میں مستعمل ہے مطلب یہ ہے کہ عقل رازِ حسن سمجھ ہی نہیں سکتی۔ (۷) حسن بر طرف کسی صورت کے لباس میں پوشیدہ ہے۔ اور عشق ہر وقت کسی دوسرے کے دامان کے ساتھ الجھ رہا ہوتا ہے مطلب۔ حسن و عشق لازم و ملزوم ہیں۔ (۸) اس کے حکم کے آگے اگر اپنی خطا کے عذر سے آدم دم مارے تو اس کے چہرے پر گناہ کا ایک اور خال لگا دیں۔ مطلب۔ اپنی خطا کا عذر پیش کرنا بارگاہِ حسن میں محال ہے (۹) اے نظیری! نایابی اور نادانی کا درد سخت تکلیف دہ ہے۔ اس علاج میں سوائے خاموشی کے میں نے اور کچھ نہیں دیکھا٭

درد دل را میکنم با صبر پیوندے دگر ٭ بر طبیب خود تغافل میزنم چندے دگر

اعتمادے نیست بر عہدے کہ نقصانے ندید ٭ ہست در پیماں گسستن عہد پیوندے دگر

گرچہ میدانم قسم خوردن بجانت خوب نیست ٭ ہم بجاں تو کہ بادم نیست سوگندے دگر

پائے تا سر دیدہ ام از شوق رخسارت کہ ہست ٭ ہر سر شکم بے تو چشم آرزومندے دگر

پیر کنعاں با کہ گیرد انس در بیت الحزن ٭ بوئے یوسف را نمے یابد ز فرزندے دگر

چوں بشرم بچشم کشتی ضلالت ساختم ٭ کیں مروت نیست با طبع خداوندے دگر

تاب مے آری کہ از کف مے نہی آئینہ را ٭ از جمال تو ندیدم جز تو خرسندے دگر

شکوہ شکر نظیری عکس کین و مہر تست　　　آئینہ منما کہ طوطی نشکند قندے دگر

غزل نمبر ۷ ۔ (۱) میں اپنے درد دل کو صبر سے ایک اور پیوند لگا دیتا ہوں ۔ اور اپنے طبیب سے کچھ اور تغافل اختیار کرتا ہوں ۔ مطلب ۔ مدت تک درد دل کو اپنے طبیب سے پوشیدہ رکھ کر شیوہ صبر اختیار کرتا ہوں ۔ (۲) اس عہد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ جو کبھی ٹوٹا نہ ہو ۔ کیونکہ عہد ٹوٹ جاتے میں ایک دوسرے پیوند کی مہر لگ جاتی ہے ۔ مطلب ۔ دو مہریں لگ کر عہد مضبوط ہو جاتا ہے (۳) اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تیری جان کی قسم کھانا اچھا نہیں ۔ لیکن تیری جان کی قسم ! مجھے اور کوئی قسم یاد ہی نہیں ۔ مطلب ۔ شوخی کا اظہار کیا ہے ۔ عمداً جان کی قسم پھر کھائی ہے ۔ یہی قافیہ " سوگند " اقبال نے اس طرح باندھا ہے ؎ یک نگاہ ۔ یک خندۂ دزدیدہ ۔ یک پائندہ اشک ✦ بہر ایمانِ محبت نیست سوگندے دگر ۔ (۴) میں تیرے رخسار کے شوق میں سرتاپا رخسار بنا بیٹھا ہوں ۔ کیونکہ ہر آنسو تیرے فراق میں ایک آرزومند آنکھ بن گیا ہے ۔ مطلب ۔ سرتاپا امید دیدار رہا ہوں ۔ (۵) پیر کنعان اپنے غمی نے میں اور کس سے الفت کرے ۔ کیونکہ وہ اپنے فرزند کی سی بو اور کسی فرزند میں نہیں پاتا ۔ (۶) چونکہ اپنی بخشش کی شرم سے تو نے مجھے قتل کیا ہے ۔ اس لئے میں نے اپنا خون تجھ پر حلال کیا ۔ کیونکہ ایسی مروت کسی اور کے دل میں نہیں ہے ۔ مطلب ۔ تو نے اتنی بخشش مجھ پر کی ہے ۔ کہ اس کی شرم سے مارا گیا ہوں ۔ اس لئے تجھ پر کوئی گناہ نہیں (۷) تو ہی اپنے ہاتھ سے آئینہ رکھنے کی تاب رکھتا ہے ۔ ورنہ تیرے جمال کے دیکھنے سے سوائے تجھے خود ہی اور میں نے کسی کو خورشید نہیں دیکھا ۔ مطلب ۔ تیرا حسن دیکھ کر ہر لحظہ دیکھنے کو جی چاہتا ہے ۔ آنکھ جھپکنا بھی بار ہے ۔ بقول اقبال ؎ نظارے کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے ✦ نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی
پھر تو آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر آئینہ رکھ دیتا ہے یہ تیرا ہی کام ہے ۔ ورنہ اور کوئی تیرے دیدار سے سیر نہیں ہوتا (۸) نظیری شکر تیری مہربانی کے سبب اور شکوہ تیرے کینے کی وجہ سے ادا کرتا ہے ۔ اس لئے تو آئینہ نہ دکھا ۔ کہ یہ طوطی اور قند نہ توڑ ڈالے ۔ مطلب ۔ طوطی آئینہ سے گویا ہوتی ہے ۔ اس لئے اسے آئینہ نہ دکھا دیکھیں پھر وہ شکوے کے شکر کے لئے زبان نہ کھولے ✦

بہ بیرحمی دلے داری دلِ صیاد ازاں خوشتر　　　زبانی در کتابت سیلئے استاد ازاں خوشتر
بخود قیدے نداری با وجود حسن و زیبائی　　　زہر خوبی کہ واری دارم و آزاد ازاں خوشتر
فریب خندہ میخواند عتاب غمزہ میراند　　　زخوباں خوش بود مہر و وفا بیداد ازاں خوشتر
چو دریا میکشم دم در خود و در جوش مے آیم　　　کہ خاموشی خوشش مے آید و فریاد ازاں خوشتر
زبیدادش نمے نالم گرم زیر و زبر سازد　　　بنائے کو کند ویراں نہد بنیاد ازاں خوشتر

نثاری بر رخ او صد عوض در زیر لب دارد بره جانے گر افشاندیم صد جاں داد ازاں خوشتر
نظیری جذب بے باعث نصیحت میکند عاصت اگر فضلے نداری عشق مادرزاد ازاں خوشتر

غزل نمبر ۸ - (۱) تو بیرحمی میں ایسا دل رکھتا ہے کہ صیاد کا دل بھی اُس سے بہتر ہے۔ سیکھنے میں تیری زبان سے استاد کا دھپڑ بہتر ہے یمطلب - صیاد کی سنگدلی اور استاد کی دھپڑ تیری سنگدلی اور ملامت سے بہتر ہے - (۲) باوجود اتنے حسن اور خوبصورتی کے تو اپنے آپ پر قید نہیں رکھتا - جو خوبی تو رکھتا ہے میں بھی رکھتا ہوں - مگر اُس سے آزادی پر خوش ہوں - (۳) ان کی ہنسی کا فریب ہمیں بلاتا ہے - اور غمزے کا عتاب ٹھکراتا ہے معشوق کی مہر و وفا خوب ہوتی ہے لیکن بیداد اُن سب پر طرہ ہے مطلب - معشوق کے عشووں اور تبسم کی انقلاب انگیزیوں کا نقشہ کھینچتا ہے - (۴) میں دریا کی طرح حبس دم کرتا ہوں اور پھر جوش میں آتا ہوں - کہ خاموشی اُسے پسند ہے - اور فریاد اس سے بھی زیادہ پسند ہے - مطلب - وہ دوست خاموشی پسند ہے - لیکن فریاد عشاق خاموشی سے بھی زیادہ پسند کرتا ہے - (۵) اگر مجھے زہر دہ زہر بھی کر دے تو میں اس کے نام پر نالہ و زاری نہ کرونگا - کیونکہ جس بنیاد کو ویران کیا جاتا ہے - پھر اس پر ایک بہتر بنیاد رکھتی ہے مطلب سے ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند ۂ اوّل آں بنیاد را ویراں کنند (۶) اس کے چہرے پر قربان ہونے کے سو عمدہ عوض ملتے ہیں - اگر جان اس پر صدقے کریں تو وہ اس سے بہتر سو جانیں عطا کرتا ہے یمطلب عشق میں سو گنا اجر ملتا ہے - (۷) اے نظیری بیفائدہ جذب (عشق نامکمل) تجھے نصیحت کرتا ہے - (تو اس کی نہ سن) کیونکہ اگر تو کوئی فضیلت نہیں رکھتا تو پھر مادرزاد عشق ہی بہتر ہے - مطلب - روز اوّل سے عشق میں مبتلا ہونا تمام فضائل سے افضل ہے ۂ

اے مطرب جاں سوخت دلم پردہ دگر گیر یا پردہ ازیں راز بیک مرتبہ برگیر
راہے بنوازن کہ غم عشق در آید گو شورش و مستی جوانی رہ در گیر
راہے کہ بمطلوب قریب است عزیز است تا سر برود پائے ازیں مرحلہ برگیر
اسرار خرابات مغاں سادہ تواں یافت ہاں اے بطِ بلبلہ پرداختہ ترگیر
زیں ہمنفساں آتش سرزت نفروزد یارِ دم گرمے شود چوں سوختہ در گیر
تو طفلی و ایں راحت و غم میدہدت دست تا خونِ جگر سیر شود خون جگر گیر
جامِ فلک آمیختۂ شہد و شکر نگست کارے کہ از و ساختہ تر گشت بتر گیر
تا در طلب کام خودی کام نیابی بگذر ز مرادِ خود و مقصود ببر گیر
دل ز اوّل شب طالب فیض ست نظیری لب باز کن و ساغر لبریز سحر گیر

غزل نمبر ۹ - (۱) اے جان کے گویتے۔ میرا دل بجھا ہے۔ کوئی اور نغمہ چھیڑ۔ یا پھر اس راز سے یکلخت پردہ اُٹھا دے۔ مطلب۔ یہ نغمہ میرے دل کو جلائے جاتا ہے۔ اس کو بدل ڈال۔ کیونکہ آہستہ آہستہ جلانے سے یہ بہتر ہے کہ اچانک جلوہ آرا کر دے۔ (۲) اس طریق پر نغمہ زنی کر کہ غمِ عشق لاحق ہو جائے۔ اور جوانی کی مستی اور شورش سے کہدو کہ اپنا راستہ لیں۔ مطلب۔ ایسا نغمہ گاؤ کہ عشق طاری ہو۔ نہ کہ جوانی کی شورش و مستی۔ (۳) جو راستہ مطلوب کی طرف زیادہ قریب ہے۔ وہی مجھے زیادہ عزیز ہے اس لئے اس منزل سے قدم اٹھاؤ۔ تاکہ تمہارا سر کٹ جائے۔ مطلب۔ مطلوب سے واصل ہونے کیلئے سر کٹانے سے زیادہ قریب کا راستہ کوئی نہیں۔ اس لئے ہم یہ راہ اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ جلدی واصل ہو جائیں۔ (۴) پیرِ مغاں کے میخانے کے راز آسانی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اِس لئے اے صراحی ذرا زیادہ جوش مار۔ مطلب۔ بلبلہ صراحی شرابِ عشق میں مخمور ہو کر رازہائے مے خانہ حقیقت نمایاں ہو جاتے ہیں (۵) ان ہم نفسوں سے تیرا سرد دم گرم نہیں ہوتا۔ اس لئے تو کسی گرم نفس کا دوست بن اور جلے ہوئے کی طرح جل جا۔ مطلب۔ عشق میں کامل ہونے کے لئے کسی گرم نفس کی تلاش کر۔ (۶) تو ایک بچہ ہے۔ اور یہ راحت و غم تجھے سنبھالتے ہیں۔ اس لئے کہ تجھے خونِ جگر (صحت) میسر آئے۔ تو خونِ جگر کھا۔ مطلب۔ راحت و غم انسان کو تجربہ دیتے ہیں۔ (۷) آسمان کا جام شہد اور زہر ملی ہوئی رکھتا ہے جو کام اس سے زیادہ بنا ہؤا دکھائی دے۔ اُسے پھر بگڑتا ہؤا دیکھ۔ مطلب۔ دنیا میں ہر راحت کے ساتھ رنج ہے۔ ؎ سازِ عشرت سن کے ہوتی ہے پریشانی مجھے ✣ ان سے آتی ہے صدائے مرثیہ خوانی مجھے۔ (۸) تاوقتیکہ تو اپنی غرض رکھتا ہے۔ مراد مند نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اپنی مراد چھوڑ دے۔ اور پھر مقصد سے فیضیاب ہو جا۔ مطلب۔ اغراض پسِ پشت ڈالو۔ آرزوئیں چھوڑ دو۔ پھر خود بخود حاصل ہو جائیگا۔ (۹) اے نظیریؔ! دل رات کے قصہ اول ہی سے فیض کا طالب ہے۔ اس لئے اپنا منہ کھول اور صبح کا لبریز پیالہ پی لے۔ مطلب۔ شب بیداری کے بعد صبح کو انوارِ الٰہی مل رہے ہیں ✣

چشمش برا ہے میر ندہ مژگاں نمناکش نگر ۔۔۔ در سینہ دارد آتشے پیراہن چاکش نگر
دامے کہ زلف انداختہ در گردن سیمینش بین ۔۔۔ خونے کہ مژگاں ریختہ بر دامن پاکش نگر
شرم از میاں برخاستہ مہر از دہاں برداشتہ ۔۔۔ گفتار بے ترسش ببیں رفتار بیباکش نگر
قصد فریبے میکند سوئے غزالے مے چمد ۔۔۔ آں چشم آہو گیر را با زلف پیچاکش نگر
از کوئے معشوق آمدہ شوریدگاں در حلقہ اش ۔۔۔ از صید آہو میرسد شیراں بفتراکش نگر
دل بردہ در دل باختن معشوق عاشق پیشہ ہیں ۔۔۔ بگرفتہ در انداختن بازوئے چالاکش نگر

وحشی غزالے کز حیا رم در بیاباں میخورد — رام نظیری میشود در ہوش وادراکش نگر

غزل نمبر ۱۰ ۔ (نوٹ) اس غزل میں معشوق کی حالت کا اظہار ہے ۔ جو کسی کے تیرِ نظر سے ہلاک ہو چکا ہے ۔ (۱) اُس کی آنکھیں کسی اور طرف لگی ہیں ۔ اور ذرا پُرنم پلکیں دیکھو ۔ اس کے سینے میں آگ سی پیدا ہو رہی ہے ۔ اور پھٹے ہوئے دامن کو دیکھو ۔ (۲) جو جال اس کی زلفوں نے لگایا ہوا تھا ۔ وہ اسکی اپنی ہی سفید گردن میں دیکھو ۔ اور وہ خون جو اس کی پلکوں نے گرایا ہے ۔ اس کے پاک دامن پر دیکھو ۔ مطلب ۔ کسی پر عاشق ہو کر ع ۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا ۔ والا معاملہ ہے ۔ (۳) وہ شرم چھوڑ چکا ہے ۔ (جو شیوۂ معشوقی ہے) اور منہ سے مہر ہٹا چکا ہے ۔ اس کی بے خوف گفتار اور بیباک رفتار دیکھو ۔ مطلب ۔ عاشق ہو کر گفتار و رفتار بیباک ہو گئی ہے ۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ شرم وحیا کا پُتلا معلوم ہوتا تھا ۔ (۴) وہ فریب کا قصد کر کے کسی ہرن کی طرف رواں ہے ۔ اس کی آہو گیر آنکھوں اور پُرشکن زلفوں کو دیکھو ۔ مطلب ۔ کسی معشوق کو پھانسنے کے لئے آمادہ و تیار ہے ۔ زلفوں کی کمندیں لے کر گیا ہے ۔ (۵) وہ معشوق کوچے سے لوٹ رہا ہے ۔ اور عشاق اُس کے گرد حلقہ کئے ہیں ۔ گویا وہ ہرن اپنے شکار بند پر شیر باندھے شکار سے واپس آ رہا ہے ۔ مطلب ۔ بہت سے عشاق اس کے عشق میں مبتلا ہو کر آ رہے ہیں ۔ اور وہ کسی اور کے عشق میں ۔ (۶) وہ دل ہارتے ہوئے دل لیجاتا ہے ۔ ذرا اس عاشق پیشہ معشوق کو دیکھو ۔ بھینکتے ہوئے پکڑنے والے چالاک بازوؤں کو دیکھو ۔ (۷) وہ وحشی ہرن جو حیا سے بیابان میں رم کرتا ہے وہ نظیری کا رام ہو جاتا ہے ۔ ذرا اس کی عقل اور ہوش کو دیکھو ۔ مطلب ۔ با حیا رم کرنے والا معشوق نظیری نے رام کر لیا ہے ۔ اس لئے اپنے معشوق کی عقل و ہوش پر تعجب کا اظہار کرتا ہے ۔

منشیں لبشاہد آب رُخ پارسا مبر — آئینہ صفا بدم بے صفا مبر
دور از طریق تہمت اگر جیب مریم ست — دلہائے پاک معتقداں راز جا مبر
از کوئے چوں بجانب خلوت رواں شوی — بیگانہ را درون مگذار آشنا مبر
تا زخم طعن زن نخوری در سرائے خویش — گر سایہ ہمرہ تو شود از قفا مبر
آئینہ ات ز ہمنفساں تیرہ مے شود — سیمائے حسن مشکن و رنگ حیا مبر
تلخت شکر شو و بلب انگبین مدہ — خارت سمن شود بگذار صبا مبر
نالاں مگرد و قیمت ما را سبک مساز — گریاں مباش و آب رخ کار ما مبر
بودن بطبع خوش منشاں کار مشکل است — ناز کدلے بسر نرسانی غنا مبر

حرزِ جمال خود ز نظیری طلب نمائی　　جز سوئے حفظ خاطر او التجا مبر

غزل نمبر ۱۱۱۔ (۱) معشوق کے پاس نہ بیٹھو۔ اور پارسائی کی آبرو ضائع نہ کرو۔ صفائی کا آئینہ غیر مصفا دم کی طرف مائل نہ کرو۔ مطلب۔ جب تمہارے دل میں دردِ عشق نہیں تو خواہ مخواہ اس کے مدعی بن کر دوسروں کی ذلت کا باعث نہ ہو۔ (۲) اگر تہمت سے حضرت مریم کا گریبان بالکل پاک ہے تو معتقدوں کے پاس دل کو گمراہ نہ کر۔ مطلب۔ جب شک کا موقع ہی نہیں پھر خواہ مخواہ نقص پیدا نہ کرو۔ (۳) جب تو کوچے سے خلوت کی طرف رواں ہو تو بیگانوں کو اندر جانے کی اجازت نہ دینا۔ اور آشناؤں کو بھی ساتھ نہ لے جانا۔ مطلب۔ خلوت میں آشنا ہو یا بیگانہ باعثِ حجاب دل ہے۔ (۴) اپنے مکان میں اگر سایہ بھی تیرے ساتھ ہو تو اپنے پیچھے اندر نہ جانے دے۔ تاکہ تو طعنہ زنوں کا زخم نہ کھائے۔ مطلب۔ کسی نامحرم کو خلوت گاہ میں ساتھ نہ لے جاؤ۔ سائے سے بھی پرہیز کرو ورنہ بصورت دیگر طعنے کے تیر کھانے پڑینگے۔ (۵) تیرا آئینہ، ہم نفسوں سے تاریک ہوا جا رہا ہے۔ اس لئے مشکینِ حسن کی پیشانی اور حیا کا رنگ نہ لے جاؤ۔ مطلب۔ ہم نفسوں کے طرزِ عمل سے تیرا آئینہ دل مصفا نہیں رہا۔ اس لئے اُن سے احتراز کرو۔ (۶) خواہ تیری تلخی شکر بن رہی ہو تو اسے شہد کے لبوں کے حوالے نہ کر۔ اور تیرا کانٹا چنبیلی بن رہا ہو۔ پھر بھی صبا کی گذرگاہ پر نہ لے جاؤ۔ مطلب۔ کسی کا احسان نہ اُٹھاؤ خواہ کتنا ہی فائدہ مدِنظر کیوں نہ ہو۔ (۷) نالہ کشی نہ کرو۔ اور ہماری قیمت نہ گھٹاؤ۔ گریہ نہ کرو۔ اور ہمارے کام کی آبرو کم نہ کرو۔ مطلب۔ نالہ کشی اور گریہ زاری سے قیمت میں کمی اور آبرو میں نقص واقع ہوتا ہے (۸) اچھی طبیعت والوں میں رہنا مشکل کام ہے۔ تو نازک دل ہے۔ پورا نہ اُتر سکیگا غنا اختیار نہ کر (۹) اپنے جمال کے لئے نظیری سے تعویذ حاصل کر سوائے اس کے دل کی حفاظت کے اور کسی طرف یہ آرزو نہ لے جا۔

افلاک فتنہ زادہ بدامانِ روزگار　　برکردہ سر بلاز گریبانِ روزگار

سیبِ ذقن مگوئے بگو گوئے آفتاب　　زلفش ربود از خمِ چوگانِ روزگار

گاہے کہ عقل بر سرِ جمیعت آمدہ　　عشقش بہم زدہ سر و سامانِ روزگار

دل چوں شناورے کہ عزیزش زلف رود　　خود را فگندہ بر سرِ طوفانِ روزگار

از سرنوشت ساقیِ دوران ما قضا　　بشکستہ خامہ در کفِ دیوانِ روزگار

ایزد چو کرد عاملِ چشمانش فتنہ را　　صد بار گفت جانِ تو و جانِ روزگار

نابود تا نگشتہ بسودائے زلفِ او　　خود را نکردہ جمع پریشانِ روزگار

شور ملاحتش شدہ داروئے زخمہا — دردِ محبتش شدہ درمانِ روزگار
افغاں کہ جائے بودن وجنبیدنم نماند — زخمم نشستہ برسر پیکانِ روزگار
از قہر جیب وسینۂ خود پارہ میکنم — دستم نمے رسد بگریبانِ روزگار
صبح اجل رسید و پر و بال میزنم — در حسرتِ فروغ شبستانِ روزگار
راہے بسوئے قبلہ حاجت نمے برم — سرگشتہ ام میان بیابانِ روزگار
جولانِ افتخار ازاں سو مگر کنم — زخمم گذشتہ از سرِ جولانِ روزگار
گوئی کہ کام کودکِ لپستانِ مادر ست — زخم نظیری وسر پیکان روزگار

غزل نمبر ۱۲۱۔ (۱) آسمانوں نے زمانے کے دامن میں فتنے پیدا کر رکھے ہیں۔ اور روزگار کے گریبان سے بلانے سر نکال رکھا ہے۔ مطلب۔ دنیا میں قدم قدم پر بلاؤں اور فتنوں کا سامنا ہے۔ (۲) اس کی ٹھوڑی کو سیب نہ کہو (بلکہ یہ کہو) کہ اس کی زلفوں نے آفتاب کی گیند زمانے کی چوگان کے خم سے اُڑالی ہے۔ (۳) جب عقل جمعیت پر آمادہ ہوتی ہے تو عشق زمانے کا سروسامان تہ و بالا کر دیتا ہے مطلب۔ عقل کا کام جمعیت ہے اور عشق کا پریشانی۔ (۴) دل نے اس تیراک کی طرح اپنے آپ کو زمانے کے طوفان میں ڈالا ہوا ہے جس کا اپنا عزیز غرق ہو گیا ہو۔ مطلب۔ دل مصائب زمانہ میں مبتلا ہے۔ (۵) ہمارے زمانے کے ساقی کی سرنوشت کی وجہ سے قضا نے زمانے کے دفتر کے ہاتھ میں قلم توڑ ڈالا ہے۔ مطلب " ساقی دورانِ ما" کی سرنوشت لاجواب ہے۔ (۶) خدا نے جب فتنے کو اس کی آنکھوں کا حاکم بنا دیا۔ تو سو دفعہ کہا۔ "تیری جان کی قسم"۔ زمانے کی جان کی قسم (۷) ناوقتیکہ زمانہ اس کی زلف کے سودا میں مبتلا ہو کر نابود نہ ہو گیا ہو۔ اپنے آپ کو مجتمع نہ کر سکا۔ مطلب۔ زمانے کی دلجمعی اُس کی زلف کے سودا ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ (۸) اس کی ملاحت کی نمکینی زخموں کے لئے مرہم بن گئی ہے گویا اس کی محبت درد کا علاج ہو گیا۔ مطلب۔ اس کا حسن لوگوں کے لئے زندگی اور دردِ محبت زمانے کے لئے علاج بن گیا۔ (۹) فریاد ہے! کہ رہنے اور ہلنے کی جگہ بھی نہ رہی۔ میرا زخم جہان کے پیکان سے بیٹھا ہے مطلب۔ پیکانِ زمانہ کے ہاتھوں وہ زخم لگا ہے کہ اس سے کسی کل چین نہیں۔ (۱۰) غصے سے اپنا گریبان اور سینہ پارہ پارہ کرتا ہوں۔ کیونکہ میرا ہاتھ زمانے کے گریبان تک نہیں پہنچتا۔ مطلب زمانے سے برسرِ پیکار ہونا مشکل ہے۔ اس لئے اپنا گریبان پارہ پارہ کرتا ہوں۔ (۱۱) اجل کی صبح آپہنچی۔ اور ابھی میں زمانے کی خوابگاہ کے فروغ کی حسرت میں پھڑک رہا ہوں۔ مطلب میری آرزوئیں حسرت بن چکی ہیں۔ میں امیدوں کو پورا ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر اجل نے آدبایا ہے۔ (۱۲) مجھے

حاجت کے قبلہ کی طرف کوئی راستہ نہیں ملتا۔ اور زمانے کے بیابان کے درمیان سرگشتہ ہوں۔ مطلب۔ حاجت براری کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ (۱۳) شاید میں اپنے اشعار کی جولانی اس طرف لے جاؤں۔ کیونکہ زمانے کے سر سے میرا زخم گذر چکا ہے۔ (۱۴) نظیری کا زخم اور زمانے کے تیر کا سوفار گویا بچے کا حلق اور ماں کا پستان ہے۔ مطلب۔ جس طرح بچہ ہر وقت پستانِ مادر منہ میں رکھنا چاہتا ہے۔ اسی طرح میں تیر زخم میں دیکھنا چاہتا ہوں +

مے است چارہ غم ہوشمند راچہ خبر
رموز بادۂ تلخست قند راچہ خبر

سماع دُرد کشاں صوفیاں چہ میدانند
زشیوہائے سمندر سپند را چہ خبر

بزیر شاخِ گل افعی گزیدہ بلبل را
نواگرانِ نخوردہ گزند را چہ خبر

زدامنِ کہ کشائیم ماتہی دستاں
تو میوۂ سرِ شاخِ بلند را چہ خبر

ہزار دامِ تصوّر نہیم و برداریم
تو مُرغِ وحشی فارغ زبند را چہ خبر

بخاص و عام نہد داغ بندگی عشقت
قبول دردِ تو مشکل پسند را چہ خبر

ہزار شیخ و برہمن زکیش ودیں برگشت
تصرفِ نظر ارجمند را چہ خبر

بے علاج نمایند پند ناشنواں
طبیب داروئے ناسودمند راچہ خبر

بہ بندِ عشق نظیری خجستگاں اُفتند
ستارۂ بد و بخت نژند راچہ خبر

غزل نمبر ۱۳ (۱) شراب غم کا علاج ہے۔ ہوشمند اس کے متعلق کیا جانے؟ یہ باریک بینی تلخ شراب کے ہاتھ ہے۔ قند کو کیا پتہ؟ (۲) تلچھٹ پینے والوں کا وجد صوفی کیا جان سکتے ہیں۔ (اسی طرح) سمندر کے شیوؤں کا ہرمل کو کیا علم ہو سکتا ہے۔ مطلب۔ رندانِ مست کی حالت سے صوفی باخبر نہیں ہو سکتے جس طرح دائمی آگ میں رہنے کی لذت سے جو سمندر کو آگاہی ہو سکتی ہے وہ گاہے گاہے آگ میں گر کر چیخنے والی ہرمل کو کیا علم ہو سکتا ہے۔ (۳) پھولوں کی شاخ کے نیچے بلبل کو اژدہا نے ڈس لیا۔ اُن نغمہ سراؤں کو جنہیں کسی نے نہیں کاٹا۔ اس کی کیا خبر ہے۔ مطلب: ع، جس پہ بیتی ہو وہ جانے۔ (۴) تو اُس دامن کا میوہ ہے۔ جسے ہم تہی دست پھیلائے ہوئے ہیں۔ بلند شاخ اس کے متعلق کیا جانتی ہے۔ (۵) ہم نے تصور کے ہزاروں جال لگائے۔ اور اُٹھائے ہیں۔ تو ایک وحشی پرندہ ہے۔ اور دام سے آزاد ہے۔ تجھے اِس کا کیا علم؟ مطلب۔ عشاق تصور میں معشوق کے وصال و فراق کی ہزاروں صورتیں پیدا کرتے ہیں۔ اور معشوق اُن سے باخبر ہی نہیں ہوتا۔ (۶) تیرا عشق خاص و عام کو غلامی کا داغ دیتا ہے۔ اور تیرے درد کی قبولیت کے متعلق مشکل پسند کیا جانتا ہے۔ مطلب۔ عوام الناس تیرے

عشق میں مبتلا ہیں۔ (۷) ہزار شیخ اور برہمن اپنے دین اور مذہب سے پھر گئے ہیں۔ اس کی مبارک نظر کے تصرفات کو اس کا علم ہی نہیں۔ مطلب۔ اس کی نظروں کے شہید ہو کر ہزاروں عشاق اپنے مذہب بدل بیٹھے مگر اسے اپنی کرشمہ سازیوں کا پتہ ہی نہیں ہے۔ (۸) یہ نصیحت نہ سننے والے (عشاق) شراب سے (اپنی بیماری کا) علاج کرتے ہیں۔ (اس کے متعلق) غیر مفید دوا رکھنے والے طبیب کو کیا خبر۔ مطلب شراب عشق کی لذتوں کا ظاہری ادویات رکھنے والے طبیب کو کیا علم ہے۔ (۹) اے نظیری! بڑے مبارک نصیب لوگ بھی عشق کی قید میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ برے ستارے اور الٹے ہوئے نصیب کو کیا خبر؟ مطلب۔ نصیب کے بد و نیک کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ کہ خوش قسمت لوگ بھی عشق کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں +

چشم زخم خلق را با حسن روز افزوں چکار — ہر کرا زلف و رخ اعجاز است با افسوں چکار
از عتاب و لطف بیبالند مشتاقین عشق — بلبلاں را با نوا کار است با مضموں چکار
در عجائب ہائے طور عشق حکمتہا کم ست — عقل را با مصلحت اندیشئ مجنوں چکار
کار ما با گردش طاس است و نقش کعبتین — با حساب انجم و کجبازئ گردوں چکار
دولت وارستگی ہر گہ نماید رو خوش است — عشق را با وقت خوب و ساعت میموں چکار
در بیابانے کہ خوباند رہزن رہبر است — راہروان عشق را با دجلہ ہائے خوں چکار
سادگیہائے نظیری دست صد تدبیر بست — عشق چوں دکاں فروچیند با افلاطوں چکار

غزل نمبر ۱۳۱۔ (۱) خلقت کی نظر بد کو روز افزوں حسن سے کیا واسطہ؟ جس کا چہرہ اور زلف معجزہ رکھتے ہیں۔ اسے جادو سے کیا کام۔ مطلب۔ معجزے کے آگے سحر کی پیش نہیں جا سکتی۔ اسی طرح حسن روز افزوں پر نظر بد اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ (۲) عشق کے مشتاق عتاب اور لطف سے پھولے نہیں سماتے۔ بلبلوں کو اپنے نغموں سے کام ہے مضمون سے کیا واسطہ؟ مطلب۔ عشاق کے لئے عتاب و لطف کچھ ہو۔ باعث شکر گزاری ہے۔ کہ ایک گونہ تعلق تو ہے۔ (۳) عشق کے عجب اطوار میں حکمتیں نہیں ہوتیں۔ اور عقل کو مجنوں کی دور بینی سے کیا واسطہ؟ مطلب عشق سے حکمت کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے (۴) ہمارا معاملہ طاس کی گردش اور کعبتیں کے نقش کے ساتھ وابستہ ہے۔ ستاروں کے حساب اور آسمان کی کج رفتاریوں سے کیا کام ہے؟ مطلب:۔ ہم اپنے معشوق کے خیال میں مشغول ہیں۔ شاید کہ نفس مراد کے موافق آ جائے ورنہ گردش آسمان و حساب نجوم سے کوئی کام نہیں۔ (۵) بیخودی کی دولت جب بھی نظر آ جائے غنیمت ہے۔

کیونکہ عشق کو اچھے وقت اور مبارک گھڑیوں سے کیا کام ؟ مطلب عشق قیود نیک و بد سے آزاد ہے (۶) جس بیابان میں مشغول ہے۔ وہاں رہزن بھی رہے ہوتے ہیں عشق کے رہگذروں کو خون کے دریائے دجلہ سے کیا کام ؟ (۷) نظیری کی شادمانیوں نے سوتا بیروں کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں عشق جب دکان آراستہ کردے تو پھر افلاطون سے کی کیا ضرورت ؟ مطلب۔ جب عشق کا دور دورہ ہو تو پھر افلاطون کا وجود بھی بیکار ہے۔ کیونکہ ع۔ ہر کجا عشق است مستولیِ طبیباں خستہ اند ٭

ہر روز ہست نالۂ مرغان دراز تر
گلزار بیوفاتر و گل بے نیاز تر

پیداست عشق مجلسیاں را مدار چیست
مے جانگداز و مطرب اناں جانگداز تر

دارند زیرکاں ہمہ زاری کہ در چمن
شد بے لقاتر آنکہ برآمد بنازتر

چندانکہ روز نرگس جادو بخواب رفت
شب شد سپہر شوخ تر و دیدہ باز تر

قانون شکست مطرب ما راؤ ہمچناں
ضربت زضربتِ دگرش دلنواز تر

کے دستِ ما بدامن آزاد میرسد
ہر روز ہست سرو رواں سرفراز تر

برصوت خود مناز نظیری کہ ہر کہ رفت
دستاں بذوق تر شد و بستان لیساز تر

غزل نمبر ۱۵ - (۱) پرندوں کے نغمے ہر روز طویل ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی گلشن بھی زیادہ بیوفا اور پھول زیادہ بے پرواہ بن گئے ہیں۔ (۲) شراب جانگداز ہے اور مطرب اس سے بڑھ کر جانکاہ۔ اس چیز سے مجلسیوں کے عشق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (۳) عقلمند اس لئے عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ کہ چمن میں جو زیادہ ناز دکھاتا ہے وہ بالکل اندک بقا ہوتا ہے مطلب۔ دنیا کی زندگی فانی ہے یہاں جو زیادہ ناز دکھانے پر آیا وہی رحلت کر گیا۔ (۴) جس قدر اس کی جادو بھری نرگس (آنکھ) کا دن محو خواب ہوتا گیا۔ آسمان رات بن کر ستاروں کی آنکھیں کھولتا گیا مطلب۔ جسقدر معشوق تغافل اختیار کرتے ہے۔ اسی قدر شوخی کا علمبردار ہے۔ (۵) ہمارے مطرب کا باجا ٹوٹ چکا ہے۔ لیکن اسی طرح چوٹ پر چوٹ پہلے سے زیادہ دلنواز پڑھ رہی ہے مطلب۔ ہمارا دل ٹوٹ چکا ہے۔ لیکن عشق کے چرکے بدستور لگ رہے ہیں۔ (۶) ہمارا ہاتھ آزاد کے دامن میں کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ سرو رواں ہر روز زیادہ بلند ہوتا جاتا ہے مطلب۔ آزادگان عشق کے دامن تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ان کا مرتبہ بہت بلند ہوتا جا رہا ہے۔ (۷) اے نظیری تو آواز پر ناز نہ کر۔ کیونکہ جو شخص مر گیا۔ داستان اس سے زیادہ باذوق ہو گئی۔ اور باغ زیادہ نغمہ گو ہوا مطلب۔ یہ ناز نہ کر کہ تو مر جائیگا۔ کوئی میرا ثانی نہ رہیگا۔ بلکہ دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک چلا جائے تو دوسرا اس سے بہتر آتا ہے ٭

یکبارہ در وفا برآور — ایں مہر قدیم را سر آور
یا محرمِ کعبۂ صفا کن — یا بر سر کوئے بُتگر آور
گر نقش بدیم خامہ سر کن — در سطر کجیم مسطر آور
پیراہنِ گل ہزار رنگ است — رنگیش ہم از وفا در آور
طوفان چہار موجہ داری — کشتئ ہزار لنگر آور
گر بدمستیم بادہ کم دہ — در مخموریم ساغر آور
در از شر و شور ما بہ تنگی — مجلس برچین و بستر آور
اے ہادیِ کعبۂ نظیری — مومن بُردیش کافر آور
امروز برنگ دیگرش بر — فرداش برنگِ دیگر آور

غزل نمبر ۱۶۱۔ (۱) ایک دفعہ وفا کے دروازے کھول۔ اس پرانی محبت کو چھوڑ دے۔ مطلب۔ محبت پارینہ میں وفا نہیں۔ اس کو چھوڑ اور وفا اختیار کر۔ (۲) یا تو اپنے صفائی القلب کا راز دار بنا لے۔ یا بر سر بازار بیت گر لے آ۔ مطلب۔ یا صفائی قلب پیدا کر کے خدائے تعالےٰ کی معرفت حاصل کرو۔ یا پھر مکمل بت پرستی اختیار کرو۔ دونوں کے درمیان رہنا کچھ نہیں۔ (۳) اگر ہم برے نقش ہیں۔ تو پھر قلم اٹھا کر دوبارہ رقم کرو۔ اور اگر ٹیڑھی سطر ہے۔ تو مسطر لاؤ (نئے سرے سے خط کھینچ کر لکھو) (۴) پھول کا لباس ہزار رنگ رکھتا ہے۔ اس میں ایک وفا کا رنگ بھی پیدا کرو۔ مطلب۔ حسن گوناگوں کے ساتھ اگر وفا کا اضافہ ہو تو خوبی بڑھ جائے۔ ع۔ ہیں جہاں اتنے وہاں ایک وفا اور سہی (۵) تو چاروں طرف سے طوفان میں گھرا ہے۔ اس لئے ہزار رنگ رکھنے والی کشتی لاؤ۔ مطلب۔ "طوفان چہار موجہ" اُس طوفان کو کہتے ہیں جو چاروں طرف سے ہوا کا زور ہمراہ لائے۔ اور کشتی میں پانی پھینکے۔ (۶) اگر ہم بدمست ہیں تو شراب نہ دے۔ اور اگر خمار زدہ ہیں تو شراب لے آ۔ مطلب۔ موقع کے مطابق مست بنا۔ اگر پہلے ہی بدمست میں تو قابل اغماض ہے۔ اور اگر مخمور ہے تو شراب پلانے کی ضرورت ہے (۷) اگر ہمارے شور و شر سے تنگ ہے تو مجلس اُلٹ دے۔ اور بستر لے آ! مطلب۔ ہمارے شور و شر کو ختم کرنے کے لئے مجلس درہم و برہم کر کے ہمیں وقف بستر کر دے یا موت دیدے (۸ و ۹) اے نظیری کے کعبے کے رہنما تو اسے مومن لے کر گیا ہے۔ تو کافر لے کر آ! آج کسی اور رنگ میں لے جا۔ اور کل کسی اور رنگ میں نکال۔ مطلب۔ نظیری کو ایمانِ مجاز سے نکال کر کفرِ حقیقت میں مبتلا کر۔

تعظیم پیامِ دل آگاہ نگہدار — پیغام دل خویش ز افواہ نگہدار

تادامن گل پردۂ گلزار دریدہ است | اے شاخ گیا رشتہ کوتاہ نگہدار
برمن کہ حریفان صبوحی بخروشند | تو قہقہۂ گل بسحرگاہ نگہدار
شد عشق کہ از منزل جاناں خبر آرد | اے عقل تو بنشیں و سرراہ نگہدار
مجلس بمراد است و محبت بتقاضا | از صدر کرانے برو درگاہ نگہدار
عاشق زکجا و سخن صبر وجدائی | یارب تو ازیں تہمت ناگاہ نگہدار
باخجلت جرم از درِ عجز و رہ زاری | چوں آمدہ ام خواہ بکش خواہ نگہدار
زندانِ وطن بہ کہ گلستان غریبی | از مصر بکنعاں برو در چاہ نگہدار
خواہی کہ بتو بیش شود شوق نظیری | از پیش خودش گاہ براں گاہ نگہدار

غزل نمبر ۱۷۔ (۱) آگاہ دل کے پیام کی تعظیم کا خیال رکھ۔ اور اپنے دلی پیغام کو افواہ سے بچانا مطلب۔ سینے سے آہ بھی نہ کھینچو۔ کیونکہ اس سے رازِ عشق اخفا ہوتا ہے۔ (۲) چونکہ پھول کے دامن نے گلزار کا پردہ چاک کر چھوڑا ہے۔ اس لئے اے گھاس کے تنکے تو اپنا چھوٹا سا دھاگا محفوظ رکھنا۔ مطلب۔ پھول گریبان چاک ہے۔ اور اس لئے سارا گلزار اسی حالت میں ہے اس لئے گھاس سے دھاگے کا کام لے کر دامن گلزار کی بخیہ زدی ہوگی۔ (۳) میرے سرہانے صبوحی پینے والے حریف شور مچارہے ہیں۔ اس لئے تو پھول کا خندہ بے محابا صبح کے وقت نگاہ میں رکھ۔ مطلب۔ تاکہ میں پھول کے چٹکنے سے بیدار ہو جاؤں۔ (۴) عشق جاتا رہا کہ معشوق کی خبر لے آتا۔ اے عقل تو یہاں بیٹھ جا۔ اور راستے کی حفاظت کر۔ مطلب۔ عشق تھا۔ جو کوئے معشوق سے باخبر رہتا تھا۔ عقل اس معاملے میں بے بس ہے۔ (۵) اگر مجلس تیری مراد میں ہے۔ اور محبت کا مقتضی ہے۔ تو مسند سے کنارہ کشی کرکے درگاہ سے وابستہ ہو جا۔ مطلب۔ عشق میں مرتبہ ظاہری بلندیوں سے کنارہ کشی کے بعد ملتا ہے۔ (۶) عاشق کہاں۔ اور صبر وجدائی کی باتیں کہاں؟ یارب! اس اچانک تہمت سے اس کو (عاشق کو) بچائے رکھیو۔ مطلب۔ عاشق صبر کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے یہ اس کے بمنزلہ تہمت ہے (۷) جبکہ میں اپنے جرم کی شرم سے عجز و زاری کے دروازے سے (تیرے پاس) آگیا ہوں۔ (اب تیری مرضی ہے) خواہ مجھے قتل کردے یا زندہ رکھے۔ مطلب۔ ہم اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہیں۔ اب رحمتِ خداوندی جو چاہے کردے۔ (۸) وطن کا قید خانہ مسافرت کے باغ سے بہتر ہے۔ اسلئے مجھے مصر سے کنعان میں لے جاکر کنوئیں میں قید کردے۔ مطلب۔ وطن کا عشق دامنگیر ہے۔ حقیقت ہے کہ وطن کا کانٹا مسافرت کے پھول سے بہتر ہے۔ (۹) اگر تو یہ چاہتا ہے کہ نظیری کا شوق بڑھ جائے تو اپنے سائے

سے کبھی اسے ہٹا دے اور کبھی بلا لے مطلب۔ ہجر و وصال دونو کا مزا چکھا۔ کیونکہ:۔

کس از معانقہ روزِ وصل یابد ذوق | کہ چند شب نہ بہم آغوش خود جدا خفت است

امروز کار و بار جہاں را خراب گیر | فردا کہ شنبہ است شگوں از شراب گیر
دریاب سرخوشان چمن را بہر صبوح | شبنم بروئے بستر نرگس بخواب گیر
از سروِ سر فراختہ صورت حزیں شنو | وز شاخ بر فروختہ مُرغ کباب گیر
جز مہرِ دلبری کہ قوامِ حیات از وست | تن را نمود دال در دال را سراب گیر
ہر وقت بد کہ روئے دہد آب سیل داں | ہر نقش خوش کہ جلوہ کند موج آب گیر
اشعار خوش بگو و جلی بر ورق نگار | الفاظ تر بیارد شکر در گلاب گیر
خواہی ز کشف خلوتیاں باخبر شوی | جام شراب درکش و طرفِ نقاب گیر
خواہ از طریق میکدہ خواہ از رہ حرم | از ہر جہت کہ شاد شوی فتح باب گیر
ہر ذرہ را بقدر طلب نور دادہ اند | در کارِ خویش شپرہ را آفتاب گیر
فردا اگر بدوست نظیری حساب نیست | امروز ہر سوال کہ داری جواب گیر

غزل نمبر ۱۸۔ آج جہان کا کاروبار خراب کر دے۔ کل ہفتہ ہے۔ شراب سے شگون حاصل کرنا۔ مطلب۔ آج جمعہ کا دن ہے۔ اس لئے شراب نہ ملیگی۔ اور جہان زیر و زبر رہیگا۔ کل شنبہ ہوگا شراب سے شگون نیک حاصل کرینگے۔ (۲) ہر صبح (شراب پینے کے لئے) چمن کے سرخوشوں سے پہلے وہاں پہنچ جا۔ جبکہ شبنم ابھی بستر پر پڑی ہو۔ اور نرگس نیند ہی میں ہو۔ مطلب۔ علی الصبح صبوحی کے لئے باغ میں جا۔ جب ابھی شبنم پر خورشید کی نظر نہ پڑی ہو۔ اور نرگس خوابیدہ ہو۔ (۳) سر بلند سرو سے غمناک آواز سُن۔ اور شاخ پر بھُنے ہوئے مرغوں کے کباب کھا۔ مطلب۔ نغمہ اور کباب لوازمات شراب ہیں (۴) دلبر کی محبت کے بغیر جسم کو نابود اور روح کو خراب سمجھ۔ کیونکہ اسی سے زندگی قائم ہے مطلب ع۔ یہ محبت ہے فقط لے دے کے ساری کائنات۔ (۵) اگر کوئی بُری ساعت آئے۔ تو اسے سیلاب سمجھ لو۔ اور اگر کوئی شادمانی کا نقش جلوہ دکھائے تو اسے دریا کی موج خیال کرو۔ مطلب سیلاب ٹھیرتا نہیں گذر جاتا ہے۔ موجِ آب کا بھی یہی ہے۔ مطلب یہی ہے کہ خوشی اور غم دونوں کو دوام نہیں۔ آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں۔ (۶) اچھے اشعار کہو۔ اور صفحے پر موٹے قلم سے لکھ دو۔ الفاظ تر حاصل کرو۔ اور گلاب میں شکر ملادو۔ مطلب۔ اشعار میں اچھے الفاظ استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسے گلاب میں قند ملانا۔ (۷) اگر تو خلوتیوں کے کشف سے باخبر ہونا چاہتا ہے۔ تو شراب کا جام پی لے۔

اور نقاب کا گوشہ الٹ دے ۔ مطلب ۔ شرابِ عشق میں بیخود ہو کر گوشۂ نقاب اُلٹ دے (۸) خواہ میکدے کے راستے سے ۔ اور خواہ حرم کی راہ سے ۔ جس طرف سے خوشی میسر آئے ۔ دروازے کھول لے مطلب ۔ شریعت و طریقت دونوں راستوں سے معرفتِ ایزدی سے شادکام ہو سکتے ہیں (۹) ہر ذرّے کو اسکی طلب کے مطابق نور دیا گیا ہے ۔ اپنے کام میں چمگادڑ کو آفتاب سمجھ لو مطلب ۔ طلب صادق ہے تو ناقصوں سے بھی فیضیاب ہو جاؤ گے ۔ (۱۰) اے نظیری کل پھر دوست سے حساب نہ ہو سکیگا ۔ آج جو سوال کرنا چاہتا ہے کر لے اور جواب پالے مطلب ۔ موقع غنیمت جان ۔ کیونکہ ع :۔ چہ دانی کہ فردا چہ حادث شود ؎

غم کرد فراق دید از دور — آویخت دگر بجان رنجور
از عشرتِ ناقصِ زمانہ — کوتاہ امل ترم ز مخمور
رخسارۂ خوشدلے نہ بینم — دل شد ز فراق چشم بے نور
تقصیر نشد بگریہ پنہاں — در آب نشد دفینہ مستور
زخم جگرم کہ مے زند جوش — کان نمکے کہ میکند شور
کوتہ نشود بخامشی حرف — مرہم چکند بزخم ناسور
آنجا کہ شرابِ شوق دادند — تہ جرعہ زمن گرفت منصور
بُوئے ز نشاط ماندارد — آب و گل صد ہزار فغفور
مشکل حالے و طرفہ کارے — خود شاہد و خود نشستہ مہجور
کارِ تو ہمہ بدل موافق — از نیکوئی تو چشم بد دُور
زود از تو شود غنی نظیری — درویش یکے و شہر معمور

غزل نمبر ۱۹ ۔ (۱) فراق میں غم بہت بڑھ گیا ۔ اور پھر اس بیمار کی جان سے اُلجھ گیا ۔ (۲) زمانے کی ناقص عشرت سے میں ایک خمار زدہ شخص سے بھی زیادہ ناامید ہوں ۔ مطلب ۔ زمانے کا عیش وقتی ہے اسلئے بیحد مایوس ہوں (۳) میں شادمانی کا چہرہ ہی نہیں دیکھ سکتا ۔ کیونکہ فراق میں آنکھیں بالکل بے نور ہو چکی ہیں مطلب ۔ فراق کے صدموں نے اس قابل نہیں چھوڑا ۔ کہ میں بھی شادمانی سے بہرہ ور ہوں (۴) گریے سے میرا قصور پوشیدہ نہ ہو سکا ۔ کیونکہ پانی میں خزانہ پنہاں نہ ہوا مطلب ۔ ادنیٰ سا قصور معاف نہ ہو سکا جس طرح پانی میں خزانہ چھپ نہیں سکتا ۔ (۵ و ۶) جگر کا زخم جو جوش مارتا ہے اور نمک کی کان جو شور پیدا کرتی ہے ۔ زبان کی خاموشی سے بھی بات ختم نہیں ہوتی جس طرح مرہم ناسور کے زخم پر کوئی فائدہ نہیں دیتی (۷) جہاں شوق کی شراب بٹ گئی تھی وہاں منصور نے میرے گھونٹ کی تلچھٹ پی تھی مطلب منصور میرے عشق کا ریزہ چیں ہے

(۸) ہزاروں فغفوروں کی فطرت ہماری نشاط کی بو بھی نہیں رکھتی مطلب۔ بادشاہ بھی ہماری طرح خوش نہیں (۹) وہ خود ہی معشوق ہے اور خود ہی اپنے فراق میں بیٹھا ہے۔ یہ ایک مشکل صورت اور عجیب کام آپڑا ہے مطلب "ہمہ اوست" کے مطابق، عارف و معروف ایک ہے۔ ع۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خودِ گِل کوزہ (۱۰) تیرا ہر کام دل کے موافق ہے۔ تیرا حسن نظر بد سے محفوظ رہے۔ (۱۱) نظیری بہت جلد تیری طفیل غنی ہو جائیگا۔ درویش ایک ہے شہر معمور ہے۔ مطلب۔ ایک درویش شہر کو آباد رکھتا ہے۔ بھلا پھر نظیری تجھ سے کس طرح فیضیاب نہ ہوگا۔

دو چار ہر کہ شوی جز سراغ یار مگیر
سپند بر سر آتش شود قرار مگیر

چو وعدہ در رسد او خود بیاد خواہد داد
بذوق خویش سر راہ انتظار مگیر

ز آب و دانہ ہمہ وحشیاں بر آمدہ اند
سر شکار نداری پے شکار مگیر

تو آں درخت نہ کز تو بر تواں خوردن
پے نظارہ خوشی گل فشاں و بار مگیر

حقوقِ صحبت او نکتہ الیست کم مشمار
وفائے دوست متاع خوشی ست خوار مگیر

چلالہ سوختہ دل یا چو سرو فارغ باش
ہزار رنگ مشو طور نو بہار مگیر

شراب غیر نظیری خمار مے آرد
قدح ز ساقیٔ بیگانہ زینہار مگیر

غزل نمبر ۲۰ - (۱) جس سے ملے۔ اُس سے یار کے سراغ کے سوا اور کچھ نہ پوچھ۔ ہر آگ پر ہرمل کی طرح بن جا۔ اور قرار نہ کر۔ مطلب۔ تلاش مطلوب میں بیقرار ہو کر نکل۔ (۲) جب وعدہ پورا ہونے پر آئیگا۔ وہ تجھے یاد کر لیگا۔ اس لئے اپنے ذوق میں انتظار کی راہ نہ دیکھ۔ مطلب۔ جونہی وقت آئیگا وہ تجھے خود بلائیگا۔ (۳) پانی اور دانہ تمام مویشیوں نے چھوڑ رکھا ہے۔ اس لئے اگر تو شکاری کا خیال نہیں رکھتا تو شکار کا تعاقب نہ کر۔ (۴) تو وہ درخت نہیں جس کا پھل کھایا جا سکے۔ اس لئے تو اچھے پھول برسا۔ اور پھل لانیکی کوشش نہ کر۔ مطلب۔ بے بر درخت جبھی اچھے ہیں۔ کہ خوش رنگ پھول پیدا کریں۔ (۵) اس کی صحبت کے حقوق میں نکتہ پنہاں ہے۔ اسے بے حقیقت نہ سمجھنا۔ اور دوست کی وفا خوشی کی متاع ہے۔ اسے ذلیل خیال نہ کرنا۔ (۶) یا لالہ کی طرح جلا دل بن۔ یا سرو کی مانند فارغ بیٹھ۔ ہزار رنگ نہ بن۔ اور نو بہار کا طریق اختیار نہ کر۔ مطلب۔ سرو کو آزاد کہتے ہیں۔ اور لالے کے دل میں داغ ہے۔ اس لئے شاعر کہتا ہے۔ کہ یا لالے کی طرح محبت کا داغ سینے پر پیدا کر۔ یا پھر محبت چھوڑ کر سرو کی مانند آزاد ہو جا۔ ایک طرف ہونا ہی بہتر ہے۔ (۷) اے نظیری غیر کی شراب خمار پیدا کرتی ہے۔ اس لئے بیگانوں کے ساقی سے کبھی پیالہ نہ لو۔ مطلب۔ اپنے مرشد کامل کے دست مبارک ہی سے شراب پیو کیونکہ اس کے بعد خمار نہیں۔ اور ساقی بیگانہ جو جام شراب عطا کرے گا۔ اس میں یہ خصوصیت نہیں +

ردیف الزاء

از طور صلح و عربده بیگانه ام هنوز | بر آتشے نتاختہ پروانه ام هنوز
صد نیش تلخ خوردم و صد نوش ناگوار | دُرد ہزار مست بہ پیمانه ام هنوز
فریاد مطرباں بسر خم فرو نشست | غوغائے عام بر سر دیوانه ام هنوز
بس قلبها بدل شد و بس کیشها دگر | روئے نیاز خلق بویرانه ام هنوز
تا هست پیر دیر رہ فیض بسته نیست | از کعبه مے برند بمے خانه ام هنوز
اختر دلیل و صدق سبیل و قضا وکیل | در بند فال سُبحۂ صد دانه ام هنوز
هر چند کو بکوے برندم بعاریت | آئین شهر و زینت کاشانه ام هنوز
تصنیف عشق و معنی و ترکیب دیگر است | من شرح نکتۂ ز صد افسانه ام هنوز
آشفتگی عقل بمستی برون برم | مردم گماں برند که فرزانه ام هنوز
بازم ببزم وصل نظیری چه مے بری | در انفعال گریہ مستانه ام هنوز
شوریده است آب و گل قالبم هنوز | دیوانه بیم مے برد از مشربم هنوز
گر چهره مے خراشم و گه جامه میدرم | سودا نرفته است برون از تبم هنوز
صد بار عید آمد و آدینه ها گذشت | شنبه برون نمے رود از مکتبم هنوز
صبح نشور دم زد و من دم نمے زنم | ترسم لبسر نیامده باشد شبم هنوز
هر صبح در سراغم و هر شام در رهم | اندیشه پے نبرده سوئے مطلبم هنوز
باهر چه احتمال قبولست میکنم | تعیین نکرده پیر مغاں منصبم هنوز
با آنکه دعوت دو جهاں میکنم چو نوح | ور خانه بے رواج بود ناد هسبم هنوز
صدره مسافر همه کس از سفر رسید | پیدا نمے شود اثر یاربم هنوز
عشقم بلهو و لعب نظیری ز سر رفت | افسانه خنده تلخ کند بر لبم هنوز
خمش ز لابه که طبعش مشوش است هنوز | شکر بخور مکن شعله سرکش است هنوز
تحملے که مزاجش باعتدال آید | میانِ عفو و غضب در کشاکش است هنوز
بر آشنائی طفلِ من اعتمادے نیست | فرشته خوست ولے آسماں وش است هنوز
شبے بمیکده اش برقع از جمال افتاد | قرابه آب فشاں جام در غش است هنوز
مگو جراحتے حرمان عشق بسیارست | که ایں شکسته خدنگے ز ترکش است هنوز
بیکدو زخم که خوردی ز حسن امن مباش | که در کمینگه ابرو کماں کش است هنوز
نجات نیست نظیری ز دهر بوقلموں | اگر چه ریخت گل ایواں منقش است هنوز

چرخ پرویز نیست آتش بیز
نہ ممرے ورد نہ جائے گریز

شفقش خونِ مردمِ دانا
افقش ساغرے زخون لبریز

ہرطرف مے برد ہراسانم
قہر مزنج با پلارک تیز

خبرم نیست تا کجا گشدم
نتواں کرد از قضا پرہیز

ذخسک خانہائے ہندم سوخت
یاد صفاں و مکّہ و تبریز

بسلامت کسے نبرد ایماں
زیں زمینِ سیاہ کافر خیز

از مداین شناس و آثارش
حُسن شیریں و عشرتِ پرویز

ظاہر از بیستوں ہنوز شود
شور فرہاد و شیہۂ شبدیز

از اقامت شدم گرانجان کو
طبل شبگیر و نالۂ شبخیز

بُرد قصب السبق ز من پیرے
دیر بر رخش میزنم مہمیز

کار در دست ما نظیری نیست
با قضا نیست ہم مجال گریز

ذوقِ وجدان و نظر خالص شدہ خامم ہنوز
صاف شد میہا و لے من دُردے اشامم ہنوز

گوش و لب پژمردۂ دیدار و قاصد در سفر
خانہ پُر شادی و در راہست پیغامم ہنوز

بر نے آید ہلال عیدم از بر امید
عمر رفت و ہمچو طفلاں بر در و بامم ہنوز

روز مولودم فلک محضر بفرزندی نوشت
بسکہ خوارم از پدر نشنیدہ کس نامم ہنوز

سیر ہفتاد و دو ملت کردہ ام در طور عشق
کس نمیداند چہ خواہد بود انجامم ہنوز

مکر ابلیس و فریب دانہ ام آمد بیاد
بارہا گشتم ز قید آزاد و در دامم ہنوز

از دروں دوزخ ز بیتابی بروں انداز دم
صدرہ از خامی بآتش رفتم و خامم ہنوز

گرچہ از صحبت ز بد مستی برونم کردہ اند
جرعۂ از رحم میریزند در جامم ہنوز

شکر ار کردم نظیری تلخ بر طبعش نیم
میکند گاہے لبے شیریں بدشنامم ہنوز

دلہا ہمہ بوئے گل آویخت ست باز
عیشے بطرف ہر چمن انگیخت است باز

شوقِ شراب و شاہدم افتاد در دماغ
سودا متاع بر سر ہم ریخت است باز

یادم ز خندۂ لب معشوق میدہد
گل بر جراحتم نمکے بیخت است باز

دریاب کیں عبیر چہ خوشبوئے کردہ اند
در باغ عطرہا بہم آمیخت است باز

از میکدہ بگشت چمن آمدہ نشاط
غم از چمن بمدرسہ بگریخت است باز

شیخانِ خرقہ پوش خرابند ازیں ہوا
در دست ابر سبحۂ بگسیخت است باز

دامانِ کوہ گیر نظیری کہ از کمر
فرد است تیغ قہر برانگیخت است باز